مصطفٰے رضا نوری بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ برائے ڈاکٹر آف فلاسفی

مقالہ نگار

محمد حسین عبدالرشید

نگراں

محترمہ ڈاکٹر شرف النہار

صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر رفیق ذکریا کالج فار ویمن

نوکھنڈا، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

شعبۂ اردو

ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی،

اورنگ آباد (مہاراشٹر)

۲۰۱۰ء

شکریہ

ہم محترم جناب عزت مآب!

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی مدظلہ العالی

کے نہایت مشکور وممنون ہیں کہ انھوں نے یہ کتاب انٹرنیٹ پر پبلش کرنے کے لئے نفس اسلام ٹیم کو عنایت فرمائی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ انکے اس تعاون پر اجرکثیر عطا فرمائے اورقبلہ ڈاکٹرصاحب کے فیوض وبرکات ودرجات میں مزید اضافہ فرمائے۔

آمین یارب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم

دعائے مغفرت کی طلبگار ☆ نفس اسلام ٹیم ☆

www.nafseislam.com

مفتیِ اعظم حیات وخدمات اور نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ

(مقالہ برائے پی ایچ ڈی)

مقالہ نگار

ڈاکٹر محمد حُسین مُشاہدؔ رضوی

(ایم۔اے، یوجی سی-نیٹ، پی۔ایچ۔ڈی)

ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونی ورسٹی، اورنگ آباد دکن (انڈیا)

2011ء

نامِ کتاب	:	(مفتیِ اعظم علامہ) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ
محقق	:	ڈاکٹر محمد حسین مُشاہدؔ رضوی
صنف	:	تحقیق
کمپوزنگ	:	مُشاہدؔ بہ دستِ خود
سرورق	:	شفیق رشید آرٹسٹ، مالیگاؤں
صفحات	:	604
سنِ اشاعت	:	2013ء
تعداد	:	
قیمت	:	
مطبع	:	آن لائن ایڈیشن
ناشر	:	آن لائن ایڈیشن

رابطہ

محمد حسین مُشاہدؔ رضوی ابن عبدالرشید

سروے نمبر 39 پلاٹ نمبر 14، نیا اسلام پورہ مالیگاؤں-423203

ضلع ناسک، مہاراشٹر، موبائل: 9420230235 / 9021761740

E-mail : mushahidrazvi79@gmail.com

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

اِنتِسَاب

اپنے والدین کے نام
کہ جن کی شفقتیں، محبتیں، نالۂ نیم شبی اور دعاے سحر گاہی
میرے اس علمی و تحقیقی کام کے دوران
شجرِ سایہ دار بنے
شمسی، قمری، انجمی اور موسمی تغیر و تبدّل کو اپنے بدن پر اوڑھے
ہر لمحہ سایہ گستر رہیں۔
اور
اپنی شریکِ حیات کے نام
کہ جس کی مخلصانہ محبت و رفاقت
ہر لمحہ میرے حوصلوں کو بلندی
اور
میرے عزائم کو پختگی عطا کرتی ہے۔

محمد حسین مُشاہدؔ رضوی

ڈاکٹر محمد حسین مُشاہدؔ رضوی......اک تعارف

نام: محمد حسین

قلمی نام: محمد حسین مُشاہدؔ رضوی

والد کا نام : عبدالرشید برکاتی

والدہ کا نام: خدیجہ بجن

گھر جنت: سُمیّہ ثمرین

دختران: مُصفّا میمونہ، عزّہ تسنیم

ولادت: محرم الحرام 1400ئ/ دسمبر 1979ء

مقامِ ولادت: مالیگاؤں، ضلع ناشک، مہاراشٹر

تعلیمی لیاقت: ایم۔اے، ڈی۔ایڈ، پی۔ایچ۔ڈی (اردو)، یوجی سی-نیٹ (اردو)،

دیگر تعلیمی لیاقت: 2 رسالہ خوش نویسی وخطاطی کورس، زیرِ اہتمام قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، دہلی

ڈی۔ٹی۔پی کورس

پی۔ایچ۔ڈی کا موضوع: مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ

یونی ورسٹی کا نام: ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونی ورسٹی، اورنگ آباد، مہاراشٹر، انڈیا

نگراں کا نام: محترمہ ڈاکٹر شرف النہار صاحبہ، صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر رفیق زکریا کالج فور ویمن، اورنگ آباد، مہاراشٹر

مشاغل: سیرت، قرآنیات، احادیث، شاعری، تنقید و تحقیق، ادب اور مذہبی ادب کا مطالعہ

ملازمت: ضلع پریشد اردو پرائمری اسکول، نیاے ڈونگری، تعلقہ ناندگاوں

ضلع ناشک (2002ء سے تاحال)

ادبی سرگرمیاں: ڈاکٹر محمد حسین مُشاہدؔ رضوی کو شعر و ادب میں اردو ادب سے عموماً اور مذہبی ادب سے خصوصاً دل چسپی اور شغف ہے۔ نثر و نظم دونوں اصنافِ ادب میں طبع آزمائی کرتے ہیں اردو کے اُبھرتے ہوئے عمدہ نعت گو شاعر، قلم کار اور نعتیہ ادب کے جواں سال محقق و ناقد میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کا طرزِ تحریر انتہائی دل نشین، شگفتہ اور سلیس ہے، مذہبی، اصلاحی، سماجی، تعلیمی اور ادبی موضوعات پر اب تک درجنوں تحقیقی و تنقیدی اور تجزیاتی مضامین و مقالات نہ صرف مقامی اخبارات بل کہ ملکی و بین الاقوامی اخبارات و رسائل اور جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہی نہیں بل کہ موصوف کے کئی اہم مضامین کے دوسری زبانوں میں تراجم بھی ہوئے ہیں۔ شاعری میں موصوف نے حمد و مناجات و دعا، نعت گوئی، سلام، اولیاے کرام کی شان میں مناقب نگاری اور مقتدر علماے کرام کے لیے نذرانۂ عقیدت کو اپنا مطمحِ نظر بنایا۔

انعامات و اعزازات: (1) بارہویں جماعت میں اردو مضمون میں ٹاپ (1997)

ایوارڈ من جانب مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی، ممبئی

(2) مقابلۂ خوش نویسی میں دوم انعام (1998)

منعقدہ من جانب ادارۂ فیض القلم، مالیگاؤں

(3) تقریری مقابلے میں اول انعام (1998)

منعقدہ من جانب اے ٹی ٹی ہائی اسکول کلچرل کمیٹی، مالیگاؤں

(4) بیسٹ کیلی گرافر ان اردو (1999)

من جانب الانصار ایجوکیشنل سوسائٹی، ہزار کھولی، مالیگاؤں

(5) بی۔اے میں اردو مضمون میں ٹاپ (2002)

ایوارڈ من جانب مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی، ممبئی

(6) ایم۔اے میں اردو مضمون میں ٹاپ (2004)

ایوارڈ من جانب مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی، ممبئی

(7) ایوارڈ من جانب کل ہند تنظیمِ اردو اساتذہ ناشک ڈویژن،

برائے ادبی وتدریسی خدمات (2009) بہ دست محترم اطہر پرویز صاحب

(8) حجۃ الاسلام ایوارڈ برائے پی۔ایچ۔ڈی (2011)

من جانب تنظیم نوجوانانِ اہل سنت، اورنگ آباد

(9) بیسٹ اکیڈمک اچیومنٹ برائے پی ایچ ڈی (2011)

بہ دست محترم ڈاکٹر اے۔جی خان صاحب

(بی سی یو ڈی، مراٹھواڑہ یونی ورسٹی اورنگ آباد)

(10) فخرِ سنیت ایوارڈ برائے پی ایچ ڈی (2011) من جانب رقیہ جمن

ایجوکیشنل سوسائٹی، مالیگاؤں بہ دست حضرت مفتی مجیب اشرف صاحب قبلہ

(11) وقارِ قلم ایوارڈ برائے پی ایچ ڈی (2011)

من جانب ترقی اردو ہند، شاخ مالیگاؤں و

اردو لائبریری ٹرسٹ، مالیگاؤں

(12) فیضانِ رشید ایوارڈ برائے پی ایچ ڈی، (2011)

من جانب نوجوانانِ بزمِ حق، نیاے ڈونگری

(13) اعزاز من جانب مہاراشٹر راجیہ پرا□مک شکشک سنگھ شاخ ناندگاؤں

برائے پی ایچ ڈی، (2011) بہ دست مسٹر پنکج بھجبل ایم ایل

اے، ناندگاؤں

(14) توصیفی سند، سپاس نامہ و اعزاز برائے پی ایچ ڈی، (2011)

من جانب جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئی

مطبوعات: (1) چہل حدیث مع گلدستۂ احادیث 2004ء

(2) اردو کی دل چسپ اور غیر معروف صنعتیں 2005ء

(3) لمعاتِ بخشش (نعتیہ دیوان) 2009ء

(4) تذکرۂ مجیب 2010ئ

(5) عملی قواعدِ اردو 2010ء

(6) فخرِ رضا کے ادبی جواہر پارے 2011ء

(7) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی 2011ء

(8) جنگِ آزادی 1857ء کا فتوائے جہاد اور علامہ فضل حق کا قائدانہ کردار 2011ء

(9) تشطیراتِ بخشش (شعری مجموعہ) 2011ء

(10) شادی کا اسلامی تصور 2011ء

(11) پھنس گیا کنجوس (ادبِ اطفال، مراٹھی کہانیوں کا ترجمہ) 2011ء

(12) اقلیمِ نعت کا معتبر سفیر...... نظمی مارہروی 2011ء

(13) عملی قواعدِ اردو 2011ء

(14) گلشنِ اقوال 2011ء

(15) رہنماے نظامت 2011ء

(16) خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ 2011ء

(17) جگا ڈاکو اور جادوئی غار (کہانیاں) 2012ء

(18) سلطان ٹیپو 2012ء

(19) میلاد النبی ﷺ اور علماے عرب 2012ء

(20) حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا 2012ء

(21) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا 2012ء

(22) حضرت حفصہ بنت عمر و حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا 2012ء

(23)حضرت ام سلمہ و حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما 2012ء

(24)گل دستے (نظمیں برائے اطفال) (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(25)درود و سلام رضا مع فرہنگ (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(26)نعت کی خوشبو گھر گھر پھیلے (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(27)نعت میں حزم و احتیاط اور موضوع روایتیں (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(28)عید الفطر اجتماعیت اور اخوت کے عملی اظہار کا دن (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(29)ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کی "اردو میں حمد و مناجات" پر چند معروضات (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(30)بدر القادری مصباحی-فکرِ اقبال کے حسین و جمیل مظہر۔ (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(31)مقیم اثر بیاولی- نوتراشیدہ ترکیبوں کا مجتہد شاعر و نثار (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(32)علامہ حسن رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(33)محدث اعظم ...... شخصیت اور شاعری (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(34)بلبل بستانِ مدینہ ...... علامہ اختر رضا ازہری بریلوی (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(35)مولانا سعید اعجاز کامٹوی کی سعادت افروز نعتیہ و سلامیہ شاعری (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(36)مشکوٰۃ بخشش (انٹرنیٹ ایڈیشن)

(37)آسان حدیثیں اور دعائیں 2013ء

(38)مفتیِ اعظم حیات و خدمات اور نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ (انٹرنیٹ ایڈیشن)

رابطہ

سروے نمبر ۳۹، پلاٹ نمبر ۱۴، نیا اسلام پورہ، مالیگاؤں 423203

(ضلع ناسک) مہاراشٹر، انڈیا۔

سائٹس

www.mushahidrazvi.blogspot.in
www.mushahidrazvi.wordpress.com
www.scribd.com/mushahidrazvi/
www.facebook.com/mushahidrazvi1/
www.twitter.com/mushahidrazvi/
mushahidrazvi79@gmail.com

حرفِ چند

زکوٰۃِ حُسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

(غالبؔ)

بفضلِ خدا و رسول (جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم) دسمبر ۲۰۰۳ء کی بات ہے جب میری تعلیمی ترقی میں ایک نیا موڑ آیا۔ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن (UGC) کے زیرِ اہتمام منعقدہ ملک گیر سطح کے مقابلہ جاتی امتحان نیشنل ایجوکیشنل ٹیلنٹ (NET) میں مجھے تمغۂ کام یابی و کامرانی حاصل ہوا۔ بعدہٗ ۲۰۰۴ء میں پونہ یونی ورسٹی سے ایم۔ اے۔ (اردو) کی تکمیل ہوئی۔ تو میرے ذہن و قلب میں یہ خواہش انگڑائیاں لینے لگی کہ اب مجھے کوئی تحقیقی کام کرنا چاہیے۔ چناں چہ میں نے اپنی پسندیدہ شخصیت "امام احمد رضا بریلوی" کے روشن و درخشاں افکار و نظریات کو پیشِ نظر رکھ کر کسی موضوع کے تعین کی طرف پیش قدمی کی۔ اسی دوران مجھے حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد امین میاں صاحب قبلہ مارہروی (پروفیسر شعبۂ اردو مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) سے شہر جلگاؤں میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اثنائے گفتگو راقم نے آپ کی خدمتِ والا بابرکت میں پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کرنے اور موضوع سے متعلق مودّبانہ معروضہ پیش کیا؛ تو آپ نے "حضور مفتیِ اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی حیات و خدمات اور نعتیہ شاعری" کے حوالے سے

تحقیقی کام کرنے کا مفید ترین مشورہ عنایت فرمایا، ساتھ ہی خصوصی دعاؤں سے بھی نوازا۔ میں جلگاؤں سے اس یقین واعتماد کے ساتھ وطنِ مالوف مالیگاؤں لوٹا کہ اب میرا تحقیقی کام ان شاء اللہ شروع ہوکر کامیابی کی منزل سے ضرور ہم کنار ہوگا، کیوں کہ ایک "نجیب الطرفین سید زادے" کی دعائیں اور شفقتیں میرے سر پر سایہ فگن ہیں۔

اسی دوران ملک العلما (خلیفۂ امام احمد رضا) کے اکلوتے فرزندِ ارجمند تنویرِ عرب، توقیرِ عجم حضرت پروفیسر ڈاکٹر سید مختارالدین احمد آرزوؔ علیہ الرحمۃ (سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) (م ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء) کا تحریر فرمودہ محبت نامہ راقم کے گھر تشریف فرما ہوا، جس میں حضرتِ اقدس نے یوں مشفقانہ کرم نوازی فرمائی کہ:

"یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ اور آپ کے رفقا دینی وعلمی کاموں میں مصروف ہیں، یہ علم ہی کی خدمت ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اچھا کتب خانہ ہو۔ مسرت ہوئی کہ آپ اس طرف متوجہ ہیں، اچھے کتب خانے کے بغیر اچھی اور معیاری کتابیں نہیں لکھی جاسکتیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کچھ نہ کچھ لکھتے رہیں۔ مطالعہ اور موضوع وسیع رکھیں۔

مجھے آپ کی آیندہ ترقیوں کے بارے میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ ریسرچ کرکے ڈاکٹریٹ کرلیں۔"

(مکتوب ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزوؔ بنام راقم محررہ ۴؍جنوری ۲۰۰۵ء، از: علی گڑھ)

حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد امین میاں صاحب مارہروی اور حضرت پروفیسر ڈاکٹر سید مختارالدین احمد آرزوؔ جیسی عظیم نابغۂ روزگار اور یادگارِ سلف روحانی وعلمی مقدس ہستیوں کے مفید و نیک مشوروں اور حوصلہ افزائیوں کے زیرِ سایہ راقم نے ڈاکٹر عبداللطیف سبحانی صاحب (شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج، اورنگ آباد) کی نگرانی میں "ہندوستان میں اردو کی نعتیہ شاعری اور مصطفی رضا نوریؔ بریلوی کا حصہ" عنوان کے تحت "ناگ پور یونی ورسٹی" میں رجسٹریشن کے لیے درخواست دی، لیکن بعض ناگزیر وجوہات کے سبب رجسٹریشن نہ ہوسکا۔ مگر حوصلہ بلند تھا، یقین پختہ تھا۔ موصوف ہی کی نگرانی میں دوبارہ "ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونی ورسٹی، اورنگ آباد" میں متذکرۂ بالا موضوع کے تحت میں نے رجسٹریشن کی

درخواست دی، مگر اس مرتبہ بھی وائے محرومیِ قسمت کہ رجسٹریشن نہ ہوسکا۔ اس دوران جو خاکہ مرتب کیا گیا تھا اُسے اصلاح ونظرِ ثانی کے لیے ناچیز نے حضرت پروفیسر ڈاکٹر سید مختارالدین احمد آرزوؔ علیہ الرحمہ کو ارسال کیا تھا۔ حضرتِ اقدس نے اُسے ملاحظہ فرماکر ایک مکتوبِ گرامی کے ذریعہ دوبارہ رہنمائی فرمائی کہ :

"مقالے کا خاکہ دیکھا، مناسب ہے۔ آپ محنت کرکے نگراں کے مشوروں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مقالہ کا پہلا ڈرافٹ تیار کرلیجیے، بعد میں حک و اصلاح، ترمیم و اضافہ کرتے رہیے گا، موضوع پر مواد کی کمی نہیں، بریلی، بمبئی، لاہور، کراچی کے علما و محققین سے رابطہ رکھیے اور کتب و رسائل جو آپ کے لیے ضروری ہوں منگواتے رہیے۔"

(مکتوب ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزوؔ بنام راقم محررہ ۲۳؍اگست ۲۰۰۵ء، از: علی گڑھ)

ڈاکٹر آرزوؔ علیہ الرحمہ کے مشوروں سے مختلف محققین سے رابطہ استوار کرنے کی راقم نے کوشش کی اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب (بریلی شریف) نے مواد کی فراہمی میں انتہائی فراخ دلانہ ومخلصانہ تعاون فرمایا۔ لیکن رجسٹریشن نہ ہونے کے سبب میں دل برداشتہ ہوگیا، لیکن جب اِن حوصلہ شکن واقعات سے میں نے جواں سال، باعزم وپُرہمت، صاحبِ علم وفضل محقق ومصنف حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب (ممبئی) کو آگاہ کیا تو انھوں نے میری بے حد حوصلہ افزائی فرمائی برابر ٹیلی فونک رابطہ قائم رکھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ تحقیق کے راستے میں آرام کم اور تکالیف زیادہ ہیں، اپنوں کی بے اعتنائیاں اور غیروں کی رکاوٹیں جھیلنے کا مادّہ پیدا کیجیے اور صبر وضبط سے کام لیتے رہیے۔ اللہ رب العزت جل وعلا بڑا کارساز ہے۔ اور جب آپ کے مقدر میں ہوگا تب ہی یہ کام شروع ہوکر پایۂ تکمیل تک پہنچے گا کیوں کہ ؎

اے رضاؔ ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

اسی اثنا میں ماہرِ رضویات علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی مجددی (کراچی) نے اپنے ایک شفقت نامہ کے ذریعہ ہمت بڑھائی اور دعاؤں سے نوازا۔ جب آپ ہندوستان تشریف لائے تو فون پر گفتگو بھی فرمائی اور میرے ارادوں پر مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے

ہوئے حوصلہ افزا ملفوظاتِ حسنہ سے سرفراز کیا۔

انھیں بزرگوں کی پیہم پذیرائیوں اور حوصلہ افزائیوں سے چند سال بعد ڈاکٹر عبداللطیف سبحانی صاحب ہی کے توسط سے ناچیز محترمہ ڈاکٹر شرف النہار صاحبہ (صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر رفیق زکریا کالج فور ویمن، اورنگ آباد) کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا مقصد و مدعا بیان کیا، آپ نے شفقت فرماتے ہوئے میرے مقالے کی نگرانی کی ذمہ داری کو قبول فرمالیا، چناں چہ آپ کی نگرانی میں نئے سرے سے موضوع میں معمولی ترمیم و تغیر کے بعد اجمالی خاکہ تیار کر کے ''مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ'' عنوان متعین کرتے ہوئے ۲۰۰۸ء میں ''ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونی ورسٹی، اورنگ آباد'' میں رجسٹریشن کے لیے درخواست پیش کی گئی؛ مقامِ شکر و احسان کہ گائیڈ کی کوششوں سے ریسرچ کمیٹی کے مہربان اراکین نے اس موضوع کو تحقیق کے لیے منظور فرمالیا۔ رجسٹریشن ہوجانے کے بعد کام برق رفتاری سے شروع کردیا گیا۔ اس دوران کیا کیا دشواریاں درپیش ہوئیں اس کا بیان کرنا غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہاں! اتنا ضرور عرض کروں گا کہ پھول کے ساتھ کانٹے بھی ملے، غیروں کا تو شکوہ کیا بعض اپنوں نے حوصلہ شکنی کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگر نعتِ مصطفیٰ (ﷺ) کے حوالے سے آپ (ﷺ) کے ایک عاشقِ صادق، قطبِ دوراں علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی حیات و خدمات اور نعتیہ شاعری پر تحقیقی کام ہو رہا تھا، غیب سے مشکلات حل ہوتی گئیں اور کام آگے بڑھتا رہا۔ یہ بھی میری قسمت کی معراج ہی ہے کہ ''دیر آید درست آید'' کے مصداق اللہ رب العزت جل و علا نے میرے اس تحقیقی مقالے کی نگرانی کے لیے جس رہ نما کو منتخب فرمایا وہ ساداتِ کرام سے تعلق رکھتی ہیں، اُن کے اہلِ خانہ کا خاندانِ برکات (مارہرہ مطہرہ) کے ساداتِ کرام سے دیرینہ روابط ہیں۔ لہٰذا محترمہ ڈاکٹر شرف النہار صاحبہ کی برکتوں اور شفقتوں سے بھی میری پریشانیاں اور کلفتیں کافور ہوتی گئیں اور بزرگوں کی نظرِ التفات اور دعاے خیر کے زیرِ سایہ بالآخر یہ تحقیقی کام پایۂ تکمیل تک پہونچ ہی گیا۔

راقم کا تحقیقی مقالہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے؛ باب اول میں نعت کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ہر وہ ادب پارہ جو قاری یا سامع کو حضور ﷺ کی طرف متوجہ کرے وہ نعت ہے چاہے وہ نظمی ہو یا نثری۔

باب دوم میں نعت گوئی کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے مختلف قدما اور علماے ادب کے اقوال پیش کیے گئے ہیں۔ اس میں ضمنی عنوانات حزم و احتیاط موضوع اور من گھڑت روایتیں، الفاظ کے انتخاب میں احتیاط، نعت ہیئت - اصنافِ سخن، ضمائر کا استعمال کے تحت نعت، آدابِ نعت اور لوازماتِ نعت پر تحقیقی بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ نعت اصنافِ ادب میں سب سے محترم صنف ہے۔

باب سوم میں نعت گوئی کی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے اور تحقیق کی روشنی میں اس امر کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کسی نہ کسی طور نبیِ آخرالزماں ﷺ کا ذکرِ جمیل ہوتا رہا ہے۔ ولادت و بعثت کے بعد نعت گوئی کو عروج حاصل ہوا۔ اس باب میں اوّلین نعت گو شعرا کی تحقیق کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جنابِ ابو طالب کو اوّلین نعت گو شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

راقم نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ نعتیہ ادب کا طالبِ علم جب اس مقالے کو دیکھے تو اسے وافر مقدار میں تحقیقی مواد ایک ہی جگہ مل جائے اس لحاظ سے عربی، فارسی اور اردو کی نعتیہ شاعری کے علاوہ نعتیہ ادب کے فروغ و ارتقا میں دوسری زبانوں کی حصہ داری اور شراکت پر روشنی ڈالتے ہوئے انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، بہاری، کردی، مارواڑی، میواتی، سرائیکی، کشمیری، ہندکو، ہاوسا، سندھی، بنگالی، پشتو، پنجابی، دوآبے، ہریانوی، سنسکرت، گجراتی، ہندی، مراٹھی وغیرہ زبانوں میں تحریر کی گئی نعتوں کا ایک حسین انتخاب بھی اس مقالہ میں جمع کردیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات بھی مسلم ہے کہ تحقیق ایک مسلسل جاری رہنے والا عمل ہے اس لیے اس مقالہ کو حرفِ آخر نہ سمجھا جائے۔

باب چہارم میں ''ہندوستان میں اردو کی نعتیہ شاعری ۱۴۱۲ء سے حضرت نوریؔ بریلوی تک'' عنوان کے تحت ہندوستان میں اردو کے ارتقائی عمل کو بیان کرتے ہوئے اس امر کی تحقیق کی گئی ہے کہ اردو زبان کے آغاز کے ساتھ ہی اردو میں نعت گوئی کا آغاز ہوا۔ ہندوستان میں اردو کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے اس باب میں اردو کے ارتقائی سفر کی طرح اردو نعت کے لسانی و ارتقائی مراحل، زبان کی شائستگی اور پختگی کو سمجھنے کے لیے فنِ اردو نعت گوئی کو تین ادوار میں منقسم کیا گیا ہے۔

(1) پہلا دور (815ھ/1412ء سے 1154ھ/1750ء تک)

(2) دوسرا دور (1154ھ/1750ء سے 1308ھ/1890ء تک)

(3) تیسرا دور (1308ھ/1890ء سے حضرت نوریؔ بریلوی کے عہد تک)

تینوں ادوار پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان شعرائے کرام کے کلام کا یہ فکری کارواں پورے شعور وآگہی سے آگے بڑھتے ہوئے عصرِ حاضر کے شعرا کو ماضی کی جملہ امانتیں سونپ دیں۔ یہ انھیں حضرات کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ عصرِ حاضر کے ادبی منظر نامہ پر اردو نعت گوئی بے پناہ مقبول ہے اور آج نعتیہ شاعری میں نئے لہجے اور نئے رنگ و آہنگ کے ساتھ جدید علامتوں اور اشاروں کو بڑی فن کاری سے استعمال کیا جارہا ہے۔ حتیٰ کہ اردو نعت گوئی کا یہ نہ رُکنے والا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ یہاں تک کہ بعض ناقدین اکیسویں صدی کو نعت گوئی کی صدی خیال کرتے ہیں۔

باب پنجم میں پانچ ضمنی عنوانات؛ (۱) حیات نوریؔ بریلوی (۲) علمی خدمات (۳) ادبی خدمات (۴) سیاسی خدمات (۵) تدریسی خدمات کے تحت نوریؔ بریلوی کی حیات و خدمات پر باتفصیل تحقیقی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مقالے کا اصل موضوع مفتیِ اعظم حضرت نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری ہونے کے سبب آپ کی حیات وخدمات کے بعض اہم گوشوں کو اجاگر نہ کیا جاسکا۔ بہ ہر کیف! یہ اہلِ نظر کو دعوتِ تحقیق دیتے ہیں کہ وہ ان پر مستقبل میں کام کریں۔

باب ششم میں کلامِ نوریؔ بریلوی کا باتفصیل تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے آپ کے کلام کے مختلف شعری وفنی محاسن کو تحقیق کی روشنی میں اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس باب میں آپ کے دور میں نعت گوئی کے معیار اور اُس کی عام روش، آپ کی نعت گوئی کے آغاز، تخلیقی رویے، تصورِ عشق وفن، عقیدۂ توحید، خصائصِ رسالت، ترکیب سازی، شاعرانہ پیکر تراشی، لسانی وعروضی چاشنی، محاورات کا ستعمال، مشکل زمینوں اور موضوعات، خیال آفرینی، پیرایۂ زبان و بیان، صنائع وبدائع، تغزل کا رنگ وآہنگ، عربی، فارسی اور اردو کے ساتھ ہندی اور پورَبی زبان کی آمیزش اور رچاؤ نیز قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر جیسے علوم وفنون کی رنگارنگی وغیرہ شعری وفنی محاسن کو نمایاں کیا گیا ہے۔

باب ہفتم میں حضرت نوریؔ بریلوی کے شعری وفنی محاسن، آپ کے نعتیہ رُجحانات، خیالات اور افکار پر اہلِ علم ودانش نیز شاعروں، ادیبوں اور محققین وناقدین نے اپنے جن گراں قدر تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے نوریؔ بریلوی کی شاعرانہ عظمت ورفعت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ان میں سے چند تاثرات یک جا کیے گئے ہیں۔ اسی طرح باب ہفتم میں ضمنی باب ''نوریؔ بریلوی کی طرز کا اتباع'' کے تحت یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ آپ کے اسلوب اور طرزِ نگارش کو اختیار کرتے ہوئے آپ کے معاصرین اور متاخرین شعرا نے نعتیہ کلام قلم بند کیا ہے۔ مثال کے طور پر چند شعرا کی نعتیں اس باب میں جمع کی گئی ہیں۔

باب ہشتم میں ماحصل کے طور پر ماقبل ابواب کی روشنی میں نوریؔ بریلوی کے اسلوبِ نگارش، کلام کی خوبیوں، آپ کے نعتیہ رجحانات، خیالات اور افکار کی عالم گیر شہرت ومقبولیت کو واضح کرتے ہوئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی نعتوں میں تصوف ومعرفت کی جو روح پنہاں ہے وہ ہماری قومی وملی، تہذیبی وتمدنی اور علمی وادبی ورثہ ہیں۔ جذبہ وفن کی وسعت، خیالات و محسوسات کی بلندی، مضامین وموضوعات کے تنوع اور مختلف علمی وادبی اور شعری محاسن کے اعتبار سے اردو نعت گوئی کی تاریخ میں نوریؔ بریلوی کا مقام ومرتبہ بہت بلند وبالا اور ارفع واعلا ہے۔ آج عالمِ اسلام میں نوریؔ بریلوی کے ذہن وفکر سے نکلے ہوئے نعتیہ سرمدی نغمات کی دھوم مچی ہوئی ہیں اور آپ کے کلام بلاغت نظام قلبِ مُسلم پر نگراں ہیں اور فردوسِ گوش بنے ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں ضمیمہ کے تحت عصرِ حاضر میں اردو نعت گوئی کے اجمالی منظر نامہ کو بیان کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ عصرِ رواں میں نعت گوئی میں نت نئے تجربات ہورہے ہیں۔ شعرائے کرام نوتراشیدہ اور خودوضع کردہ لفظی تراکیب، مترنم بحروں اور نئی ہیئت وسانچوں کو اندازِ نو سے برت رہے ہیں۔ ذات وکائنات کے مسائل، انسانی دکھوں، تکالیف، مصائب، آلام اور پریشانیوں کے مداوا کی بات رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے نعتوں میں کی جارہی ہے۔ نئے لہجے اور نئے رنگ وآہنگ کے ساتھ جدید علامتوں اور اشاروں کو بڑی چابک دستی سے برتا جارہا ہے۔

اس مقام پر پہونچ کر مقالہ کی تیاری، مواد کی فراہمی اور قلمی وزبانی معاونت کرنے والوں نیز دعاے خیر سے نوازنے والوں کی خدمت میں ہدیۂ سپاس پیش کرنا راقم اپنا اہم ترین

فریضہ تصور کرتا ہے۔ چناں چہ اس ضمن میں سب سے پہلے ....

سجدۂ شکر و احسان!

اُس خالقِ کائنات عز و جل کے لیے.........

جس نے لفظِ کُن سے لوحِ انسانی کو شکر و احسان کے پُرنور نشانات عطا کیے اور راقم کو اشرف المخلوقات بناتے ہوئے اُمتِ محمدیہ (ﷺ) میں پیدا فرما کر مجھے قرطاس و قلم اور تحقیق و جستجو کا حوصلہ بخشا اور اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت گوئی کے حوالے سے اپنے ایک نیک بندے کی نعتیہ شاعری پر تحقیقی کام کرنے کی قوت عطا فرمائی۔

لاکھوں سلام عقیدت و محبت!

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر..........

کہ جو باعثِ تخلیقِ کائنات بھی ہیں اور محبوبِ کردگار بھی...... کہ جن کی مدح خوانی و ثنا خوانی قلب و جگر کے لیے نور اور روح و نظر کے لیے سرور ہے۔ یہ آپ (ﷺ) ہی کی رحمتِ بے پایاں کا صدقہ و وسیلہ ہے کہ راقم آپ کے عاشقِ صادق مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے اس علمی کام کی تکمیل کے قابل بن سکا۔

ارمغانِ تشکر و امتنان!

میری مشفقہ معلمہ محترمہ ڈاکٹر شرف النہار صاحبہ (صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر رفیق زکریا کالج فور ویمن، اورنگ آباد) کے لیے.........

جنھوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود میرے اس مقالے کو از اوّل تا آخر حرف بہ حرف ملاحظہ فرما کر زیورِ اصلاح سے مزین و آراستہ کیا، اور میری اس تحقیقی کاوش کو اس لائق بنا دیا کہ اہلِ علم یقیناً اسے بہ نظرِ استحسان دیکھیں گے۔ آپ کیسی شفیق، خلیق، منکسر المزاج، مہربان اور سراپا خلوص و محبت ہیں اسے لفظوں کا جامہ پہنا کر بیان کرنا ممکن نہیں۔ میں جب جب اورنگ آباد حاضر ہوتا، آپ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتیں، میرے مقالے پر اصلاح فرماتیں، زبان و بیان اور اسلوب کی نوک پلک درست کرتیں، مفید مشوروں سے نوازتیں اور ساتھ ہی ساتھ خاطر تواضع بھی فرماتیں۔ یہ انھیں کی مربیانہ، مشفقانہ اور مخلصانہ بے غرض رہ نمائی کا حسین و جمیل ثمرہ ہے کہ میرا مقالہ پایۂ تکمیل تک کامیابی و کامرانی سے پہنچ گیا۔ آپ کا میرے ساتھ تعاون و ہمدردی ”نہ ستائش کی تمنا، نہ صلہ کی پروا“ سے عبارت رہا، بل کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے نعتیہ شاعری پر

ہو رہے اس تحقیقی کام کی مکمل رہ نمائی ایک عبادت سمجھ کر فرمائی۔ خداوندِ قدوس سے دعا ہے کہ انھیں آلامِ روزگار سے ہر لمحہ محفوظ و مامون رکھے۔ (آمین)

ہدیۂ سپاس و محبت!

ان حضرات کے لیے.........

جنھوں نے مقالہ کی تیاری میں مواد فراہم کیے، کسی بھی طرح سے قلمی و علمی، زبانی و عملی معاونت فرمائی اور میری کامیابی کے لیے اپنی دعاے خیر سے مجھے نوازا، ان حضرات میں......

☆ حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد امین میاں مارہروی صاحب
(پروفیسر شعبۂ اردو مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ)

☆ حضرت حسان العصر سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی صاحب
(سجادہ نشین خانقاہِ برکاتیہ، مارہرہ شریف)

☆ حضرت سید محمد اشرف میاں برکاتی مارہروی صاحب (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)

☆ حضرت مولانا سید محمد حسینی میاں اشرفی مصباحی صاحب
(سجادہ نشین آستانۂ عالیہ شمسیہ حسینیہ، رایے چور، کرناٹک)

☆ شہزادۂ حضور صدر الشریعہ محدثِ کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ، گھوسی۔

☆ ماہر رضویات حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی مجددی علیہ الرحمۃ (کراچی)

☆ حضرت پروفیسر ڈاکٹر سید مختار الدین احمد آرزوؔ علیہ الرحمۃ
(سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونی ورسٹی علیگڑھ)

☆ حضرت مفتی محمد مجیب اشرف صاحب، خلیفۂ نوریؔ بریلوی و مفتیِ اعظم مہاراشٹر
(بانی و مہتمم جامعہ امجدیہ رضویہ، ناگ پور)

☆ حضرت قاری محمد امانت رسول رضوی صاحب، خلیفۂ نوریؔ بریلوی (پیلی بھیت)

☆ حضرت ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب (بریلی شریف)

☆ حضرت ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صاحب
(صدر شعبۂ اردو بہار یونی ورسٹی، مظفر پور، بہار)

☆ حضرت علامہ وقار احمد عزیزی صاحب (بھیونڈی)

☆حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب (ممبئی)

☆حضرت ڈاکٹر سراج احمد بستوی صاحب (اردو ترجمان ڈی۔آئی۔جی۔رینج بستی ،یوپی)

☆حضرت مولانا محمد توفیق احسنؔ مصباحی صاحب (ممبئی)

☆حافظ وقاری محمد اسماعیل رشیدی صاحب (خطیب وامام سنی جامع مسجد، نیاے ڈونگری، تعلقہ ناندگاوں، ناسک) غیرہم نمایاں طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقع پر محترم ڈاکٹر عبداللطیف سبحانی صاحب کا شکریہ نہ ادا کروں کہ اولاً انھیں کی نگرانی میں یہ کام شروع ہوا تھا۔ اسی طرح محترم پروفیسر ڈاکٹر غیاث الدین صاحب (صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونی ورسٹی، اورنگ آباد) میری طرف سے بجا طور پر ہدیۂ امتنان کے مستحق ہیں کہ جب بھی میں یونی ورسٹی گیا، آپ بڑے تپاک سے ملے، خلوص سے پیش آئے، اور ریسرچ ورک سے متعلق پوچھتے رہے، مفید مشورے بھی دیے۔ نیز وطنِ مالوف مالیگاوں کے مشہور ناقد ومحقق جناب سلیم شہزاد صاحب کا بھی راقم ممنون ہے کہ آپ نے بعض اہم دشواریوں کے حل میں میری بھر پور معاونت فرمائی۔

علاوہ ازیں اورنگ آباد میں مقیم میرے دیرینہ کرم فرما محترم حافظ وقاری ذکی اللہ خان رضوی صاحب کا ناچیز بے پناہ شکرگزار ہے کہ آپ نے بڑی فراخ دلی اور کشادہ قلبی کے ساتھ ہر مرتبہ میرے قیام وطعام کا بندوبست فرمایا اور پردیس میں مجھے پردیسی ہونے کا ذرہ بھر بھی احساس نہ ہونے دیا۔ میرے جملہ احبا، اعزہ اور اقربا کا بھی میں ممنون ومتشکر ہوں کہ ان حضرات کی ہمت افزائی قدم قدم پر میری ہم سفر رہی، نیز عزیزِ گرامی کاملی محمد غلام جیلانی صاحب (ٹائم کمپیوٹر، مالیگاوں) کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی ناانصافی ہوگی موصوف نے انتہائی درجہ رعایت کے ساتھ کمپوز شدہ میٹرس کی پرنٹس اپنے پرنٹر سے کئی مرتبہ نکال کر دی۔ عقیل ورلڈ ڈی۔ٹی۔پی سینٹر کے عقیل احمد صاحب اور ایس آر گرافکس کے شفیق رشید آرٹسٹ کا بھی راقم ممنون ہے کہ انھوں نے ٹائپ شدہ مواد کی خوب صورت تزئین میں میری رہنمائی فرمائی۔

اخیر میں، مَیں اپنے مشفق ومہربان والدین کی خدمتِ عالیہ میں جذبۂ احترام وعقیدت کے ساتھ ہدیۂ امتنان وتشکر پیش کرتا ہوں کہ جنھوں نے میری بہتر تعلیم وتربیت فرمائی۔ یہ انھیں کی

شفقتیں، محبتیں، نالۂ نیم شبی اور دعاے سحرگاہی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ میرا یہ تحقیقی کام بہ حسن وخوبی انجام پذیر ہوا۔ میرے دونوں عزیز بھائی محمد اسماعیل برکاتی، مولانا محمد رضا رضوی (متعلم مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی شریف) اور میری شریکِ حیات کی خدمت میں بھی مَیں ہدیۂ سپاس نذر کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی محبت ورفاقت نہ ہوتی تو مَیں اتنا بڑا کام ہرگز نہیں کرسکتا تھا۔ اسی طرح میری تینوں پیاری بہنیں جو اپنے گھر رہتے ہوئے میرے علمی وتحقیقی کام سے متعلق نیک خواہشات اور تمناؤں کی سوغات مجھ پر لٹاتی رہیں اور دعاوں میں یاد کرتی رہیں میں ان کے لیے بھی تشکر طراز ہوں۔

پیشِ نظر کتاب ”مفتیِ اعظم حیات وخدمات اور نعتیہ شاعری کا تحقیقی وادبی مطالعہ“ میرے مقالہ براے پی ایچ ڈی پر مشتمل ہے۔ بقیہ ابواب ان شآء اللہ ”نعتیہ روایت اور ہندوستان میں اردو نعت گوئی“ کے نام سے علاحدہ کتاب کی اشاعت عمل میں لائی جائے گی۔ اس کتاب کی اشاعت میں خصوصی دل چسپی کا مظاہرہ کرنے والے احباب کا راقم ممنون ہے۔

ربِّ لم یزل سے دست بستہ دعا ہے کہ..........

اے ساری کائنات کے پروردگار..........

حرفوں اور لفظوں کے خالق..........

جلا جلالہٗ وعم نوالہٗ..........

جب تک گلشنِ عشقِ مصطفی (ﷺ) میں عندلیبانِ محبت وعقیدت کی نواسنجیاں قائم و دائم رہے..........

اور

جب تک ثنا گویانِ مصطفی بارگاہِ رسالت مآب (ﷺ) میں اپنا نذرانۂ خلوص واُلفت نچھاور کرتے رہیں..........

تب تک جو بھی ثواب ورحمت تُو اُن کے حصہ میں ارزاں فرماتا رہے تو تُو ان جملہ حضرات کو بھی عطا فرما جنھوں نے میری کسی بھی طرح سے معاونت فرمائی۔

اے قادرِ مطلق جل شانہٗ..........

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل..........

ان تمام حضرات کے عزّ و علم و عمل اور عمر میں برکتیں نازل فرما!............
انھیں عفو و عرفاں اور عافیت سے نواز!......
فروغِ نعت میں ہمیں اخلاص کے ساتھ مصروف و مشغول رکھ!............
ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!!......

محمد حسین مُشاہد رضوی

تقسیم ابواب

باب اول: نعت کی تعریف۔ لغوی اور اصطلاحی مفہوم
باب دوم: نعت گوئی کا فن
باب سوم: نعت گوئی کی تاریخ کا اجمالی جائزہ
باب چہارم: ہندوستان میں اردو کی نعتیہ شاعری کا تاریخی جائزہ 1412ء سے حضرت نوریؔ بریلوی تک
باب پنجم: مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی۔ حیات و خدمات
باب ششم: مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ
باب ہفتم: حضرت نوریؔ بریلوی کے نعتیہ رجحانات، خیالات اور افکار کی پذیرائی
باب ہشتم: ماحصل: بحیثیتِ نعت گو نوریؔ بریلوی کا مقام و مرتبہ
ضمیمہ: عصرِ حاضر میں اردو نعت گوئی کا اجمالی منظر نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ

نعت پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف و توصیف میں لکھی جانے والی منظومات کو کہا جاتا ہے۔ ویسے بعض علماے ادب کے نزدیک ہر وہ ادبی کاوش جس میں حضور اقدس ﷺ کا ذکر ہو تعریف و توصیف ہو چاہے وہ نثر ہو یا نظم "نعت" ہے۔

جہاں تک حمد کا معاملہ ہے تو اس میں شاعر کو اتنی پابندی نہیں ہوتی جتنی کہ نعت میں ہوتی ہے۔ نعت انتہائی مشکل ترین صنفِ سخن ہے۔ اگر شاعر اس میں سرِ مو تجاوز کرتا ہے تو شرک کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے اور کمی کرتا ہے تو گستاخیِ رسول ﷺ کا مرتکب ہو جاتا ہے: بہ قولِ عرفی ؎

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

ہمارے ادبا اور شعرا نے حمد کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کے فن کو ضرور برتا ہے اور اپنی اپنی تصنیف وتالیف میں حمد باری تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عقیدت ومحبت سے نعت پاک کا نذرانہ بھی پیش کیا ہے اور ادب کی جملہ اصناف مثلاً: غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، قطعہ، مسدس، مخمس، ہائیکو، ترائیلے، سانیٹ، ماہیے، دوہا، کہہ مکرنی، اور معرا نظم وغیرہ میں نعتیں لکھی ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو نعت نہ صرف یہ کہ ایک صنف سخن کی حیثیت رکھتی ہے بل کہ تمام اصنافِ ادب میں انتہائی طاقت ور اور پاکیزہ صنف کا درجہ رکھتی ہے۔

عربی، فارسی اور دیگر زبانوں کے ادب کی طرح اردو زبان وادب میں بھی نعتیہ شاعری کو کافی فروغ حاصل ہوا ہے۔ ہندوستان میں اردو نعتیہ شاعری کا آغاز دکن میں حضرت سید محمد حسینی عرف خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (م 825ھ) سے ہوا اور پھر دیکھتے دیکھتے شمالی ہند اور دیگر صوبوں اور خطوں میں اردو نعتیہ روایت کا آغاز ہوا۔ بعد ازاں اس میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی (م 1982ئ) ہندوستانی مسلمانوں کے ایک مذہبی رہ نما تھے۔ عالم اسلام کی مشہور شخصیت اعلا حضرت امام احمد رضا محدثِ بریلوی (م 1921ئ) کے فرزندِ اصغر تھے۔ آپ کا خانوادہ کئی صدی پیش تر سے اسلامی علوم وفنون کا مرکز ومحور رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ورثے میں علم وفن کے وہ نایاب گوہر حاصل ہوئے جو دیگر حضرات کے یہاں شاذ ونادر ہیں۔ ان میں سب سے اہم ترین عشق رسول ﷺ کی دولتِ عظمیٰ ہے کہ یہ آپ کے خانوادے کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ کی علمی، ادبی، دینی، سیاسی اور اصلاحی خدمات کا دائرہ انتہائی وسیع ہے۔ آپ کو نثر کے ساتھ ساتھ نظم پر بھی ملکہ حاصل تھا حمد ونعت ومنقبت وسلام کے علاوہ آپ نے اپنی شعری صلاحیتوں کو کہیں اور نہیں برتا آپ کا مجموعۂ کلام ''سامانِ بخشش 1354ھ'' کے نام سے موسوم ہے۔ آپ کی شاعری اپنے پیش رَو شعرا سے قدرے مختلف ہے نوریؔ بریلوی کے مجموعۂ کلام میں شامل بیش تر نعتیں سادہ زمینوں اور آسان بحروں میں ہیں لیکن اس کے باوجود شعری وفنی محاسن بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

یوں تو حضرت نوریؔ بریلوی کی حیات وخدمات پر عالمی پیمانے میں کام جاری ہے، درجنوں مصنفین کتب ورسائل تصنیف کر رہے ہیں۔ محققین اور ریسرچ اسکالرز تحقیقی مقالہ جات تحریر کر رہے ہیں اور بیش تر ڈائجسٹ، ماہ نامہ، سہ ماہی رسائل اور ہفت روزہ و روزنامہ اخبارات نے آپ کی علمی شخصیت کے خدوخال اجاگر کرنے کے لیے خصوصی شماروں کی اشاعت

بھی کی ہے۔ مگر دنیائے شعر وادب میں آپ کی شاعرانہ حیثیت پر کوئی بھی قابل ذکر تحقیقی کام نہیں ہوا اور نہ ہی اردو کے بلند پایہ نعت گو کی حیثیت سے آپ کے مقام ومنصب کو متعین کیا گیا ہے لہٰذا اردو کے ممتاز نعت گو شعرا کفایت علی کافیؔ، لطفؔ بدایونی، امیرؔ مینائی، شبلی نعمانی، الطاف حسین حالیؔ، بیدمؔ شاہ وارثی، امام احمد رضاؔ بریلوی، محسنؔ کاکوروی، حسنؔ رضا بریلوی، حفیظ جالندھری، آسیؔ غازی پوری وغیرہ کے ساتھ ساتھ نوریؔ بریلوی کا تعین بھی دُنیائے ادب کے ممتاز نعت گو شاعر کی حیثیت سے کیا جائے اور حضرت نوریؔ بریلوی کے کلام میں موجود جملہ شعری وفنی محاسن کو اُجاگر کرنے اور بہ حیثیت نعت گو نوریؔ بریلوی کے مقام ومنصب کو بیان کرنے کے لیے راقم نے اپنے تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی کا عنوان '' مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ'' ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو اور ریسرچ کمیٹی کے مہربان اراکین کی اجازت سے منتخب کر کے تحقیقی مقالے کی تکمیل کر لی ہے۔ جو اس وقت آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے۔

بہ حیثیتِ طالبِ علم مقالہ ''مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ'' ذیل ابواب میں قلم بند کیا گیا ہے۔

آئینۂ ترتیب

باب اول: نعت کی تعریف۔ لغوی اور اصطلاحی مفہوم
باب دوم: نعت گوئی کا فن
☆--------نعت گوئی کا فن (اقوال علمائے ادب کی روشنی میں)
☆--------حزم واحتیاط اور موضوع روایتیں
☆--------ہیئت۔ اصنافِ سخن
☆--------ضمائر کا استعمال

باب سوم: نعت گوئی کی تاریخ کا اجمالی جائزہ
☆--------تہنیت نامہ کا رواج۔ ولادت باسعادت سے قبل

☆---------اولین نعت گوشعرا

☆---------عربی میں نعت گوئی (اہم شعرا)

☆---------فارسی میں نعت گوئی (اہم شعرا)

☆---------دیگر زبانوں میں نعت گوئی (مثالیں)

☆---------اردو میں نعت گوئی

باب چہارم: ہندوستان میں اردو کی نعتیہ شاعری 1412ء سے حضرت نوریؔ بریلوی تک

☆---------آغاز، عروج اور ارتقاء

☆---------پہلا دور (815ھ/1412ء سے 1154ھ/1750ء تک)

☆---------دوسرا دور (1154ھ/1750ء سے 1308ھ/1890ء تک)

☆---------تیسرا دور (1308ھ/1890ء سے حضرت نوریؔ بریلوی کے عہد تک)

باب پنجم: مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی۔حیات وخدمات

☆---------حیات نوریؔ بریلوی

☆---------علمی خدمات

☆---------ادبی خدمات

☆---------سیاسی خدمات

☆---------تدریسی خدمات

باب ششم: مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ

☆---------نوریؔ بریلوی کے عہد میں نعت گوئی کا معیار اور عام روش

☆---------نوریؔ بریلوی۔نعتیہ شاعری کا آغاز

☆---------نوریؔ بریلوی کا تصورِ عشق وفن

☆---------کلامِ نوریؔ میں عقیدۂ توحید

☆---------کلامِ نوریؔ میں خصائص رسول ﷺ

☆---------کلامِ نوریؔ حزم واحتیاط

☆---------نوریؔ بریلوی کی منقبت نگاری

☆---------کلامِ نوریؔ اور علم بیان

☆---------کلامِ نوریؔ میں صنائع بدائع

☆---------کلامِ نوریؔ کا عروضی جائزہ

☆---------کلامِ نوریؔ میں ترکیب سازی

☆---------کلامِ نوریؔ میں شاعرانہ پیکر تراشی

☆---------کلامِ نوریؔ خیال آفرینی

☆---------نوریؔ بریلوی کا پیرایۂ زبان وبیان

☆---------کلامِ نوریؔ میں محاورات کا استعمال

☆---------نوریؔ بریلوی کا تغزل

☆---------نوریؔ بریلوی کی مشکل پسندی

☆---------نوریؔ بریلوی کی اصلاحی شاعری

☆---------کلامِ نوری میں عربی کی آمیزش اور فارسیت کا رچاؤ

☆---------کلامِ نوریؔ میں ہندی وہندوستانی عناصر اور علاقائی بولیوں کا استعمال

☆---------نوریؔ بریلوی کی حمد اور رباعی میں نعتیہ کلام کا جائزہ

باب ہفتم: نوریؔ بریلوی کے نعتیہ رجحانات، خیالات اور افکار کی پذیرائی

☆---------نوریؔ بریلوی کی طرز کا اتباع

باب ہشتم: ماحصل: بہ حیثیت نعت گو نوریؔ بریلوی کا مقام و مرتبہ

ضمیمہ: عصرِ حاضر میں اردو نعت گوئی کا اجمالی منظر نامہ

کتابیات

باب اوّل

نعت کی تعریف

لغوی اور اصطلاحی مفہوم

باب اوّل

نعت کی تعریف۔لغوی اور اصطلاحی مفہوم

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی وصف و خوبی اور تعریف و توصیف کے ہیں۔ لیکن عُرفِ عام میں نعت، رسول اللہ ﷺ کی ثنا و ستایش اور تعریف و توصیف بیان کرنے والی منظومات کو کہا جاتا ہے۔یوں تو نعت کا لفظ مستقل ایک موضوع یا مضمون کا احاطہ کرتا ہے اور جب یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو وہ تمام خزائن اور ذخائر مراد ہوتے ہیں جو حضور رحمتِ عالم ﷺ کے فضائل و مناقب، شمائل و خصائل، اخلاق و کردار، تعریف و توصیف اور مدح و ثنا پر مشتمل ہوتے

ہیں۔ چاہے وہ نظمی ہوں یا نثری۔ لہٰذا ذیل میں عربی، فارسی اور اردو لغات سے نعت کا لغوی مفہوم اور ان مفاہیم سے ماخوذ تصریحات کی روشنی میں نعت کے اصطلاحی مفہوم پر روشنی ڈالنا غیر مناسب نہ ہوگا۔

لسان العرب: نعت: انعت: وصفک الشئی تنعته بما فیه و تبالغ فی وصفه والنعت: مانعت به نعت ینعته نعتا: وصفه ورجل ناعت من قوم ناعت قال الشاعر

انعتها انی من نعتها
ونعت الشئی وتنعته اذا وصفه

قال ابن الاعرابی: انعت اذا حسن وجهة حتی ینعت وصفه صلی اللہ علیه وسلم

یقول ابن الاثیر: النعت وصف الشئی بما فیه من حسن ولا یقال فی القبیح الا یکلف متکلف فیقول نعت سوء والوصف یقال فی الحسن والقبیح وناعتون وناعتین جمیعا موضع یقال الراعی

حی الدیار دیار ام بشیر
بنو یعتیین فشاطی التسریر
انها ارادا ناعتین 2/3 فصحی (1)

تاج العروس: (نعت کالمنع) ای فی کونه مفتوح العین فی الماضی والمضارع (الوصف) تنعت الشئی بما فیه و تبالغ فی وصفه وانعت مانعت به نعته ینعته نعتا وسفه ورجل ناعت من قوم نعات قال الشاعر

انعتها انی من نعتها
وفی صفته صلی اللہ علیه وسلم (2)

لسان العرب اور تاج العروس دونوں ہی عربی لغات سے نعت کا جو مفہوم سامنے آیا ہے اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ نعت کسی شے کی خوبی یا وصف کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ اس میں مبالغہ سے کام لیا جائے اور قبح کا ذرہ بھر شائبہ نہ ہو۔ صاحبِ لسان العرب نے ابنِ اعرابی کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ نعت رسول اللہ ﷺ کی صفت کو بھی کہتے ہیں اور

صاحبِ تاج العروس نے بھی نعت کو رسول اللہ ﷺ کی صفت شمار کیا ہے۔ لیکن صاف طور پر ان لغات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ نعت کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔

المنجد: نعته (ف) نعتا تعریف کرنا، بیان کرنا، نعت کلمۃ: کلمہ کی صفت لانا، نعت (س) نعتا: اچھی صفات دکھانا، نعت (ک) نعاته الرجل پیدائش ہی سے اچھی صفات والا ہونا۔ (3)

معجم العربیہ: نعت ینعت نعتا وانتعت کسی چیز کو بیان کرنا یا اس کے اوصاف بیان کرنا (خصوصا) تعریف میں، سراہنا، تعریف کرنا، خوبیاں بیان کرنا، صرف ونحو میں صفت کو موصوف کے ساتھ ملانا۔

نعت: صفت، وصف، جوہر، ہنر، تعریف
نعت (ج) نعوت، اسم صفت، وصف، صفت، خاصیت، گُن
نُعَتَۃ: بہت خوبصورت، حسن
منعوت: وہ اسم جس کے ساتھ صفت بیان کی گئی ہو۔ موصوف (صرف ونحو) (4)

مصباح اللغات: نعتہ (ف) نعتاً: تعریف کرنا، بیان کرنا (اور اکثر اس کا استعمال صفات حسنہ کے لیے ہوتا ہے)۔ (5)

فرہنگ آصفیہ: صفت وثنا، تعریف وتوصیف، مدح، ثنا، مجازاً خاص حضرت سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف۔ (6)

غیاث اللغات: نعت (ی): نعت بالفتح تعریف وتوصیف کردن از منتخب اگرچہ نعت بمعنی مطلق صفت است لیکن اکثر استعمال ایں لفظ ستائش وثنائے رسول ﷺ آمدہ است، بمعنی صیغۂ اسمِ فاعل واسمِ مفعول وصیغۂ صفتِ مشبہ نیز می آید۔ (7)

ترجمہ: زبر سے نعت کے معنی صفاتِ حسنہ کے ساتھ تعریف وتوصیف کرنا ہیں اگرچہ لفظِ نعت کے مطلق معنی رسول اللہ ﷺ کی تعریف وثنا میں آتا ہے، اسمِ فاعل ومفعول اور صفت کے صیغے کے اعتبار سے یہ ثنائے رسول ﷺ ہی کے معنی میں آتا ہے۔

لغاتِ فارسی: نعت (یٔ) تعریف، صفت، ستائش، تعریف کرنا، خاص کر رسول اللہ ﷺ کی تعریف وتوصیف کو نعت کہتے ہیں۔ (8)

لغات کشوری: نعت (یٔ): تعریف، صفت، تعریف کرنا خاص کر رسول اللہ ﷺ کی (9)

نوراللغات: نعت (ء : بالفتح): یہ لفظ بمعنی مطلق وصف ہے لیکن اس کا استعمال آں حضرت ﷺ کی ستائش وثنا کے لیے مخصوص ہے۔ (10)

فیروز اللغات: نعت (یٔ، ا، مونث): (1) مدح، ثنا، تعریف (2) رسول اللہ ﷺ کی شان میں مدحیہ اشعار۔ (11)

فرہنگ ادبیات: پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی تعریف وتوصیف کا حامل کلام۔ (12)

درج بالا میں عربی لغات سے اخذ کردہ لغوی تصریحات سے لفظ ''نعت'' سے متعلق اردو اور فارسی زبان میں جو تصور پایا جاتا ہے اس کا مکمل اظہار نہیں ہوتا۔ یہ الگ بات ہے کہ عربی میں رسول اللہ ﷺ کی توصیف وثنا میں جو اشعار کہے گئے تھے ان کو ''نعت'' تو نہیں، ہاں! ''مدحیۂ رسول اللہ'' کا سرنامہ اہلِ عرب دیا کرتے تھے، بہ ہر کیف! یہ بھی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ لفظ ''نعت'' کو رسول اللہ ﷺ کے وصف وخوبی بیان کرنے والی مدحیہ نظم کے سرنامہ کے طور پر استعمال کرنے کا سہرا اردو والوں کے سر جاتا ہے۔

عربی زبان کی متذکرہ بالا لغات میں نعت کا جو معنی درج ہے اس سے تو یہ تصور سامنے آتا ہے کہ نعت کے معنی وصف کے ہیں خصوصاً جب آپ کسی چیز کے وصف میں مبالغہ سے کام لیں تو اس وقت نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اس مادہ ''نعت'' کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ مفسرین کرام نے قرآن کی شرح وترجمانی میں اس لفظ کو وصف کے معنی میں استعمال کیا ہے احادیث رسول اللہ ﷺ وشمائل ترمذی (حافظ محمد عیسیٰ ترمذی م 279ھ) میں نعت کا لفظ اپنی مختلف نحوی اور صرفی صورتوں میں قریباً پچاس مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

مطالعۂ حدیث ہی کی روشنی میں بعض شارحینِ حدیث نے اپنی تحریروں میں نعت کو

مطلق وصف کی عمومیت سے نکال کر اسے آں حضرت ﷺ کی تعریف وتوصیف سے وابستہ کیا ہے اور اسے ایک خاص مفہوم کا حامل ٹھہرایا۔ غالباً ''النهاية فی غریب الحدیث والاثر'' وہ پہلا ماخذ ہے جس میں اس کے مرتب ابن اثیر (544ھ/606ھ) نے لفظ نعت کو اصطلاحی مفہوم میں پیش کیا۔

نعت کے اصطلاحی معنوں کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمجید سندھی نے بھی اپنے خیال کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

> ''نعت کے معنی ہیں 'خوب صورت وصف' یعنی کسی کی خوبیاں بیان کرنا لیکن اب نعت مستقل اصطلاح کی صورت اختیار کرچکا ہے اور اس کے معنی ہیں آں حضرت ﷺ کی ثنا اور وصف بیان کرنا'' (13)

اس ضمن میں ڈاکٹر رشاد عثمانی کا خیال یوں ہے کہ:

> ''اردو لغات میں اگرچہ عربی وفارسی لغات کی پیروی میں نعت کا لفظ مطلق وصف اور ثنائے رسول دونوں معنی میں آیا ہے۔ مگر جیسا کہ ''نور اللغات'' کے مرتب نے لکھا ہے کہ ''یہ لفظ بمعنی مطلق وصف ہے لیکن اس کا استعمال آں حضرت ﷺ کی ستائش اور ثنا کے لیے مخصوص ہے'' اردو زبان و ادب میں مطلق وصف کے معنی میں اس کا استعمال قریب قریب ناپید ہے۔ شعر وادب میں لفظِ نعت کا استعمال وصفِ رسول ﷺ کے بیان کے علاوہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس کی بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ عربی سے فارسی اور پھر فارسی سے اردو شعر وادب تک یہ لفظ وصفِ مطلق کی عمومیت سے نکل کر آں حضرت ﷺ کی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا کے لیے مخصوص ہو چکا تھا۔ یعنی اردو لغت اور زبان وادب میں اس کے معنی سرکارِ دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعریف وتوصیف کے مفہوم سے منسوب ومختص ہے۔''
> (14)

مذکورہ بالا عربی، فارسی، اُردو لغات اور تمام حضرات کی مختلف آرا کو سمجھنے کے بعد نعت کے معنی ومفہوم اور تعریف وتوصیف میں یہی کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ ادب پارہ جس میں حضورِ اقدس ﷺ کا ذکر ہو، مدح ہو، ثنا ہو، تعریف وتوصیف ہو، سراپا کا بیان ہو، شبیہ وشمائل

اقدس کی لفظی تصویر کشی ہو، عادات واخلاق کا بیان ہو، فضائل ومحاسن جمیلہ کا اظہار ہو، حضور ﷺ سے خطاب ہو، آپ سے استغاثہ وفریاد ہو، عقیدت ومحبت کے جذبات کی ترجمانی ہو، مقصد وبعثتِ نبوت کا تذکرۂ خیر ہو یا ذات رسالت مآب ﷺ کا ذکر جمیل ہو۔ الغرض ہر وہ ادبی کاوش جو اپنے قاری یا سامع کو مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی طرف متوجہ کرے اور قرب کا احساس پیدا کرے چاہے وہ نثری ہو یا نظمی بلاشبہ ''نعت'' ہے۔

چناں چہ متذکرہ بالا خیال کی تصدیق مشہور محقق ڈاکٹر رفیع الدین اشفاقؔ اور معروف ادیب ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے گراں قدر خیالات سے ہوتی ہی؛ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاقؔ...... ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں :

> ''اصولاً آں حضرت ﷺ کی مدح سے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا، لیکن اردو اور فارسی میں جب لفظِ نعت کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر آں حضرت ﷺ کی منظوم مدح مراد لی جاتی ہے۔'' (15)

اور ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے یوں تحریر کیا ہے کہ :

> ''نعت ایک موضوع کا نام ہے اس کے لیے کوئی خاص صنف، فارم یا ٹیکنک نہیں ہے اسے غزل، مثنوی، مسدس، مخمس، رباعی، قطعہ وغیرہ کسی بھی صنف میں لکھا جا سکتا ہے۔ نعت کا موضوع مخصوص نہیں بہت ہی وسیع ہے۔'' (16)

نعت کا موضوع ادب کی کسی ایک صنف سے مخصوص نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی تعریف وتوصیف اور آپ کی سیرتِ طیبہ کا تذکرہ کسی بھی صنف اور ہیئت میں ہو سکتا ہے۔ شعرائے کرام نے کم وبیش تمام اصناف میں نعتیں قلم بند کی ہیں۔ جو صنفِ سخن جس عہد میں زیادہ مقبول رہی، اس کو نعت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

نثری نعت

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ہر وہ ادب پارہ جس میں حضور رحمتِ عالم ﷺ کی تعریف وتوصیف بیان کی جائے وہ نعت ہے، خواہ وہ نظم ہو یا نثر۔ مثلاً بخاری شریف، مسلم

شریف، ابن ماجہ، نسائی شریف، مشکوۃ شریف اور ترمذی شریف کے ابوابِ فضائل نیز مختلف اقسام کے درود شریف وغیرہ اسی نثری نعت کے ضمن میں آتے ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ بے مثل وبے نظیر خطبہ جو آپ نے نجاشی بادشاہ کے دربار میں پیش فرمایا تھا وہ بھی نثری نعت کا اعلا نمونہ اور عمدہ شاہ کار تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان میں علامہ نقی علی خان بریلوی کی کتابیں ''تفسیر سورہ الم نشرح'' اور ''سرور القلوب''...... امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی مختلف کتب کے اقتباسات۔ مولوی شبلی نعمانی کی نثر ''ظہورِ قدسی''، سید سلیمان علی ندوی کے ''خطباتِ مدراس''، مفتی محمد شریف الحق امجدی کی ''اشرف السیَر''، پیر کرم شاہ ازہری کی سیرت پر سات مجلدات پر مشتمل ''ضیاء النبی'' کی جلد 2/ 3/ 4/ 5، اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی کراچی کی ''جانِ ایمان'' اور ''جانِ جاناں'' اور دیگر کتبِ سیرت وغیرہ نثری نعت کے نہایت خوبصورت اور دل کش نمونوں کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ ذیل میں ان کتب میں سے بعض کی عباتیں نشانِ خاطر ہوں :

واضح ہو کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے بعد اور بچپن سے عالمِ شباب تک آپ کو جتنے لوگوں نے بھی دیکھا آپ کی تعریف وتوصیف بیان کی۔ ان کلمات کو بھی نثری نعت کے زمرے میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی پیکر سے متعلق عرب کی بدو خاتون امِ معبد کے اس بیان کو بہ طورِ مثال پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا جو اس نے اپنے خاوند کو دیا :

> ''ام معبد کہنے لگی۔ میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حُسن نمایاں تھا، جس کی ساخت بڑی خوب صورت اور چہرہ ملیح تھا۔ نہ رنگت کی زیادہ سفیدی اس کو معیوب بنا رہی تھی اور نہ گردن اور سر کا پتلا ہونا اس میں نقص پیدا کر رہا تھا۔ بڑا حسین، بہت خوب رو۔ آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں، پلکیں لانبی تھیں۔ اس کی آواز گونج دار تھی۔ سیاہ چشم۔ سرگیں۔ دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے۔ گردن چمک دار تھی۔ ریشِ مبارک گھنی تھی۔ جب وہ خاموش ہوتے تو پُر وقار ہوتے۔ جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پُر نور اور بارونق ہوتا۔ شیریں گفتار۔ گفتگو واضح ہوتی نہ بے فائدہ ہوتی نہ بے ہودہ۔ گفتگو گویا موتیوں کی

لڑی ہے جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے۔ دور سے دیکھنے پر سب سے زیادہ با رعب اور جمیل نظر آتے۔ اور قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین دکھائی دیتے۔ قد درمیانہ تھا۔ نہ اتنا طویل کہ آنکھوں کو بُرا لگے۔ نہ اتنا پست کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں۔ آپ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی مانند تھے جو سب سے سرسبز و شاداب اور قد آور ہو۔ ان کے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔ اگر آپ انہیں کچھ کہتے تو فوراً تعمیل کرتے۔ اگر آپ انہیں حکم دیتے فوراً بجالاتے۔ سب کے مخدوم۔ سب کے محترم۔" (17)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خداداد حسن و جمال کے بارے میں دو چار یا دس بیس کی یہ رائے نہ تھی بل کہ ہر وہ شخص جس کو قدرت نے ذوقِ سلیم کی نعمت سے نوازا ہوتا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اسی طرح مسحور ہوجایا کرتا اور ہر ایک کی زبان سے بے ساختہ آپ کے حسن و جمال کی تعریف نکلنے لگتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دیکھتا سو جان سے قربان ہونے لگتا دوست، دشمن، اپنے اور بے گانے میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔

اسی طرح حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ بے مثل و بے نظیر خطبہ جو آپ نے نجاشی بادشاہ کے دربار میں پیش فرمایا تھا وہ بھی نثری نعت کا اعلا نمونہ اور عمدہ شاہ کار تصور کیا جاتا ہے؛ ذیل میں اردو ترجمہ نشانِ خاطر فرمائیں :

"اے بادشاہ ہم جاہل قوم تھے، بتوں کی پوجا کیا کرتے۔ مردار کھایا کرتے اور بدکاریاں کیا کرتے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرتے ہم میں سے طاقت ور، غریب کو کھا جایا کرتا۔ ہمارا یہ نا گفتہ بہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم میں سے ایسا رسول بھیجا جس کے نسب کو بھی ہم جانتے ہیں جس کی صداقت، امانت اور عفت سے بھی ہم اچھی طرح آگاہ ہیں اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ کہ ہم اس کو وحدہٗ لاشریک مانیں۔ اور اسی کی عبادت کریں اور وہ پتھر اور بت جن کی پوجا ہم اور ہمارے آبا و اجداد کیا کرتے تھے ان کی بندگی کا پٹہ اپنی

گردن سے اتار پھینکیں۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں۔ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ ہم سائیوں کے ساتھ عمدگی سے پیش آئیں۔ برے کاموں سے اور خوں ریزیوں سے باز رہیں۔ اس نے ہمیں فسق و فجور، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ نیز اس نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں زکات دیں اور روزے رکھیں۔" (18)

نثری نعت کے ذیل میں بخاری شریف، مسلم شریف، ابن ماجہ، نسائی شریف، مشکوۃ شریف اور ترمذی شریف کے ابوابِ فضائل نیز مختلف اقسام کے درود شریف وغیرہ شمار کیے جاتے ہیں۔ اردو زبان میں امام العلماء مولانا نقی علی خاں بریلوی (والدِ ماجد امام احمد رضا بریلوی) کی "تفسیر سورۂ الم نشرح" اور "سرور القلوب" کی بعض عبارتیں تو نثر میں نعت نگاری کی ایسی اعلا ترین مثالیں ہیں کہ پڑھتے ہوئے کیف آگیں جذبات سے روح وجد کر اُٹھتی ہے۔ "تفسیر سورۂ الم نشرح" کی ایک خاصی طویل، عشق و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صفاتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پُر لطف بیان سے معمور عبارت خاطر نشین فرمائیں، جو نثری نعت کے ایک عمدہ شاہ کار سے کم نہیں، اس کا ایک ایک فقرہ اپنی جگہ خود ایک مکمل اور بہترین نعت ہے :

"سرورِ بنی آدم...... روحِ روانِ عالم...... انسان عین وجود...... دلیلِ کعبۂ مقصود...... کاشفِ سرِّ مکنون...... خازنِ علمِ مخزون...... اقامتِ حدود و احکام ...... تعدیلِ ارکانِ اسلام...... امامِ جماعتِ انبیا...... مقتدائے زمرۂ اتقیا...... قاضیِ مسندِ حکومت...... مفتیِ دین و ملت...... قبلۂ اصحابِ صدق و صفا...... کعبۂ اربابِ حلم و حیا...... وارثِ علومِ اولین...... مورثِ کمالاتِ آخرین...... مدلولِ حروفِ مقطعات...... منشائے فضائل و کمالات...... منزلِ نصوصِ قطعیہ ...... صاحبِ آیتِ بینہ...... حجت حق الیقین...... تفسیرِ قرآنِ مبین...... مصحح علومِ متقدمین...... سیدِ انبیا و مرسلین...... عزیزِ مصرِ احسان...... فخرِ یوسفِ کنعان...... مظہرِ حالاتِ مضمرہ...... مخبرِ اخبارِ ماضیہ...... واقفِ امورِ مستقبلہ...... عالمِ

احوالِ کائنہ...... حافظِ حدودِ شریعت...... ماحیِ کفر و بدعت...... قائدِ فوجِ اسلام
...... دافعِ جیوشِ اصنام...... نگینِ خاتمِ سروری...... خاتمِ نگینِ پیغمبری...... فاتحِ
مغلقاتِ حقیقت...... سرِّ اسرارِ طریقت...... یوسفِ کنعانِ جمال...... سلیمانِ
ایوانِ جلال...... منادیِ طریقِ رشاد...... سراجِ اقطار و بلاد...... اکرمِ اسلاف
...... اشرفِ اشراف...... لسانِ حجت...... طرازِ مملکت...... نورسِ گلشنِ خوبی
...... چمن آرائے باغِ محبوبی...... گلِ گلستانِ خوش خوئی...... لالۂ چمنستانِ خوب
روئی...... رونقِ ریاضِ گلشن...... آرایشِ نگارستانِ چمن...... طرۂ ناصیۂ
سنبلستان...... قرۂ دیدۂ نرگستان...... گل دستۂ بہارستانِ جنان...... رنگ
افزائے چہرۂ ارغواں...... ترطیبِ دماغِ گل روئی...... طراوتِ جوئے بارِ دل
جوئی...... تراوشِ شبنمِ رحمت...... توتیائے چشمِ بصیرت...... نسرینِ حدیقۂ
فردوسِ بریں...... رَوحِ رائحہ روحِ ریاحین...... چمن خیابانِ زیبائی...... بہار
افزائے گلستانِ رعنائی...... نخل بندِ بہارِ نو آئین...... رنگ آمیزِ لالہ زارِ رنگین
...... رنگ روئے مجلس آرائی...... رونقِ بزمِ رنگیں ادائی...... گل گونہ بخشِ چہرۂ
گلنار...... نسیمِ اقبالِ بہارِ ازہار...... نکہت عنبر بیزانِ گل زار...... نفحۂ مشک
ریزانِ موسمِ بہار...... اصلِ اصول...... سرا بستانِ ملکوت...... بیخِ فروغِ
نخلستانِ ناسوت...... فارسِ میدانِ جبروت...... شہ سوارِ مضمارِ لاہوت......
قمریِ سرو یکتائی...... تدروِ باغِ دانائی...... شاہ بازِ آشیانِ قدرت...... طاوسِ
مرغ زارِ جنت...... شگوفۂ شجرۂ محبوبیت...... ثمرۂ سدرۂ مقبولیت...... نوبادۂ گل
زارِ ابراہیم...... نورسِ بہارِ جنتِ نعیم...... اعجوبۂ صنعت کدۂ بوقلموں...... زینتِ
کارگاہِ گونا گوں...... لعلِ آب دارِ بدخشانِ رنگینی...... دُرِّ یتیم گوش مہ جبینی......
جگر گوشۂ کانِ کرم...... دست گیرِ درماندگانِ اُمم...... یاقوتِ نسخۂ امکان......
روحِ روانِ عقیق و مرجان...... خزانۂ زواہرِ ازلیہ...... گنجینۂ جواہرِ قدسیہ
...... گوہرِ محیطِ احسان...... ابرِ گہر بارِ نیساں...... لؤلؤئے بحرِ سخاوت و عطا......
گہرِ دریائے مروت و حیا...... مشک بارِ صحرائے ختن...... گل ریزِ دامنِ گلشن

...... غالیہ سائے مشامِ جان...... عطر آمیز دماغِ قدسیاں...... جوہرِ اعراض و
جواہر...... منشائے اصنافِ زواہر...... مخزنِ اجناسِ عالیہ...... معدنِ خصائصِ
کاملہ...... مقومِ نوعِ انساں...... ربیعِ فصلِ دوراں...... مکملِ انواعِ سافلہ......
مربیِ نفوسِ سافلہ...... اخترِ برجِ دل بری...... خورشیدِ سمائے سروری......
آبروئے چشمۂ خورشید...... چہرہ افروزِ ہلالِ عید...... ہلالِ عیدِ شادمانی......
بہارِ باغِ کام رانی...... صفائے سینۂ نیّرِ اعظم...... نورِ دیدۂ ابراہیم و آدم
...... زیبِ نجمِ گلستاں...... گلِ ماہ تابِ باغِ آسماں...... مُشرقِ دائرۂ تنویر......
مُشرقِ آفتابِ منیر...... شمسِ چرخِ استوا...... چراغِ دودمانِ انجلا...... مجلیِ نگار
خانۂ کونین...... سیارۂ فضائے قاب قوسین...... زہرۂ جبینِ انوار...... غرۂ جبہۂ
اسرار...... عقدہ کشائے عقدِ ثریا...... ضیائے دیدۂ ید بیضا...... نورِ نگاہِ شہود......
مقبولِ ربِّ ودود...... بیاضِ روئے سحر...... طرازِ فلکِ قمر...... جلوۂ انوارِ ہدایت
...... لمعانِ شموسِ سعادت...... نورِ مردمکِ انسانیت...... بہائے چشمِ نورانیت
...... شمعِ شبستانِ ماہِ منور...... قندیلِ فلکِ مہرِ انور...... مطلعِ انوارِ ناہید...... تجلیِ
برق و خورشید...... آئینۂ جمالِ خوب روئی...... برقِ سحابِ دل جوئی...... مشعلِ
خور تابِ لامکاں...... ترنجِ ماہ تابِ درخشاں...... سہیلِ فلکِ ثوابت......
اعتدالِ امزجۂ بسائط...... مرکزِ دائرۂ زمین و آسماں...... محیطِ کرۂ فعلیت و
امکاں...... مربع نشینِ مسندِ اکتائی...... زاویہ گزینِ گوشۂ تنہائی...... مسند
آرائے ربعِ مسکوں...... رونقِ مثلثاتِ گردوں...... معدنِ نہارِ
سخاوت...... منطقۂ بروجِ سعادت...... اوجِ محدبِ افلاک...... رونقِ حضیضِ
خاک...... اسدِ میدانِ شجاعت...... اعتدالِ میزانِ عدالت...... سطحِ خطوطِ
استقامت...... حاویِ سطوحِ کرامت...... طبیبِ بیمارانِ ضلالت...... نباضِ
محرومانِ شقاوت...... علاجِ طبائعِ مختلفہ...... دافعِ امراضِ متضادہ...... جوارشِ
مریضانِ محبت...... معجونِ ضعیفانِ امت...... قوتِ دل ہائے ناتواں...... آرامِ
جاں ہائے مشتاقاں...... تفریحِ قلوبِ پژمردہ...... دوائے دل ہائے افسردہ

......مقدمۂ قیاسِ معرفت ...... ممہدِ قواعدِ محبت ...... عقلِ اول سلسلۂ عقول ......
مبدءِ ضوابطِ فروع واصول ...... نتیجۂ استقراے مبادیِ عالیہ...... خلاصۂ مدارکِ
ظاہرہ و باطنہ ...... رابطۂ علت و معلول ...... واسطۂ جاعل ومجعول ...... مدرکِ
نتائجِ محسوسات ...... مہبطِ اسرارِ مجردات ...... جامعِ لطائفِ ذہنیہ...... مجمعِ انوارِ
خارجیہ...... حقیقتِ حقائقِ کلیہ ...... واقفِ اسرارِ جزئیہ...... مبطلِ مزخرفاتِ
فلاسفہ...... مثبتِ براہینِ قاطعہ ...... اوسطِ طرفینِ امکان و وجوب ...... واسطۂ
ربطِ طالب ومطلوب...... معلمِ دبستانِ تفرید...... مدرسِ مدرسۂ تجرید...... سالکِ
مسالکِ طریقت ...... دانائے رموزِ حقیقت ...... اثباتِ وحدتِ مطلقہ ......
برہانِ احدیتِ مجردہ ...... خزینۂ اسرارِ الٰہیہ...... گنجینۂ انوارِ قدسیہ...... تصفیۂ
قلوبِ کاملہ...... تزکیۂ نفوسِ فاضلہ...... سرِ دفترِ دیوانِ ازل ...... خاتمِ صحفِ ملل
...... تخمِ مزرعِ حسنات ...... ترغیبِ اہلِ سعادات ...... جمعِ محاسنِ فتوت
...... کفایتِ حوائجِ خلقت ...... ہادیِ سبیلِ رشاد ...... استیعابِ قواعدِ سداد ......
شیرازۂ مجموعۂ فصاحت ...... بہجتِ حدائقِ بلاغت ...... سراجِ وہاجِ ہدایت ......
نسخۂ کیمیاے سعادت ...... تکمیلِ دلائلِ نبوت ...... صحیفۂ احوالِ آخرت ...... منتہی
الارب ...... لُبِّ اصولِ ادب ...... بیاضِ زواہرِ جواہر ...... تمہیدِ نوادرِ
بصائر...... مقتداے صغیر وکبیر ...... مفتاحِ فتحِ قدیر ...... میزبانِ نزلِ ابرار......
مفیدِ مستفیدانِ اسرار ...... قلزمِ دررِ قلائد ...... درجِ جواہرِ عقائد ...... تیسیرِ
اصولِ تاسیس ...... روضۂ گلستانِ تقدیس ...... احیاے علوم وکمالات ...... مطلعِ
اشعۂ لمعات ...... مقدمۂ طبقاتِ بنی آدم ...... رہنماے دینِ مسلم ومحکم ......
تشریحِ حجتِ بالغہ ...... تصریحِ واقعاتِ ماضیہ...... تقریرِ قصصِ انبیا ...... تحریرِ
معارفِ اصفیا ...... دلیلِ مناسکِ ملت ...... منتقیِ اربابِ بصیرت ...... وسیلۂ
امدادِ فتاح ...... سببِ نزہتِ ارواح ...... خازنِ کنزِ دقائق ...... درِ مختارِ بحرِ رائق
...... ذخیرۂ جواہرِ تفسیر ...... مشکوٰۃِ مفاتیحِ تیسیر ...... جامعِ اصول ...... غرائبِ معالم
...... مصدرِ صحاحِ بخاری ومسلم ...... منظورِ مدارکِ عالیہ...... مختارِ عقولِ کاملہ......

ملتقطِ کتابِ تکوین ...... نہایتِ مطالبِ مومنین ...... انسانِ عیونِ ایمان ......
قرۃ عینینِ انسان ...... منبعِ شریعت وحکم ...... مجمعِ بحرینِ حدوث وقدم ......
خلاصۂ مآربِ سالکین ...... انتہاے منہاجِ عارفین ...... شرفِ ائمۂ دین ......
تنزیہہ شریعتِ متین ...... زیورِ غرائبِ تدقیق ...... تلخیصِ عجائبِ تحقیق ...... ناقدِ
نقدِ تنزیل ...... ناسخِ توریت وانجیل ...... حافظِ مفتاحِ سعادت ...... کشفِ
غطاے جہالت ...... واقفِ خزائنِ اسرار ...... کاشفِ بدائعِ افکار ...... عالمِ
علومِ حقائق ...... جذبِ قلوبِ خلائق ...... زیبِ مجالسِ ابرار ...... نورِ عیونِ
اخیار...... تہذیبِ لطائفِ علیہ...... تجریدِ مقاصدِ حسنہ ...... بیاضِ انوارِ مصابیح
...... توضیحِ ضیاے تلویح ...... حاویِ علومِ سابقین ...... قانونِ شفاے لاحقین ......
معدنِ عجائب وغرائب ...... مدارِ مکارم ومناقب ...... نقشِ فصوصِ حکمیہ ......
منتخبِ جواہرِ مضیہ ...... عینِ علم وایقان ...... حصنِ حصینِ امتان ...... تبیینِ
متشابہاتِ قرآنیہ...... غایتِ بیانِ اشاراتِ فرقانیہ...... تنقیحِ دلائلِ کافیہ...... تصحیحِ
براہینِ شافیہ...... زُبدۂ اہلِ تطہیر ...... ملجاے صغیر وکبیر ...... غواصِ بحارِ عرفان ......
زُبدۂ اربابِ احسان ...... مرقاتِ معارجِ حقیقت ...... سلمِ مدارجِ معرفت ......
موضحِ صراطِ مستقیمِ نجات ...... اقصیِ معراجِ اصحابِ کمالات ...... قوتِ قلوبِ
ممکنات ...... صفاے ینابیعِ طہارات ...... وقایہ احکامِ الٰہیہ...... افقِ مبینِ انوارِ
شمسیہ ...... دستورِ قضاۃ وحکام ...... ایضاحِ تیسیرِ احکام ...... نورِ انوارِ مطالع ......
تنویرِ منارِ طوالع ...... کمالِ بدورِ سافرہ ...... طلعتِ بوارقِ متجلیہ ...... موردِ فتحِ
باری...... تابشِ نورِ سراجی ...... بحرِ جواہرِ درایت ...... طغراے منشورِ رسالت ......
عدیمِ اشباہ ونظائر ...... امینِ کنوزِ ذخائر ...... ملخصِ مضمراتِ عوارف ...... شرحِ
مبسوطِ معارف ...... سراجِ شعبِ ایمان ...... برزخِ وجوب وامکان ...... دُرِ
تاجِ افاضل ...... ملتقیِ بحرِ فضائل ...... ناطقِ فصلِ خطاب ...... میزانِ نصابِ
احتساب ...... منشاے فیضِ وافی ...... مبدءِ علمِ کافی ...... تبییضِ دُرِ مکنون ......
موجبِ سرورِ محزون ...... صرحِ برہانِ قاطع ...... نقایہ دلیلِ ساطع ...... رافعِ

لوائے ہدیٰ ...... حکمتِ بالغۂ خدا ...... ضوءِ مصباحِ عنایت ...... معطیِ زادِ آخرت ...... عمدۂ فتوحاتِ رحمانیہ ...... مخزنِ مواہبِ لدنیہ ...... نتیجۂ دلائلِ خیرات ...... لمعانِ مطالعِ مسرات ...... قاموسِ محیطِ اتقان ...... بلاغِ مبینِ فرقان ...... نہرِ خیابانِ توحید ...... نورِ عینِ خورشید ...... شمسِ بازغۂ مشارقِ انوار ...... رونقِ ربیعِ بستانِ ابرار ...... شناورِ قلزمِ ملاحت ...... آبِ یارِ جوئے لطافت ...... تراوشِ ابرِ سیرابی ...... ابرِ بہارِ شادابی ...... سحابِ دُرافشانِ سخاوت ...... نیسانَ گہر بارِ عنایت ...... کوثرِ عرصۂ قیامت ...... سلسبیلِ باغِ جنت ...... آبِ حیاتِ رحمت ...... ساحلِ نجاتِ امت ...... روحِ چشمۂ حیواں ...... آشنائے دریائے عرفاں ...... محمد شاہدِ دیں جانِ ایماں ...... محمد رحمتِ حق لطفِ یزداں ...... (ﷺ)"

(نقی علی خاں بریلوی، علامہ: تفسیر سورۂ الم نشرح، رضوی کتاب گھر دہلی، ص 4/7)

علاوہ ازیں امام احمد رضا محدث بریلوی کی مختلف تصنیفات کے اقتباسات، مولوی شبلی نعمانی کی نثر "ظہورِ قدسی"، سید سلیمان علی ندوی کے "خطباتِ مدراس"، مفتی محمد شریف الحق امجدی کی "نزہۃ القاری شرح بخاری" کی مختلف جلدیں، پیر کرم شاہ ازہری کی سیرت پر سات مجلدات کو محیط "ضیاء النبی" کی جلد 2/3/4/5، اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی مجددی کراچی کی "جانِ ایمان" اور "جانِ جاناں" ماہر القادری کی "دُرِّ یتیم" اور دیگر کتبِ سیرت وغیرہ نثری نعت کے نہایت خوبصورت اور دل کش نمونوں کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ متذکرہ بالا کتب سے بعض کی عبارتیں ذیل میں ہدیۂ قارئین ہے :

"ہم سراس کا دیکھا نہ سنا، فرِ رسالت اس سے پیدا، اور افسرِ شفاعت اس پر زیبا، سرفرازانِ عالم اس کی سرکار میں فرقِ ارادت زمینِ انکسار پر رکھتے ہیں اور سرشارانِ بادۂ نخوت اپنی سرکشی اور خودسری سے توبہ کرتے ہیں ......

...... روئے روشن زلفِ سیاہ میں نمایاں ہے، یا نورِ بصر مردمکِ چشم سے درخشاں، ماہِ دو ہفتہ پُرنور عارض سے تاباں، شمسِ بازغہ اس کے مدرسۂ تنویر میں شمسیہ خواں، لعلِ بدخشاں کا اس کی رنگینی سے دم فنا اور گلستانِ ارم کا صرصرِ

خجالت سے رنگ ہوا۔ اس عارضۂ پُرنور کے عشق میں رنگِ رخسارِ سحر فق ہے۔ اور سینۂ ماہ شق، مراءتِ خیال کو سکتہ، چراغِ صبح سسکتا، مطبخِ گل زار سرد، رنگِ شفق زرد، دلِ شبنم افسردہ، روئے گل پژمردہ، دُر با گریاں، مرجانِ بے جان، آئینۂ حیران، خورشید سرگرداں، شمعِ چراغِ سحر، عقیق خون در جگر، لالۂ خونین کفن، قمری طوقِ غم بہ گردن، یاقوت بے دم، لعل زیرِ بارِ غم، یدِ بیضا دست بردل، تدرو بے تیغ بسمل، بلبل کو اس گلستانِ خوبی کی یاد میں سبقِ بوستان فراموش، اور مرغِ طمن اس گلِ رنگین کے شوق میں روز و شب نالاں و مدہوش، آئینۂ حلب پر اگر وہ سرِ عرب عکس افگن ہو سوزِ محبت سے گل جائے، اور ورقِ گل پر اگر وصفِ عارضِ رنگین زیبِ رقم ہو پیرہن میں پھولا نہ سمائے۔ یا ایہا المشتاقون بنورِ جمالہٖ صلوا علیہ وآلہٖ۔" (19)

☆

"ہاں! جشن کی وہ رات، راتوں کی سرتاج ...... رشکِ شبِ قدر، ...... نازشِ لیلۃ القدر ...... ہاں! اس رات ستارے چمک رہے تھے ...... چاندنی کھل رہی تھی ...... نور کی چادر پھیلی ہوئی تھی ...... فضائیں مہک رہی تھیں، ہوائیں چل رہی تھیں، خاموشیاں مسکرا رہی تھیں ...... وہ آنے والا پیکرِ بشری میں آرہا تھا ...... ہاں! رات گذر گئی، وہ آگیا ...... صبح ہوگئی، ہر طرف چہل پہل ہے ......

ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہیں ...... ماں خوش ہو رہی ہیں ...... دادا عبدا ✵ مسکرا رہے ہیں ...... چچاؤں کی دل کی کلیاں کھل رہی ہیں ...... خوشی میں باندیوں کے بندھن کھل رہے ہیں ...... سدا کے اسیروں کو آزادیاں مل رہی ہیں ...... اللہ اللہ! وہ پیارا، ماں کا دُلارا، سیہ کاروں کا سہارا کیا آیا عالم میں بہار آگئی ...... اُس کی آمد آمد کی ساتویں دن خوشی منائی گئی ...... دادا نے نام رکھا ...... محمد ...... مگر یہ نام تو قرنوں پہلے رکھا جا چکا تھا ......" (20)

☆

"حسن و جمال کا یہ داتا ...... جس نے سارے عالم کو حسن و جمال کی بھیک بانٹی ...... جس کے صدقے کائنات کے ذرّے ذرّے پر نکھار آیا ...... جو کائنات کا سنگھار ہے ...... دیکھیے دیکھیے، آگے قدم بڑھا رہا ہے ...... رُخ سے

پردہ اٹھانے والا ہے...... جلوہ دکھانے والا ہے...... مگر وہ تو آدم (علیہ السلام) کی تخلیق سے پہلے بھی نبی تھا...... دیکھنے والوں نے اسے دیکھا بھی تھا...... مگر ہم نے نہ دیکھا تھا...... ہم کو دکھایا جانا تھا...... اسی لیے نا معلوم کب سے اُس کی رسالت و ختمیت کی بات ہورہی تھی...... اس کے آنے سے صدیوں پہلے اس کے آنے کی خبریں دی جارہی تھیں...... ذرا ماضی کی طرف چلیے، دور...... بہت دور...... سنیے سنیے...... نوعمری کا زمانہ ہے، چچا کے ساتھ شام کے سفر پر جارہے ہیں، اچانک بحیرہ راہب کی نظر پڑتی ہے، بے ساختہ پکار اٹھتا ہے یہ بچہ وہی نبی ہے جس کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی...... پھر جب جوانی میں تجارت کے لیے تشریف لے گئے تو نسطورا راہب کی نگاہ پڑ گئی وہ بھی پکار اٹھا آپ اس امت کے نبی ہیں ......" (21)

☆

"جب وہ جانِ راحت کانِ رافت پیدا ہوا...... بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کیا اور ربِّ ھب لی اُمّتی فرمایا...... جب قبر شریف میں اُتارا گیا؛ لبِ جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا؛ آہستہ آہستہ اُمتی فرماتے تھے ...... قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے...... تانبے کی زمین...... ننگے پاؤں ...... زبانیں پیاس سے باہر...... آفتاب سروں پر...... سایے کا پتا نہیں...... حساب کا دغدغہ...... مَلِکِ قہار کا سامنا...... عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا...... مجرمانِ بے یار دامِ آفت کے گرفتار...... جدھر جائیں گے سوا نفسی نفسی اِذْھبوا الیٰ غیری کچھ جواب نہ پائیں گے...... اُس وقت یہی محبوبِ غم گسار کام آئے گا ...... قفلِ شفاعت اس کے زورِ بازو سے کھل جائے گا...... عمامہ سرِ اقدس سے اُتاریں گے اور سر بہ سجود ہو کر "اُمتی" فرمائیں گے...... وائے بے انصافی! ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جاں نثار کرنا اور مدح و ستایش و نشرِ فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب...... یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور اِن روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے......" (22)

☆

حواشی

(1) ابن منظور: لسان العرب، دار لسان العرب، بیروت ص668
(2) زبیدی: تاج العروس، بالمطبعۃ الخیریۃ المنشاۃ بجمالیہ، مصر ج1، ص93
(3) المنجد: مرکزی ادارۂ تبلیغ دینیات، دہلی، ص1028
(4) ولیم ٹامسن ورٹے: معجم العربیہ، مولی رام مینجر مفید عام پریس، چڑ جی روڈ، لاہور، ص1121/1122
(5) عبدالحفیظ بلیاوی، مولوی: مصباح اللغات، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی لاہور، ص887
(6) خانصاحب سید احمد دہلوی، مولوی: فرہنگ آصفیہ، نیشنل اکاڈمی دہلی، 1974ء ج4، ص579
(7) غیاث الدین: غیاث اللغات، رزاق پریس، کان پور 1332ھ
(8) لغاتِ فارسی: پبلشر لالہ رام نرائن لال بینی مادھو، الٰہ آباد، 1931ئ ص904
(9) لغات کشوری: مولوی تصدق حسین رضوی، دار الاشاعت کراچی، ص537
(10) نور اللغات: مولوی نور الحسن نیر کاکوروی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی، 1998ئ ص833
(11) فیروز الدین، مولوی: فیروز اللغات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ص683
(12) سلیم شہزاد: فرہنگ ادبیات، منظر نما پبلشرز، ص709
(13) اوج: نعت نمبر ج2، گورنمنٹ کالج شاہدرہ، لاہور ص562
(14) اوج: نعت نمبر ج2، گورنمنٹ کالج شاہدرہ، لاہور ص155
(15) رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر: اردو کی نعتیہ شاعری، اردو اکیڈمی، سندھ، 1976ء، ص21
(16) عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر: رضا گائڈ بک، رضا اکیڈمی برطانیہ، ص2
(17) پیر کرم شاہ ازہری، علامہ: ضیاء النبی، مطبوعہ دہلی، ج2، ص174/175
(18) پیر کرم شاہ ازہری، علامہ: ضیاء النبی، مطبوعہ دہلی، ج2، ص365
(19) نقی علی خاں بریلوی، علامہ: سرور القلوب بذکر المحبوب، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی، ص119/120
(20) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: جانِ جاناں، رضوی کتاب گھر، دہلی، 1990ء ص49/50
(21) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: جانِ جاناں، رضوی کتاب گھر، دہلی، 1990ء ص57

(22) احمد رضا بریلوی، امام: مجموعۂ رسائل نور اور سایا، رضا اکیڈمی، ممبئی، 1998ئ، ص73

{............}

باب دوّم

نعت گوئی کا فن

الف

نعت گوئی کا فن: اقوالِ علماے ادب کی روشنی میں

باب دوّم

الف: نعت گوئی کا فن۔ اقوالِ علماے ادب کی روشنی میں

جس طرح دیگر اصنافِ سخن میں قصیدہ، مثنوی، رباعی، غزل وغیرہ کا اپنا ایک منفرد اور

جداگانہ مقام ہے۔اسی طرح نعت بھی اپنے اصول وضوابط کے اعتبار سے ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔دراصل اصنافِ ادب میں نعت سے زیادہ لطیف، نازک اور مشکل ترین کوئی صنفِ سخن نہیں اور اس سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہونا ممکن بھی نہیں اس لیے کہ ذاتِ باری تعالیٰ خود رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناخواں و مدح خواں ہے۔

نعت نگار کو اپنا شہبازِ فکر بڑے ہی ہوش وخرد کے ساتھ اس پُرخطر وادی میں پرواز کرنا پڑتا ہے۔اگر اس سے اس راہ میں ذرہ بھر بھی لغزش اور کوتاہی ہوجاتی ہے تو اس کا ایمان واسلام اور دین ومذہب دونوں خطرے میں پڑجاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نعت کے میدان میں آہستگی کے ساتھ نہایت سنبھل کر حزم واحتیاط کے دامن کو تھامے ہوئے قدم رکھنا ضروری ہے۔اکثر نعت گوشعرا نے اس پُرخطر وادی میں بڑے ہوش وحواس کے ساتھ قدم رکھا ہے۔علاوہ ازیں ایسے نعت گوشعرا بھی ہیں جن سے اس راہ میں لغزشیں ہوئی ہیں جس کا ذکر آئندہ باب میں کیا جائے گا۔البتہ جن نعت گوشعرا نے اس پُر وادی کے خطرات اور فنِ نعت کی اہمیت وعظمت، اس کے مقام ومرتبہ اور تقدس کو محسوس کیا ہے ان کے جذبات واحساسات کو ذیل خیالات کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی :

’’حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہونچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے، غرض ایک جانب اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت پابندی ہے۔‘‘ (1)

عبدالکریم ثمر:

’’نعت نہایت مشکل صنفِ سخن ہے نعت کی نازک حدود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی آفاقیت قائم رکھنا آسان کام نہیں۔سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ذراسی بے احتیاطی اور ادنیٰ سی لغزشِ خیال والفاظ ایمان وعمل کو غارت کردیتی ہے۔‘‘ (2)

مجید امجد:

’’حقیقت یہ ہے کہ جنابِ رسالت مآب ﷺ کی تعریف میں ذراسی لغزش نعت گو کو حدودِ کفر میں داخل کرسکتی ہے۔ذراسی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے، ذراسا شاعرانہ غلو ضلالت کے زمرے میں آسکتا ہے، ذراسا عجزِ بیان اہانت کا باعث بن سکتا ہے۔‘‘ (3)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی:

’’نعت کے موضوع سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں موضوع کا احترام کلام کی بے کیفی اور بے رونقی کی پردہ پوشی کرتا ہے، نقاد کو نعت گو سے باز پُرس کرنے میں تامل ہوتا ہے اور دوسری طرف نعت گو کو اپنی فنی کمزوری چھپانے کے لیے نعت کا پردہ بھی بہت آسانی سے مل جاتا ہے، شاعر ہر مرحلہ پر اپنے معتقدات کی آڑ پکڑتا ہے اور نقاد جہاں کا تہاں رہ جاتا ہے لیکن نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔‘‘ (4)

ڈاکٹر اے۔ڈی۔نسیم قریشی:

’’نعت گوئی کا راستہ پُل صراط سے زیادہ کٹھن ہے اس پر بڑی احتیاط اور ہوش سے چلنے کی ضرورت ہے اس لیے اکثر شاعروں نے نعت کہنے میں بے بسی کا اظہار کیا ہے جس ہستی پر خدا خود درود بھیجتا ہے انسان کی کیا مجال کہ اس کی تعریف کا احاطہ کرسکیں۔‘‘ (5)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

’’نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم اور وسیع موضوع ہے اس کی عظمت ووسعت ایک طرف عبد سے اور دوسری معبود سے ملتی ہے۔شاعر کے پائے فکر میں ذراسی لغزش ہوئی اور وہ نعت کے بجائے گیا حمد ومنقبت کی سرحدوں میں۔اس لیے اس موضوع کو ہاتھ لگانا اتنا آسان نہیں جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔حقیقتاً نعت کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار

کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔" (6)

مذکورہ بالا فکر انگیز، پاکیزہ خیالات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ایسی ارفع واعلا ذات کو جب شاعر اپنی شاعری کا موضوع بناتا ہے تو اسے کن سنگلاخ وادیوں سے گذرنا پڑے گا اور کس قدر قیود وآداب اس کے عنان گیر رہیں گے، لہٰذا نعت گوئی ہماری شاعری میں سب سے زیادہ اہم اور دشوار گزار وہ موضوع ہے جو اس خیال کو استحکام بخشتا ہے کہ جن حضرات کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی تعلق اور روحانی رابطہ ہوگا یقیناً وہی اس پُرخار وادی میں قدم رکھ سکتے ہیں۔ عشقِ رسول ﷺ اور جذبۂ ایمانی سے سرشار ہو کر نعت گوئی کے لیے دیوانہ وار قلم برداشتہ نہیں لکھا جائے گا کہ اس طرح شاعر اس مقام تک جا سکتا ہے جو کفر واسلام اور شرک وتوحید کی سرحد ہے۔ اس لیے نعت گو شاعر پر اوزان وبحور ہی کی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں بلکہ اسلام اور شریعت کا پاس ولحاظ اس کے لیے لازمی ہے۔ دراصل نعت ہماری شاعری کی وہ محبوب اور پاکیزہ صنف ہے جس کے ڈانڈے ایک طرف عبد سے اور دوسری طرف معبود سے ملتے ہیں اور اس کا راستہ بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے، نعت گو جب تک عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر توحید ورسالت اور عبودیت کے نازک رشتوں میں ہم آہنگی پیدا نہ کرے اس وقت تک وہ نعت گوئی کے منصب سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ نعت کا فن نہایت مشکل ہے، کیونکہ نعت کے مضامین قرآن وحدیث سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ اُن مضامین کو نظم ونثر میں اس اسلوب اور طرزِ ادا میں بیان نہیں کیا جا سکتا جسے دوسرے معشوقانِ مجازی کے ذکر کے وقت شاعر استعمال کرتا ہے، یہاں چشمِ زدن کے لیے بھی ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جانے پر شاعر کا اسلام وایمان تباہ وبرباد ہو سکتا ہے۔

دراصل نعت ایک ایسے ممدوح کی تعریف وتوصیف ہے جس کی بارگاہ میں بے جا مبالغہ آرائی قربتِ ممدوح کا وسیلہ نہیں بن سکتی اور نہ یہاں اس بیان کو باریابی حاصل ہے جو حق وصداقت کی ترجمانی سے محروم ہو۔ یہاں قدم قدم پر خطرات کا سامنا ہے، کیوں کہ نعت اُس ذاتِ مقدس کی مدح سرائی ہے جن کی بارگاہ میں دانستہ ونادانستہ ذرا بھی سوءِ ادب حبطِ اعمال کا سبب ہو سکتا ہے، یہاں "با خدا دیوانہ باش وبا محمد ہوشیار" کی منزل ہمہ وقت سامنے رہنی چاہیے۔ غرض یہ کہ نعت کی راہ شاعری کی سخت ترین راہوں میں سے ہے اور تمام اصنافِ سخن سے مشکل، اگر حد

سے تجاوز کرتا ہے تو الوہیت کی تجلی خاکستر کردے گی اور کمی کرتا ہے تو تنقیصِ شانِ رسالت کی تیز تلوار شاعر کی گردن ناپ دے گی لہٰذا اس فن کی نزاکتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بڑے محتاط فکر وتخیل، ہوشیاری اور ادب شناسی کی ضرورت پڑتی ہے کسی خیال کو فنی پیکر عطا کرنے سے پہلے اس کو سو بار احتیاط کی چھلنی میں چھان لینا پڑتا ہے تب کہیں جا کر وہ معرضِ وجود میں آتا ہے اور احتیاط کے تقاضوں کو ادا کرتا ہے۔

حواشی

(1) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، مفتیِ اعظم: الملفوظ، مطبوعہ کانپور، ص144/145

(2) نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج10، ص24

(3) نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج10، ص24

(4) نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج10، ص25

(5) نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج10، ص25

(6) نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج10، ص25

{............}

ب: حزم واحتیاط اور موضوع روایتیں

نعت جملہ اصنافِ ادب میں انتہائی مشکل ترین اور حزم واحتیاط کی متقاضی صنف ہے، یہ پُل صراط پر چلنے اور تلوار پر قدم رکھنے کے مترادف ہے، بہ قولِ عُرفیؔ ؎

عُرفیؔ مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا

آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہ کونین و مدیحِ کے و جم را

گذشتہ اوراق میں نعت اور آدابِ نعت سے متعلق جید علماے ادب کے گراں قدر اقوال وتاثرات کو پیش کیا گیا ہے جن کے مطالعہ کے بعد نعت کا سب سے اہم ترین اور قابلِ توجہ پہلو سامنے آیا ہے وہ حزم واحتیاط کا ہے۔

حزم واحتیاط نعت کے دیگر جملہ لوازمات وضروریات میں انتہائی اہم جز ہے۔ اگر شاعر اس میں سرِ مو بھی حد سے تجاوز کرتا ہے تو الوہیت تک پہونچ کر شرک جیسے گناہِ عظیم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے اور اگر بال برابر بھی کمی کرتا ہے تو تنقیصِ شانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہوجاتی ہے اور وہ بجائے ثناخوانِ رسول کہلانے کے بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادب اور گستاخ سمجھا جاتا ہے اور لعنت کے طوق کا حامل ہوجاتا ہے۔ یہ دونوں باتیں شاعر کے لیے دنیا وآخرت دونوں جگہ نقصان کی باعث بنتی ہیں۔ اسی لیے نعت کے میدان میں آہستگی کے ساتھ نہایت سنبھل کر حزم واحتیاط کے دامن کو سختی سے تھامے ہوئے قدم بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے، نعت کے میدان میں لحہ لحہ باادب، باملاحظہ، ہوشیار کی صداے بازگشت گونجتی رہتی ہے اور یہاں پاے اسلوب میں ہر لحظہ شریعتِ مطہرہ کی بیڑیوں کی کارفرمائیاں ہوتی ہیں۔

نعت دراصل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی، تہنیت، ثناگوئی اور قصیدہ خوانی کا نام ہے کہ جن کے اوصافِ حمیدہ اور خصائلِ جمیلہ کو خود خالقِ کائنات جل شانہٗ نے قرآنِ پاک میں بیان فرمایا ہے، کہیں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مزمل ومدثر، کہیں طٰہٰ ویٰس، کہیں منذر ونذیر، کہیں سراجِ منیر جیسے القاب وخطابات سے یاد فرما کر محبوبِ رعنا صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدس مآب بارگاہ کا ادب واحترام بتایا اور نعت گوئی کرنے والوں کو سلیقہ وشعور بخشا۔ دیکھا جائے تو قرآنِ مقدس کے ورق ورق میں ثناے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا مسطور ہے اور اس کی سطر سطر بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر کا نورِ بصیرت اکنافِ عالم میں عام کررہی ہیں۔ غرض یہ کہ قرآنِ مقدس مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بھی ہے اور کامل واکمل ترین اولین درس گاہِ نعت بھی۔

قرآن وسنت اور سیرتِ طیبہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اگر نعت قلم بند کی جائے تو شاعر ہر قسم کی بے راہ روی، افراط وتفریط، غلو واغراق اور کج بیانی سے کوسوں دور رہے گا، بہ قول امام احمد رضا محدثِ بریلوی ؎

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
تا کہ رہے احکامِ شریعت ملحوظ

چناں چہ یہ امر ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے وہی شاعر نعت گوئی میں کام یاب وکامران ہوسکتا ہے جو شریعتِ مطہرہ کے رموز واسرار سے کماحقہٗ واقف ہو اور سیرتِ طیبہ کا قاری وعامل بھی۔ کیوں کہ نعت میں خیالات کی بے راہ روی، افراط وتفریط اور غلو واغراق کی چنداں گنجائش نہیں ہوتی یہاں لحہ بھر کے لیے بھی زمامِ حزم واحتیاط ہاتھ سے بہ ہر صورت نہیں چھوٹنا چاہیے ورنہ شاعر کا ایمان واسلام اور دین ومذہب خطرے میں پڑ جائے گا اور جس کے نتیجے میں وہ خسر الدنیا والآخرۃ قرار دیا جائے گا۔

احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ قیس وفرہاد، وامق ورانجھا اور لیلا ومجنوں کی طرح بے محابا عشق ومحبت کے اظہار واشتہار کی بارگاہ نہیں بل کہ یہاں صدیق وفاروق، عثمان وعلی، سلمان وبوذر، خالد وابن رواحہ اور دیگر جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تبتّل مخلصانہ احترام وعقیدت، تعظیم وتوقیر اور عشق ومحبت کی خاموش عبادت مقبول ہے، اس مقام پر دلِ رنجور کے ہزار پارچے یہاں وہاں بکھیرنے والوں کا ازدحام نہیں بل کہ کفر وشرک، باطل پرستوں اور دشمنانِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکرِ جرار کے مقابل چند فدایانِ شوق، حق پرست دیوانگانِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سربہ کف عقیدت مندیاں اور جذبۂ ایثار وقربانی کی الفت آمیز سرشاریاں ہیں۔ اس بارگاہِ عظمت نشان میں دربارِ ایزدی کے مقرب قدسیانِ کرام اس درجہ ادب واحترام سے حاضر ہوتے ہیں کہ ان کے پروں کی آہٹ بھی محسوس نہیں ہوتی بہ قولِ علامہ اختر رضا ازہری بریلوی ؎

"ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرشِ نازک تر"
یہاں آتے ہیں یوں قدسی کہ آوازہ نہیں پر کا

نعتیہ ادب کا ناقدانہ مطالعہ وتجزیہ کرنے کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح اور

عیاں ہوجاتی ہے کہ جہاں بیش تر نعت گوشعرا نے انتہائی درجہ حزم واحتیاط سے کام لیتے ہوئے بارگاہِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنا خراجِ عقیدت ومحبت پیش کیا ہے وہیں بعض شعرا سے نعت گوئی کے میدان میں لغزشیں بھی ہوئی ہیں اور ان کے ہاتھوں سے احتیاط کا دامن چھوٹتا نظر آیا ہے انھوں نے نعت میں ان مضامین کو نظم کردیا ہے جن سے بچنا اور دور رہنا لازمی امر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان شعرا کے اشعار میں افراط وتفریط اور غلو واغراق پایا جاتا ہے۔ ویسے نعتیہ ادب کی روح سے واقف حضرات نے تنقید واصلاح کا کارنامہ شروع سے ہی جاری رکھا تھا۔ اس ضمن میں ایک تاریخی واقعہ کا ذکر کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ اردو زبان کے مشہور شاعر جناب اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت لکھ کر امام احمد رضا بریلوی کے پاس بہ غرضِ ملاحظہ ارسال کی، جس کا مطلع تھا ؎

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلا کے سامنے

امام احمد رضا بریلوی اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ مطلع کا مصرع ثانی منصبِ رسالت سے فروتر ہے۔ محبوبِ کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبدِ خضرا کو خیمۂ لیلا سے تشبیہ دینا بے ادبی ہے اور مجنوں میاں بیچ میں کہاں سے آگئے؟ یہ تو ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے، ساتھ ہی قلم برداشتہ یوں اصلاح فرمائی ؎

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلا کے سامنے

حضرت اطہر ہاپوڑی اس اصلاح پر اتنا خوش ہوئے کہ تاعمر اس پر نازاں رہے۔ یہ ان تمام شعرا کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو نعتِ پاک میں بے احتیاطی اور من گھڑت واقعات کے باب میں توجہ دلانے پر برافروختہ ہوجاتے ہیں۔

میدانِ نعت میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اچھے اچھے اور نام ور شعرا کے کلام میں بھی بے اعتدالی پائی جاتی ہے؛ مثلاً امیرؔ مینائی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ظاہر ہے لفظِ أحد و احمدِ بے میم
بے میم ہوئے عین خدا احمدِ مختار
قرآن ہے خورشید تو نجم صحیفے

اللہ گہر اور صدف احمدِ مختار

طور کا جلوہ تھا جلوہ آپ کا
لن ترانی تھی صدائے مصطفیٰ

طور روضہ ہے تو میں صورتِ موسیٰ لیکن
اَرِنی منہ سے نکالوں جو مزار آئے نظر

مندرجہ بالا اشعار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امیرؔ مینائی سے لغزشیں ہوئی ہیں کیوں کہ ان اشعار میں حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کا بیان الوہیت کی صفات سے متصف کرکے کیا گیا ہے جس سے اخذ ہونے والا مفہوم یہی بتاتا ہے کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا ہیں۔ جب کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی سخت ممانعت فرمائی ہے کہ ہرگز ہرگز تم مجھ کو خدا نہ بنانا چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں:

"مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ کیا میں تو خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں مجھے صرف خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔" (1)

چناں چہ اسی حدیث پاک کی ترجمانی فرماتے ہوئے عاشق رسول اور عظیم نعت گو شاعر حضرت علامہ شرف الدین بوصیری علیہ الرحمہ (م 695ھ) اپنے مشہور زمانہ قصیدۂ بُردہ میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

"دَع مَادَّعَتہ النَّصاریٰ فی نَبِیِّھِمُ
وَاحکُم بِمَا شِئتَ مَدحاً فیہِ وَاحتَکِم

ترجمہ: وہ نعت چھوڑ جو عیسائیوں نے اپنے نبی کی شان میں کہی، کہ ابن اللہ بنا ڈالا اور اس کے سوا جو کچھ نعت میں کہنا چاہے حکم لگا کر اور فیصلہ کرکے کہہ۔"

اس کے علاوہ دیگر شعرا کے اشعار بھی ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں جنھوں نے حزم و احتیاط کی شرط کو برقرار نہ رکھتے ہوئے شاعری کی ہے ؎

محمد نے خدائی کی خدا نے مصطفائی کی

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

عشق کی ابتدا بھی تم عشق کی انتہا بھی تم
رہنے دو راز کھل گیا بندے بھی تم خدا بھی تم
(بیدم شاہ وارثی)

انسانیت کو بخشی وہ معراج آپ نے
ہر آدمی سمجھنے لگا ہے خدا ہوں میں
(اعظم چشتی)

مذکورہ بالا اشعار میں عبد و معبود اور الوہیت و رسالت کے فرق کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے شرکیہ مضامین قلم بند ہوئے ہیں ان اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بندہ بھی اور خدا بھی بتایا گیا ہے اور ان اشعار میں بارگاہِ خداوندی کے لیے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اسے بے ادبی قرار دینا غیر مناسب نہ ہوگا۔ اور اس طرح کے معاملات مشہور اور عظیم نعت گو شاعر محسنؔ کاکوروی کے کلام میں بھی ملتے ہیں، آپ کا کلام ملاحظہ ہو

عینیت سے غیرِ ربّ کو ربّ سے
غیریت عین کو عرب سے
ذاتِ احمد تھی یا خدا تھا
سایا کیا میم تک جدا تھا (2)

ان شعروں میں "احمد" کے "میم" کو ہٹا کر "اَحد" اور "عرب" سے "عین" کو لفظ سے جدا کر کے "رب" بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ نعت کا فن نعت نگار سے یہ چاہتا ہے کہ وہ نعت لکھتے ہوئے شریعت کا پاس و لحاظ کرے اور الوہیت و رسالت کے فرق کو سمجھے۔ یقیناً نعت کے پلِ صراط پر چلنا نہایت مشکل کام ہے، نعت گوئی "اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں" سے

عبارت ہے۔

علاوہ ازیں مدینۂ طیبہ کے لیے "یثرب" کا استعمال شرعاً منع ہے۔ ڈاکٹر اقبال، محمد علی جوہرؔ، امیرؔ مینائی، ظفرؔ علی خاں، حفیظؔ جالندھری نے یثرب کا استعمال کیا ہے۔ اسی طرح جب حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاے کرام علیہم السلام کا تقابل بھی شعرا کرتے ہیں تو بعض اوقات اس میں بھی بے ادبی کا پہلو نکل جاتا ہے۔ اس لیے دیگر انبیاے کرام علیہم السلام سے تقابل کے موقع پر "تلک الرسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض" کو پیشِ نظر رکھ کر سلیقہ مندی اور ادب و احترام کو ملحوظ رکھنا بھی از حد ضروری ہے۔

میدانِ نعت میں ان احتیاطی رویوں کے ساتھ متن اور لفظوں کے انتخاب میں بھی غایت درجہ توجہ کی ضرورت ہے۔ نعت میں انھیں مضامین کو نظم کیا جانا چاہیے جو مستند اور قرآن و حدیث کے متقاضی ہیں اور روایت و درایت کے اصولوں سے پایۂ ثبوت تک پہنچتے ہیں۔ بابِ فضائل میں ضعیف روایتیں بھی قابلِ قبول ہیں۔ لیکن موضوعات اور من گھڑت واقعات و قصص اور روایتوں کو جلیل القدر محدثین و محققین اور علماے محتاطین کے نزدیک کسی بھی قسم کا مقامِ اعتبار حاصل نہیں ہے۔ واضح ہونا چاہیے کہ نعت گوئی میں موضوع اور من گھڑت روایتوں کو بیان کرنا نعت گوئی کے اصولوں کے یک سر منافی ہے۔ نعت نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ نعت گوئی سے پہلے صرف نعتیہ شاعری ہی نہیں بل کہ مستند روایتوں پر مشتمل سیرتِ طیبہ کی کتب و رسائل کا بھی گہرائی سے مطالعہ کرے۔

مشہور ناقد و شاعر احسان دانشؔ اپنے شاگردوں کو مشورہ دیا کرتے تھے کہ:

"صرف شاعری کا مطالعہ کافی نہیں ہے، اچھا اور ستھرا شعر کہنے کے لیے نثری ادب بھی پڑھنا ضروری ہے۔"

بہ قول عزیز احسنؔ (کراچی):

"نعتیہ اشعار قلم بند کرنے کے لیے تو نثری ادب کی شرط کے ساتھ ساتھ دینی ادب کی شرط بھی لگانی ضروری ہے۔"

چناں چہ نعت گو کو چاہیے کہ وہ سیرت و مغازی، تاریخِ اسلام، حیاتِ طیبہ، اور فضائلِ سیدُ الانام صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی گئی مستند نثری کتب کا بھی مطالعہ کرے۔ موضوع اور من گھڑت

روایتوں پر مشتمل میلاد ناموں، معراج ناموں، مواعظ، خطبات اور حکایات سے دور رہے تاکہ اس کا کلام ہر قسم کی بے اعتدالی، بے راہ روی اور شرعی اسقام سے پاک و مبرا بن سکے۔ بلا تردد ہر قسم کے زبان زدِ خاص و عام غیر ثقہ اور وضعی مضامین، جعلی حکایات اور واقعات کو نعت میں منظوم کرتے رہنا یہ کسی بھی طرح سے لائقِ تحسین نہیں۔ ہاں! یہ بات بھی تسلیم ہے کہ دورِ متاخرین و متوسطین کے شعرا کا ماخذ عموماً سنی سنائی روایتوں اور غیر مستند واقعات و حکایات پر مشتمل کتابیں تھیں اور جن کے صحیح و سقیم کا اندازہ لگانا بہر کیف! ایک مشکل امر تھا۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ بعض علمائے اعلام نے روایت و درایت کے اصولوں پر جانچ پرکھ کر ایسی جملہ موضوع روایتوں کو اپنی کتب و رسائل میں جمع کر دیا ہے۔ اردو نعتیہ شاعری میں کثرت سے نظم کیے جانے والے بعض ایسے مضامین کی نشان دہی ذیل میں نشانِ خاطر فرمائیں۔

شبِ معراج میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف سمیت عرشِ معلا پر تشریف لے جانے سے متعلق ایک روایت کو نعت گو شعرا نے کافی نظم کیا ہے؛ اس کے مفہوم سے پہلے چند مشہور شعرا کے اشعار ملاحظہ کریں
ـــ

نعلینِ پا سے عرشِ معلا کو ہے شرَف
روح الامیں ہے غاشیہ بردارِ مصطفیٰ

(بیدمؔ وارثی)

حکم موسیٰ کو ''فاخلع'' مگر معراج میں
تاجِ فرقِ عرشِ بریں ہے نعلینِ پائے مصطفیٰ

(وہبیؔ لکھنوی)

ان کے نعلین کا مقام فلک
ان کے نعلین تک مری
پرواز

(بشیر حسین ناظمؔ)

عرشِ اعلا کا بھی اعزاز بڑھا ہے اُن سے
سلسلہ فیض کا ایسا ترے نعلین میں ہے

(غلام قطب الدین فریدؔ)

اُن کے جس کے نام کو جھک جائے عقیدت کی جبیں
جس کی نعلین کہ اتری نہ سرِ عرشِ بریں

(ادیبؔ رائے پوری)

یا نبی دیکھا ہے رتبہ آپ کی نعلین کا
عرش نے چوما ہے تلوا آپ کی نعلین کا

(نثار علی اجاگرؔ)

متذکرۂ بالا واقعہ کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرشِ الٰہی کی طرف عروج فرمایا تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے پیشِ نظر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا تھا :

اے موسیٰ بے شک میں تیرا رب ہوں تو تُو اپنے جوتے اتار ڈال،
بے شک تُو پاک جنگل طویٰ میں ہے۔(3)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نعلین اتارنے کا قصد فرمایا؛ لیکن ارشاد ہوا :

یا محمد! لا تخلع نعلیک لتشرف السماء بھما۔

ترجمہ: اے محمد! تم اپنے نعلین نہ اتارو تاکہ آسمان ان سے شرف حاصل کرے
ـــ

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلینِ مقدس کی فضیلت و عظمت پر لکھی جانے والی علامہ احمد المقری التلمسانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب ''فتح المتعال فی مدح النعال'' اور علامہ رضی الدین قزوینی اور محمد بن عبدالباقی زرقانی علیہم الرحمۃ نے ''شرح مواہب اللدنیہ'' میں زور دے کر وضاحت کی ہے کہ یہ قصہ مکمل طور پر موضوع ہے۔

''فتح المتعال فی مدح النعال'' کا اردو ترجمہ حضرت مولانا محمد خان قادری رضوی اور حضرت مولانا محمد عباس رضوی کی مشترکہ کاوش سے منظرِ عام پر آچکا ہے۔ مذکورہ مترجم کتاب کے مقدمہ اور بعض تقریظات میں اس روایت کو نقل کر کے استشہاد کرتے ہوئے نعلینِ پاک کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جب کہ علامہ احمد المقری التلمسانی نے شیخ السبتی، شیخ ابوالحسن علی بن احمد الخزرجی اور دیگر حفاظِ حدیث کے حوالے سے اسے موضوع قرار دیا ہے۔(4)

امام محمد بن عبدالباقی زرقانی علیہ الرحمہ نے امام رضی الدین قزوینی و دیگر محدثین کے حوالے سے اس روایت کو گھڑنے والے کے غارت ہونے کی دعا کی ہے۔ امامِ نعت گویاں امام احمد رضا محدث بریلوی سے بھی اس روایت کے بارے میں سوال کیا گیا، چناں چہ احکامِ شریعت میں ہے کہ :

’’سوال: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شبِ معراج عرشِ الٰہی پر نعلینِ مبارک سمیت تشریف لے جانا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: یہ محض جھوٹ اور موضوع ہے۔ واللہ اعلم۔‘‘(5)

اسی طرح واقعۂ معراج کے ضمن میں بیان کی جانے والی وہ روایت جسے ’’معارج النبوۃ‘‘ کے حوالے سے واعظین سنایا کرتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یوں ہے :

’’حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج براق پر سوار ہوتے وقت اللہ تعالیٰ سے وعدہ لے لیا ہے کہ روزِ قیامت جب کہ سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے، ہر ایک مسلمان کی قبر پر اسی طرح ایک براق بھیجوں گا، جیسا کہ آج آپ کے واسطے بھیجا گیا۔‘‘

متذکرہ بالا روایت کو بھی بعض شعرا نے اپنی نعتوں میں نظم کیا ہے؛ اس کے بارے میں بھی امام احمد رضا محدثِ بریلوی سے استفسار کیا گیا کہ:

’’سوال: یہ مضمون صحیح ہے یا نہیں اور کتاب ’’معارج النبوۃ‘‘ کیسی کتاب ہے، اس کے مصنف عالمِ اہلِ سنت اور معتبر محقق تھے یا نہیں؟

جواب: بے اصل ہے۔ ’’معارج النبوۃ‘‘ کے مولف سنّی واعظ تھے، کتاب میں رطب و یابس سبھی کچھ ہے۔ واللہ اعلم۔‘‘(6)

علاوہ ازیں معراج کے حوالے سے یہ بات بھی بے حد مشہور ہے کہ گلاب کا پھول اس رات آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینۂ مبارک سے پیدا ہوا اور اس کی خوش بو میں بھی یہی راز پوشیدہ ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یوں نقل کیے گئے ہیں۔

من اراد ان یشم رائحتی فلیشتم الورد الاحمر۔

ترجمہ: جو میری خوش بو کو سونگھنا چاہے وہ سرخ گلاب کو سونگھ لے۔(7)

امام بدرالدین زرکشی نے ’’اللآلی المنثورۃ‘‘ میں امام سخاوی نے ’’المقاصد الحسنۃ‘‘ میں اور شیخ محمد طاہر پٹنی نے ’’تذکرۃ الموضوعات‘‘ میں اسے من گھڑت اور موضوع روایت قرار دیا ہے۔(8)

واقعۂ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اس طرح کی بیش تر روایات ایسی کتابوں میں ملتی ہیں جو غیر مستند اور بے سروپا حکایات پر مبنی ہیں۔ اس سلسلے میں معارج النبوۃ اور نزہۃ المجالس کے ساتھ ساتھ بعض تقاریر کے مجموعوں کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

اسی طرح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک کی شہادت کے بارے میں خبر سُن کر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا اپنے تمام دانتوں کو توڑنے والی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں اذان سے روکنے اور آپ رضی اللہ عنہ کے اذان نہ پڑھنے کے سبب صبح کے طلوع نہ ہونے والی روایتیں بھی تواتر کے ساتھ ہمارے واعظین اور بیش تر نعت گو شعرا بیان کرتے رہتے ہیں۔ ذیل کے اشعار دیکھیں ؎

ایک دنداں کے بدلے میں توڑے، دانت اپنے دہن میں نہ چھوڑے
تھے وہ عاشق اویسِ قرنی ، میرے پیارے رسولِ مدنی

(مدینہ کا چاند، میلاد نامہ)

جب حضرتِ بلال نے اذانِ سحر نہ دی
قدرت خدا کی دیکھیے نہ مطلق سحر ہوئی

(نامعلوم)

ان روایتوں کے بارے میں بھی علمائے محققین نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے انھیں بھی موضوع قرار دیا ہے، اس ضمن میں ممتاز عالمِ اہلِ سنت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی مصباحی سے جب راقم نے پوچھا تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا کہ :

’’ایک بار آپ نے واقعۂ اذانِ بلال (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں سوال لکھا تھا، میری اپنی کوئی تحقیق نہیں ہے، ہاں! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ اس کی تردید کیا کرتے اور کہا کرتے کہ یہ واقعہ ایسا ہے کہ اس کے راوی تواتر کی حد تک ہوں تو کسی طرح مانا جاتا مگر

یہاں ضعیف حدیث بھی ملنا مشکل ہے، یوں ہی حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دانت توڑنے والے واقعے کا بھی رد فرماتے اور کہتے یہ عقل و شرع دونوں کے خلاف ہے، حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کوئی مجذوب یا مجنون تو تھے نہیں کہ ایسی خلافِ عقل حرکت کرتے۔''(9)

نعتیہ ادب کے مطالعہ کے بعد یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ہمارے بیش تر نعت گو شعرا کے کلام میں جہاں ایسے مضامین ملتے ہیں جو صحیح اور حَسَن احادیثِ طیبہ سے ماخوذ ہیں تو ہیں ہی بل کہ بعض نے مکمل متنِ حدیث کو نظم کرنے کی کام یاب کوشش کرتے ہوئے مفہومِ حدیث کو اپنے شعروں میں خوش اسلوبی کے ساتھ برتا ہے۔ وہیں سیکڑوں نعتیہ اشعار ایسے بھی ملتے ہیں جو کسی شدید ضعیف بل کہ موضوع اور من گھڑت روایتوں پر مشتمل ہیں۔ آج کل تقریر و تحریر میں ایسی بے احتیاطی کی بھرمار ہوتی جا رہی ہے۔ واعظین اور قصہ گو قسم کے مقررین کا تو یہ معمول بنتا جا رہا ہے کہ وہ ایسی بے سروپا روایتوں کو بلا تحقیق لوگوں کے سامنے سناتے چلے جا رہے ہیں۔

حالاں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے کہ:

''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کردے۔''(10)

واقعۂ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں بعض واقعات، اذانِ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے دانت توڑنے جیسے واقعات کا محاکمہ کیا جا چکا ہے۔ نعتیہ اشعار میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ایسی باتوں کو احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر سنا، سنایا اور پڑھا جا رہا ہے جو آقاے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات میں سے نہیں ہیں۔ ان موضوع روایتوں میں سے ایک مشہور قول ہے :

''الفقر فخری و بہ افتخر''۔

فقر میرا فخر ہے اور میں اس کے ساتھ مفتخر ہوں۔

اس قول کی شہرت و مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اچھے اچھے اہلِ علم اپنی کتابوں میں اسے نقل کرکے اس سے استشہاد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور مشہور نعت گو شعرا نے اپنے کلام میں

اس مضمون کو نظم کیا ہے، چوں کہ یہاں نعت گوئی میں حزم و احتیاط اور موضوع روایتوں کے بارے میں اظہارِ خیال مقصود ہے لہٰذا چند معروف شعرا کے اشعار کے بعد ائمۂ محدثین اور ماہرینِ اصولِ حدیث کے اقوال کی روشنی میں اس قول کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جائے گا ۔

سماں ''الفقر فخری'' کا رہا شانِ امارت میں
''بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روے زیبا را''
(ڈاکٹر اقبال)

اگرچہ ''فقر فخری'' رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِ کسرائی و خاقانی
(حفیظ جالندھری)

جس کو حضرت نے کہا ''الفقر فخری'' اے ظفر
فخرِ دیں، فخرِ جہاں پر وہ فقیری ختم ہے
(بہادر شاہ ظفر)

سلام اس پر کہ تھا ''الفقر فخری'' جس کا سرمایا
سلام اس پر کہ جس کے جسمِ اطہر کا نہ تھا سایا
(ماہر القادری)

کروں مال و زر کی میں کیوں ہوس مجھے اپنے فقر پہ فخر بس
یہی حرزِ جانِ فقیر ہے یہی ''قولِ شاہِ حجاز'' ہے
(مرتضیٰ احمد خان میکش)

ہے فخر تجھے فقر پہ اے شاہِ دوعالم
اے ختمِ رُسل، ہادیِ دیں، خلقِ مجسم
(حافظ لدھیانوی)

ملا ہے درس محمد سے ''فقرِ فخری'' کا
کمالِ فقر میں مضمر ہے قیصری اپنی

(راجا رشید محمود)

"الفقر فخری" کے بارے میں امام حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں :

"الفقر فخرو به افتخر و هذا الحديث سئل عند الحافظ ابن تيميه ، فقال انه لا يعرف فى كتب المسلمين المروية و جزم الاصفهانی بانه موضوع (11)

ترجمہ: اس حدیث "الفقر فخری" کے بارے میں ابن تیمیہ سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا یہ جھوٹ ہے، مسلمانوں کے ذخیرۂ مرویات میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی گئی اور امام اصفہانی نے بھی اس کے موضوع (جعلی) ہونے کی تائید کی ہے۔"

امام سخاوی علیہ الرحمہ راقم ہیں :

"الفقر فخری و به افتخر . . . باطل الموضوع" (12)

ترجمہ: الفقر فخری...... باطل اور گھڑی ہوئی روایت ہے۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے موضوعاتِ کبیر، شیخ محمد بن طاہر پٹنی علیہ الرحمہ نے تذکرۃ الموضوعات اور شارح بخاری امام احمد قسطلانی علیہ الرحمہ نے المواہب اللدنیہ میں بھی اس کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے۔ علاوہ ازیں مجددِ اعظم امامِ نعت گویاں امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی بھی تحقیق ذیل میں نشانِ خاطر فرمائیں آپ نے بھی "الفقر فخری" کو بے اصل قرار دیا ہے:

"حضورِ اقدس، قاسمِ نعم، مالک الارض و رقابِ امم، معطیِ منعم، قیمِ قیم، ولی والی، علی عالی، کاشف الکرب، رافع الرتب، معینِ کافی، حفیظ وافی، شفیعِ شافی، عفوِ عافی، غفورِ جمیل، عزیزِ جلیل، وہابِ کریم، غنیِ عظیم، خلیفۂ مطلقِ حضرتِ رب، مالک الناس و دیانِ عرب، ولی الفضل، جلی الافضال، رفیع المثل، ممتنع الامثال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ ارفع و اعلا میں الفاظِ مذکورہ (یتیم، غریب، مسکین، بے چارہ) کا اطلاق ناجائز و حرام ہے۔

خزانۃ الاکمل مقدسی و ردالمحتار و اخرشتی میں ہے:

ویجب ذکرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باسمآء المعظمة

فلا یجوز ان یقال انہ فقیر، غریب، مسکین۔

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر عزت و تکریم والے ناموں سے کرنا واجب ہے اور اس طرح کہنا جائز نہیں کہ آپ فقیر، غریب اور مسکین تھے۔

نسیم الریاض جلد سابع صفحہ ۴۵۰ میں ہے:

الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لا یو صفون با لفقر ولا یجوز ان یقال نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقیر وقولہ عند 'الفقر فخری' لا اصل لہ کما تقدم۔

ترجمہ: انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو فقر سے موصوف نہ کیا جائے اور یہ جائز نہیں کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو فقیر کہا جائے۔ رہا لوگوں کا 'الفقر فخری' کو آپ سے مروی کہنا تو اس کی کوئی اصل نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ اسی کے صفحہ ۳۷۸ میں ہے:

قال الزر کشی کالسبکی لا یجوز ان یقال لہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیر او مسکین وهو اغنی الناس باللہ تعالیٰ لا سیما بعد قولہ تعالیٰ "ووجدک عائلاً فاغنیٰ" وقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اللهم احینی مسکیناً" اراد بہ المسکنة القبیلة با لخشوع و الفقر فخری، باطل لا اصل لہ... کما قال الحافظ ابن حجر عسقلانی۔۔

ترجمہ: امام بدر الدین زرکشی نے امام سبکی کی طرح کہا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ آپ کو فقیر یا مسکین کہا جائے اور آپ اللہ کے فضل سے لوگوں میں سب سے بڑھ کر غنی ہیں۔ خصوصاً اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ہم نے آپ کو حاجت مند پایا سو غنی کر دیا"۔ کے نزول کے بعد رہا آپ کا یہ فرمان کہ اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ...... الخ۔ تو اس سے مراد باطنی مسکنت کا خشوع کے ساتھ طلب کرنا ہے اور الفقر فخری باطل ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے فرمایا ہے۔ (13)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے ''کتاب الشفا'' قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مزید اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات کے لیے نازیبا اور غیر موزوں اسما وصفات کا استعمال حکایتاً بھی ناجائز وممنوع ہے۔ اسی طرح بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی وبے ادبی اگرچہ سہواً یا جہالت ولاعلمی کے سبب ہی ہو لائقِ گرفت اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔

واضح ہونا چاہیے کہ یہ امر ان جانب دار ناقدین کے لیے چشم کشا ہے جو امام احمد رضا بریلوی، برادرِ رضا علامہ حسن رضا بریلوی اور شہزادۂ رضا علامہ مصطفی رضا نوریؔ بریلوی علیہم الرحمہ کے کلام سے نہ صرف یہ کہ صَرفِ نظر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں بل کہ ان محتاط نعت نگاروں کے کلام کو سوے عقیدت اور غلوے عقیدت سے مملو قرار دینے کی سعیِ نامشکور کرتے ہیں۔ جب کہ ان حضرات نے اپنی نثری کتب میں بے سروپا روایتوں کو حصارِ نقد میں لیتے ہوئے حزم واحتیاط کا حق ادا کیا ہے تو کیسے ان شاعروں کے یہاں ایسی روایتیں جگہ پاسکتی ہیں؟ جب ہم ان حضرات کے کلام کا انتقادی جائزہ لیتے ہیں تو مسرت وانبساط کی لہریں نہاں خانۂ دل میں اٹھنے لگتی ہیں کہ ان کی زبان وقلم کو اللہ جل شانہٗ نے بے جاخیال آرائیوں سے محفوظ رکھا۔

غرض یہ کہ حقیقت میں نعت وہی نعت ہوتی ہے جو عبد اور معبود کے فرق، انبیاے کرام علیہم السلام کے مقام ومنصب اور شریعتِ مطہرہ کے اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کے ساتھ نظم کی جائے۔ افراط وتفریط، مبالغہ واغراق، بے جاخیال آرائی، من گھڑت، جعلی اور موضوع روایات سے شاعر کے ایمان واسلام پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے
۔

معروف ادیب ومحقق ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے نعت نگاری میں افراط وتفریط، مبالغہ واغراق، بے جاخیال آرائی اور جعلی وموضوع روایات کو بیان کرنے کی نفی کرتے ہوئے اپنی حتمی راے کا اظہار یوں کیا ہے اور بتایا ہے کہ حقیقی نعت کیا ہے؟ :

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سمجھ لینا، ان سے دیگر انبیا کے تقابل میں انبیا کی توہین کا پہلو نکال دینا، نبی کو ایلچی اور بھائی کہہ کر ان کی بارگاہِ قُدس میں بے ادبی کا ارتکاب کرنا، ان کے لیے دل رُبا، رنگیلے وغیرہ کا استعمال، خدا ورسول کے فرق کو مٹا دینا، خدا کو جسم والا سمجھ کر منہ کا چوم لینا وغیرہ۔ غلط روایات

اور معجزہ کا بیان، مدینۂ طیبہ کو یثرب کہنا۔ تمام باتیں شرعاً ناروا ہیں۔

یوں تو شاعری خواہ اس کا موضوع کچھ بھی ہو طہارتِ الفاظ ہر جگہ ضروری ہے اور نعت میں تو قدم قدم پر شریعت کا پہرہ ہے۔ یہ تو بڑے ادب کا مقام ہے۔ ہر لفظ کو منزلِ تطہیر سے گزار کر استعمال کرنا پڑتا ہے۔ (14)

نعت بلاشبہ عقیدے اور عقیدت کا نام ہے۔ مگر نعت میں اُن ہی عقائد اور موضوعات کو بیان کرنا ضروری ہے جو قرآن وسنت سے ماخوذ ہوں اور جن پر علماے امت کا اجماع ہو۔ نیز جن میں کسی بے ادبی یا عدمِ تقدیس کا شائبہ اور شرعی گرفت میں آنے کا احتمال بھی نہ ہو۔ نعت گوئی کی ابتدائی منزل کے چند محتاط شعرا کو چھوڑ کر بیش تر کے یہاں اس طرح کی خامیاں نظر آتی ہیں۔ الغرض کہنا صرف یہی ہے کہ نعت تحریر کرتے ہوئے اس پاکیزہ فن کے لوازمات اور شرعی وقار کو ملحوظِ خاطر رکھنا لازمی ہے۔

حواشی

(1) نقوش: رسول نمبر، ج 10، ص 27
(2) محسن کاکوروی: کلیاتِ محسن، ص 232/233
(3) (سورۂ طٰہٰ: ۱۲)
(4) فضائلِ نعلینِ حضور (مترجم: مفتی محمد خان قادری ومولانا محمد عباس رضوی) ص ۳۶۲
(5) احمد رضا بریلوی، امام: احکامِ شریعت ص ۱۲۶
(6) احمد رضا بریلوی، امام: احکامِ شریعت ص ۱۶۵
(7) بدرالدین زرکشی، امام: اللآلی المنثورۃ، ص ۱۴۷
(8) مختصر المقاصد الحسنہ ص ۹۱، اللآلی المنثورہ ص ۱۴۷، تذکرۃ الموضوعات ص ۱۹۱ وغیرہا کتب
(9) مکتوب بہ نام راقم ۱۵/۸/۲۰۰۵ء
(10) مسلم بن الحجاج قشیری، امام: مسلم شریف، مطبوعہ نور محمد، کراچی، ج ۱، ص ۸
(11) ابن حجر عسقلانی، امام: تلخیص الحبیر، جلد ۳، ص ۱۰۹
(12) شمس الدین سخاوی، امام: مختصر المقاصد الحسنہ، ص ۲۹۲
(13) احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ کراچی، جلد ششم ص ۱۲۶
(14) عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر: اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، 2008ئ، ص 163/164

{............}

ج: ہیئت۔اصنافِ سُخن

نعت اصنافِ ادب کی سب سے مقدس ومحترم اور پاکیزہ صنف ہے۔لفظِ نعت اپنی ابتدائے آفرینش سے تاحال صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وخصائل، شمائل وفضائل اور مدح وتوصیف کے اظہار کے لیے مختص ہے۔نعت کا شمار دیگر اصنافِ سخن میں ایک معتبر ومحترم اور تقدس مآب صنف کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ہر چند کہ نعت ہر زبان میں کہی جارہی ہے لیکن بعض ناقدین کے نزدیک نعت اب بھی صنفِ سخن کا درجہ نہیں پاسکی بہ قول اُن کے وجہ صرف اتنی ہے کہ نعت کی کوئی متعین ہیئت نہیں ہے۔ جب کہ صنفی شناخت کے لیے صرف ہیئت معیار نہیں بل کہ موضوع بھی بہت اہم کردار ادا کرتا ہے اور موضوعی اہمیت کے لحاظ سے نعت وہ مہتم بالشان صنف ہے کہ دوسری کوئی صنف اس کے پاسنگ برابر بھی نہیں، نعت ہماری شاعری کی سب سے زیادہ محبوب، طاقت ور، مؤثر، پاکیزہ، تنوع اور مقدار ومعیار کے اعتبار سے نمایاں اور ممتاز صنف ہے۔اس ضمن میں اربابِ علم وفن کی گراں قدر آرا نشانِ خاطر ہوں :

ظہیر غازیپوری:

’’نعت بلاشبہ ایک اہم اور قابلِ توجہ صنفِ سخن ہے۔اردو نعت نے جب ایک مستقل صنف کا درجہ حاصل کرلیا ہے تو اس کے فنی حسن وقبح پر بے باکانہ انداز میں گفتگو ہونی چاہیے تا کہ قارئین اور تخلیق کار دونوں حقائق سے واقف ہوسکیں۔‘‘

(سہ ماہی الکوثر ماہ اپریل تا جون 1999ئ، سہسرام، ص76)۔۔۔۔(1)

ڈاکٹر سید وحید اشرف:

’’نعت یقیناً ایک صنفِ شاعری ہے اور فارسی میں ایم۔اے کے نصاب میں فارسی نعتیہ قصیدے شامل ہیں۔اردو میں جب مرثیہ کو نصاب میں شامل کیا جاسکتا ہے تو نعتیہ شاعری کو کیوں نہیں شامل کیا جاسکتا۔‘‘(2)

ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برق داناپوری:

’’حمد، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، سلام وغیرہ کی طرح نعت بھی اردو فارسی کی ایک مستقل صنفِ سخن کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔لہٰذا نعت اردو شاعری کے اصنافِ سخن میں یقیناً شامل ہے۔‘‘(3)

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی:

’’یہ صنف (نعت) اسلامی ارادت وعقیدت کی بنا پر ہی نہیں بل کہ اپنے شعری محاسن کی وجہ سے بھی بے مثال ہے۔اس لیے دوسری اصنافِ سخن میں یہ بھی شمار ہوتی ہے اور بے حد مقبول ہے۔‘‘(4)

ساجد لکھنوی:

’’اصنافِ سخن میں نعت ہی ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس کا دنیا کی ہر زبان کے ادب میں بہت کافی سرمایہ موجود ہے اور ہر مذہب اور ملت کے شاعر نے اس صنفِ سخن کے اضافے میں حصہ لیا ہے اور فخرِ کائنات، سید الرسل، محمد رسول اللہ ﷺ کے حضور نذرانۂ عقیدت ومحبت پیش کیا ہے۔‘‘(5)

ڈاکٹر محبوب راہی:

’’نعت کے اردو کی صنفِ سخن ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے۔ نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) اور ان کے رفقا کے غم کے اظہار کے لیے اردو شاعری نے مرثیہ جیسی متاثر کن اور زندۂ جاوید صنف کو زندہ کیا تو کیا خود سرورِ کائنات کے تئیں اظہارِ عقیدت کے لیے ’’نعت‘‘ ایک آزاد صنفِ سخن قرار نہیں دی جاسکتی، اوروں کی رائے کچھ بھی ہو میری اپنی حتمی رائے ’’نعت‘‘ کے اردو شاعری کی ایک لاثانی اور لافانی صنفِ سخن قرار دیے جانے کے حق میں ہے۔‘‘(6)

ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی:

’’آپ نے حمد کو صنفِ سخن میں شمار کیا ہے اور صحیح شمار کیا ہے۔اسی انداز کی چیز نعت بھی ہے یعنی یہ صنفِ سخن اس معنی میں ہے کہ اس کا موضوع

متعین ہے اگر چہ ہیئت متعین نہیں۔ ملحوظ رہے کہ بعض اصناف موضوع سے زیادہ اپنی ہیئت سے پہچانی جاتی ہیں، جیسے غزل، رباعی۔ بعض اصناف میں ہیئت اور موضوع دونوں کی قید ہوتی ہے، جیسے قصیدہ۔ اور بعض اصناف صرف موضوع کی بنا پر پہچانی جاتی ہیں، مثلاً مرثیہ، حمد، نعت وغیرہ۔ لہٰذا نعت کو صنف قرار دینے میں کوئی قباحت نہیں۔ اسے ہمیشہ صنف ہی قرار دیا گیا ہے۔''(7)

لہٰذا تمام گراں قدر خیالات ونظریات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس طرح حمد، غزل، قصیدہ، مرثیہ، رباعی، مستزاد، مثنوی وغیرہ میں اصنافِ سخن کی ہیئت وساخت کی واضح شکل نظر آتی ہے۔ نعت کی کوئی خاص ہیئت وساخت کا تعین اب تک نہیں ہوسکا ہے۔ بہ ہر حال اسے غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، قطعہ، مرثیہ، مستزاد، مسدس، مخمس، دوہا، ماہیا، سانیٹ، ترائیلے، ہائیکو، ثلاثی وغیرہ میں لکھا جاسکتا ہے۔ اس صنفِ سخن کی مقبولیت کا آج یہ عالم ہے کہ ادب کی ہر صنف میں شعرا نعتیہ کلام تحریر کررہے ہیں اور اس کی آفاقیت اور عالم گیریت میں بہ تدریج اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ نعت اپنے ابتدائی دور میں قصیدے کے فارم میں کہی جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عربی کی شاعری میں جہاں نعت گوئی کا آغاز ہوا مافی الضمیر کے اظہار کے لیے قصیدے کی ہیئت رائج تھی، یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نعت عصری اور زمانی تقاضوں کی ہم مزاج صنف ہے کیوں کہ جس عہد میں جو صنفِ سخن مروج تھی اسی میں نعتیہ کلام تحریر کیا گیا۔ غزل چوں کہ ہماری شاعری کی مقبول صنف ہے اور ہر دور میں اپنی داخلی خصوصیات اور ہیئت کے سبب پسندیدہ رہی ہے یہی وجہ ہے کہ نعتیہ مضامین کے لیے بھی سب سے زیادہ غزل کی صنف ہی مستعمل رہی ہے۔ ساجد لکھنوی کے بہ قول:

''ابتدائے اردو شاعری سے اگر آپ بہ نظر غائر مطالعہ کریں تو
آپ کو پچانوے فی صد نعتیں غزل کے فارم میں ملیں گی۔''(8)

یہاں یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ نعت گوئی کا سلسلہ اردو میں ابتدا ہی سے جاری ہے اردو کا غالباً ایک بھی شاعر خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، سکھ ہو یا عیسائی، یا کسی اور عقیدے کا ایسا نہ ملے گا کہ اس نے نعت نہ کہی ہو، یہ اردو کے اپنے مزاج اور تہذیب کی دین ہے۔ ذخیرۂ نعت کے مطالعہ کی روشنی میں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداءً فارسی اور اردو میں لکھی گئی نعتیں زیادہ تر غزل کی ہیئت میں ہیں۔ پہلے ہی عرض کیا جاچکا ہے کہ نعت ایک موضوعی صنف ہے وہ کسی ایک ہیئت میں

محصور نہیں رہی، بالخصوص اردو میں یہ قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، قطعہ، رباعی، نظم، معریٰ نظم، آزاد نظم، آزاد غزل، مخمس، مسدس، مثلث، مربع، ثلاثی، سانیٹ، ہائیکو، ترائیلے، ماہیے، دوہا، کہہ مکرنی وغیرہ تک میں لکھی جارہی ہے اور اس لیے موضوعی تقدس کے شانہ بشانہ ہیئتی تنوع کے لحاظ سے بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ نعت سب سے زیادہ طاقت ور، مؤثر، نمایاں اور ممتاز صنفِ سخن ہے اور یہ صرف اپنے موضوعی تقدس اور اسلامی ارادت کی بنا پر ہی نہیں بلکہ اپنے شعری محاسن کی وجہ سے بھی بے مثال صنف تصور کی جاتی ہے۔

آج جب ہم ادب کے شعری اثاثے عموماً نعتیہ شاعری کا خصوصاً تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات مکمل طور پر عیاں ہوجاتی ہے کہ نعت گوئی ادب کی جملہ اصناف میں جاری وساری ہے۔ ادب کی مختلف اصناف میں لکھے گئے نعتیہ کلام کی مثالیں ذیل میں خاطر نشین کریں۔

صنفِ غزل میں نعت: غزل اردو شاعری کی ایک ہر دل عزیز صنفِ سخن ہے۔ ہر دور میں شعرا نے اس صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ اردو شاعری کا بہت بڑا سرمایہ غزل کی شکل میں محفوظ ہے۔ غزل کے معنی ''سخن با یار گفتن'' کے ہیں۔ عشق ومحبت غزل کے خمیر میں داخل ہے۔ لیکن غزل صرف محبت کے موضوعات ہی تک محدود نہیں۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں سماجی وسیاسی مسائل، فلسفہ وتصوف اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی موجود ہے۔

ظاہری ساخت کے اعتبار سے غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں، اسے مطلع کہا جاتا ہے۔ پہلے مطلع کے بعد آنے والے مطلع کو حُسنِ مطلع کہتے ہیں۔ آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص پیش کرتا ہے جسے مقطع کہتے ہیں۔ غزل کے تمام مصرعے کسی ایک بحر میں ہوتے ہیں اسی طرح شاعر کو قافیہ وردیف کی پابندی بھی کرنی پڑتی ہے۔ غزل کا ہر شعر ایک مکمل اکائی ہوتا ہے جو جداگانہ مضامین کی عکاسی کرتا ہے۔

اردو شاعری کی ابتدا ہی سے غزل نے مقبولیت حاصل کرلی تھی اور تا حال اس میں کوئی فرق نہیں آیا ہے قلی قطب شاہ معانی سے لے کر بانیؔ تک عوام وخواص میں غزل کی مقبولیت حیرت انگیز ہے۔ موجودہ زمانے میں فلم اور ٹی وی کے پھیلاؤ نے موسیقی میں غزل گائیکی کو بھی خاصا رواج دیا اور عوام میں پسندیدہ بنایا ہے۔

اس میں ولیؔ، میرؔ، سوداؔ، انشاؔ، آتشؔ، مصحفیؔ، ناسخؔ، ذوقؔ، مومنؔ، غالبؔ، ظفرؔ، داغؔ،

اکبرؔ، اقبالؔ، جوشؔ، فراقؔ، یگانہؔ، حسرتؔ، جگرؔ، ریاضؔ، اصغرؔ، آرزوؔ، تاباںؔ، مجروحؔ، جذبیؔ، اخترؔ، ناصرؔ، شکیبؔ، باقیؔ، ظفرؔ اقبال، زیبؔ، خلیلؔ، اور ندؔا وغیرہ نے عہد بہ عہد نام پیدا کیا ہے۔ان شعرا کی غزل کا مطالعہ زبان اور اس کے شعری برتاو کی تبدیلیوں اور غزل کی مختلف روایات کا مطالعہ بھی ہے۔

غزل ہر دور میں اپنی داخلی خصوصیات اور ہیئت کے سبب پسندیدہ رہی ہے یہی وجہ ہے کہ نعتیہ مضامین کے لیے بھی سب سے زیادہ غزل کی صنف ہی مستعمل رہی ہے۔ بیشتر شعرا نے غزل ہی کے فارم میں نعتیں کہی ہیں ذیل میں نوریؔ بریلوی کا غزل کی ہیئت میں تحریر کیا گیا نعتیہ کلام نشانِ خاطر کیجیے ؎

قفسِ جسم سے چھٹتے ہی یہ پرّاں ہوگا
مرغِ جاں گنبدِ خضرا پہ غزل خواں ہوگا
روز و شب مرقدِ اقدس کا جو نگراں ہوگا
اپنی خوش بختی پہ وہ کتنا نہ نازاں ہوگا
اس کی قسمت کی قسم کھائیں فرشتے تو بجا
عید کی طرح وہ ہر آن میں شاداں ہوگا
اس کی فرحت پہ تصدق ہوں ہزاروں عیدیں
کب کسی عید میں ایسا کوئی فرحاں ہوگا
چمنِ طیبہ میں تو دل کی کلی کھلتی ہے
کیا مدینہ سے سوا روضۂ رضواں ہوگا
آپ آجائیں چمن میں تو چمن جانِ چمن
خاصہ اک خاک بسر دشتِ مغیلاں ہوگا
جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا
دردِ فرقت کا مداوا نہ ہوا اور نہ ہو
کیا طبیبوں سے مرے درد کا درماں ہوگا
نورِ ایماں کی جو مشعل رہے روشن پھر تو

روز و شب مرقدِ نوریؔ میں چراغاں ہوگا
اک غزل اور چمکتی سی پڑھو اے نوریؔ
دل جلا پائے گا میرا ترا احساں ہوگا

صنفِ قصیدہ میں نعت: قصیدے کی ابتدا عربی شاعری سے ہوئی۔عربی سے یہ صنفِ سخن فارسی شاعری میں پہونچی اور فارسی کے اثر سے اردو شاعری میں اس صنفِ سخن کو فروغ حاصل ہوا۔قصیدہ ایک موضوعی صنفِ سخن ہے۔جس میں کسی کی مدح یا ہجو کی جاتی ہے لیکن زیادہ تر قصائد مدح وتوصیف ہی کی غرض سے لکھے گئے ہیں۔اس کے علاوہ مناظرِ قدرت، پند ونصائح، معاشی بدحالی، سیاسی انتشار وغیرہ جیسے موضوعات بھی قصیدے میں بیان کیے جاتے ہیں،قصیدے کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں۔(1) تشبیب (2) گریز (3) مدح (4) دعا یا حُسنِ طلب۔

پہلا شعر قصیدے کا مطلع کہلاتا ہے یہاں سے قصیدے کا پہلا جز تشبیب شروع ہوتا ہے۔اس میں شاعر اپنے تعلق سے فخر وامتنان پر مشتمل اشعار کہتا ہے۔دوسرا جز گریز جیسا کہ نام سے ظاہر ہے شاعر اپنی تعریف ترک کر کے ممدوح کی مدح وتوصیف کی سمت رجوع کرتا ہے۔ اس کے بعد مدح کا مرحلہ آتا ہے جو تشبیب سے طویل تر ہوتا ہے اگرچہ ذوقؔ وغالبؔ کے قصیدوں میں مدح کے اشعار کم تعداد میں ملتے ہیں۔حُسنِ طلب اس کے بعد کی منزل ہے جس میں قصیدہ خواں اپنے ممدوح کی جانب سے لطف واکرام کی توقع ظاہر کرتا ہے، پھر ممدوح کے لیے دعا پر قصیدہ ختم ہو جاتا ہے۔جس قصیدے میں اس کے تمام اجزائے ترکیبی موجود ہوں اور جس میں راست ممدوح سے خطاب کیا گیا ہو اسے خطابیہ قصیدہ کہتے ہیں۔قصیدے میں یوں تو صرف مدح خوانی مقصود ہوتی ہے لیکن اکثر قصائد میں ہجویہ، واعظانہ، اور دوسرے بیانیہ مضامین بھی نظم کیے گئے ملتے ہیں۔اس اعتبار سے انھیں مدحیہ، ہجویہ، واعظانہ وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔اردو میں سوداؔ، انشاؔ، ذوقؔ اور غالبؔ کے قصائد معروف ہیں۔مدح وتوصیف کے مقصد سے بعض شعرا نے پیغمبرِ اسلام ﷺ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، اور دیگر اکابرِ دین کے بھی قصیدے لکھے ہیں جن میں مومنؔ، محسنؔ، رضاؔ بریلوی، عبدالعزیز خالدؔ اور بہت سے دوسرے نئے شعرا کے نام آتے ہیں۔ذیل میں نوریؔ بریلوی کا صنفِ قصیدہ میں تحریر کیا گیا نعتیہ کلام خاطر نشین ہو ؎

یہ بابِ رحمتِ ربِّ علا ہے   بہ خطِ نور اس در پر لکھا ہے

سر خیرہ جو اس در پر جھکا ہے
ادا ہے عمر بھر کی جو قضا ہے

مقابل در کے یوں کعبہ بنا ہے
یہ قبلہ ہے تو تُو ، قبلہ نما ہے

یہاں سے کب کوئی خالی پھرا ہے
سخی داتا کی یہ دولت سرا ہے

جسے جو کچھ ملا جس سے ملا ہے
حقیقت میں وہ اس در کی عطا ہے

یہاں سے بھیک پاتے ہیں سلاطیں
اسی در سے انھیں ٹکڑا ملا ہے

شبِ معراج سے ظاہر ہوا ہے
رسل ہیں مقتدی تو مقتدا ہے

خدائی کو خدا نے جو دیا ہے
اسی در سے اسی گھر سے ملا ہے

شہ عرش آستاں اللہ اللہ!
تصور سے خدا یاد آرہا ہے

یہ وہ محبوبِ حق ہے جس کی رویت
یقیں مانو کہ دیدارِ خدا ہے

رمی جس کی رمی ٹھہری خدا کی
کتاب اللہ میں اللہ رمیٰ ہے

ہُوا سے پاک جس کی ذاتِ قدسی
وہ جس کی بات بھی وحیِ خدا ہے

وہ یکتا آئینہ ذاتِ اَحد کا
وہ مرآتِ صفاتِ کبریا ہے

جہاں ہے بے ٹھکانوں کا ٹھکانہ
جہاں شاہ و گدا سب کا ٹھیا ہے

کرم فرمایئے اے سرورِ دیں
جہاں منگتوں کی یہ پیہم صدا ہے

خزانے اپنے دے کے تم کو حق نے
نہ قاسم ہی کہ مالک کردیا ہے

جسے جو چاہو جتنا چاہو دو تم
تمہیں مختارِ کل فرما دیا ہے

نہیں تقسیم میں تفریق کچھ بھی
کہ دشمن بھی یہیں کا کہہ رہا ہے

ضیائے کعبہ سے روشن ہیں آنکھیں
منور قلب کیسا ہو گیا ہے

مئے محبوب سے سرشار کردے
اویسِ قرنی کو جیسا کیا ہے

گما دے اپنی الفت میں کچھ ایسا
نہ پاؤں مَیں میں مَیں جو بے بقا ہے

عطا فرما دے ساقی جامِ نوریؔ
لبالب جو چھتوں کو دیا ہے

صنفِ رباعی میں نعت: رباعی اس نظم کو کہتے ہیں جس میں صرف چار مصرع ہوں،

پہلا، دوسرا اور چوتھا ہم قافیہ ہو، دوسرا شعر خصوصاً چوتھا مصرع نہایت بلند اور عجیب ہوتا کہ سننے والا متحیر ہوجائے۔ یوں تو چار مصرعوں میں ایک ہی مضمون قطعہ میں بھی بیان کیا جاتا ہے لیکن چار مصرعوں کے قطعے کے لیے کوئی عروضی وزن مخصوص نہیں جب کہ رباعی بحرِ ہزج کے چوبیں مخصوص اوزان میں کہی جاتی ہے۔ وزن کی قید کے باوجود رباعی میں اتنا تصرف جائز ہے کہ ایک ہی رباعی میں چاروں مصرعے چوبیں میں سے چار مختلف اوزان لے کر کہے جاسکتے ہیں۔ عروضیوں نے ”لاحول ولاقوۃ الا باللہ“ کے وزن کو بھی رباعی کا وزن قرار دیا ہے۔

رباعی اور غزل کے موضوعات میں فرق صرف دو اور چار مصرعوں میں بیان کرنے کا ہے اگرچہ رباعی میں یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کا چوتھا مصرع ”زوردار“ ہو یعنی اس میں خیال کی بلندی پائی جائے کہ سننے والا متحیر ہوجائے۔

رباعی کی ایجاد کا سہرا فارسی شاعر رودکیؔ کے سر باندھا جاتا ہے۔ عمر خیامؔ نے صرف رباعیاں کہی ہیں جن کے سبب مشہورِ عالم شعرا میں اس کا شمار ہونے لگا۔ اردو میں یہ صنفِ شعر ابتدا ہی سے موجود ہے اور اس پر طبع آزمائی استادِ فن ہونے کے مترادف خیال کی جاتی ہے۔ میرؔ، سوداؔ، ناسخؔ، انیسؔ، دبیرؔ، غالبؔ، مومنؔ اور ذوقؔ سے لے کر امجدؔ، جوشؔ، فراقؔ، یگانہؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، فانیؔ، اخترؔ، سہیلؔ اور رواںؔ وغیرہ شعرا نے رباعیاں کہی ہیں۔ ہمارے شعرا نے نعتیہ موضوعات کے اظہار کے لیے رباعی کا بھی سہارا لیا چناں چہ اس میں نعتیہ کلام بہ کثرت ملتے ہیں۔ ذیل میں نوریؔ بریلوی کی نعتیہ رباعیاں خاطر نشین کیجیے

دنیا تو یہ کہتی ہے سخن ور ہوں میں
ارے شعرا کا آج سرور ہوں میں
میں یہ کہتا ہوں یہ غلط ہے سو بار غلط
سچ تو ہے یہی کہ سب سے احقر ہوں میں

بدکار ہوں مجرم ہوں سیاہ کار ہوں میں
اقرار ہے اس کا کہ گنہ گار ہوں میں
بہ ایں ہمہ ناری نہیں نوری ہوں ضرور
مومن ہوں تو فردوس کا حق دار ہوں میں

صنفِ قطعہ میں نعت: قطعہ کے معنی ٹکڑے کے ہوتے ہیں اصطلاحاً قصیدے

یا غزل کی طرح مقفا چند اشعار جن کا مطلع نہیں ہوتا اور جن میں ایک ہی مربوط خیال پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی قطعہ نظم نگاری کی ایک ہیئت ہے۔ قطعے میں کم سے کم دو اشعار ہونے چاہئیں زیادہ کی تعداد مقرر نہیں۔ اردو میں اقبالؔ، چکبستؔ، سیمابؔ اور جوشؔ وغیرہ کے قطعے مشہور ہیں۔ شعرانے قطعہ میں بھی نعتیہ موضوعات کو برتا ہے۔ نوریؔ بریلوی کا نعتیہ قطعہ ملاحظہ کیجیے ؎

کفشِ پا ان کی رکھوں سر پہ تو پاؤں عزت
خاکِ پا ان کی ملوں منھ پہ تو پاؤں طلعت
طیبہ کی ٹھنڈی ہوا آئے تو پاؤں راحت
قلبِ بے چین کو چین آئے تو جاں کو راحت

صنفِ مرثیہ میں نعت: مرثیہ عربی لفظ ''رِثائی'' بہ معنی ''مُردے پر رونا'' سے مشتق ہے۔ قدیم ترین موضوعی صنفِ سخن ہے، دنیا بھر کی شاعری میں جس کے عمدہ نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہومر کی ''ایلیڈ''، فردوسی کی ''شاہ نامہ'' اور ویاس کی ''مہابھارت'' جیسی رزمیہ نظموں سے لے کر مرثیے کا سلسلہ واقعاتِ کربلا کے رزمیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ رزم میں کام آنے والے سورماؤں کے سوگ اور ماتم کے علاوہ مرثیہ بزرگانِ قوم، خویش و اقارب اور مشاہیر کی موت پر بھی لکھا گیا ملتا ہے۔ کربلا کو موضوع بنا کر کہے گئے مراثی کربلائی اور دیگر شخصیات پر کہے گئے مراثی شخصی مرثیے کہلاتے ہیں۔

اردو شاعری میں مرثیہ واقعاتِ کربلا کو موضوع بنا کر کہی گئی نظموں سے بہ طورِ صنف قائم ہوا قدیم دکنی شعرا اشرف بیابانیؔ، محمد قطب شاہ قلی، ملا وجہیؔ، غواصیؔ، فائزؔ، شاہیؔ، کاظمؔ، ابنِ نشاطیؔ، ہاشمیؔ، نصرتیؔ وغیرہ کے کلام کو مرثیے کا نقطۂ آغاز قرار دیا جاسکتا ہے۔ شمالی ہند میں بھی یہ روایت اسی زمانے میں اسماعیل امروہوی، آبروؔ، یک رنگؔ، حاتمؔ، مسکینؔ، حزیںؔ، غمگینؔ، فضلیؔ وغیرہ کے کلام میں ملتی ہے۔ میرؔ و سوداؔ نے مربع بندوں میں کثرت سے کربلائی مرثیے نظم کیے ہیں۔ اس ہیئت کے علاوہ مرثیہ مختلف ہیئتوں میں بھی لکھا گیا ہے لیکن لکھنوی شعرا نے اس صنف کے لیے مسدس کی ہیئت اختیار کر لی اور مسلسل تقلید نے جسے مرثیے کی روایت بنا دیا۔ میر ضمیرؔ، میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے مرثیہ نگاری میں فن کارانہ اضافے کیے گویا انھیں پر اس صنف کا اتمام ہوگیا۔ جہاں دیگر

اصناف میں نعتیہ کلام ملتے ہیں، وہیں مرثیہ میں بھی نعتیہ موضوع پر شعرا نے بند تحریر کیے ہیں، مرثیے میں نعتیہ بند کی مثال نشانِ خاطر کیجیے ؎

خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گر آج
ہے آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج
اے باعثِ ایجادِ جہاں، خلق کے سرتاج
ہوجائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج
امید اسی گھر کی ، وسیلہ اس گھر کا
دولت یہی میری ، یہی توشہ ہے سفر کا
میں کیا ہوں، مری طبع ہے کیا، اے شہِ شاہاں
حسان و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی (9)

صنفِ مستزاد میں نعت: لفظی معنی ''اضافہ کیا گیا''، اصطلاحاً ایسی نظم، غزل یا رباعی کو کہتے ہیں جس کے ہر مصرع یا شعر کے بعد ایسا زائد ٹکڑا لگا ہو جو اسی مصرع یا شعر کی معنویت سے مربوط یا غیر مربوط اور مصرع سے ہم قافیہ یا غیر ہم قافیہ لیکن ہم موزن فقرے سے ہم قافیہ فقروں کا اضافہ کیا گیا ہو۔ اضافہ کیا گیا فقرہ اگر مصرعے سے مربوط نہ ہو تو اسے مستزادِ عارض اور مربوط ہو تو مستزادِ لازم کہتے ہیں۔ مستزاد میں اضافی فقروں کی تعداد متعین نہیں یعنی یہ ایک سے زائد ہوسکتے ہیں۔ اس صنف میں نعتیہ کلام کا نمونہ امام احمد رضا بریلوی کے مجموعۂ کلام 'حدائقِ بخشش' سے خاطر نشین کیجیے ؎

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا

ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا
تمہیں حاکمِ برایا، تمہیں قاسمِ عطایا
تمہیں دافعِ بلایا، تمہیں شافعِ خطایا
کوئی تم سا کون آیا
بھی بولے سدرہ والے، چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے، ترے پائے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

صنفِ مثنوی میں نعت: مثنوی اس نظم کو کہتے ہیں جس میں شعر کے دونوں مصرعے میں قافیہ آئے اور ہر شعر کے دونوں مصرعوں کے قافیے الگ الگ ہوں۔ محققین اسے ایرانیوں کی ایجاد بتاتے ہیں۔ عربی میں یہ صنف نہیں پائی جاتی البتہ رجز اس سے ملتی جلتی صنف ہے۔ شبلی کہتے ہیں کہ رجز کو دیکھ کر ایرانیوں نے مثنوی ایجاد کی جو ایک ہیئتی صنف ہے جس میں کسی بھی موضوع کا اظہار کیا جاسکتا ہے اگرچہ مخصوص معنوں میں اسے عشقیہ منظوم داستان تصور کیا جاتا ہے۔ اس میں ابیات کی تعداد متعین نہیں۔ یہ چند ابیات سے لے کر سیکڑوں ابیات پر مشتمل ہوسکتی ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس کی ہر بیت معنوں میں نامکمل ہو یعنی تمام ابیات مل کر خیال و موضوع کی اکائی تشکیل دیں۔ ''بوستانِ سعدی'' کی حکایات مختصر مثنویاں ہیں جب کہ مولانا روم کی ''مثنوی'' طویل ترین مثنوی خیال کی جاتی ہے۔ اردو میں بھی عشقیہ مثنویوں کے ساتھ فلسفیانہ، واعظانہ اور اخلاقی مثنویاں بہ کثرت موجود ہیں۔

عام طور سے رزمیہ مثنوی کے لیے بحرِ متقارب اور بزمیہ کے لیے بحرِ ہزج یا بحرِ سریع مستعمل ہے۔ مثنوی کے عناصر یہ ہیں۔

(1) حمد و نعت (2) مدح فرماں روائے وقت (3) تعریفِ شعر و سخن (4) قصد یا اصل موضوع (5) خاتمہ۔ بہت سے مثنوی نگاروں نے ان روایتی پابندیوں سے انحراف کیا ہے۔ حمد و نعت جس کا التزام عام طور سے شعرا کرتے ہیں، میرؔ اور سوداؔ کی ہجویہ مثنویاں ان سے بھی خالی ہیں۔ جہاں تک مثنوی کے مضامین اور موضوعات کا تعلق ہے تو اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مذہبی واقعات، رموزِ تصوف، درسِ اخلاق، داستانِ حسن و محبت، میدانِ کارزار کی معرکہ خیزی،

بزمِ طرب کی دل آویزی، رسوماتِ شادی، مافوق الفطرت کے حیرت زا کارنامے سبھی کچھ مثنویوں کا موضوع ہیں۔ اس طرح مثنوی کے مضامین میں بڑی وسعت اور ہمہ گیری ہے۔

اردو میں کلاسیکی اور روایتی شاعری اس صنف سے مالا مال ہے۔ میراںؔ جی، نظامیؔ، اشرف بیابانیؔ، جانمؔ، عبدلؔ، ملا وجہیؔ، غواصیؔ، مقیمیؔ، نصرتیؔ، ابن نشاطی، سراجؔ، شفیقؔ، جعفر زٹلیؔ، فائزؔ، آبروؔ، حاتمؔ، اثرؔ، میرؔ، سوداؔ، انشاؔ، مومنؔ اور شوقؔ وغیرہ کی مثنویاں مشہور ہیں۔ مثنوی نگار شعرا میں میر حسنؔ کے حصے میں جو مقبولیت اور شہرت آئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اردو مثنوی کی تاریخ میر حسنؔ کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔ علاوہ ازیں غالبؔ نے فارسی میں کئی مثنویاں لکھی ہیں اور اردو میں ایک مختصر مثنوی ''در صفتِ انبہ''۔ حالیؔ، اقبالؔ اور جوشؔ کا کلام بھی اس سے خالی نہیں۔ ترقی پسند شعرا میں سردار جعفری نے ''نئی دنیا کو سلام'' اور جدید شعرا میں قاضی سلیم نے ''باغبان و گل فروش'' لکھ کر روایتی ہیئت میں اس صنف پر طبع آزمائی کی ہے۔ حمد و نعت تو مثنوی کے عناصر میں شامل ہیں، ذیل میں مشہور مثنوی نگار میر حسنؔ کی مثنوی سے نعتیہ اشعار پیش ہیں ۔

نبی کون یعنی رسولِ کریم
نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
ہُوا گو کہ ظاہر میں اُمّی لقب
پہ علمِ لدُنی کھلا دل پہ سب
کیا حق نے نبیوں کا سردار اُسے
بنایا نبوت کا حق دار اُسے
محمد کے مانند جگ میں نہیں
ہوا ہے نہ ایسا، نہ ہوگا کہیں

صنفِ دوہا میں نعت: ہندی شاعری کی مشہور صنفِ سخن ہے۔ جس میں دو ہم قافیہ مصرعوں میں ایک مکمل خیال نظم کیا جاتا ہے۔ اسے دوہرا بھی کہتے ہیں۔ دوہا نگاری میں بعض محققین خسروؔ اور بو علی قلندرؔ کو اولیت کا درجہ دیتے ہیں۔ دوہا نگاری زیادہ تر ہندی اور علاقائی بولیوں میں ہوتی تھی لوک ادب میں دوہا ان دونوں شعرائے کرام سے پہلے بھی مقبول تھا۔

ہندوی میں کبیرؔ، گرونانکؔ، شیخ فرید شکر گنجؔ، ملک محمد جائسیؔ، تلسیؔ داس، سورداسؔ، خان

خاناں، رسکھان، ملاداود، سجو بائی، دَیابائی، میرابائی، بہاری، ورند وغیرہ کے دوہے مشہور ہیں۔

مشہور ناقد نظام صدیقی کے بہ قول اردو دوہا نگاری کے بانی اردو دوہوں کے اوّلین مجموعہ ''پریت کی ریت'' کے شاعر خواجہ دل محمد ہیں۔ نظیر، جلیل مرزا خانی، جمیل الدین عالی، الیاس عشقی، تاج سعید، پرتو روہیلہ، عادل فقیر، جمیل عظیم آبادی، مشتاق چغتائی، عبدالعزیز خالد، بھگوان داس اعجاز، مناظر عاشق ہرگانوی، جگن ناتھ آزاد، نادم بلخی، بیکل اُتساہی، ندا فاضلی وغیرہ اردو دوہا نگاری کے اہم نام تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس صنف میں بیش تر شعرا نے نعتیں تحریر کی ہیں نادم بلخی کے دو نعتیہ مجموعے اس صنف میں ہیں۔ بیکل اُتساہی کے یہاں بھی نعتیہ دوہے بہ کثرت ملتے ہیں، ذیل میں بیکل کے نعتیہ دوہے ملاحظہ ہوں ؎

صدقہ مرے رسول کا بٹتا ہے چہو اور
گدا شاہ سب ایک ہیں کوئی تور نہ مور

زُلفوں سے خوشبو بٹے چہرے سے انوار
اُن کے پاؤں کی دھول سے عرش و فرش اُجیار

اُن کے در کی خاک بھی رحمت کی سوغات
جو اُن کے در پر مرا اُس کو ملی حیات

وہ رب کا محبوب ہے سب اُس کی املاک
ہم سب اُس کے داس ہیں ہم کو کیا ادراک

صنفِ ماہیا میں نعت: ماہیا ایسے مختصر گیت کو کہتے ہیں جس میں ہجر و فراق کے درد و آلام کا ذکر کیا گیا ہو۔ ماہیا مفعول مفاعیلن / فاع مفاعیلن / مفعول مفاعیلن کے وزن میں تین تین مصرعوں کے بندوں میں کہا جاتا ہے۔ یہ صنف اردو شاعری میں بھی مقبول ہے۔ اردو میں جگن ناتھ آزاد، ظہیر غازی پوری، نادم بلخی، شارق جمال، بھگوان داس اعجاز، بیکل اُتساہی، پرکاش تیواری، ستیہ پال آنند، احسن امام احسن وغیرہ کے ماہیے مشہور ہیں۔ دیگر اصناف کی طرح صنفِ ماہیا میں بھی نعتیہ کلام بہ کثرت ملتے ہیں، اس صنف میں بیکل اُتساہی کا نعتیہ کلام ؎

رحمت کا اشارا ہے

اِک نامِ شہِ طیبہ
جینے کا سہارا ہے

وہ شافعِ محشر ہیں
سرکار کے قدموں پر
ماں باپ نچھاور ہیں

اشکوں سے ضیا کیجیے
پھر نعتِ نبی بیکل
دھڑکن سے لکھا کیجیے

صنفِ سانیٹ میں نعت: (Sonnet) لفظی معنی ''صوتِ مختصر'' سانیٹ اطالوی ادب کی صنفِ سخن ہے جس میں ایک مضمون کو چودہ مصرعوں میں بیان کیا جاتا ہے اور بحر مخصوص ہوتی ہے۔ لیکن اردو سانیٹ کے لیے کوئی مخصوص بحر نہیں ہے۔ حنیف کیفی کے بہ قول اردو شاعری میں سانیٹ انگریزی کے اثر سے داخل ہوا لیکن ایک صنفِ سخن کی حیثیت سے نہیں بل کہ جدت پسندی کے اظہار کے لیے اور نئے تجربے کی حیثیت سے۔ اردو سانیٹ کی ابتدا کے تعلق سے کیفی نے ن۔ م راشد کے حوالے سے لکھا ہے کہ اردو میں پہلا سانیٹ اختر جونا گڑھی نے لکھا اور دوسرا خود راشد نے جو راشد وحیدی کے نام سے شائع ہوا۔ عام خیال یہ ہے کہ اختر شیرانی نے سانیٹ کو اردو میں متعارف کرایا۔ تصدق حسین خالد، احمد ندیم قاسمی، تابش مہدی، منظر سلیم وغیرہ نے بھی سانیٹ لکھے ہیں۔ ان کے بعد عزیز تمنائی نے اس ہیئت میں شاعری کا ایک پورا مجموعہ ''برگِ نوخیز'' کے نام سے شائع کرایا ہے۔ اس صنف میں بھی نعتیں لکھی جا رہی ہیں، نادم بلخی اور علیم صبا نویدی کے اس صنف پر مشتمل دو نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ علیم صاحب کا ایک نعتیہ سانیٹ ذیل میں خاطر نشین ہو ؎

گرد آلود بدن تھے ہر طرف

صورتوں پر تیرہ بختی کے نقوش
زندگی میلی دشاؤں کی شناخت
غیر سنجیدہ فضاؤں کی شناخت
نسلِ آدم کا مقدر چاک چاک
بدنما ، بے رنگ ارادے خوف
ناک
دور تک پھیلے تھے پستی کے نقوش
تیرگی عریاں کھڑی تھی صف بہ صف
جلوہ فرما جب ہوئے شاہِ ہدیٰ
صورتوں میں صورتیں پیدا ہوئیں
رحمتوں پر نیتیں شیدا ہوئیں
اور منور ہوگئے ارض و سما
جسم کو تہذیب کی خوشبو ملی
زندگانی نور افشاں ہوگئی

صنفِ ہائیکو میں نعت:(Haiku) ہائیکو جاپانی صنفِ سخن ہے جو سترہ ہجاوں اور تین سطروں میں کہی جاتی ہے اس کی پہلی اور تیسری سطر میں پانچ پانچ اور دوسری سطر میں سات ہجائیں ہوتی ہیں جن میں ایک مکمل خیال یا لفظی پیکر تشکیل دیا جاتا ہے اور اس کا خاتمہ ہمیشہ کسی اسم پر ہوتا ہے۔اردو میں پہلی بار(1936ئ)''ساقی'' کے جاپان نمبر میں اس کے نمونے سامنے آئے، پھر مختصر نظم نگاری کے رجحان نے بہت سے شعرا کو ہائیکو لکھنے کی ترغیب دی اور اردو مزاج کے مطابق بے شمار ہائیکو لکھے گئے جن میں کبھی اصل کی تقلید کی گئی اور کبھی آہنگ کی دھن میں قافیے بھی نظم کر دیے گئے۔اردو میں علیمؔ صبا نویدی، نادمؔ بلخی، بیکلؔ اُتساہی، ساحلؔ احمد، شبنمؔ سنبھلی، فرازؔ حامدی، ظہیرؔ غازی پوری، شارقؔ جمال، وغیرہ کے ہائیکو مشہور ہیں۔بیکلؔ نے جہاں دیگر اصناف میں نعتیں تحریر کی ہیں، وہیں اس صنف میں بھی آپ کا نعتیہ کلام ملتا ہے، ذیل میں نعتیہ ہائیکو ملاحظہ ہو ؎

قرآں کی آیات
دل سے پڑھیے تو لگتی ہے
پیارے نبی کی نعت

جینے کا احساس
روئے تمنا جگمگ جگمگ
ذکرِ نبی کی آس

صنفِ ثلاثی میں نعت: اسے مثلث اور تثلیث بھی کہتے ہیں۔ثلاثی تین مصرعوں پر مشتمل شعری ہیئت ہے جو مختلف اوزان وبحور اور مختلف نظامِ قوافی کے استعمال سے کسی مکمل خیال کا اظہار کرتی ہے۔پرانی شاعری میں تین تین مصرعوں پر مشتمل بندوں کی طویل نظمیں پائی جاتی ہیں۔نئی شاعری میں ثلاثی کے نام سے صرف تین مصرعے ایک مکمل نظم کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ثلاثی کے تین مصرعے آزاد بھی ہو سکتے ہیں اور پابند بھی۔اردو میں حمایت علی شاعرؔ، حمید الماسؔ، عادلؔ منصوری، محمد علویؔ، رشید افروزؔ، ساحلؔ احمد، علی ظہیرؔ وغیرہ کی اکثر نظمیں ثلاثی میں ہیں۔اس صنف میں بھی نعت گو شعرا نے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے ؎

شغلِ ذکرِ حبیب
ہے خدا کی قسم
ہر مرض کا طبیب (10)

صنفِ ترائیلے میں نعت: (Troilet) فرانسیسی ادب کی ایک معروف صنفِ سخن ہے۔جو آٹھ مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے اور جس میں پہلے مصرعے کی تکرار چوتھے اور ساتویں مصرعے کی جگہ اور دوسرے مصرعے کی تکرار آٹھویں مصرعے کی جگہ کی جاتی ہے تیسرا اور پانچواں مصرع پہلے مصرعے کے اور چھٹا مصرع دوسرے مصرعے کے قافیے میں لکھا جاتا ہے۔اردو میں نریش کمار شادؔ، فرحت کیفیؔ اور روف خیرؔ وغیرہ نے اس صنف میں نظمیں کہی ہیں۔مذکورہ صنف میں نعتیہ کلام ؎

بشیر و نذیر و سراجِ منیر
رسولِ مکرّم خدا کے حبیب
دو عالم کی رحمت، خدا کے سفیر
بشیر و نذیر و سراجِ منیر
پیامِ توحیدِ ربِّ قدیر
وہ آئے تو جاگے ہمارے نصیب
بشیر و نذیر و سراجِ منیر
رسولِ مکرّم خدا کے حبیب(11)

کہہ مکرنی میں نعت: کہہ مکرنی میں عورتوں کی زبان سے کوئی بات بیان کی جاتی ہے جس میں ایک سے معشوق مراد ہوتا ہے اور دوسری سے کچھ اور۔ اس کا قائل معشوق کی بات کہہ کر مکر جاتا ہے کہہ مکرنیوں کو سکھیاں اور مکرنیاں بھی کہتے ہیں۔ یہ امیر خسرو کی پسندیدہ صنف تھی اس میں بھی نعتیہ کلام کے نمونے ملتے ہیں ؎

ہیں وہ رب کے بڑے دُلارے
ہم کو بھی ہیں جان سے پیارے
کوئی نہیں ہے اُن کا ہم قد
کیا جبریل؟
نہیں ، محمد!(12)

آزاد نظم میں نعت: (Free Verse) ایسی نظم جو کسی روایتی شعری ہیئت کی پابندی نہیں کرتی اس میں مقررہ تعداد میں مصرعوں کے بند نہیں ہوتے لیکن بحر و وزن کی اتنی پابندی ضرور ہوتی ہے کہ کسی وزن کا کوئی رکن منتخب کر کے اس کی تکرار کی جائے اس نظم میں مصرعے کا روایتی تصور مفقود ہونے کے سبب سطر (یا سطروں) کو معیار مانا جاتا ہے سطریں بالعموم چھوٹی بڑی ہوتی ہیں جن کی طوالت کا انحصار خیال کی وسعت پر ہوتا ہے ویسے حقیقی آزاد نظم کا تصور محال ہے جو کسی فنی پابندی کو قبول نہیں کرتی۔

آزاد نظم مغربی شاعری کی دین ہے جس کے ابتدائی آثار بائبل میں شامل ”نغماتِ

سلیمان“ اور زبور کے انگریزی تراجم میں ملتے ہیں۔ فرانسیسی شعرا نے انیسویں اور انگریزی شعرا نے بیسویں صدی میں اسے شعری اظہار کے لیے اپنایا۔ بادلیئر، والٹ وھٹمن، ہاپکنز، ایلیٹ، لارنس اور بہت سے مغربی شعرا نے اسے خوب ترقی دی۔ اردو میں آزاد نظم انھیں کی تقلید میں کہی گئی۔ راشد، میراجی، فیض اور اختر الایمان اردو آزاد نظم سے منسوب اہم نام مانے جاتے ہیں۔ جدید شاعری کا بڑا حصہ اسی میں تخلیق کیا گیا ہے اور چھوٹے بڑے ہر جدید شاعر کے یہاں اس کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ کلیم الدین احمد نے لکھا ہے کہ آزاد نظم لکھنا پابند نظم لکھنے سے زیادہ دشوار ہے۔ اس صنف میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی ایک نعت بہ طورِ مثال خاطر نشین ہوں ؎

بحرِ ظلمت میں یا محمد (ﷺ)
ہے آپ ہی کا بس اک سہارا
فیوضِ شبنم کی خنکیوں سے
عذارِ گل ہے
لگی ہے پت جھڑ سے
آگ غم میں
اندھیرا بڑھتا ہی جا رہا ہے
جو آشکارا ہے یا پیمبر (ﷺ)
ہم عاصیوں کے تم ہی مسیحا
تمہارے دم سے ہے ضوفشانی(13)

مذکورہ بالا تحقیقی جائزے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نعت کی کوئی مخصوص ہیئت متعین نہیں ہے۔ لیکن اس کی مقبولیت اور آفاقیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ادب کی جملہ اصناف میں نعتیہ کلام ملتے ہیں۔ شعرائے کرام نے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے ہر صنفِ شاعری کو برتا ہے۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، رباعی، قطعہ، مسدس، مخمس، مربع، ثلاثی، مستزاد، دوہا، ماہیا، سانیٹ، ہائیکو، کہہ مکرنی، ترائیلے، آزاد نظم وغیرہ میں نعتیہ کلام بہ کثرت ملتے ہیں جو نعت کی بے پناہ مقبولیت اور ہمہ گیریت پر دال ہے۔

حواشی

(1) مکتوب ظہیر غازی پوری، محررہ 28رمئی 2000ء

(2) مکتوب ڈاکٹر سید وحید اشرف، محررہ 3رجون 2000ء

(3) مکتوب ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برق داناپوری، محررہ 28رمئی 2000ء

(4) مکتوب ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، محررہ 25رمئی 2000ء

(5) مکتوب ظہیر غازی پوری، محررہ 28رمئی 2000ئ

(6) مکتوب ڈاکٹر محبوب راہی، محررہ 23رمئی 2000ء

(7) مکتوب ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی، محررہ 23رجولائی 2008ء

(8) مکتوب ظہیر غازی پوری، محررہ 28رمئی 2000ء

(9) سلیم شہزاد: فرہنگِ ادبیات، منظر نما پبلشرز، مالیگاوں، 1998ئ، ص
711

(10) دوماہی گلبن: نعت نمبر، جنوری/اپریل 1999ء، احمد آباد، ص42

(11) دوماہی گلبن: نعت نمبر، جنوری/اپریل 1999ء، احمد آباد، ص42

(12) دوماہی گلبن: نعت نمبر، جنوری/اپریل 1999ء، احمد آباد، ص42

(13) دوماہی گلبن: نعت نمبر، جنوری/اپریل 1999ء، احمد آباد، ص182

{............}

د: ضمائر کا استعمال

نعت گوئی کے فن میں ضمائر یعنی 'تو' اور 'تم' کا استعمال اور ان کے مراجع کا تعین ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ضمائر کا استعمال حد درجہ سلیقہ اور قرینہ کا متقاضی ہے اس لیے کہ ضمائر کے استعمال میں اس بات کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے کہ کون سی ضمیر کس ذات کے لیے استعمال ہورہی ہے اور اس کا تعلق عبد سے ہے یا معبود سے، نیز اسی کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ کس ضمیر کا مرجع کیا ہے۔ نعت میں ضمائر کے استعمال سے زیادہ توجہ اور احتیاط اس کے مرجع کے تعین میں دامن گیر ہوتی ہے۔ بہرحال نعت میں ضمائر کا استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن مکمل حزم واحتیاط کے ساتھ کہ معنی ومفہوم تخریب کاری کے شکار نہ ہوں ورنہ عبد کا اطلاق معبود پر اور معبود کا اطلاق عبد پر ہوجائے گا جس سے دنیا وآخرت کی تباہی وبربادی ہمارا مقدر بن سکتی ہے۔ امیرؔ مینائی کا یہ شعر دیکھیں جس میں مرجع اور مُشارٌ الیہ کا تعین سمجھ میں نہیں آتا ؎

پاک تھی رنگِ دورنگی سے وہ خلوت گہہِ خاص
وہی شیشہ وہی مے خوار تھا معراج کی رات

حضرت امیرؔ مینائی کے مذکورہ بالا شعر میں دوطرح کی خرابیاں جھلکتی ہیں اول یہ کہ اس میں شیشہ ومے خوار جیسے سوقیانہ الفاظ کا استعمال ہوا ہے جو نعت کی پاکیزہ طبیعت کے لحاظ سے نامناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان الفاظ کا استعمال نہ تو اللہ جل شانہ کے لیے روا ہے اور نہ ہی حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے لیے۔

دوسری خرابی یہ دکھائی دیتی ہے کہ لفظ "وہ" کا مرجع اور مُشارٌ الیہ کون سی ذات ہے

واضح طور پر پتہ نہیں چلتا کہ حضور ﷺ کی ذات ہے یا اللہ جل شانہ کی۔ غرض مرجع اور مُشارٌ الیہ کے مجہول استعمال سے شعر ایک پہیلی بن کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ نعت میں ضمائر کے استعمال سے متعلق ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کا خیال ملاحظہ فرمائیے :

'' آدابِ نعت میں یہ بھی شامل ہے کہ حضور ﷺ کو جس صفت یا ضمائر سے تخاطب کیا جائے وہ احترام و اکرام اور ادب کو اپنے معنی میں سموئے ہوں۔ عربی اور اسی طرح فارسی میں ضمائر کے امتیازات نہیں ہیں لیکن اردو میں کچھ ضمیریں معظم اور مکرم شخصیتوں کے لئے استعمال کی جاتی ہیں جو اپنے مراجع کی علوِ شانی اور رفعتِ مکانی کو ظاہر کرتی ہیں۔ نعت میں اسی قبیل کے ضمائر اور الفاظ استعمال کئے جانے چاہئیں۔'' (1)

اس کے علاوہ نعت میں ضمائر کے استعمال سے متعلق ڈاکٹر ملک زادہ منظور اپنے ایک مضمون مشمولہ ماہنامہ 'مظہرِ حق' بدایوں کے ''تاج الفحول نمبر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

'' اچھے نعتیہ کلام کے حسن میں اس وقت اور اضافہ ہو جاتا ہے جب شاعر احترام و ادب کے سارے لوازمات کو ملحوظِ خاطر رکھے اور اسی سیاق و سباق میں الفاظ و محاورات، صنائع و بدائع اور ضمائر کا استعمال کرے۔ چوں کہ اردو زبان میں کلمۂ تعظیمی بہت زیادہ مستعمل ہیں اس لیے نعتیہ کلام میں ''تو' 'اور''تم'' قابلِ اجتناب ہو جاتے ہیں جو شعرا شریعت کے رموز و نکات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ ان کی جگہ ''وہ''، ''اُن'' اور ''آپ'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔'' (2)

ڈاکٹر ملک زادہ منظور کی محولہ بالا عبارت سے نعت لکھتے وقت ضمائر کا خیال کس طرح رکھا جاتا ہے پورے طور پر واضح ہو گیا ہے مذکورہ عبارت اس بات کا اشارہ یہ ہے کہ جو شعرا اپنے نعتیہ کلام میں ''تو'' اور ''تم'' اور اس کی اضافی صورتوں کا استعمال کرتے ہیں گویا وہ شریعتِ مطہرہ کے اسرار و نکات سے یک سر ناواقف ہیں اور یہ کہ یہ ضمیریں نعت میں استعمال کرنا ایک طرح کا سوءِ ادب اور گستاخی ہے۔ جب کہ اردو کا کوئی بھی ایسا شاعر نہیں ہوگا جس نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں کمالِ ادب و احترام ملحوظ رکھنے کے باوجود ان ضمائر کا استعمال نہ کیا ہو۔ قواعد کی

رُو سے ان ضمائر ''تو'' اور ''تم'' کا جب تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے رکنِ مجلسِ شوریٰ و معروف ادیب ڈاکٹر شکیل اعظمی ''تو''، ''تم'' اور ''تیرا'' وغیرہ ضمائر کی تحقیق کرتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں :

'' تو، تم، تیرا، وغیرہ اگرچہ لغۃً ضمیر مخاطب اور کلمۂ خطاب ہے جو ادنا کی طرف کیا جاتا ہے۔ فارسی میں ''تو'' اور ''شما'' عربی میں ''انت'' ''انتم'' ---- ''لک'' ---- ''بک'' وغیرہ ایک ہی انداز سے استعمال ہوتے ہیں خواہ مخاطب ادنا اور کمتر درجے کا ہو یا اعلا اور برتر درجے کا۔ لیکن اردو میں تو، تیرا، تم جیسے کلماتِ خطاب و ضمائر ادنا اور کمتر درجے کے لئے مستعمل ہیں لیکن یہ معاملہ صرف نثر تک ہی محدود ہے، نظم میں معاملہ اس سے مختلف ہے
۔

چناں چہ قواعدِ اردو از مولوی عبدالحق میں صاف درج ہے کہ نظم میں اکثر مخاطب کے لیے 'تو' لکھتے ہیں یہاں تک کہ بڑے بڑے لوگوں اور بادشاہوں کو بھی اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے ؎

بعد شاہانِ سلف کے 'تجھے' یوں ہے تفضیل
جیسے قرآن پسِ توریت و زبور و انجیل

(ذوق دہلوی)

دعا پر کروں ختم اب یہ قصیدہ
کہاں تک کہوں 'تو' چنیں و چناں ہے

(میرؔ)

اگرچہ لغوی اعتبار سے 'تو' اور 'تیرا' کے الفاظ کم تر درجے والوں کے لیے وضع کیے گئے ہیں لیکن اہلِ زبان پیار و محبت کے لیے بھی ان کا استعمال کرتے ہیں اور کسی بھی زبان میں اہمیت اہلِ زبان کے محاورات اور استعمالات ہی کو حاصل ہوتی ہے اس لیے نعتِ پاک میں ان کا استعمال قطعاً درست ہے اور اس میں کسی طرح کی بے ادبی اور شرعی قباحت نہیں۔'' (3)

واضح ہو کہ نعت میں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے ادب و احترام کا پاس و لحاظ

کرتے ہوئے ضمائر 'تو' اور 'تم' اور ان کی اضافی صورتوں کا استعمال بلاشبہ کیا جاسکتا ہے اور نعت میں ضمائر کا استعمال کرنے والے بزرگوں اور نعت گو شعرا کو بارگاہِ رسالت ﷺ کا بے ادب اور گستاخ قرار نہیں دینا چاہیے۔ بہ طورِ مثال مشہور و معروف اور مستند شعرا کے نعتیہ اشعار جن میں 'تو، تیرا، تم، تجھ وغیرہ ضمائر کا استعمال کیا گیا ہے ملاحظہ ہو ؎

کھینچوں ہوں نقصانِ دینی یارسول
'تیری' رحمت ہے یقینی یارسول
(میر تقی میرؔ)

'تم' شہ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفیٰ
سرگروہِ مرسلیں ہو یا محمد مصطفیٰ
(نظیر اکبر آبادی)

واللیل 'تیرے' گیسوے مشکیں کی ہے قسم
والشمس ہے 'ترے' رُخِ پُرنور کی قسم
(بہادر شاہ ظفرؔ)

حشر میں امّتِ عاصی کا ٹھکانہ ہی نہ تھا
بخشوانا 'تجھے' مرغوب ہوا، خوب ہوا
(داغؔ دہلوی)

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ 'تری' آکے عجب وقت پڑا ہے
(حالیؔ)

جھلکتی ہے 'تری' امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں
شیرازہ ہوا ملّتِ مرحوم کا ابتر
اب 'تو' ہی بتا 'تیرا' مسلمان کدھر جائے
(ڈاکٹر اقبالؔ)

'ترے' روضے کو مسجودِ زمین و آسماں کہیے

عبادت خانۂ عالم، مطاعِ دوجہاں کہیے
(محسنؔ کاکوروی)

'تو' جو چاہے ارے او مجھ کو بچانے والے
موجِ طوفانِ بلا اُٹھ کے سفینہ ہوجائے
(ریاضؔ خیرآبادی)

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا 'تمہیں' تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا 'تمہیں' تو ہو
(ظفر علی خان)

زینت ازل کی 'تو' ہے تو رونق ازل کی 'تو'
دونوں میں جلوہ ریز ہے 'تیرا' رنگ و آب
(سائل دہلوی)

'ترے' کردار پہ دشمن بھی انگلی رکھ نہیں سکتا
'ترا' اخلاق تو قرآن ہی قرآن ہے ساقی
(ماہرؔ القادری)

سلام اے ظلِّ رحمانی سلام اے نورِ
یزدانی
'ترا' نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی
(حفیظؔ جالندھری)

کس کی مشکل میں 'تری' ذات نہ آڑے آئی
'تیرا' کس پر نہیں احسان رسولِ عربی
(بیدمؔ وارثی)

مرے آقا رسولِ محترم خیرالوریٰ 'تم' ہو
خدائی بھر کے داتا شافعِ روزِ جزا 'تم' ہو
(جذبیؔ بریلوی)

'تری' پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے

بخشا گدائے راہ کو 'تو' نے شکوہِ حیدری

(جوش ملیح آبادی)

حمید بے نوا پر بھی کرم ہو
مُسلّم ہے 'ترا' فیضِ دوامی

(حمید صدیقی لکھنوی)

ہے 'تری' ذات باعثِ تخلیقِ دوعالم
جھکتے ہیں 'ترے' در پر جہاں گیر و جہاں دارا

(شورش کاشمیری)

کُنتُ کنزاً سے ہویدا ہے حقیقت 'تیری'
نور بے کیف کا آئینہ ہے صورت 'تیری'

(عزیز صفی پوری)

'تو' حبیبِ ربِّ جلیل ہے، 'تری' عظمتوں کا جواب کیا
'تو' ضیائے شمعِ خلیل ہے، 'تری' رحمتوں کا جواب کیا

(شعری بھوپالی)

'ترے' نام سے ہے سکونِ دل، 'ترا' ذکر وجہِ قرار ہے
'تری' یاد پر شہِ بحروبر، مری زندگی کا مدار ہے

(نفیس لکھنوی)

رخشندہ 'ترے' حسن سے رخسارِ یقیں ہے
تابندہ 'ترے' عشق سے ایماں کی جبیں ہے

(صوفی غلام مصطفیٰ تبسم)

کعبہ ہے زاہد کا قبلہ، میں تو ہوں 'تیرا' عاشقِ شیدا
قبلہ مرا 'ترے' ابروئے پُرخم، صلی اللہ علیک وسلم

(آسی سکندر پوری)

دستگیری اب 'تری' درکار

ہے
ہے فقیر خستہ مضطر الغیاث

(فقیر بدایونی)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ سے عشق ومحبت اور ادب واحترام خانوادۂ رضا بریلوی کا طرۂ امتیاز ہے، امام احمد رضا محدثِ بریلوی اور ان کے فرزندِ ارجمند مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے وہ نعت گو شعرا ہیں کہ جن کی مثیل ونظیر شاید ہی کہیں ملے۔ ان شمعِ رسالت کے پروانوں اور مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے دیوانوں کے شعر شعر میں شرعی ولسانی حزم واحتیاط کے وہ جلوے پنہاں ہیں جو کسی اور کے یہاں شاذ ونادر ہی پائے جاتے ہوں ان واقفانِ علمِ شریعت اور محافظانِ ناموسِ رسالت نے بھی اپنے نعتیہ کلام میں "تو، تیرا، تم" وغیرہ ضمائر کا بلا تکلف استعمال فرمایا ہے۔

چناں چہ امام احمد رضا بریلوی نے اپنے مشہور ومعروف نعتیہ مجموعۂ کلام "حدائقِ بخشش" میں جو پہلی نعت درج کی ہے اس کی ردیف ہی "تیرا" ہے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا 'تیرا'
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا 'تیرا'
'تو' جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دُھلیں
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا 'تیرا'
'تیرے' ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ 'تیرا'
'تو' نے اسلام دیا 'تو' نے جماعت میں لیا
'تو' کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ 'تیرا'
'تیری' سرکار میں لاتا ہے رضا اُس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا 'تیرا'

نوری بریلوی کے نعتیہ کلام میں ضمائر کا بہ کثرت استعمال ہوا ہے۔ مگر ضمائر کے مراجع اور مُشارٌ الیہ میں کہیں بھی مجہول انداز نہیں دکھائی دیتا، کلامِ نوری میں ضمائر کا استعمال بڑے

حسن وخوبی اور سلیقہ وقرینہ سے کیا گیا ہے کہ کہیں بھی اس کے مرجع کے تعین میں کسی طرح کی کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی ؎

ضیا بخشی 'تری' سرکار کی عالم پہ روشن ہے
مہ وخورشید صدقہ پاتے ہیں پیارے 'ترے' در کا

'تو' ہے رحمت، بابِ رحمت 'تیرا' دروازہ ہوا
سایۂ فضلِ خدا سایہ 'تری' دیوار کا

'تو' اگر چاہے ملے خاک میں سلطانِ زماں
'تیرا' بندہ کوئی 'تو' چاہے تو سلطاں ہوگا

جب 'تم' نہ تھے کچھ بھی نہ تھا جب 'تم' ہوئے تو سب ہوا
ہے سب میں جلوہ آپ کا ، ماہِ عجم مہرِ عرب

حضرت نوریؔ بریلوی کے متذکرہ بالا اشعار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے ادب واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اس حسن وخوبی کے ساتھ ضمائر کا استعمال کیا ہے کہ مرجع ومعنی کے تعین وتفہیم میں کسی طرح کی کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی اور عبد ومعبود کا واضح فرق نظر آتا ہے، مرجع اور مُشارٌ الیہ میں معقولیت کے سبب شعر فہمی میں دقت کا احساس نہیں ہوتا۔ کلامِ نوریؔ سے ضمائر کے استعمال کی مزید مثالیں نشانِ خاطر ہوں ؎

'تیرا' دیدارِ کرم رحمِ مجسم 'تیرا'
دیکھنی ہو جسے رحماں کے کرم کی صورت

مالکِ کل کے 'تم' ہو نائب، سب ہے 'تمہارا' حاضر وغائب
'تم' ہو شہود وغیبت والے، صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

ہر ذرہ پر 'تیری' نظر ہے، ہر قطرہ کی 'تجھ' کو خبر ہے
ہو علمِ لدنی کے 'تم' دانا، صلی اللہ علیک وسلم

بہارِ جاں فزا 'تم' ہو، نسیمِ داستاں 'تم' ہو
بہارِ باغِ رضواں 'تم' سے ہے زیبِ جناں 'تم' ہو
حبیبِ ربِّ رحماں 'تم' مکینِ لامکاں 'تم' ہو
سرِ ہر دو جہاں 'تم' ہو شہِ شاہنشہاں 'تم' ہو

'تمہارے' فیض سے لاٹھی مثالِ شمع روشن ہو
جو 'تم' لکڑی کو چاہو تیز تر تلوار ہو جائے
'تمہارے' حکم کا باندھا ہوا سورج پھرے اُلٹا
جو 'تم' چاہو کہ شب دن ہو ابھی سرکار ہو جائے

'تم' آئے چھٹی بازی رونق ہوئی پھر تازی
کعبہ ہوا پھر کعبہ کر ڈالا تھا بت خانہ
کیوں زلفِ معنبر سے کوچے نہ مہک اُٹھیں
ہے پنجۂ قدرت جب زلفوں کا 'تری' شانہ
ہر پھول میں بو 'تیری' ہر شمع میں ضو 'تیری'
بلبل ہے 'ترا' بلبل پروانہ ہے پروانہ
پیتے ہیں 'ترے' در کا کھاتے ہیں 'ترے' در کا
پانی ہے 'ترا' پانی دانہ ہے 'ترا' دانہ
میں شاہ نشیں ٹوٹے دل کو نہ کہوں کیسے
ہے ٹوٹا ہوا دل ہی مولا 'ترا' کاشانہ

فوجِ غم کی برابر چڑھائی ہے
دافعِ غم 'تمہاری' دہائی ہے
'تم' نے کب آنکھ ہم کو دکھائی ہے

'تم' نے کب آنکھ ہم سے پھرائی ہے
'تو' خدا کا ہوا اور خدا 'تیرا'
'تیرے' قبضے میں ساری خدائی ہے
تاج رکھا 'ترے' سر رفعتا کا
کس قدر 'تیری' عزت بڑھائی ہے
آگ کو باغ کس نے کیا پیارے
'تم' نے 'تم' نے ہی قدرت یہ پائی ہے
مر رہا ہوں 'تم' آجاؤ جی اٹھوں
شربتِ دید میری دوائی ہے

مذکورہ بالا اشعار میں بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کے ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر کے جملہ لوازمات کے ساتھ ضمائر کو نہایت طریقے اور سلیقے کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ لہٰذا مذکورہ مثالوں سے کلّی طور پر واضح ہوگیا کہ حضرت نوریؔ بریلوی نے بھی ضمائر کی زبان میں نعت نگاری کی ہے۔ لیکن زمامِ حزم واحتیاط کو مکمل طور پر ملحوظِ خاطر رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کا کلام اپنی قادرالکلامی اور انفرادیت کی آئینہ داری کرتا ہے۔

حواشی

(1) محمد اسماعیل فتح پوری، ڈاکٹر: نعتیہ شاعری کا ارتقا، ص73
(2) ماہنامہ اشرفیہ: ستمبر 2000ء مبارک پور، ص43
(3) ماہنامہ اشرفیہ: ستمبر 2000ء مبارک پور، ص48/49

{............}

باب سوّم

نعت گوئی کی تاریخ کا اجمالی جائزہ

باب سوّم

نعت گوئی کی تاریخ کا اجمالی جائزہ

میثاق النبیین کے بعد حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیا و مرسلین اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والے افراد کو اس حقیقت کا علم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا اور پھر اسی نور سے کائنات کی ہر چیز پیدا فرمائی۔ اور یہ خوش خبری سنائی کہ لوحِ محفوظ پر سب سے پہلے لکھے جانے والے نہ صرف اعلا مرتبت ہوں گے بلکہ نورِ ازل بھی کہلائیں گے اور خاتم الانبیا کے طور پر اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ آپ کی ولادتِ باسعادت کا وقت متعین تھا۔ لیکن آپ کا ذکرِ خیر ہر دور میں ہوتا رہا۔ آسمانی صحیفوں اور کتابوں میں بھی نبی کریم ﷺ کی ولادت کی خوش خبریاں اور بشارتیں موجود ہیں۔ انجیل برناباس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے آنکھ کھولی تو فضاؤں میں ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا دیکھا۔ تحریر دیکھ کر وہ بڑے حیران ہوئے، بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ کیا مجھ سے پہلے بھی انسان تھے؟ اس بارگاہِ عالی سے جواب آیا :

''اے میرے بندے آدم! تمہارا آنا مبارک ہو۔ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جس کو میں نے پیدا کیا ہے اور جس کا نام تو نے دیکھا وہ تیرا ہی بیٹا ہے لیکن وہ آج سے سالوں بعد اس دنیا میں آئے گا اور میرا پیغمبر ہوگا۔ اس کے لیے میں نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ وہ جب آئے گا تو دنیا کو روشن کردے گا۔ یہ وہی ہے جس کی روح تخلیقِ کائنات سے ساٹھ ہزار برس پہلے ایک آسمانی نور کی شکل میں تھی۔'' **(1)**

حضرت آدم علیہ السلام نے یہ سن کر رب تعالیٰ کے حضور التجا کی کہ کلمۂ طیبہ کے دونوں جز ان کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں پر آجائیں۔ خدا کی شان سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے پر ''لا الٰہ الا اللہ'' اچانک ظاہر ہوا اور الٹے ہاتھ کے انگوٹھے پر ''محمد رسول اللہ''۔ یہ دیکھتے ہی آپ نے انگوٹھوں کو بوسہ دیا اور فرمایا :

''مبارک ہو وہ دن جس دن تو اس دنیا میں تشریف فرما ہو۔'' **(2)**

علاوہ ازیں دیگر انبیاے کرام نے بھی اپنی اپنی امتوں کو حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ولادت کا مژدہ سنایا ہے۔ بعثتِ نبوی سے تقریباً ڈھائی ہزار برس پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بشارت دی :

''شیلون (نبی الامان) کے ہاتھ پر بنی اسرائیل کا ملک اور شریعت ختم ہوجائے گی۔'' **(3)**

ولادتِ نبوی سے دو ہزار برس پہلے موسیٰ علیہ السلام نے آپ کی بشارت دی اور آپ کی مندرجہ ذیل نشانیاں بیان فرمائیں :

''(1) وہ غیب کی خبریں بتائیں گے۔
(2) حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد ہوں گے۔
(3) میری شریعت کو منسوخ کریں گے۔
(4) بے پڑھے ہوں گے۔
(5) امانت دار ہوں گے۔
(6) کسی کو قتل نہیں کریں گے۔'' **(4)**

حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے علاوہ حضرت عیسیٰ، حضرت اشعیاہ، حضرت دانیال، حضرت ابراہیم واسماعیل، حضرت ارمیاہ، اور حضرت ہبقوق علیہم السلام نے بھی آپ ﷺ کی آمد آمد کی عظیم خوش خبریاں سنائیں۔ یہ بشارتیں ولادتِ نبوی ﷺ سے قبل ، ایک سے ڈھائی ہزار برس کے درمیان سنائی گئیں۔ مذکورہ بالا حوالوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی آمد کا انتظار تمام انبیاے کرام کی امتوں اور نیک بندوں کو تھا۔ یہی وجہ ہے کہ احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے بعد شاہِ حبش نجاشی، عبداللہ بن سلام، کعب احبار، سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم) کہ علماے یہود ونصارا میں تھے۔ ان حضرات نے توریت، انجیل اور انبیاے کرام کی بشارتوں اور پیش گوئیوں کی تصدیق کی اور مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان میں شاہِ حبش نجاشی کے علاوہ جملہ حضرات کو حضور اکرم ﷺ کی صحبتِ بابرکت نصیب ہوئی جس پر موجوداتِ عالم کو رشک ہے۔

درج بالا پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ذہن نشین کریں کہ عربی زبان کا ایک لفظ ''نعت'' جو تعریف وتوصیف، ثنا وستائش اور مدح کے معنی میں مستعمل رہا اور لغات در لغات صدیوں سفر کرتے ہوئے وہ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کی تعریف وتوصیف کے لیے مختص ہو گیا اب یہ تعریف نثر میں ہو یا نظم میں نعت تصور کی جانے لگی، یہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ایسا ہے تو آسمانی کتابوں، صحیفوں اور انبیاے سابقین کی حضور ﷺ سے متعلق بشارتو ں اور پیش گوئیوں کو نعت کے نقطۂ آغاز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

الف: تہنیت ناموں کا رواج ولادت باسعادت سے قبل

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ آسمانی کتب وصحائف میں حضور ختمی مرتبت ﷺ کی بعثت کا ذکر بڑے واضح انداز میں ملتا ہے۔ انھیں بشارتوں کو لے کر کچھ لوگوں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں آپ کی ولادت سے قبل اپنی عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا ہے اور یہ صرف عربی نثر ونظم نہیں بلکہ عبرانی، سریانی اور دوسری زبانوں میں بھی ملتا ہے۔ ان نذرانۂ عقیدت کو ہم نعت نہیں بل کہ نعت ہی سے ہم رشتہ ''تہنیت نامہ'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ نعت کے لوازمات یعنی آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور آپ کے جود وسخا، شمائل وفضائل، عادات و اطوار اور سارے محامد ومحاسن آپ کی بعثت کے بعد ہی کائنات کی توجہ کا مرکز ومحور بنے۔ تاریخی

کتابوں میں ولادتِ باسعادت سے قبل لکھے گئے بہت سے تہنیت ناموں کا ذکر ملتا ہے۔ ان تہنیت ناموں میں یمن کے بادشاہ تبع اوّل (حمیر بن وردع) کے تہنیت نامے کو محققین اولیت کا درجہ دیتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سید شمیم گوہرؔ نے یوں اظہار خیال کیا ہے:

> ''جہاں تک شاعری کی زبان میں مدح ونعت کا تعلق ہے بعثت رسول اللہ ﷺ سے ایک ہزار سال قبل شاید سب سے پہلی بار تبع حمیری بادشاہ یمن نے نعتیہ شاعری کی ابتدا کی اور اس نے شاعری کی بنیاد رکھی۔
>
> کتبِ تواریخ میں منقول ہے کہ بعثت رسالت مآب ﷺ سے ایک ہزار سال قبل تبع بادشاہ یمن ممالک مشرقیہ کی فتح کے لیے نکلا تو اس کا گزر مدینہ منورہ سے بھی ہوا۔ وہ اپنے بیٹے کو مدینہ منورہ میں خلیفہ مقرر کر کے خود شام وعراق کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادشاہ کی روانگی کے بعد لوگوں نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا بادشاہ کو خبر ہوئی تو انتقام لینے کے لیے فوراً پلٹا اور قتل عام کا حکم دے دیا۔ علماے یہود کہنے لگے تمہیں معلوم ہے یہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی مقدس ہجرت گاہ ہے یہاں تمہارا یہ حکم ہرگز جاری نہ ہوگا، بادشاہ اپنے ارادے سے باز آیا اس کے سینے میں عقیدت ومحبت رسول کی کرن جاگی اور اس کے ہمراہ جو ۴۰۰ رعلما آئے تھے انھوں نے یہاں سے جانا پسند نہ کیا۔ اس سے پہلے ایک گھر پیغمبر آخر الزماں کے لیے بھی تعمیر کرایا اور اللہ کے آخری پیغمبر کے نام انتہائی عقیدت مندانہ خط لکھا اس پر سونے کی مہر لگا کر یہودی عالم شامون کے حوالے کیا اور یہ وصیت کی کہ اگر تجھے پیغمبر آخر الزماں کا دیدار نصیب ہو جائے تو میرا یہ خط ان کی خدمت میں حاضر کرنا ورنہ تیری اولاد میں سے جس کے زمانے میں بھی ان کا ورود ہو وہ میرا خط ان کی بارگاہ میں حاضر کر دے چناں چہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو شامون کی اکیسویں پشت میں تھے حضرت ابولیلیٰ کے ذریعہ وہ خط حضرت رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں مکہ شریف بھجوایا اور مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی حضرت ابولیلیٰ نے بارگاہ نبوت میں وہ خط پیش کیا تو آپ نے فرمایا میں تمہارا

انتظار کر رہا تھا۔ آپ نے تین بار فرمایا "مرحبا لاخی الصالح" بادشاہ یمن نے اپنے خط میں جو اشعار لکھے تھے وہ یہ ہیں: ؎

شهدت علىٰ احمد انه
رسول من اللهبارى النسيم
فلو مره عمرى الىٰ عمره
لكنت وزير اله وابن عم

(ترجمہ) میں حضور احمد مجتبیٰ کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ بلا شبہ اس اللہ کی جانب سے رسول ہیں جس نے مٹی سے انسان کو پیدا کیا، اگر آپ کے ظہور مبارک کے زمانے تک زندہ رہا تو میں ان کا وزیر اور ابن عم ہوں گا۔" (5)

بادشاہ یمن تبع حمیری کے تہنیت نامے کے علاوہ بھی تاریخی کتابوں میں دیگر تہنیت ناموں کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں مرہ بن کعب، حضرت عبدا ❋ ، حضرت آمنہ، حضرت عکان بن عوامر وغیرہ اور ایک فرشتے کی تہنیت کا ذکر ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی نے اپنے تحقیقی مقالہ "نعتیہ روایت کا عروج وارتقا" میں تفصیل سے کیا ہے۔

واضح ہو کہ رحمتِ عالم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے بعد اور بچپن سے عالمِ شباب تک آپ کو جتنے لوگوں نے بھی دیکھا آپ کی تعریف وتوصیف بیان کی۔ ان کلمات کو نعت کے زمرے میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں حضور انور ﷺ کے نورانی پیکر سے متعلق عرب کی بڑ ی خاتون اُمِ معبد کے اس بیان کو بہ طورِ مثال پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا جو اس نے اپنے خاوند کو دیا:

"ام معبد کہنے لگی۔ میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حُسن نمایاں تھا، جس کی ساخت بڑی خوب صورت اور چہرہ ملیح تھا۔ نہ رنگت کی زیادہ سفیدی اس کو معیوب بنا رہی تھی اور نہ گردن اور سر کا پتلا ہونا اس میں نقص پیدا کر رہا تھا۔ بڑا حسین، بہت خوب رو۔ آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں، پلکیں لانبی تھیں۔ اس کی آواز گونج دار تھی۔ سیاہ چشم۔ سرگمین۔ دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے۔ گردن چمک دار تھی۔ ریشِ مبارک گھنی تھی۔ جب وہ خاموش

ہوتے تو پُروقار ہوتے۔ جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پُرنور اور بارونق ہوتا۔ شیریں گفتار۔ گفتگو واضح ہوتی نہ بے فائدہ ہوتی نہ بے ہودہ۔ گفتگو گویا موتیوں کی لڑی ہے جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے۔ دور سے دیکھنے پر سب سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے۔ اور قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین دکھائی دیتے۔ قد درمیانہ تھا۔ نہ اتنا طویل کہ آنکھوں کو بُرا لگے۔ نہ اتنا پست کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں۔ آپ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی مانند تھے جو سب سے سرسبز وشاداب اور قد آور ہو۔ ان کے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔ اگر آپ انہیں کچھ کہتے تو فوراً تعمیل کرتے۔ اگر آپ انہیں حکم دیتے فوراً بجالاتے۔ سب کے مخدوم۔ سب کے محترم۔" (6)

نبی کریم ﷺ کے خداداد حسن وجمال کے بارے میں دو چار یا دس بیس کی یہ رائے نہ تھی بل کہ ہر وہ شخص جس کو قدرت نے ذوقِ سلیم کی نعمت سے نوازا ہوتا، وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر اسی طرح مسحور ہو جایا کرتا اور ہر ایک کی زبان سے بے ساختہ آپ کے حسن وجمال کی تعریف نکلنے لگتی۔ آپ ﷺ کو جو دیکھتا سو جان سے قربان ہونے لگتا دوست، دشمن، اپنے اور بے گانے میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔

ولادتِ باسعادت سے قبل اور بعد حضور انور ﷺ کی تعریف وتوصیف اسی طرح جاری رہی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلانِ نبوت کا حکم دیا اور وحی کے ذریعہ آپ پر قرآنِ کریم نازل کیا تو ساری دنیا نے دیکھا کہ وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہونے کے ساتھ ہی اللہ رب العزت کی عظمت اور وحدانیت کا آئینہ دار ہے اور سرورِ عالم ﷺ کی مدح وستایش کا مظہر بھی۔ خالق کائنات نے اس مقدس کتاب میں جگہ جگہ اپنی حمد وثنا بھی فرمائی ہے اور اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک ﷺ کی نعت وصفات بھی بیان کی ہیں۔ مثال کے طور پر:

وَمَاۤ اَرسَلنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاس (اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ سورہ سبا آیت 28) اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم (بے شک تمہاری خُوبُو بڑی شان کی ہے۔ سورہ قلم آیت 4) مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُم وَلٰکن رَّسولَ اللّٰہِ وخاتَمَ النبیین (محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں! اللہ کے رسول ہیں

اورسب نبیوں میں پچھلے۔سورہ احزاب آیت 40) اِنَّا اعطینٰک الکوثر (اے محبوب بیشک ہم نے تمھیں بیشمارخوبیاں عطافرمائیں۔سورہ کوثر آیت 1) لاتَرفَعُوا اَصواتَکُم فَوقَ صوتِ النَّبِی (اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے۔سور حجرات آیت 2) قد جآءَ کُم مِنَ اللّٰہِ نورٌ وَّ کِتابٌ مُّبین (بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔سورہ مائدہ آیت 15) یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیرًا (بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضرو ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا۔سورہ فتح آیت 8) وَرَفَعنا لَکَ ذِکْرَکَ (اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کر دیا۔سورہ انشراح آیت 4) وَلَو اَنَّھُم اِذ ظَلَمُوا اَنفُسَھُم جَآئُوکَ فَاستَغفِرُ اللّٰہَ وَ استَغفَرَ لَھُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیمًا (اور وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔سورہ نسآء آیت 64) وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِن ھُوَ اِلَّا وَحیٌ یُّوحیٰ (اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے۔سورہ نجم آیت 3/4) وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلعالَمِین (اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا، مگر رحمت سارے جہان کے لیے ۔سورہ انبیاء آیت 107)

یہاں چند آیات ہی نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے مگر حق تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں بے شمار جگہوں پر رسول کریم ﷺ کا ذکرِ خیر کیا ہے اور ان پر خود درود و سلام بھی بھیجا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایک بالکل ہی منفرد انداز میں اپنے محبوب کی تعریف یوں بھی کی ہے کہ لَاتَجعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُولِ بَینَکُم کَدُعَاءِ بَعضِکُم بَعضًا (رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔سورہ نور آیت 63) یہ شان اور مرتبہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے محبوب کو بخشا۔یہ بات قرآن شریف سے اس طرح ثابت ہے کہ خالقِ کائنات نے "یا آدم، یا موسیٰ اور یا عیسیٰ" کے انداز میں حضور ﷺ کو مخاطب نہیں کیا بل کہ انھیں بڑے احترام سے "یاایھا الرسول، یاایھا النبی، یاایھا المزمل، یاایھا المدثر" وغیرہ کہہ کر پکارا ہے۔اور بلاشبہہ انھیں ایسی شان اور وجاہت عطا کی ہے جو کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آئی۔یہاں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ قرآنِ کریم سرورِعالم ﷺ کی نعت بھی ہے

اور کامل واکمل ترین اوّلین درس گاہِ نعت بھی۔

اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے کہ نعت نثر میں بھی لکھی جاتی ہے اور نظم میں بھی۔رفتہ رفتہ رحمت للعالمین ﷺ کی صفات بیان کرنے والے تمام الفاظ، فقرے، جملے، مصرعے، نظمیں، غزلیں، مثنوی اور قصیدے نعت کی صنف میں شمار ہونے لگے اور اس طرح نعت گوئی کا آغاز ہوا۔

ب: اوّلین نعت گوشعراء

اس مقام پر پہونچ کر ان حضرات کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا جنھیں اوّلین نعت گوشعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔جہاں تک اولین نعت گوشعرا کی بات کی جاتی ہے تو اس سلسلے میں عربی ادب کے نعتیہ کلام کے محققین اور مورخین اولین نعت گوشعرا کی حیثیت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جدِ گرامی جناب عبدا ؓ ، چچا ابوطالب، میمون بن قیس اعشیٰ اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے اسمائے گرامی کا ذکر کرتے ہیں۔ان حضرات میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی جناب ابوطالب کو اولیت دیتے ہیں۔

اعلانِ نبوت کے بعد کفارِ مکہ کی رسول اللہ ﷺ سے دشمنی اور خصومت کو دیکھ کر جناب ابوطالب نے فطری جذبے میں ڈوب کر آپ ﷺ کی حمایت اور اپنے خاندان بنو ہاشم کی عظمت اور برتری جتانے کے لیے ایک پُرجوش قصیدہ رقم کیا تھا اسے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے پہلی نعت قرار دیا ہے، وہ تحریر کرتے ہیں۔ :

> "سیرت النبی میں ابن ہشام نے اس قصیدے کے سات شعر نقل کیے ہیں جس کو ہم پہلی نعت قرار دے رہے ہیں۔کیوں کہ اس قصیدے سے پہلے کا کوئی کلام ایسا نہیں ملتا جس میں براہِ راست نبیِ کریم ﷺ کی نعت یا مدح ہو۔

اذا اجتمعت یومًا قریش لمفتخر   فعبد مناف سرھا و صمیھا

(ترجمہ) اگر قبیلۂ قریش کے افراد کبھی یہ طے کرنے کے لیے جمع ہوں کہ ان کا سرمایۂ فخر کیا ہے تو ان کو معلوم ہوگا کہ ان کے اندر جو عبدِ مناف کی شاخ ہے وہی قبیلہ کی روحِ رواں اور اصل ہے۔

وان حصلت اشراف عبد منافھا   وفی ھاشم اشرافھا و قدیمھا

(ترجمہ) اور اگر عبدِ مناف کے سردار اکٹھا ہو کر جستجو کریں کہ ان کی عظمت کا راز کیا ہے تو وہ بنو ہاشم میں اپنی سربلندی اور اصلیت کا سراغ پائیں گے۔

وان فخرت یوما محمدا — هو المصطفیٰ من سرها و کریمها

(ترجمہ) اور بنو ہاشم کسی بات پر فخر کرنا چاہیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ محمد ان سب میں منتخب ترین، باعثِ عظمت وسربلندی ہیں۔

وتداعت قریش غثها و سمینها — علینا فلم تظفر و طاشت حلومها

(ترجمہ) قبیلۂ قریش کے اچھے بُرے سبھی ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں لیکن وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئے اور ان کے داناؤں کی دانائیاں ہَوا میں اڑ گئیں۔

وکن قدیما لا تقر ظلامة — اذا ما ثنوا و صعرا الخدد و نقیمها

(ترجمہ) ہم لوگ وہ ہیں جو کبھی بھی مظلومیت کی حالت اپنے لیے قبول نہیں کی اور دشمنوں نے جب ہم سے منہ ٹیڑھا کیا تو ہم نے انہیں سیدھا کر دیا۔

ونحمی حماها کل یوم — ونضرب عن احجارها من
کریهة — یروم — بها

(ترجمہ) ہم اپنے خاندان کے ناموں کے محافظ ہیں جنگ کے مواقع پر ہمارے قلعوں پر جس نے نگاہ اٹھائی اس کو ہم نے مار بھگایا۔

نبا انتعش العود الدواء وانما — باکنا فنا تندی وتمنی ارمها

(ترجمہ) حالتِ امن ودوستی میں ہم وہ ہیں جن کے سایے میں خشک ٹہنیاں بھی نہال ہوجاتی ہیں اور اس کی جڑیں نرم اور بارآور ہونے لگتی ہیں۔" (7)

اس قصیدے کے علاوہ ابوطالب کا ایک اور قصیدہ ہے جو پچانوے اشعار پر مشتمل ہے جس کا حکایتی پس منظر اس طرح ہے کہ جب حضور انور ﷺ دعوت وتبلیغ کا کام انجام دینے لگے تو ابوطالب نے آپ ﷺ کی ہر ممکن مدد کی۔ قریش ابوطالب کے بائیکاٹ سے کتراتے تھے۔ لیکن جب بغض وعناد کا جوالامکھی اپنی آخری منزل پر پہونچا تو لوگ ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور مطالبہ کیا کہ آپ محمد بن عبداللہ کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھالیں اسی موقع پر ابوطالب نے سیدِ عالم ﷺ کی محبت میں ڈوب کر ایک ایسا پُرجوش اور ولولہ انگیز قصیدہ کہا جس کا ایک

ایک شعر جوشِ محبت اور اثر انگیزی میں اپنی مثال آپ ہے۔

اس قصیدہ میں جناب ابوطالب نے قریش کے لوگوں کو جنگ سے باز رہنے کی تلقین کی ہے اور جنگ سے پیدا ہونے والے ہولناک مناظر کی عکاسی کرتے ہوئے اس کے نقصانات شمار کرائے ہیں یہ ساری باتیں بیان کرتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ کے ذکرِ خیر پر پہونچے تو ایک ایسا نعتیہ شعر آپ کی زبان سے نکلا کہ اگر وہ اس شعر کے علاوہ نعتیہ شاعری میں کچھ اور نہ کہتے جب بھی ہمیشہ کے لیے اوّلین نعت گو کی حیثیت سے آپ کا نام آبِ زر سے لکھا جاتا وہ شعر یہ ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامیٰ عصمة للارامل

ترجمہ: وہ روشن اور تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے سرِّ پناہ ہیں۔

علاوہ ازیں جناب ابوطالب کے وہ اشعار جو رسول اللہ ﷺ کی عظمت وبرتری ظاہر کرنے کے لیے آپ نے قلم بند کیا تھا وہ آج بھی جب ہماری زبان پر آتے ہیں تو قلب کو گرمادیتے اور روح کو تڑپاتے ہیں، جناب ابوطالب نے ہمارے سرکار ﷺ کی محبت میں سرشار ہوکر کہا تھا ؎

کذبتم و بیت اللہ نترک بمکة — و تطعن الا امرکم فی بلا بل
کذبتم و بیت اللہ نبذی محمداً — ولما نطاعن دونه ونناضل
ونسلمه حتیٰ نقرع حوله — ونذهل عن ابنا ئنا والهلائل

ترجمہ: (1) بیت اللہ کی قسم! تم لوگ غلط سمجھتے ہو کہ ہم مکہ چھوڑ دیں گے اور یہاں سے کوچ کر جائیں گے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تم سب ہی کشمکش میں مبتلا ہو۔

(2) تم غلط سمجھتے ہو بیت اللہ کی قسم! ہم محمد کو مغلوب نہ ہونے دیں گے حالانکہ اب تک ان کی حمایت میں مدافعانہ جنگ بھی نہیں کی ہے اور نہ ہی قوت آزمائی ہی کی ہے یعنی جب تک کہ ان کی طرف سے لڑکر جان قربان نہ کردیں گے ہم ایسا نہ ہونے دیں گے۔

(3) اور کیا ہم ان کو تمہارے سپرد کردیں گے بغیر اس کے کہ ان کے گرد وپیش اپنے بیوی بچوں کو

فراموش کر کے اپنی جانیں قربان نہ کر لیں۔

جناب ابو طالب کا مشغلہ شعر و شاعری نہیں تھا لیکن وہ اس کے رموز و اسرار سے بہ خوبی واقف تھے قدرت نے ان کی طبیعت میں شعر گوئی کی ایسی صلاحیت ودیعت کی تھی کہ ذرا سی فکر کو مہمیز لگائی اور فوراً شعر موزوں ہو کر زبان پر آ گئے۔

مذکورہ بالا بحث اوّلین نعت گوئی کی ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اوّلین نعت گو شعرا میں اوّلین نعت گو کی حیثیت سے کسی ایک کا تعین کیا جا سکے، یوں تو متعدد محققین نے اپنی اپنی تحقیقات کے ذریعہ مختلف افراد کو اوّلین نعت گو قرار دیا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر سید شمیم گوہر نے تبع حمیری بادشاہِ یمن کو اوّلین نعت گو قرار دیا ہے۔ محمد شہاب ظفر اعظمی نے اوّلین نعت گو حضور انور ﷺ کے جدِ گرامی جناب عبدا ٭ کو قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برق دانا پوری نے میمون بن قیس اعشیٰ کو اوّلین نعت گو قرار دیا ہے۔ لیکن نعتیہ ادب کے معروف محققین ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری اور ڈاکٹر سراج احمد بستوی وغیرہ کے نزدیک اوّلین نعت گو ہونے کا شرف ابو طالب ہی کو حاصل ہوا ہے۔ مؤخر الذکر محققین کی آرا بہ ایں معنی مستحکم معلوم ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت سے قبل لکھے گئے مدحیہ اشعار کو نعت کا سرنامہ نہیں دیا جاتا، جس کی تحقیق ہو چکی ہے کہ وہ نعت نہیں تہنیت نامے ہیں، اور اوّل الذکر محققین نے جن حضرات کو اوّلین نعت گو قرار دیا ہے اُن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب ولادت باسعادت سے قبل کی ہستیاں ہیں۔ متذکرہ بالا تحقیق کی روشنی میں اسی خیال کو تقویت ملتی ہے کہ جناب ابو طالب ہی کو اوّلین نعت گو ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

بعد ازاں عربی، فارسی، اردو کے علاوہ جہاں جہاں اسلام پہونچا وہاں نعتیہ شاعری بھی پہونچی، اور اہلِ محبت نے اپنے اپنے علاقے کی زبانوں اور بولیوں میں رسول اللہ ﷺ کی مقدس بارگاہ میں اپنا نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ نعت کی آفاقیت اور اس کی ہمہ گیری و ہمہ جہتی کا یہ عالم ہے کہ اس کو زمان و مکان، زبان و ادب، تہذیب و ثقافت، رنگ و نسل، فکر و نظر اور مذہب و ملت میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر میں نعت کا سرمایہ کرۂ ارض پر بولی اور سمجھی جانے والی ہر اس زبان و ادب میں پایا جاتا ہے جس کے حوالے سے لوگ محسن انسانیت، رحمۃ

للعالمین ﷺ کی عظیم المرتبت شخصیت سے واقف ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی شخصیت سے صرف مسلم ہی نہیں بل کہ غیر مسلم حضرات بھی کچھ اس طرح متاثر ہوئے کہ انھوں نے بھی آپ ﷺ کی عالم گیریت کو محسوس کرتے ہوئے نعتیہ اشعار کہہ کر اپنے دلوں کو گرمایا ہے۔ ان غیر مسلم شعرا میں اکثر کے نعتیہ کلام تو اتنے موثر اور دل پذیر ہیں کہ پڑھ کر دل اش اش کر اُٹھتا ہے یوں لگتا ہے جیسے ان حضرات میں نسلی اور رواجی مسلمانوں سے کہیں زیادہ عقیدت مندی ہے۔

غرض یہ کہ نعت گوئی کبھی بھی زمان و مکان، زبان و ادب، تہذیب و ثقافت، رنگ و نسل، فکر و نظر اور مذہب و ملت کی پابند نہیں رہی، چناں چہ رحمتِ عالم ﷺ کی ولادتِ باسعادت سے اب تک مختلف زبانوں میں شعرا، نثر نگار، مسلم اور غیر مسلم سبھی نعت کہتے آئے ہیں۔ یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ مسلمان جس علاقے میں بھی پائے جاتے ہیں وہاں زبان و ادب میں نعت کے گلہائے رنگا رنگ پیش کرتے رہتے ہیں اور اپنے اپنے انداز سے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں نذرانۂ عقیدت و محبت نچھاور کرتے رہتے ہیں۔

حواشی

(1) انجیل برناباس: مطبوعہ کراچی، 1978ئ، باب 3، ص 50

(2) انجیل برناباس: مطبوعہ کراچی، 1978ئ، باب 3، ص 50

(3) توریت: تکوین، سفر الاستثناء، مطبوعہ 1944ئ، 1:49

(4) توریت: خروج، سفر الاستثناء، مطبوعہ 1944ئ، 17:19، 18:20

(5) سراج احمد بستوی، ڈاکٹر: نعتیہ روایت کا عروج و ارتقا، دہلی 2002ئ ص

(6) پیر کرم شاہ ازہری، علامہ: ضیاء النبی، مطبوعہ دہلی، ج2، ص174/175

(7) عبداللہ عباس ندوی، ڈاکٹر: عربی میں نعتیہ کلام، مطبوعہ لکھنؤ، ص33

{............}

ج: عربی میں نعت گوئی

جناب ابو طالب نے نعت گوئی کی جس روایت کو قائم کیا اور ان سے قبل رسول اللہ ﷺ کی بارگاہِ مقدسہ میں جو تہنیت نامے بعثت و ولادت سے قبل بیش تر حضرات نے پیش کیے اس کی روش اتنی مبارک و مسعود تھی کہ ان گنت حضرات نعت گوئی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے عربی زبان میں عہدِ رسالت مآب ﷺ میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اور پھر عہدِ رسالت مآب ﷺ کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، اولیائے کاملین اور پھر شعرائے کرام نے عربی زبان و ادب کو فروغ دیتے ہوئے نعت گوئی کے فن کو مسلسل جاری رکھا

اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے حضور اپنی عقیدت و محبت کے گلہائے رنگا رنگ کو نعتیہ اشعار کی شکل میں پیش کیا۔

عربی کے جن نعت گو شعرا کا ذکر نعتیہ تاریخ و ادب کے حوالے سے ملتا ہے ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے :

جناب ابو طالب (م 10 نبوی)، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (م 13ھ)، حضرت عمر فاروق (م 23ھ)، حضرت عثمان غنی (م 35ھ)، حضرت علی مرتضیٰ (م 40ھ)، حضرت حسان بن ثابت (م 675ئ)، اعشیٰ قیس، حضرت کعب بن زہیر، حضرت حمزہ (م 3ھ)، حضرت عباس، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن مالک، حضرت عباس بن مرداس، حضرت مالک بن النمط، حضرت سعد بن وقاص، حضرت ابو سفیان، حضرت امام زین العابدین (م 94ھ)، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ (م 150ھ)، حضرت ابو بکر محی الدین ابن عربی، حضرت شرف الدین بوصیری (م 697ھ)، ابن جابر اندلسی (م 780ھ)، ابن نباتہ مصری (م 768ھ)، شہاب الدین محمود الحلبی، عبد الرحمن بن خلدون (م 732ھ)، علامہ ابن حجر عسقلانی (م 852ھ)، شیخ عبد الغنی نابلسی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م 1052ھ)، شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی (م 1142ھ)، غلام علی آزاد بلگرامی (م 1200ھ)، علامہ فضلِ حق خیر آبادی (م 1278ھ)، مولانا احمد رضا بریلوی (م 1340ھ)، مولانا حامد رضا بریلوی (م 1362ھ) وغیرہ۔ لہٰذا ان میں چند منتخب نعت گو شعرا کا عربی نعتیہ کلام نشانِ خاطر ہو ۔

کلامِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (م 13ھ)

جب سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف قصد فرمایا تب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرطِ رنج والم میں ڈوب کر یہ اشعار کہے:

لما رأ یت نبینا متجندلا

ضاقت علیٰ برضهن الدور

فارتاع قلبی عند ذٰلک لهلکه
والعظم منی ماحییت کسیر

یالیتنی من قبل یهلک صاحبی
غیبت فی جدثٍ علیَّ صخور

ترجمہ:

(1)جب میں نے اپنے نبی کووفات یافتہ دیکھاتومکانات اپنی وسعت کے باوجود مجھ پرتنگ ہوگئے۔

(2)اس وقت آپ کی وفات سے میرادل لرزاٹھااورزندگی بھرمیری ہڈی شکستہ رہے گی۔

(3) کاش! میں اپنے آقا کے انتقال سے پہلے قبر میں دفن کردیا گیا ہوتا اور مجھ پر پتھر ہوتے۔(1)

☆

کلامِ حضرت عمرابن الخطاب رضی اللہ عنہ(م23ھ)

جس وقت حضرت عمربن خطاب رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے اس وقت یہ نعتیہ کلام حضوررحمتِ عالم ﷺ کی شان میں پیش فرمایا:

الحمد لله ذی المن الذی وجبت
له علینا آبادما لها غیر
وقد ظلمت ابنة لخطاب ثم هدی
ربی عشیة قالوا صبا عمر
وقد ندمت علیٰ ماکان من زال
بظلمها حین تتلی عندها السور

لما دعت ربها ذالعرش جاهدة
والدمعی من عینها عجلان یتدرر
فقلت اشهد ان الله خالقنا
وان احمد فینا الیوم مشتهر
نبی صدق اتیٰ بالحجة من ثقه
وفی الامانة مافی وعده خور

ترجمہ:(1)تمام خوبیاں اس احسان والی ذات کے لیے ہیں،جس کی وجہ سے ہم کووہ احسان و نعمت ملی جودوسروں کے لیے نہیں ہے۔

(2)میں نے بنتِ خطاب(اپنی بہن)پرزیادتی کی پھرمیرے رب نے اس شام کومجھے ہدایت دی جب لوگوں نے کہا کہ عمرآبائی دین سے نکل گیا ہے۔

(3)جولغزشیں واقع ہوچکی تھیں اس(بنتِ خطاب)پربوقتِ تلاوت،ظلم کے باعث،اس پر مجھے ندامت ہوئی۔

(4)اورجب اس نے تکلیف سے عرش والے اپنے پروردگارکوپکارا،اوراس کی آنکھوں میں آنسو بڑی تیزی سے رواں ہوا۔

(5)تومیں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہماراخالق ہے اوراحمدِ مجتبیٰ آج ہمارے درمیان مشہورومتعارف ہیں۔

(6)کہ وہ سچے نبی ہیں جومستند دلیل وبرہان لائے،اوروہ امانت دارہیں ان کے وعدے کمزورنہیں (2)۔

کلامِ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ(م35ھ)

رسول عظیم الشان یتلو کتابه
له کل من یبغی التلاوة وامق
محب علیه کل یوم حلاوة
وان قال قولا فالذی قال صادق

ترجمہ:(1)وہ عظیم المرتبت رسول اپنی اس کتاب کی تلاوت فرماتے ہیں جسے جوبھی پڑھنا چاہا اس کا عاشق ہوگیا۔

(2) وہ محبوب ہیں ان پر ہر روز حلاوت وتازگی ہے اور اگر کوئی بات کہیں تو یقیناً وہ سچی ہے۔(3)

کلامِ حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (م 40ھ)

فامسىٰ رسول الله قد عز نصره
وكان رسول الله ارسل بالعدل
فجاء بفرقان من اله منزل
مبينة آياته لذوى العقل
فآ من اقوام بذالك ايقنوا
فامسوا بحمد الله مجتمعى الشمل
وانكر اقوام نزاغت قلوبهم
فزادهم ذولعرش خبلا علىٰ خبل

ترجمہ :(1) رسول اللہ کی تائید ونصرت زوردار ہوگئی، اور آپ عدل وانصاف کے ساتھ مبعوث کیے گئے تھے۔
(2) وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ فرقانِ حمید لے کر آئے جس کی آیات اربابِ دانش کے لیے روشن وواضح ہیں۔
(3) تو اس پر بہت سے لوگ ایمان لائے اور اس کا یقین کیا جس کی وجہ سے وہ بحمدہٖ تعالیٰ مربوط ومنظم ہوگئے۔
(4) اور کچھ لوگ اس سے منکر ہوئے تو ان کے دلوں میں کجی آگئی اور ربِ عرش نے بھی ان کی تباہیوں میں اضافہ کردیا۔(4)

کلامِ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (م 675ئ)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا نام آتے ہی ہر عاشقِ رسول (ﷺ) کا ذہن نعت کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ یہی وہ خوش نصیب صحابیِ رسول (ﷺ) ہیں جن سے بہ نفسِ نفیس خود سرورِ عالم ﷺ نعتیہ اشعار سماعت فرمایا کرتے تھے۔ اور ان ہی کے لیے اپنے مقدس ہاتھوں سے منبر سجایا۔ نعت گوئی سے آپ کا تعلق جسم وروح کی مانند ہے جس طرح روح کے بغیر جسم کا تصور ناقص اور ادھورا ہے اسی طرح حضرت حسان بن ثابت کے بغیر نعتیہ شاعری کا تصور نامکمل ہے۔ آثار میں آپ کے بہ کثرت نعتیہ کلام ملتے ہیں جس کی تفصیل کے لیے دفتر درکار

ہے اور وہ ایک علاحدہ موضوع ہے یہاں آپ کا ایک نعتیہ کلام پیش ہے :

اغر عليه للنبوة خاتم
من الله مشهود يلوح و يشهد
وضم الا له اسم النبى الى اسمه
اذقال فى الخمس الموذن اشهد
وشق له من اسمه يجله
فذو العرش محمود و هذا محمد
فامسنى سراجامنيرا و ها ديا
يلوح كما لاح الصيقل المهند
واندر نا نا ر ا وبشر جنة
وعلمنا الاسلام فالله نحمد

ترجمہ:(1) آپ پر مہرِ نبوت درخشاں ہے اللہ کی طرف سے وہ دلیل ہے، چمکتی ہے اور گواہی دیتی ہے۔
(2) اللہ نے اپنے نبی کا نام اپنے نام سے مربوط کردیا اس لیے موذن پانچوں وقت اذان میں اشہد کہتا ہے۔
(3) وہ ایک روشن چراغ، روشنی دینے والے اور ہادی بن کر آئے جن کی چمک ایسی ہے جیسے ہندی تلوار چمکتی ہے۔
(4) اللہ نے اپنے نام سے اپنے پیغمبر کا نام نکالا عرش والا (خدا) محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔
(5) ہمیں جہنم سے ڈرایا، جنت کی بشارت دی، اسلام سکھایا پس اللہ ہی ہے جس کی ہم حمد کرتے ہیں۔(5)

☆

کلامِ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ (م 95ھ)

ان نلت يا ريح الصبا يوماً الىٰ ارض الحرم
بلغ سلامى رضة فيها النبى المحترم

من وجهه شمس الضحىٰ من خده بدرالدجىٰ

من ذاته نور الهدیٰ من کفه بحر الهمم

اکبادنا مجروحة من سیف هجر المصطفی
طوبی لاهل بلدة فیها النبی المحترم

یارحمة للعالمین ادرک لزین العابدین
محبوس اید الظالمین فی المرکب والمزدهم

ترجمہ(1) اے بادِصبا اگر تو کسی دن طیبہ کی سرزمین پر جائے تو میرا اسلام اس روضۂ اقدس تک پہنچا۔ جس میں عظمت والے نبی آرام فرماہیں۔
(2) وہ کون ہیں جن کا چہرۂ مبارک چڑھتا سورج اور جن کا رخسار ظلمتوں کا چاند ہے، وہ کون ہے جن کی ذات ہدایت کا نور ہے اور جن کا دستِ مقدس عزم کا بحرِ بیکراں ہے۔
(3) نبی کی جدائی کی شمشیر سے ہمارے جگر زخمی ہیں۔ اس شہر والے کتنے خوش نصیب ہیں جس میں عظمت وجلال والے نبی تشریف فرماہیں۔
(4) اے رحمۃ للعالمین! زین العابدین کی دستگیری فرمایئے، جو بھیڑ اور ازدحام میں ظالموں کے ہاتھوں گھرا ہوا ہے۔(6)

☆

کلامِ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت (م150ھ)

یاسید السادات جئتک قاصداً
ارجو ا رضاک و احتمی بحماک

یارسول الله یا خیر الخلائق ان لی
قلبا مشوقا لا یروم سواک

انت الذی لولاک ما خلق امر
کلا ول خلف الوریٰ لولاک

انت الذی لما رفعت الیٰ السمآء
بک قد سمت و تزینت لسراک

ترجمہ: (1) یارسول اللہ! بندہ حاضرِ دربار ہے، آپ کی خوشنودی اور حفظ واماں درکار ہے۔
(2) یاخیرالخلائق! میرے پہلو میں ایسا دل ہے، جو آپ کا شیدا اور غیر سے بے زار ہے۔
(3) اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی شے پیدا نہ ہوتی، آپ کے ہونے ہی سے یہ گلشن وگل زار ہے۔
(4) آپ کی معراج سے آسمانوں کو بلند رتبہ ملا، آپ پر ہر ستارہ اور سیارہ فخر کرتا ہے۔(7)

☆

کلامِ امام بوصیری (م697ھ)

امن تذکر جیران بذی سلم
مزجت دمعاً جریٰ من مقلة بدم

ام هبت الریح من تلقاء کاظمة
واومض البرق فی الظلماء من اضم

هوالحبيب الذی ترجیٰ شفاعته
لكل هول من الاهوال مقتحم

يا اكرم الخلق مالی من الوذبه
سواک عند حلول الحادث العمم

ترجمہ:(1) کیا ہم سایوں کی یاد سے جوذی سلم تھے، تیری آنکھ سے خون آلوُدہ آنسو جاری ہیں۔
(2) یا ہوا آرہی ہے کاظمہ کی جانب سے یا کوہِ اِظم کی طرف سے بجلی چمکتی ہے اور تجھے وہاں کی یا دخون رُلا رہی ہے۔
(3) وہی حبیبِ لبیب ہیں کہ امید کی گئی ہے اُن کی شفاعت کی ہر شدت و مصیبت میں، شدتوں اور مصیبتوں سے جو سختی کے ساتھ ان کے غلاموں پر نازل ہو چکی ہیں۔
(4) اے بہترین کریمِ عالم! آپ کے سوا میرے لیے کوئی جگہ نہیں جہاں پناہ لوں مصیبتوں کے عام نزول کے وقت۔(8)

☆

کلامِ علامہ ابن حجر عسقلانی (م852ھ)

نبی الله يا خير البراياء
بجاهد اتقیٰ فصل القضاء

وارجوا يا كريم العفو عما

جنة يداى يا رب الحياء

مكعب الجود ولا يرضى فداء
لنعلك وهو راس فی السماء

ترجمہ:(1) اے اللہ کے رسول! اے سب سے برگزیدہ انسان! آپ کے طفیل اللہ سے حشر کے دن کی رسوائی سے پناہ مانگتا ہوں۔
(2) اے بہترین معاف کرنے والے! امیدوار ہوں کہ میرے کرتوت کو آپ نظر انداز کردیں گے اے حیا وشرم کے مالک۔
(3) کعب بن جو سخاوت میں بہت مشہور ہیں وہ میرے نزدیک آپ کی جوتیوں پر قربان کیے جانے کے لائق بھی نہیں ہے، حال آں کہ اس کا شمار سخیوں کے سرداروں میں تھا۔(9)

☆

کلامِ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م1176ھ)

بشاره عيسیٰ والذی عنه عبروا
لشده باش با لضحوک المحارب

صبيح مليح ابجح العينين اسكل

فصح له الاعجام ليس بشائب

وياويل قوم اطرئ بوصف نبيه
فسماه رب الخلق اطراء خائب

وقد ساخ في ارض حصا ن سراقة
وفيه حديث عن ابرء ابن عازب

ترجمہ:(1) آپ کی بشارت حضرت عیسٰی نے دی تھی اور بتلایا تھا کہ وہ بہادر اور میدانِ جنگ میں بھی ہنسنے والے ہوں گے۔

(2) آپ خوش رنگ، ملیح، کشادہ چشم، فصیح ہیں، جن کی گویائی میں عجز کا کہیں دخل نہیں۔

(3) وہ لوگ ہلاک ہوجائیں گے جو آپ کی نعت میں مبالغہ کرتے ہیں اور ایک مجرم نعت گو بن کر نبی کو خدا کا مرتبہ دیتے ہیں۔

(4) اور سراقہ کے گھوڑے کے قدم زمیں میں دھنس گئے اور اس بارے میں براابن عازب کی حدیث ہے۔(10)

☆

کلامِ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی (م1200ھ)

قلبي حمام بالمدينة طائر
لكن جسمي موثق في مصيد

قالت لطرفاء الفلاة حمامة
لم ترحين و تفخرين فارشدِ

قالت لها اوما ترين مكا نتي
قد كان منا منبر لمحمدِ

ترجمہ:(1) میرا دل مدینہ میں اڑنے والا کبوتر ہے۔

(2) ایک کبوتری نے ایک صحرائی درخت سے کہا تم کس بات پر گھمنڈ کرتے ہو۔

(3) درخت نے جواب دیا تم کو میری حیثیت دکھائی نہیں دیتی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر میری لکڑی سے بنا تھا(11)

☆

کلامِ امام احمد رضا محدث بریلوی (م1340ھ)

الحمد للمتوحد
بجلاله المتفرد
و صلوته دوماً علىٰ
خير الانامِ محمد
والآل والاصحاب هم
ماوای عندالشدائد

فالی العظیم توسلی
بکتابه وبا حمد
وبمن اتیٰ بکلامه
وبمن هدیٰ وبمن هُدِیٖ
وبکل من و جدد الرضا
من عند ربِّ واحد

ترجمہ: (1) خدائے یکتا کی حمد وثنا ہے، وہ اپنے جلال میں یکّہ ویگانہ ہے۔

(2) تمام مخلوق میں سب سے اعلا انسان سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی رحمت ہمیشہ نازل ہوتی رہے۔

(3) اللہ کی رحمت آپ کی آل اور ساتھیوں پر برابر نازل ہوتی رہے، مصائب وتکالیف کے وقت آل واصحاب میرے ملجاوماوا ہیں۔

(4) اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی کتاب (قرآن مجید) اور احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا وسیلہ ہیں۔

(5) بارگاہِ الٰہی میں وہ میرا وسیلہ ہیں جو اللہ کے کلام کو لائے جنہوں نے راہِ راست کی طرف رہنمائی کی اور جن کے ذریعے مخلوق کی ہدایت ہوئی یعنی شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(6) رضاؔ ہر ایسے برگزیدہ انسان سے متوسل ہے جو اپنے پروردگار کی جانب سے خوش نودی پاچکا ہے۔(12)

حواشی

(1) محمد اکرم رضوی، صوفی: صحابہ کا عشقِ رسول، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص 162
(2) محمد اکرم رضوی، صوفی: صحابہ کا عشقِ رسول، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص 162/163
(3) محمد اکرم رضوی، صوفی: صحابہ کا عشقِ رسول، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص 163
(4) محمد اکرم رضوی، صوفی: صحابہ کا عشقِ رسول، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ص 163/164

(5) سراج احمد بستوی، ڈاکٹر: نعتیہ روایت کا عروج وارتقا، رضوی کتاب گھر، دہلی، ص 81
(6) یٰسین اختر مصباحی، علامہ: المدیح النبوی، مجلس برکات، مبارک پور، ص 102
(7) یٰسین اختر مصباحی، علامہ: المدیح النبوی، مجلس برکات، مبارک پور، ص 82
(8) یٰسین اختر مصباحی، علامہ: المدیح النبوی، مجلس برکات، مبارک پور، ص 55
(9) یٰسین اختر مصباحی، علامہ: المدیح النبوی، مجلس برکات، مبارک پور، ص 102/103
(10) اسماعیل آزاد فتح پوری، ڈاکٹر: نعتیہ شاعری کا ارتقا، فائن آفسیٹ ورکس، الٰہ آباد، ص 234/233
(11) اسماعیل آزاد فتح پوری، ڈاکٹر: نعتیہ شاعری کا ارتقا، فائن آفسیٹ ورکس، الٰہ آباد، ص 116/115
(12) المیزان: امام احمد رضا نمبر، ج 6، شمارہ 7/8/9، بابت اپریل، مئی، جون 1976ء، ممبئی ص 449

{...........}

د: فارسی میں نعت گوئی

جب اسلام حدودِ عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہوا تو جہاں جہاں گیا وہاں اس نے گہرے علمی، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی اثرات مرتب کیے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں اسلامی

علوم وادب اور تہذیب وثقافت کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کی روایت کا رواج بھی عام ہوگیا۔
چناں چہ عربی ادب سے نعتیہ روایت کا رواج عجم کی بڑی زبان فارسی میں بھی عام ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے فارسی زبان وادب میں نعت گوئی کا فن ترقی کرتا چلا گیا اور تا ہنوز جاری وساری ہے۔ فارسی میں نعت گوئی کی تاریخ کی روایت میں جن شعرا کا تذکرہ ملتا ہے ان کے اسماے گرامی اس طرح ہیں :

ابوالقاسم فردوسیؔ (م 411ھ)، ابوسعید ابوالخیر (م 440ھ)، سید حسنؔ غزنوی، حکیم سنائی (م 545ھ)، خاقانیؔ، نظامیؔ گنجوی (م 596ھ)، شیخ فریدالدین عطارؔ (م 627ھ)، فخرالدین گرگانی، اوحدالدین انوریؔ (م 547ھ)، شمس الدین تبریزؔ، حضرت عبدالقادر جیلانی (م 561ھ)، جلال الدین رومیؔ (م 672ھ)، خواجہ معین الدین حسنؔ سنجری (م 633ھ)، سلمان ساوجی (م 769ھ یا 779ھ)، حافظ شمس الدین شیرازی (م 1390ئ)، شیخ سعدی شیرازی (م 691ھ)، علامہ عبدالرحمن جامیؔ (م 898ھ)، جان محمد قدسیؔ (1056ھ)، حضرت امیر خسروؔ (1325ئ)، مخدوم علاوالدین صابر کلیری (م 690ھ)، حضرت بوعلی قلندرؔ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م 1052ھ)، امیر خسروؔ (م 652ھ)، اسداللہ خان غالبؔ (م 1869ئ)، سرسید احمد خان (م 1898ئ)، ڈاکٹر شیخ اقبالؔ (م 1938ئ)، مولانا احمد رضا خان بریلوی (م 1340ھ) وغیرہ۔

ایران وہند کے ان شعرا کے علاوہ عہدِ جدید کے جن شعراے فارسی نے فنِ نعت گوئی کو عروج و اقبال کی طرف پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ان کے نام یوں ہیں۔ ہلالؔ چغتائی (م 926ھ)، وحشیؔ بافقی (م 991ھ)، محتشمؔ کاشی (م 996ھ)، صائبؔ تبریزی (م 1060ھ)، مشتاقؔ اصفہانی (م 1171ھ)، فتح علی خاں صباؔ (م 1236ھ)، صفی علی شاہ (م 1251ھ)، وصالؔ شیرازی (م 1262ھ)، رجائی (م 1262ھ)، یغمائیؔ جندقی (م 1270ھ) ان میں سے چند شعراے گرامی کی فارسی نعتوں کا انتخاب نشانِ خاطر ہو :

ابوالقاسم فردوسیؔ (م 411ھ)

اگر دل نخواہی کہ باشد نژند

نخواہی کہ دام بوے در رسند
بوے درد و گیتی زبد رستگار
نکو نام باشی بر کردگار
بگفتار پیغمبرت راہ جوے
دل از تیرگیہا بدیں آب شوے
ترا دین و دانش رہاند درست
رہ رستگاری بباید بہ جست
چہ گفت آں خداوند تنزیل وحی
خداوند امر و خداوند نہی (1)

☆

سید حسنؔ غزنوی

منت ایزد بدیں گردونِ اعلا آمدیم
منت ایزد را بدیں درگاہِ والا آمدیم
اشک باراں بادلے پُر آتش چشمے پُر آب
ہچو ابرِ تیرہ از پستی بہ بالا آمدیم
صاحبِ لو انہم جاوک مارا بار داد
تا نہ پنداری کہ بے دستور ایں جا آمدیم
سلموا یا قوم بل صلوا علی الصدر الامیں
مصطفیٰ ماجآء الا رحمۃ للعالمیں (2)

☆

حکیم سنائی (م 545ھ)

گر نہ بودی بود تو موجودِ کلی را وجود

حق بجانِ تو نہ کردی یاد در قرآں قسم
گر نخواندے رحمۃ للعالمیں ایزد ترا
در ہمہ عالم کہ دانستہ صمد را از صنم
چوں لعمرک گفت ایں جا جاے دیگر والضحیٰ
گشت ما روشن کہ تو بوالقاسمی نہ بود الحکم
عالمے بیمار غفلت بود اندر راہِ ولا
حق ترا از ھۂ تحقیق فرمودش نعم (3)

☆

فریدالدین عطارؔ (م 627ھ)

فداک ابی امی این تمشی
براق آمد مگر بر عزمِ عرشی
ترا چہ عالم و چہ عرش و فرشی
کہ صد عالم ورائے عرش و فرشی
توئی سلطانِ مطلق در دوعالم
کہ خط دادند انس و جان و وحشی
چوں دائم رحمۃ للعالمینی
ازاں جرمِ دوعالم را بہ بخشی
فسبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ
الی الجبروت والملکوت کلہٖ (4)

☆

مولانا جلال الدین رومیؔ (م 672ھ)

قصۂ رازِ حلیمہ گویمت

تا ز داند داستانِ او غمت
مصطفیٰ را چوں ز شیر او باز کرد
بر کفش برداشت چوں ریحان و ورد
می گریزانیدش از ہر نیک و بد
تا سپارد آں شہنشہ را بجد
چوں ہمی آورد امانت را ز بیم
شد بکعبہ و آمد او اندر حطیم
از ہوا بشنید بانگے کاں حطیم
تافت بر تو آفتابے بس عظیم
اے حطیم امروز آید بر تو زود
صد ہزاراں نور از خورشید جود
اے حطیم امروز آرس در تو رخت
محتشم شاہی کہ پیک اوست بخت (5)

شیخ سعدیؔ شیرازی (م 691ھ)

کریم السجایا جمیل الشیم نبی البرایا شفیع الامم
امامِ رسل پیشوائے سبیل امینِ خدا مہبطِ جبرئیل
شفیع الوریٰ خواجۂ بعث و نشر امام الہدیٰ صدرِ دیوانِ حشر
کلیمے کہ چرخِ فلک طورِ اوست ہمہ نورہا پرتوِ نورِ اوست
چو عزمش بر آہیخت شمشیر بیم
بمعجز میانِ قمر زد دو نیم (6)

علامہ عبدالرحمن جامیؔ (م 828ھ)

تنم فرسودہ جاں پارہ ز ہجراں یارسول اللہ
دلم پژمردہ آوارہ ز عصیاں یارسول اللہ
چوں سوئے من گزر آری منِ مسکینِ ناداری
فدائے نقشِ نعلینت کنم جاں یارسول اللہ
ز کردہ خویش حیرانم سیاہ شد روزِ عصیانم
پشیمانم پشیمانم پشیماں یارسول اللہ
ز جامِ حبِّ تو مستم بہ زنجیرِ تو دل بستم
نمی گویم کہ من ہستم سخن داں یارسول اللہ
چوں بازوے شفاعت را کشائی بر گناہ گاراں
مکن محرومِ جامیؔ را درآں یارسول اللہ (7)

☆

حضرت غوثِ اعظم عبدالقادر جیلانی بغدادی (م 561ھ)

غلام حلقہ بگوشم رسولِ ساداتم	زہے نجات نمودن حبیب و آیاتم
کفایت است ز روحِ رسول اولادش	ہمیشہ وردِ زباں جملہ مہماتم
ز غیرِ آلِ نبی حاجتے اگر طلبم	روا مدار کیے از ہزار حاجاتم
چوں ذرّہ ذرّہ شود این تنم بخاک لحد	تو بشنوائے صلوٰت از جمیع ذرّاتم

سلام گویم و صلوٰت بر تو ہر نفسے
قبول کن بکرم این سلام و صلواتم (9)

☆

حضرت خواجہ معین الدین چشتی حسن سنجریؔ اجمیری (م 633ھ)

درجاں چوں کرد منزل جانانِ ما محمد

صد در کشاد در دل از جانِ ما محمد
ما بلبلیم نالاں در گلستانِ احمد
ما لولوئیم مرجاں عمّانِ ما محمد
مستغرقِ گناہیم ہر چند عذر خواہیم
پژمردہ چوں گیاہیم بارانِ ما محمد
از دردِ زخمِ عصیاں ماراچہ غم چو سازد
از مرہمِ شفاعت درمانِ ما محمد
ما طالبِ خدائیم بر دینِ مصطفائیم
بر درگہش گدائیم سلطانِ ما محمد
در باغ و بوستانم دیگر مخواں معینؔ
باغم بس است قرآں بُستانِ ما محمد (10)

☆

حضرت امیر خسروؔ (م 652ھ)

محمد است چو دریاے رحمت اندر پیش	بہ تن کجا رسد آتش بامتِ مسکیں
شار احسن تقویم را بہ تختۂ خاک	وکیست حرفِ مبین وآدم ابجدیستِ دیں
مکونات ز تقدیر جملہ معلومند	صحیح ذاتِ رسول ست و علتش تکویں
ہوست شمعِ شبستان کن زبور نخست	کہ ہست دروے ازاں نہ پر روح نشیں
شدند جان ہمہ تن روح قدس روح اللہ	کہ کے بخند و میرند پیش آں نشیں

دراں زماں کہ برندم بسوے ظلمت کور
زنور دیں دیم باد شمر راہِ امیں

☆

جان محمد قدسیؔ (م 1056ھ)

مرحبا سید مکی مدنی العربی	دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مَن بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم　　اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی
چشمِ رحمت بکشا سوے من اندازِ نظر　　اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی
ماہمہ تشنہ لبانیم وتوئی آبِ حیات　　رحم فرما کہ ز حد می گذرد تشنہ لبی
سیدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی
آمدہ سوے تو قدسیؔ پئے درماں طلبی(11)

ڈاکٹر محمد اقبالؔ (م1938ئ)

پیشِ او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہٗ از فہمِ تو بالا تر است
زانکہ او مادہ و ہم جوہر است
جوہرِ او نے عرب نے عجم است
آدم است و ہم ز آدم اقدم است
کس ز سرِ عبدہٗ آگاہ نیست
عبدہٗ جز سرِ الا اللہ نیست
لا الٰہ تیغ و دمِ او عبدہٗ
فاش تر خواہی بگو ہو عبدہٗ
عبدہٗ چند و چگونِ کائنات
عبدہٗ رازِ درونِ کائنات
مدعا پیدا نہ گردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقام ما رمیت(12)

امام احمد رضا محدثِ بریلوی (م1340ھ)

ز عکست ماہِ تاباں آفریدند　　ز بوے تو گلستاں آفریدند
نہ از بہرِ تو صرف ایمانیانند　　کہ خود بہرِ تو ایماں آفریدند
صبا را مست از بویت بہر سو　　چناں افتاں و خیزاں آفریدند
براے جلوۂ یک گلبنِ ناز　　ہزاراں باغ و بستاں آفریدند
ز مہرِ تو مثالے بر گرفتند　　و زاں مہرِ سلیماں آفریدند
چوں انگشتِ تو شد جولاں دہِ برق　　قمر راہ بہرِ قرباں آفریدند
ز لعلِ نوش خندِ جانفزایت　　زُلالِ آبِ حیواں آفریدند
نہ غیرِ کبریا جان آفرینے　　نہ خود مثلِ تو جاناں آفریدند
پئے نظارۂ محبوبِ لاہوت　　جبینت آئنہ ساں آفریدند
بنا کردند تو قصرِ رسالت　　ترا شمعِ شبستاں آفریدند
ز مہر و چرخ بہرِ خوانِ جودت　　عجب قرص و نمکداں آفریدند
زحسنت تا بہارِ تازہ گل
رضایتؔ را غزل خواں آفریدند(13)

☆

حواشی

(1) شاہ نامہ، فردوسی: اورینٹل پبلشنگ ہاؤس، لکھنو، ص110

(2) اسماعیل آزاد فتح پوری، ڈاکٹر: نعتیہ شاعری کا ارتقا، فائن آفسیٹ ورکس، الہ آباد، ص232/233

(3) اسماعیل آزاد فتح پوری، ڈاکٹر: نعتیہ شاعری کا ارتقا، فائن آفسیٹ ورکس، الہ آباد، ص236/237

(4) نقوش رسول نمبر: ادارۂ فروغ اردو، لاہور، ج/10، ص308

(5) مثنوی مولانا روم: دفتر چہارم، ادارۂ استقامت، کانپور، ص77/78

(6) سعدی شیرازی: بوستان، سب رنگ کتاب گھر، دہلی، ص9

(7) محمد الیاس، عطار قادری: مدینے کی مٹھاس، مکتبۃ المدینہ، ممبئی، ص13/14

(8) اسماعیل آزاد فتح پوری، ڈاکٹر: نعتیہ شاعری کا ارتقا، فائن آفسیٹ ورکس، الہ آباد، ص351

(9) ساجد صدیقی والی آسی: ارمغانِ نعت، مکتبۂ دین وادب، لکھنو، ص54

(10) حضرت معین الدین چشتی، خواجہ: کلامِ عرفاں طراز، سلطان الہند پبلیکیشنز، اجمیر شریف، 1992ئ، ص122

(11) نقوش رسول نمبر: ادارۂ فروغ اردو، لاہور، ج/10، ص327

(12) غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی: سراپردۂ افلاک، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ص108/109

(13) احمد رضا بریلوی، امام: حدائق بخشش، رضا اکیڈمی، ممبئی، 1997ء، ص253

{............}

ہ: دیگر زبانوں میں نعت گوئی

آج اسلام بڑی تیزی سے دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل رہا ہے چناں چہ رسول اللہ ﷺ کے نام لیواؤں، جاں نثاروں اور فدا کاروں میں مختلف زبان کے افراد شامل ہوتے جارہے ہیں۔ اور حضور ختمی مرتبت ﷺ کی محبت والفت کا جذبہ بھی عام ہوتا جارہا ہے۔ بہ ایں وجہ ان افراد نے بھی اپنے عشقِ رسول ﷺ کے اظہار کے لیے نعت گوئی کا سہارا لیا اور کاروانِ نعت کے ہم راہیوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ کا باعث بنے۔ عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ جن زبانوں میں نعت نگاری کا سراغ ملتا ہے ان کے نام یہ ہیں۔ چینی، ہاوسا، جرمنی، فرانسیسی، انگریزی، بہاری، کردی، گجراتی، مارواڑی، گوجراوی، میواتی، سرائیکی، کشمیری، ہندکو، بنگالی، پشتو، سندھی، حبشی، ترکی، پنجابی، سنسکرت، ہندی، مراٹھی وغیرہ۔

دیگر زبانوں میں نعت گوئی کے ضمن میں درج کی گئی زبانوں کے منتخب نعتیہ کلام ذیل میں خاطر نشین فرمائیں :

جرمنی زبان میں نعت

JOHANN WOLFGANG VON GOETHE
CHUID NAME
Book of Paradise

Huri

Wir sind aus den
Aus Wasser, Elementen gescaffenal,
Feuer, Erd und left.
Unmittelbar und irdiscer duft.
Ist unserm Wesen ganz zuwider.
Wir steigen nie zu euch herniedier.
Doch wenn ihr Kommt. bei uns zurnhn.
Dahben wir genug zu tun.
Denn, sich du, wie Glwbigen Kamen,
Von dem Propheten so whol empfolien,
Bestiz vom Paradise nahmen
Dawraen wir, er befolen.(1)

فرنچ۔۔۔۔فرانسیسی زبان میں نعت

HOMAGE TO MOHAMMAD (PBUH)

By: Jagan Nath Azad
Translated by: Mohammed Hamidullah

Saluation a' sa sanctissime personne,
Saluation a' celui dont le temps est fier,
A celue qui fit d'innombrables bienfaits au monde du possible.
Saluation a' celui qui vint comme le protecteur des affliges,
A celui qui resta comme le sanciuare des sans amis comm l'ami des pauvers,
Saluation a' celui qui vint comme misercorde pour les mondes.
Qui vint avec le message de Tami,
comme ledigne de confiance.(2)

انگریزی زبان میں نعت

IN EULOGY OF THE HOLY PROPHET

(May tha choichest blessings of Allah be upon Him)

By: Bashir Hussain Nazim

O my haven and harbour,
Here and here in after,
The abode of existentionalism,
Shines by the benidiction.
The lips of jinn and the human-beings,
Are embellished with the eulogy.
The grandeter of my faith and conviction,
Is thy love and Affection.
And the piller of the palace of my creed,
Is thy love-potion.
Departing to the pwradise from the rasiane,
Is a good-tiding for the men of yearning,
And burning in seperation.

The parched field of soul and sprit,
The bivoucd of hert,
And the camp of essence
Are waiting for the drizzles
Of the Kindness and mercy,
Since the day of Covenant .
O the source of my delight,
O my might,
In my plight,
Sohwer Mercy,
Sohwer Mercy,
Sohwer Mercy(3)

بہاری زبان میں نعت

مناظر احسن گیلانی

پیارے محمد جگ ساجن   تم پہ واروں تن من دھن
تمری صورتیا من موہن   کبھو کراتیو تو درشن
جیا کھوری دِلوا ترسے
کرپا کے بدر اکھیا ترسے
تمری دواریا کیسے چھوڑوں   تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری کلیک دھول بٹوروں   تمرے نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے
آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے(4)

☆

کردی زبان میں نعت

خالد نقشبندی

حامسہ ران نہ سہ ب حامسہ ران نہ سہ ب
مہ جبو و بیم حہ ن شای عالی نہ سہ ب
شمس موحہ ممہ د، قورہ لیثی و عہ رہ ب
ہٗ داش نما میسہ کنا چدی وہ حہ ب
تدما می عو مرش شہ صت و سی سالہ دن
باب و با پیرش بہ ی طہ ر زو خالہ ن
عہ بد و للا ،عہ بدو لمو ططہ لیب ہاشم
عہ بد و لمد نافہ ن ، بز نہ ش لازم
نہ کوتا و ندید رز ، پی و گہ ندم گوون
نہ کہ و تہ ن سایہ ش نہ رووی دنیای دوون (5)

☆

مارواڑی زبان میں نعت

شاہ خلیل الرحمن خیل بانسوی

تھاں پر لاکھ ہجار سلام　　تھاں پر پڑھا پکار سلام
تھاروں دل بنو گلام　　تھاروں پلو لینو نام
تھارو نبی محمد نام
مہارو کرو کبول سلام
تھاں سوکھا لک رکھے سلام　　میں بھی تھا پر چھوں بلہار
تھورو عالی چھے دربار　　مہاں پر نجر کرو اک بار
تھارو نبی محمد نام
مہارو کرو کبول سلام(6)

میواتی زبان میں نعت

محمد یٰسین عصرو باگھوڑی (لاہور)

جہان یار کو دیار، حون کو بنوں بھکار
تک ایک نظر ہوجائے، اودسا کٹ جائے ساری
کوئی مانگے محل مکان، کوئی مایا اور کری
میں مانگوں دید کی بھیک، دیکھ لوں صورت پیاری
وا کی دَین عجیب، انوکھی ہے داتارو
آپ رہے کنگال ، گدا کی بھرے بھکاری
ہے او سخی گھنو داتار، بھرے بن مانگے جھولی
پی پیارے کے دیس فیض کے چشمے جاری
ملے یار سو یار ، ہٹا دوئی کا پڑدہ
ہیا ایک جیو دو کھڑ کہاں یا سو دلداری(7)

سرائیکی زبان میں نعت

امیدؔ ملتانی (ملتان)

حبیب رب دا میکوں جاں توں وی پیارا ہے
بلندیاں نے میڈے بخت دا ستارا ہے
خوشا نصیب جو میں ہاں غلامِ سرورِ دیں
ڈو ہاں جہاناں تے میکوں ایہو سہارا ہے
ہر اک نگاہ نے ڈٹھا جو چن تھیا ٹکڑے
میڈے حضور دا کیا دل نشین اشارا ہے
مدد کوں آگئے سرکار ڈو جہاں پل وچ
کتھائیں جو بے سروسامان نے پکارا ہے
او نسلِ آدم و حوا دا محسنِ اعظم
میڈی امیدؔ دی دنیا کوں جئیں سوارا ہے(8)

کشمیری زبان میں نعت

غلام احمد جنیدؔ

لگے یا سیدِ مختار پاری　　اولوالعزمن اندر چھے تاجداری

بلاشک سارہ نی پیغمبرں پیسٹھ　　تھرزدیوتمت ژہ چھونے ذاتِ باری

ہمیشہ سارہ نی پیسٹھ چھک ژہ سردار　　ژہ یہ کن محتاج وقت کاری

تھندے شوقہ نارن سینہ زولم　　کرو تو مہی رحمتک دریاو جاری

سفر نزدیک است گوس غافل
کرہ منہ و تہ خرہ چھی کینسہ تیاری (9)

☆

ہندکو زبان میں نعت

سائیںؔ پشاوری (پشاور)

بیعت سے جنت مکیں ہوئے تیرے دستِ مبارک اصحاب چم کے
بابِ کشورِ علم علی ہوئے تیری زباں رفیع الخطاب چم کے
پایاعرشِ معلٰی دا چند پایا ، تیرے قدم اے والا جنابِ چم کے
سائیاںؔ کعبے قوسین دا سِل کیتا کعبے نمل نے تیری رکاب چم کے(10)

☆

بنگالی زبان میں نعت

قاضی نذرالاسلام

امت امی گنہ گار　　تب و بھولے ناہی رے امار
احمد امارا نبی　　جبئی خود حبیب خدار
جاں ہارامت ہوتے چاہے شکل نبی　　تاں ہاری دامن دھری
پل صراط ہو بو پار　　کاندی بے روز حشر شبی (11)

☆

پشتو زبان میں نعت

خوش حال خاں خٹک

دخدائے عرفان مِ و شہ پہ عرفان دمحمد
پاک دے محمد پاک دے سبحان دمحمد
را شہ نظر وکرہ پہ طٰہٰ پہ یٰسین باندِ
خدائے دے صفت کرے پہ قرآن دمحمد
دیر خلق پیدا دے انبیا کہ اولیا دے
نشتہ پہ خلقت کیں یو پہ شان دمحمد
خدائے سرہ موسٰیؑ پہ کوہِ طور کڑلے خبرے
دے دعرش د پاسہ لامکان دمحمد
لاس دے لکولے ماخوش حالؔ پہ وارہ کڑنہ
غم اندوہ مِ نشتہ پہ دامان دمحمد (12)

☆

سندھی زبان میں نعت

سید گل محمد شاہ بخاری

ماہِ لقا تو کان سوا سنسار ساروآ عبث
ارض و سما شمس و قمر انوار ساروآ عبث
تو کان سوا سید سچا دولت سچی بیکارا
چاندی ھجی یا سون جو انبار ساروآ عبث
اقرا چئی انسان کی تو علم جو زیور ڈنو
علم و عمل جو تو بنا وھنوار ساروآ عبث
تھنجی ہدایت ئی کیو انسان کی آ کامیاب
ابتر تیو جیکو اھو کردار ساروآ عبث
تھنجی گری پیدا نیا ارض و سما آب و ھوا
تو کان سوا ہر گل عبث گلزار ساروآ عبث(13)

پنجابی زبان میں نعت

مولانا عبدالستار خاں نیازیؒ (پاکستان)

کالیاں زلفاں والا دکھی دلاں دا سہارا
قسم خدادی مینوں سب نالوں پیارا
کیندی اے حلیمہ مکھ ویکھ لجپال دا
لب کے لیاواں کتھوں سوہنا تیرے نال دا
چودھویں دا چن تے عرشاں دا تارا
قسم خدا دی مینوں سب نالوں پیارا
کرکے اشارہ سوہنا سورج نوں موڑ دا
آپے چن توڑ دا آپے چن جوڑ دا
بگڑی بنا دے میرے نبی دا اشارا
قسم خدا دی مینوں سب نالوں پیارا(14)

دوآبے اور ہریانی میں نعت

نبی محمد رب کے پیارے
سکھ پرجا کے راج دلارے
(تمام مخلوق)

رب کے بھیجے جگ ماں آئے
مہاری کھاطر دیوا لائے
(ہماری خاطر) (چراغ)

کران سرپھ کھدا کی بانی
(قرآن شریف) (خدا) (بولی)
ہمیں سنائی پڑھ کے جبانی
(زبانی)

پاپ کٹے اور پن سنوارے
ہوگے مہارے کل نستارے
(ہمارے) (مغفرت کے ساماں)

چل دلیرا وا کے ڈگڑے
چھوڑ جگت کے رگڑے جھگڑے(15)

☆

سنسکرت زبان میں نعت

سید آلِ رسول حسنین میاں نظمیؔ مارہروی

کوٹی کوٹی پرنام نت مستک سکل پرجا جنم
ہے دین بندھو دَیا ندھی ابھی نندنم سوسواگتم

شاہِ اُمم شاہِ اُمم

جنم تتھی دوادش ربیع الاولم شبھ منگلم
پرتھما ادبھت الوکک پرتیا اتی سُندرم

شاہِ اُمم شاہِ اُمم

تیرتھ روپم سوَرگ سم مکہ نگر اتی پاونم
پنیہ بندو سوشوبھیتم اروآدی جیوتی جم استھلم

شاہِ اُمم شاہِ اُمم

نیتی سرجک دھرم رکھشک نیائے وردھک ستیم
چکر ورتی کرم یوگی یگ پُرش ابھی نندنم

شاہِ اُمم شاہِ اُمم

آتما نرل ادھر مدھو دیہہ کندن کن چتم
چندر مکھ رتنار منی مانک نین پد پنکجم

شاہِ اُمم شاہِ اُمم

سوَر منوہر شیتلم چھبی موہنی پریہ درشنم
دانی پرم مہاویر ارو کروا ندھی پرشوتم

شاہِ اُمم شاہِ اُمم

بھومی ون ششی چندر جل وایو گگن گیری سُندرم
سکل جگت ہیں □ جبت بھج نظمیؔ تو بھی شاہِ اُمم

شاہِ اُمم شاہِ اُمم(16)

گجراتی زبان میں نعت

ہندی میں نعت
سید آلِ رسول حسنین نظمی میاں مارہروی

حواشی

(1) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 648

(2) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 649

(3) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 655

(4) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 657

(5) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 657

(6) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 661

(7) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 533

(8) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 667

(9) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 666

(10) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 667

(11) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 320

(12) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 665

(13) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 318

(14) محمد عارف رضوی: نور کی برسات، ناز بک ڈپو، ممبئی، ص 19/20

(15) طلحہ رضوی برق داناپوری، ڈاکٹر: اردو کی نعتیہ شاعری، دانش اکیڈمی، آرہ، بہار، ص 42/43

(16) سید حسنین میاں نظمی، آلِ رسول: بعد از خدا، بزمِ برکاتِ آلِ مصطفیٰ، ممبئی، 2008ئ، ص 430

(17) مجلہ اوج: نعت نمبر، شاہدرہ کالج، لاہور، ج 2، ص 658

{............}

و: اُردو میں نعت گوئی

نعت گوئی کی ابتدا عربی زبان میں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کی شان میں پہلا نعتیہ قصیدہ جناب ابوطالب سے منسوب ہے۔ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ دربارِ رسالت کے پہلے شاعر کہلاتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں تین نعت گو شعرا حضرت حسّان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہم ''شعراے رسول الثقلین'' کے خطاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرام نے بھی نعتیں لکھی ہیں۔ عربی زبان میں حضرت امام بوصیری علیہ الرحمہ کا نعتیہ قصیدہ ''بُردہ شریف'' بہت ہی مشہور ہے۔ نعت گوئی مذہبِ اسلام کے ساتھ ساتھ ساری دنیا میں پھیلی۔ جب ایران پر عربوں کا قبضہ ہوا تو نعتیہ شاعری فارسی زبان میں بھی شروع ہوگئی۔ سنائیؔ نظامیؔ، خاقانیؔ، رومیؔ، جامیؔ، وغیرہ فارسی کے مشہور نعت گو شاعر ہیں امیر خسروؔ، عرفیؔ، قدسیؔ، امام احمد رضا بریلوی، ڈاکٹر اقبالؔ وغیرہ بھی اپنی فارسی شاعری کے لیے مشہور ہیں۔

مسلمان جب برِ صغیر ہندو پاک میں داخل ہوئے تو عربی، فارسی اور ترکی بولتے آئے اور جب ان کا اقتدار قائم ہوا تو فارسی سرکاری زبان ٹھہری۔ تاریخ شاہد ہے کہ حاکم قومیں اپنی زبان اور اپنا کلچر ساتھ لاتی ہیں اور محکوم قومیں جن کی تہذیبی و تخلیقی قوتیں مُردہ ہوجاتی ہیں، اُس زبان اور کلچر سے اپنی زندگی میں نئے معنی پیدا کر کے نئے شعور اور احساس کو جنم دیتی ہیں۔ محمد بن قاسم سے محمود غزنوی تک اور محمود غزنوی سے بابر کی فتح تک کا زمانہ تقریباً آٹھ سو سال کو محیط ہے۔ مسلمانوں کا کلچر ایک فاتح قوم کا کلچر تھا۔ جس میں زندگی کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹنے کی پوری قوت موجود تھی۔ اس کلچر نے جب ہندوستان کے کلچر کو نئے انداز سکھائے اور یہاں کی بولیوں پر اپنا اثر ڈالا تو ان بولیوں میں سے ایک نئی بولی کا جنم ہوا جو وقت کے تہذیبی، معاشرتی و لسانی تقاضوں کے سہارے مسلمانوں اور برِ صغیر کے باشندوں کے درمیان مشترک اظہار و ابلاغ کا ذریعہ بن گئی۔ فاتح و مفتوح کے امتزاج سے وجود میں آنے والی اس بولی کو کبھی لشکری تو کبھی ریختہ کہا گیا اور آج اسی کو ''اردو'' کہا جاتا ہے۔

اردو زبان و ادب کے نشوونما سے متعلق ماہرینِ لسانیات کے فراہم کردہ مواد، اردو زبان کی اوّلین کاوشات اور بزرگانِ دین کے ملفوظات کی روشنی میں یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اردو زبان کے فروغ اور اس کے نشوونما میں صوفیاے کرام نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ یہ بے لوث اور مخلص لوگ بندگانِ خدا تک خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے بے تاب تھے۔ وہ لوگوں کے دروازوں ہی پر نہیں ان کے دلوں پر بھی دستک دینا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنا پیغام عوام تک خود ان کی زبان میں پہنچائیں۔ چنانچہ صوفیاے کرام نے خواص کی ادبی زبان کے بجاے عوام میں رائج زبان کو اپنی پیغام رسانی کا وسیلۂ اظہار بنایا اور انھیں کی بولی میں تعلیم و تلقین فرمائی۔ صوفیاے کرام جس خطے میں جاتے وہاں کی زبان سیکھ کر اس خطہ کے لوگوں تک انھیں کی زبان میں اپنا پیغام پہنچاتے۔ اس طرح انھوں نے عوامی زبان کے دائرے کو وسیع کیا اور اپنی ضرورت کے مطابق نئے نئے الفاظ استعمال کر کے اس زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں قابلِ قدر اضافہ کیا۔ باباے اردو مولوی عبدالحق صوفیاے کرام کو اردو کا محسن خیال کرتے ہیں۔

اردو زبان اور اردو نظم و نثر کو بنیاد فراہم کرنے والے اور اس کی اوّلین روایتوں کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرنے والے صوفیاے کرام میں امیر خسروؔ، شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؔ، خواجہ بندہ نواز گیسو درازؔ، صدرالدین چشتی، شاہ میراں جی شمس العشاق، حضرت قطب عالم، حضرت شاہ عالم، سید محمد اکبر حسینی، سید محمد جونپوری، شیخ بہاوالدین باجن، شیخ ہاشم حسنی علوی وغیرہ کے اسماے گرامی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

اردو ادب کے محققین کی تحقیق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اردو شاعری کی شروعات اصل میں مذہبی شاعری سے ہوئی۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو شاعری کی ابتدا نعت گوئی سے ہوئی تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں نعت گوئی کے سفر کا آغاز حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (م 825ھ) سے ہوتا ہے، جو ایک صوفی منش، درویش صفت اللہ کے مقبول و محبوب بندے تھے۔ فیروز شاہ کے عہد میں 1399ء میں دہلی سے گلبرگہ تشریف لائے۔ آپ حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ دکنی اردو کے سلسلے میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی خدمات بہت زیادہ ہیں۔ آپ اپنے خیالات اردو ہی میں

ظاہر فرماتے تھے۔ ان کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ان کی ہدایت کے لیے آپ نے اپنے خیالات تحریر بھی کیے۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی کئی تصانیف قرار دی جاتی ہیں۔ بعض محققین کو ان تصانیف کے بارے میں شک بھی ہے۔ ابھی یہ بات پوری طرح تحقیق نہیں ہوسکی ہے۔ حضرت سے منسوب کتابوں میں معراج العاشقین، شکار نامہ، تمثیل نامہ، ہدایت نامہ، چکی نامہ، تلاوت الوجود اور خلاصۂ توحید مشہور ہیں۔ حضرت بندہ نواز کی زبان کھڑی بولی ہے لیکن اس پر پنجابی اور برج بھاشا کا اثر بھی واضح ہے۔ خواجہ صاحب نے 1422ء میں وفات پائی۔ حضرت بندہ نواز کے علاوہ ان کے اہلِ خاندان اور مریدوں نے بھی اردو زبان کی خدمات انجام دیں۔ محققین کا خیال ہے کہ حضرت بندہ نواز نے نعت گوئی کے سفر کا آغاز کیا کیا، گویا دبستاں کھل گیا!......اور ہر صاحبِ قلم بلالحاظِ مذہب و ملت اپنی تصنیف و تالیف کی ابتدا حمدِ باریِ تعالیٰ اور نبیِ کریم ﷺ کی نعت سے کرنے لگا۔ اور یہ چلن اس قدر عام ہوا کہ نثر و نظم میں لکھی جانے والی ہر تصنیف کا آغاز حمد و نعت سے کرنا گویا لازمی خیال کیا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو نعت گوئی کے تاریخی سرمایے میں مسلم نعت نگاروں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم شعرا کی سیکڑوں نعتیں نظر آتی ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے جس مقدس سفر کا آغاز کیا تھا اس کے راہ رووں کا تذکرہ ’’ہندوستان میں اردو نعتیہ شاعری کا تاریخی جائزہ‘‘ میں تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

{............}

باب چہارم

ہندوستان میں اردو کی نعتیہ شاعری کا تاریخی جائزہ

(1)

پہلا دور (متقدمین نعت گو شعرا)

باب چہارم

ہندوستان میں اردو کی نعتیہ شاعری کا تاریخی جائزہ

1: پہلا دور (متقدمین نعت گو شعرا)

(815ھ/1412ء سے 1154ھ/1750ء تک)

آغاز، عروج اور ارتقاء

عرب سے ہندوستان کے تعلقات بہت قدیم اور نامعلوم زمانہ سے ہیں۔ عرب ایک ریگستانی ملک ہے چوں کہ زراعت کے لیے اس میں پانی کے ذخیرے اور زندگی بسر کرنے کے لیے روزی کمانے کے امکانات کم ہیں۔ اس لیے تجارت عربوں کا اہم پیشہ بن جاتا ہے۔ وہ جہازوں اور اونٹوں کے ذریعہ ناریل، کالی مرچ، لونگ، مشک، مسالے، چاندی اور ہاتھی دانت کی مصنوعات وغیرہ ہندوستان سے یورپ، چین اور عرب کی منڈیوں میں پہنچاتے تھے اور کچا مال مثلاً: نارنگی، انناس، شہتوت اور سیب لاکر ہندوستان کی منڈیوں میں فروخت کیا کرتے تھے۔ خلفاے راشدین کے بعد عرب میں توسیع پسندی کا جذبہ جڑ پکڑنے لگا تو محمد بن قاسم صوبہ سندھ پر فتح حاصل کر لیتے ہیں مگر ملکِ شام کی مرکزی سلطنت کم زور ہو جاتی ہے اور یہ ہونہار سپہ سالار مرکز کے اشارے سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ ان تاجرانہ تعلقات کے نتیجے میں دونوں ملکوں کی زبان پر صرف اس قدر اثر پڑتا ہے کہ تاجرانہ اشیا اور مصنوعات کے نام دونوں زبانوں میں جوں کے توں یا کچھ تبدیلی سے مستعمل ہوئے۔ محمد بن قاسم کے خاصے عرصے کے بعد محمود غزنوی کی مرکزی سلطنت سندھ اور پنجاب تک پھیل جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دولت کی ہوس نے اسے اندھا بنا دیا تھا۔ شاید ان کے کردار کی یہ ایک کم زوری ہو مگر وہ بڑے دین دار، دل دار اور فراخ دل بادشاہ تھے۔ انھوں نے ہندوستان سے تعلقات استوار کرنے کے لیے اپنی

سرکاری مہر میں سنسکرت کے الفاظ کندہ کرائے تھے۔ان کے عہد میں سنسکرت کی بہت سی کتابیں فارسی میں ترجمہ کی گئیں۔ان کے زمانے میں خواجہ مسعود سعد سلمان جیسا قادرالکلام شاعر پیدا ہوا جس نے عربی ،فارسی ،ترکی ،اور ہندوی (اردو) میں شاعری کی اور اپنے پیچھے تین دیوان چھوڑے۔پھر غوری دور میں سلطان شہاب الدین کی سلطنت کا رقبہ دہلی تک وسیع ہوا اور قطب الدین ایبک کو دہلی کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ہندو اور مسلم دونوں قوموں کے تہذیبی ،معاشرتی اور لسانی ملاپ سے ایک نئی زبان نے جنم لیا جسے ہندی، ہندوی، ہندوستانی دہلوی، ریختہ وغیرہ کا نام دیا گیا۔خلجی اور تغلق حکومتوں کے دور میں امیر خسرو کی بلند و بالا شخصیت اردو زبان و ادب کی ابتدائی تشکیل میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ان کے دوہے، نظمیں، انملیاں، مکرنیاں، پہیلیاں، اور لوریاں لسانی اعتبار سے کافی اہمیت کی حامل ہیں۔خسرو پہلے ماہر لسانیات تسلیم کیے جاتے ہیں جنھوں نے ہندوستان کی زبانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ایک ہندی دوسری دہلوی، جو دوآبہ کے علاقوں میں بولی جاتی تھی اور جس میں خسرو نے شعر کہے اور دوہے ،انملیاں ،مکرنیاں، پہیلیاں وغیرہ مدون کی ہیں۔ دوسری طرف نام دیو، کبیر داس اور گرونانک بھگتی تعلیمات کی اشاعت میں راجستھانی، برج بھاشا اور پنجابی زبانوں کا استعمال کر رہے تھے،جن پر عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت کے الفاظ بھی نمایاں ہیں۔اس تہذیبی، سماجی، معاشرتی اور لسانی منظر نامہ میں اردو زبان و ادب کی شروعات ہوئی۔

محققین کے خیال میں اردو شاعری کا آغاز اصل میں مذہبی شاعری سے ہوا۔صوفیاے کرام نے بندگانِ خدا تک خدا کا پیغام پہونچانے کے لیے اسی زبان کا سہارا لیا اور اپنے مریدوں کی ہدایت کے لیے اسی میں کتابیں تصنیف کیں،اور اردو کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ہندوستان میں اردو سے متعلق صوفیاے کرام کی کوششوں کی سراہنا کرتے ہوئے باباے اردو مولوی عبدالحق اِن حضرات کو اردو کا محسن قرار دیا ہے۔

جیسا کہ اس بات کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ مسلمان جہاں بھی گئے اپنے ساتھ پیارے نبی ﷺ کی محبت کا جذبۂ صادق بھی لے گئے چنانچہ ہندوستان میں بھی اردو شاعری کے آغاز ہی سے نعتیہ شاعری کی شروعات کا سراغ اردو ادب کی تاریخ پر تحریر کی گئی کتابوں میں ملتا ہے۔

ہندوستان میں اردو نعت گوئی کے اوّلین شاعر کی حیثیت سے حضرت سید محمد حسینی خواجہ

بندہ نواز گیسو دراز (م 825ھ) کا نام لیا جاتا ہے، جو ایک صوفی منش، درویش صفت اللہ کے مقبول ومحبوب بندے تھے، آپ حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی کے مرید اور خلیفہ تھے۔دکنی اردو کے سلسلے میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کی خدمات بہت زیادہ ہیں۔آپ نے مریدین کی ہدایت کے لیے اپنے خیالات تحریر بھی کیے۔حضرت بندہ نواز گیسودراز کی کئی تصانیف قرار دی جاتی ہیں۔بعض محققین کو ان تصانیف کے بارے میں شک بھی ہے۔ابھی یہ بات پوری طرح تحقیق نہیں ہو سکی ہے۔حضرت سے منسوب کتابوں میں معراج العاشقین، شکار نامہ، تمثیل نامہ، ہدایت نامہ، چکی نامہ، تلاوت الوجود اور خلاصۂ توحید مشہور ہیں۔

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، شفیق بریلوی، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر سراج احمد بستوی وغیرہ نے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز ہی کو اردو کو پہلا نعت گو شاعر مانا ہے۔ڈاکٹر ریاض مجید نے بھی اپنی کتاب ''اردو میں نعت گوئی'' میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کو ہی اردو کا پہلا نعت گو شاعر تحریر کیا ہے۔خواجہ بندہ نواز کی تصنیف ''معراج العاشقین'' اردو کی پہلی دست یاب کتاب سمجھی جاتی ہے۔لہٰذا اردو میں نثر و نظم نگاری نیز اولین نعت گوئی کا سہرا بعض محققین ''معراج العاشقین'' کے سر ہی باندھتے ہیں۔اس سلسلے میں ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی نے اپنی وقیع رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے :

> ''اردو کی تصنیف و تالیف کے سلسلے میں سب سے پہلے شیخ گنج العلم (م 1394ئ) کا نام لیا جاتا ہے جو دلّی سے دولت آباد آئے اور بیجاپور میں مقیم ہوگئے تھے دکنی اردو میں ان کے چند مختصر مذہبی رسالوں کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہ رسائل اب تک نایاب ہیں تاہم اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ دکن میں نثر اردو کی سب سے پہلی کتاب خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی ''معراج العاشقین'' ہے۔آپ بھی دہلی سے حسن آباد (گلبرگہ) 1412ء میں آئے اور یہیں 1422ء میں آپ کا انتقال ہوگیا۔آپ عربی اور فارسی کے اعلا پایہ کے مصنف تھے معراج العاشقین کے علاوہ آپ نے اردو رسائل بھی لکھے ہیں۔ آپ کے مقولے اور اشعار بھی دست یاب ہوئے ہیں جن سے آپ کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے ۔
>
> اور معشوق بے مثال نور نبی نہ پایا

اور نور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا"(1)

ڈاکٹر جمیل جالبیؔ نے معراج العاشقین کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیتے ہوئے معراج العاشقین کو حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی تصنیف اور اردو کی پہلی کتاب ہونے کی تردید کی ہے اور اردو کی پہلی کتاب دکنی شاعر فخر دین نظامی کی "مثنوی کدم راو پدم راؤ" کو قرار دیا ہے۔ جس پر مشہور ادیب ونقاد اور ماہر لسانیات ڈاکٹر مسعود حسین خان کو اختلاف ہے، انہوں نے "معراج العاشقین" کا تحقیقی ولسانی جائزہ لیتے ہوئے اسے نویں صدی ہجری یعنی چودھویں صدی عیسویں کی تصنیف قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت میں اس صدی میں مستعمل الفاظ کو پیش کرتے ہوئے ذیل خیال کا اظہار کیا ہے :

"اردو زبان کے ارتقا میں سب سے مستند نقش حضرت گیسو دراز کی معراج العاشقین ہے۔ جو 1412ء اور 1422ء کے درمیان کی تصنیف ہے۔ حضرت گیسو دراز کی زبان پر دکنی کا اطلاق بہ مشکل ہو سکتا ہے۔ پندرہ سال کی عمر سے لے کر اسی سال کی عمر تک کا زمانہ انہوں نے دہلی میں بتایا تھا ان کے خاندان کا تعلق بھی دہلی سے تھا۔ ان کے والد شاہ راجو قتال، حضرت برہان الدین غریب کے ساتھ دکن گئے تھے اس وقت حضرت گیسو دراز کی عمر پانچ سال تھی، ان واقعات کی سند پر ہم گیسو دراز کی زبان سے متعلق یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ چودھویں صدی عیسویں کی زبانِ دہلوی کی نشاندہی کرتی ہے۔ معراج العاشقین کے لسانی جائزے کا محصل یہ ہے۔

کاڑا (جوشاندہ) یز گن مائی، ہور (اور) یہ پنجابی اور کھڑی تک میں ملتا ہے، نک (ناک) بارا (ہوا) پپلانا (پلانا) لگ (تک) ٹوی (ٹو) سوں (سے) تے (سے) آپس کوں (اپنے کو) آپے (خود) کیا (جمع کی) انگے (آگے) دُسرا (دوسرا) تسرا (تیسرا) اندھارا (اندھیرا) اُجیلا (اجالا) نئیں (نہیں) لک (لاکھ) میریاں (جمع میری) رَک (رکھ) اے (یہ) پَنے (پہنے) باج (بغیر) دِسنا (دکھائی دینا) بَیٹ (بیٹھ) ستی (سے) منا (منع)

بو جے سولوگا (علما) پھنک (مطلق)۔ "

آگے مزید لکھتے ہیں :

"معراج العاشقین کی زبان کا مقابلہ اسی دور کے دکنی شاعر نظامیؔ کی زبان کی قدامت مسلم ہو جاتی ہے۔ نظامیؔ کی زبان میں نہ صرف راجستھانی اور پنجابی کی اکثر شکلیں پائی جاتی ہیں بل کہ اس پر اُپ بھرنسی روایت کا ٹھپہ بھی صاف نظر آتا ہے۔ اس بنا پر یہ قیاس بھی کرنا پڑتا ہے کہ دکن میں نواح دہلی کی ایک سے زائد زبانوں کے اثرات پہونچے ہیں۔ مرورِ ایام سے پھر رفتہ رفتہ دکن کا اپنا محاورہ نکھرتا ہے جس کا بہترین نمونہ وجہی اور قلی قطب شاہ کی زبان میں ملتا ہے۔"(2)

اس کے علاوہ ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ داناپوری فخر دین کی "مثنوی کدم راو پدم راؤ" کے بارے میں مشکوکیت کا اظہار کیا ہے۔ اور اپنے شکوک وشبہات ان الفاظ میں منظرِ عام پر لائے ہیں:

"دکن میں بہمنی دور کے شاعر فخر الدین نظامی کی مثنوی کدم راو پدم راو کا زمانۂ تصنیف 825ھ سے 838ھ تک قیاس کیا جاتا ہے اسے اردو کی ابتدائی اور قدیم تصنیف کہا گیا ہے مگر حقیقتہً اس کی زبان ٹھیٹھ قسم کی ہندی ہے، رسم خط اور اردو میں مروجہ ایک دو لفظ ملنے سے اس زبان کو مجھے اردو کہنے میں تامل ہے۔ نظامی نے فارسی مثنویوں کے تتبع میں اول حمد پھر نعتیہ اشعار سے اس مثنوی کی ابتدا کی ہے، نعت کا ایک قدرے صاف شعر ملاحظہ ہو ؎

امولک مکٹ سیس سنسار کا
کرے نام نردھار کرتار کا"(3)

حقیقت بہ ہر کیف! جو بھی ہو چاہے اردو کی پہلی کتاب معراج العاشقین ہو یا مثنوی کدم راو پدم راو تحقیق کی روشنی میں یہی بات سامنے آتی ہے کہ ہندوستان میں اردو نعت گوئی کا آغاز نویں صدی ہجری ہی میں ہوا ہے۔ اس لیے دونوں تصنیفات سے نعتیہ کلام خاطر نشین ہو :

(1)

اے محمد ہجلو جم جم جلوہ تیرا
ذات تجلی ہو لگی سیس سپور نہ میرا
واحد اپنی آپ تھا اپیں آپ نجھایا
پرکٹ جلوے کارنے الف میم ہو آیا
عشقوں جلوہ دینے کر کاف نون بسایا
لولاک لماخلقت الافلاک خالق پالائے
فاضل افضل جتنے مرسل ساجد سجو ہو آئے
امت احمد بخشش ہدایت تشریف پائے
مخفی نانوں معشوق کہ ظاہر شہباز نکلائے
عشق کے جینی چندر بنداپنی آپ دکھائے
الان کماکان پھر آپس میں سمائے

معراج العاشقین

(2)

نہیں ایک سا چاگسا ییں امر
سرے دوبے تمین جگ توڑ آدکر
پتھایا امولک رتن نور دھر
کہ تے ویل بلکت کرن راج کر
امولک مکٹ سیس سنسار کا
کرے نام نردھار کرتار کا
محمد جرم آدٗ بنیاد نور
دوئے جگ ترے دے پرساد نور
نہ آکا ش دھرتی نہ دنیو نہ چند
نہ بھر یا کچھوا دیتا نور سند
مثالا اسی کا نہ دیسے گہر
جلے جگ اس تھیں ایسے دیہہ دھیر
سیوا سیو تل کرے دن مان
یکیں بت کھنڈاکس بت دان
میاں جے دھوں جرم کا ہم ہوا
ھمن بل بنے گا نبی بل سوا
نبی بیرین دند کیتا بنار
انگل ہت کر چند کیتا دو پھاڑ
پتھاون نبی ماں دھرے روم رے
پتھاون نبی بھینٹ کسری وکے
سنواریں رتن وان دے در سر
کھڑک مار بیری کرے ستھر
محمد بڑا راوت جگ تھا
کہ شجرا چرن رائے جگ مگ تھا

مثنوی کدم راو پدم راو

جس طرح تاریخِ اردو ادب کے مرتبین نے اردو کے ارتقائی سفر کو تین دور میں تقسیم کیا ہے، مثلاً :

(1) دورِ متقدمین

(2) دورِ متوسطین

(3) دورِ متاخرین

چناں چہ اسی تقسیم کے پیشِ نظر ہی ہندوستان میں اردو نعت کے لسانی و ارتقائی مراحل ، زبان کی شایستگی اور پختگی کو سمجھنے کے لیے ہم فنِ اردو نعت گوئی کو تین ادوار میں منقسم کرنا چاہیں گے۔

پہلا دور: 815ھ/ 1412ء سے 1154ھ/ 1750ء تک

دوسرا دور: 1154ھ/ 1750ء سے 1308ھ/ 1890ء تک

تیسرا دور: 1308ھ/ 1890ء سے حضرت نوریؔ بریلوی کے عہد تک

1: پہلا دور (متقدمین نعت گو شعرا)
(815ھ/ 1412ء سے 1154ھ/ 1750ء تک)

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ ہندوستان سے عرب و ایران کے ثقافتی و سماجی تعلقات اور محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے حملوں کی وجہ سے مسلمانوں اور ہندوؤں میں سماجی ربط و ضبط پیدا ہوا اور ایک نئی زبان کی بنیاد ہندوستان میں پڑی ۔اس نومولود زبان کو ہندی، ہندوی، لشکری اور ریختہ کا نام دیا گیا۔ بعدازاں اسی کو اردو کے نام سے معنون کیا گیا۔ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان صوفیاے کرام نے رُشد و ہدایت کے لیے اس زبان پر عربی، فارسی اور ترکی الفاظ اور محاوروں کے خوب صورت پیوند لگا کر اسے ادبی استعمال کے قابل بنانے کی کوشش کی ۔اس دور میں ہندو اور مسلمان بلا امتیازِ مذہب و ملت اپنے تبلیغی کاموں اور تخلیقی کارناموں کے لیے اسی زبان کو استعمال کرتے تھے ۔یہ اردو زبان کا تشکیلی دور تھا ظاہر ہے کہ جب کوئی شئے اپنی اولین منزل میں ہوتی ہے تو ناپختگی کے سبب اس میں عقل و فہم، شعور و خرد اور سوجھ بوجھ کی کمی پائی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کو قدم قدم پر رہ بری کی ضرورت پڑتی ہے۔ بالکل یہی حال اردو زبان کا تھا یہ سچ ہے کہ کوئی بھی زبان اپنے تشکیلی دور میں معنی و مطالب کو کما حقہ مکمل طور پر صاف صاف بیان کرنے سے مجبور و لاچار ہوتی ہے۔ اسے وہ فضا اور زمین میسر نہیں ہوتی جہاں وہ اپنے پیروں پر مضبوطی کے ساتھ کھڑی ہو سکے ایسے وقت کو کسی بھی چیز کے ارتعاش اور لکنت کا وقت کہہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ اپنی کتاب ''تاریخ اردو ادب'' میں اردو کے ابتدائی حالات اور اس کے ارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں :

> ''ابتدا میں بیشک زبان کا دائرہ تنگ اور الفاظ کا ذخیرہ بہت کم تھا اور وہ ایک مستقل زبان کہلانے کی مستحق نہ تھی کیوں کہ اس وقت اس میں بھونڈا پن تھا نہ اس پر جلا ہوئی تھی اور نہ اتنی صلاحیت اس میں تھی کہ اس کے ذریعہ سے باریک اور نازک خیالات ادا ہو سکیں یا مختلف خیالات کا اظہار اچھی

طرح سے کیا جا سکے اس میں ایک قسم کا لوچ اور الفاظ اور بندشوں کے جذب کرنے کا مادہ ضرور تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو الفاظ اور بندشیں اس کو ملتی گئیں وہ سب اس میں شامل ہوتی رہیں رفتہ رفتہ زبان میں پختگی اور صفائی آتی گئی۔

دور اول کے شاعر ایسی زبان میں لکھتے تھے جس میں آدھی اردو اور آدھی فارسی ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ اردو کا عنصر غالب آگیا اور غالب نے مغلوب کو جذب کر لیا۔ فارسی الفاظ اور غیر مانوس فارسی ترکیبیں اس طرح اردو میں مل گئیں کہ اب وہ ہماری زبان کا جز بن گئی ہیں جن کو اب ہم نکال نہیں سکتے ہیں''(4)

بالکل یہی حال اردو کی نعتیہ شاعری کا تھا معراج العاشقین اور مثنوی کدم راو پدم راو کا مطالعہ ہمیں اسی نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ زبان وبیان میں پنجابی اور برج بھاشا کے اثرات رفتہ رفتہ کم ہو رہے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ مشکل الفاظ کی تعداد کم ہوتی جارہی تھی اور مقابلۃً آسان الفاظ ان کی جگہ لیتے جارہے تھے۔ مثنوی کدم راو پدم راو میں ایسے الفاظ کی تعداد زیادہ ہے۔

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور فخرِ دین نظامیؔ کے بعد اردو نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر''محمد قلی قطب شاہ معانیؔ (م 1020ھ)''سے ہوتا ہے۔ معراج العاشقین اور مثنوی کدم راو پدم راو کے بعد نعتیہ مواد وافر مقدار میں اسی کے یہاں پایا جاتا ہے۔ اس دور کے شعرا میں وجہیؔ، غواصیؔ، صنعتیؔ، فراقیؔ، نصرتیؔ، مختار، بلاقیؔ اور ولیؔ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ اس دور میں معراج نامے، نور نامے، میلاد نامے، اور وفات نامے وغیرہ خوب لکھے گئے اور مشہور ہوئے۔ مذکورہ بالا شعرا میں ولیؔ دکنی کا نعتیہ کلام اس دور کی نعتیہ شاعری کا عمدہ نمونہ تصور کیا جاتا ہے۔

محمد قلی قطب شاہ معانیؔ (988ھ تا 1020ھ/ 1580ء تا 1611ء)

دکن میں بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد قطب شاہی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔ قطب شاہی سلطنت کی سب سے پہلی کڑی سلطان قلی قطب شاہ (924ھ تا 950ھ/ 1518ء تا 1543ئ) ہے اور چوتھی کڑی محمد قلی قطب شاہ معانی (988ھ تا 1020ھ/ 1580ء

تا 1611ئ) سے آکر ملتی ہے۔ اس کے والد کا نام ابراہیم قطب شاہ (958ھ تا 988ھ/ 1550ء تا 1580ئ) ہے۔ ابراہیم اپنے باپ سلطان قلی قطب شاہ کے قاتل برادرِ اکبر جمشید قلی (950ھ تا 957ھ/ 1543ء تا 1550ئ) کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کے دورِ حکومت میں علم وادب کو خوب ترقی ہوئی۔ بادشاہ کئی زبانوں پر قدرت رکھتا تھا اس کے دربار میں علما وفضلا کا مجمع رہتا تھا۔ مورخوں کا خیال ہے کہ ابراہیم نے علوم وفنون کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے بیس سالہ دورِ حکومت میں ایسی فضا پیدا کر دی کہ علم وادب کا پورا تناور درخت پھل پھول دینے لگا۔

اس کے بعد محمد قلی قطب شاہ معانی تخت پر متمکن ہوا۔ اس کے بارے میں محققین کی آرا ہے کہ اسی کو اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وہ ایک سازگار بادشاہ گزرا ہے۔ اسے شاعری سے بڑا شغف تھا یہی وجہ ہے کہ اس نے اردو کی تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ تحقیق ومطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کلیات میں نعت جیسی مقدس صنف کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ اس کو رسول اللہ ﷺ سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی، اس کے دورِ حکومت میں ہر سال جشنِ عیدِ میلاد النبی ﷺ بھی منایا جاتا تھا۔ اس جشنِ عید میلاد النبی ﷺ پر ذوق وشوق سے نعت خوانی ہوتی تھی۔ چناں چہ اردو کے ممتاز شاعر وادیب حفیظ تائبؔ نے محمد قلی قطب شاہ معانیؔ کی نعت گوئی پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

''اردو نعت کا باقاعدہ آغاز بارہویں صدی عیسویں میں ہوا بہمنی سلطنت کے بعد قطب شاہی سلطنت کا قیام عمل میں آیا اس دور میں اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ 988ھ تا 1020ھ نے نعت کی مستقل حیثیت متعین کی اور نعتیہ غزل کے ساتھ نعتیہ رباعیاں بھی پہلی بار لکھیں نعت سے شغف کا یہ عالم تھا کہ بیشتر غزلوں کے مقطع بھی نعتیہ ہیں پانچ باقاعدہ نعتیہ غزل کے علاوہ''عید میلاد النبی ﷺ پر چھ نظمیں''اور''عیدِ بعثتِ نبی پر پانچ نظمیں''، شب معراج پر ایک نظم اور کئی نعتیہ رباعیات بھی ملتی ہیں قطب شاہ معانی کو جناب رسالت مآب ﷺ سے والہانہ عقیدت تھی

اور اس کے عہد میں ہر سال جشن عید میلاد النبی منایا جاتا تھا۔'' (5)

نمونۂ کلام نشانِ خاطر ہو ۔

تج مکھ اجت کی جوت تھے عالم وچپن ہارا ہوا
تج دین تھے اسلام لے موہن جگت سارا ہوا
یک لک اسی پیغمبراں اپجے جگت میانے ولے
تج پر ہے نبوت ختم سب تھے تو ہی پیا را ہوا
ابز ترنگ زیں چند تو اچا بک سرنگ تس ہنکی
سورج کرن انبرد سے گاشا بدل کارا ہوا
دھرتی سرنگیں فرش کی چوندھر سمندر جوں حوض ہے
چھپر پلنگ سات آسماں پنکھا سو تج ہاراہوا

عید میلاد النبی کے موقع پر بھی قلی قطب شاہ نے ایک نعتیہ نظم لکھی ہے اس کے چند اشعار خاطر نشین ہوں ۔

خوشیاں شادیاں سیتیں مولود آیا ہے پیمبر کا
سدا دو جگ منے سہتا ہے اے مولود سرورکا
جلا جلانا عیسیٰ کاہو نور موسیٰ کا نبی کوں ہے
پلائے ہیں نبی سارے نبیاں کوں ہے آب کوثر کا
سلیماں تے زیادہ پادشاہی ان کو حق دیتا
سب کیا ناتوں لینا ہے اوتن ان کے سکندر کا
سب ہی پیغمبراں اعجاز تھے واقف انھیں حضرت
نہیں حاجت انن انکے کبھی کوئی قصہ آذر کا

سلطان قلی قطب شاہ معانیؔ نے معراج نامہ بھی لکھا ہے اس کے بھی چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

شاہ مرداں و محمد ہیں ہمارے سرتاج — خدا باتاں حبیب اپنے سوں کیا شب معراج
چاند اور سورج انن نور تھے پیدا ہوئے — دین ہور دنیا انن اسلام تھے پایا رواج

قدرت حق دیکھوں ان میں ہستے بیچوں گت — خدا ان دونوں کو دیتا ہے دو عالم کا راج (6)

☆

عبداللہ قطب شاہ (1035ھ تا 1083ھ/1625ء تا 1672ئ)

محمد قلی قطب شاہ معانیؔ کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا اور داماد محمد قطب شاہ (1020ھ تا 1035ھ/ 1611ء تا 1625ئ) بادشاہ بنا تو اس نے بھی علم وادب کے فروغ کی روایت کو زندہ اور برقرار رکھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ قطب شاہ (1035ھ تا 1083ھ/ 1625ء تا 1672ئ) بھی اپنے خاندان کی اِسی روایت میں پلا بڑھا تھا۔ باپ دادا کی طرح وہ بھی شاعر تھا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کرتا تھا تھے۔ اس کے یہاں زبان صاف اور نکھری نظر آتی ہے۔ ان کا نعتیہ کلام نشانِ خاطر ہو ۔

لکھ فیض پھر آیا دن دین محمد کا
آفاق صفا پایا دن دین محمد کا
یوں عید ہمن ساجے نصرت کے بجیں باجے
ہیں جگ کے نبی راج دن دین محمد کا
گلشن میں شریعت کے پھل کھلے طریقت کے
پرمل سوں حقیقت کے دن دین محمد کا
روشن ہوئے اسماناں جھمکائے رتن کھاناں
خط لیو اے مسلماناں دن دین محمد کا
جو بارہ اماماں ہیں لاکھ ان پہ سلاماں ہیں
ہم ان کے غلاماں ہیں دن دین محمد کا
صدقے نبی عبداللہ شہ کون ہے مدد اللہ
پنجتن گوا باللہ دن دین محمد کا (7)

☆

ملا وجہیؔ (م 1436ھ)

ملا وجہیؔ اپنے زمانے کا بلند پایہ شاعر وادیب ہوا ہے۔اس کے نثری شاہ کار میں ''سب رس (1635ئ)'' کو اوّل مقام حاصل ہے یہی وہ تحریر ہے جس میں اس کی شہرت کا راز پنہاں ہے۔سب رس ان کے نام کے ساتھ جزو لاینفک کی طرح ہم رشتہ ہے۔اس میں ایک خاص ادیبانہ شان اور اظہار کی پختگی ملتی ہے۔سب رس کو ایک کامیاب تمثیل قرار دیا گیا ہے۔ تحقیق ومطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہیؔ نے عقل وعشق کے درمیان پائے جانے والی کشمکش جیسی عالم گیر حقیقت کو ایک طویل تمثیل کے رُوپ میں پیش کیا ہے۔تصوف ومعرفت کے مختلف مسائل کو رمزیہ انداز میں بیان کیا ہے۔سب رس کے طرز بیان میں حسن وتوانائی اور ادبی چاشنی پائی جاتی ہے جو اپنے اندر شعریت اور نغمگی رکھتی ہے۔اس نے شعوری طور پر اپنے شاعرانہ احساسِ جمال کے ذریعہ اپنی نثر میں شعریت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔کہا جاتا ہے کہ سب رس کے آگے وجہی کی ساری خوبیاں دب گئیں، جب کہ اس کا حال یہ تھا کہ اپنی شاعری کی وجہ سے کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔اس کا اسلوب بیان فطری ہے کوئی تکلف اور تصنع نظر نہیں آتا اس کی مثنوی اس کے اعلا خیالات کی ترجمانی کرتی ہے۔مثنوی سے نعتیہ نمونہ کلام خاطر نشین ہو ؎

محمد نبی نانو تیرا اہے　　عرش کے اُپر چھانو تیرا اہے
کہ چودہ ملک کا تو سلطان ہے　　علی سا ترے گھر میں پردھان ہے
اسی ہور اک لاکھ پیغبر آئے　　ولے مرتبہ کوئی تیرا نہ پائے
چھپا نور سب کا ترے نور اگے　　کہ جیوں تارے چھپتے اہے سور اگے
مسیحا بندا آج تجھ راز کا　　معلم اہے نوح تجھ جہاز کا
خدا سوں گے تو جہاں اے خلیل　　نہ عیسیٰ وہاں آئے نا جبرئیل
عرش کرسی تج گھر ہے در آسماں　　توں سورج ہے بادل ترا سایہ باں
محبت ، مروت ، وفا ہور حلم　　حلیمی ، سلیم ، عمل ہور علم

توں پیدا ہوا یو ہویدا ہوئے　　اول یو نہ تھے تج تے پیدا ہوئے
شفاعت کر نہار سب کا تہیں
اہے لاڈلا اک رب کا تہیں

بہاء الدین غواصیؔ (م تقریباً 1656ئ)

محمد قلی قطب شاہ معانیؔ اور ملا وجہیؔ کے بعد قطب شاہی دور کے اہم شاعروں میں ملک الشعرا بہاء الدین غواصیؔ کا شمار کیا جاتا ہے۔غواصیؔ قدیم اردو کا قادر الکلام اور عظیم المرتبت شاعر گذرا ہے۔اس کی تین مثنویوں (1) مینا ست ونتی (1612ئ) (2) سیف الملوک وبدیع الجمال (1625ئ) اور (3) طوطی نامہ (1639ئ) کے علاوہ غزلیں، قصائد، رباعیات اور مراثی پر مشتمل دیوان بھی منظر عام پر آیا ہے۔زبان وبیان کی سادگی، تاثر کی فراوانی، ماحول کی عکاسی اور حقیقت نگاری غواصیؔ کی شاعری کی نمایاں خصوصیات ہیں۔غواصیؔ کو ان کی زندگی میں ہی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی، ان کی مثنویوں کا آغاز نعتیہ اشعار سے ہوا ہے جس کی مثال میں ذیل اشعار ؎

سچا تو محمد سچا مصطفیٰ
سچا تو ہے احمد مرتضیٰ
تو طٰہٰ تو یٰسٓ تو ابطحی
تو امی تو مکی تو مرسل سبھی
توں اول توں آخر توں ہی ہے امیر
توں ظاہر توں باطن نبی بے نظیر
تہیں ہاشمی ہور قریشی رسول
جو کچ تو کہے سو کرے رب قبول
تو قائم تو حجت تو حافظ سچا
تو شافع تو سابق توں واعظ سچا

تقی ہور سخی توں ولی ہور خلیل
دیا تجھ نبی ناوں رب الجلیل

☆

صنعتیؔ بیجاپوری (زمانہ تقریباً 1645ئ)

صنعتیؔ عادل شاہی دور کے قادر الکلام شاعر تھے۔انھیں اپنی زندگی ہی میں پُر گو اور باکمال شاعر کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔صنعتیؔ خصوصی طور پر مثنوی نگار شاعر ہوئے ہیں۔لیکن قصائد اور غزلیات کے میدان میں بھی انھوں نے خوب طبع آزمائی کی ہے۔''قصۂ بے نظیر''، صنعتی کا ناقابلِ فراموش ادبی کارنامہ ہے۔چناں چہ مثنوی کے فارم میں تحریر نعتیہ کلام ملاحظہ ہو ؎

نبی کریم شفیعِ امین
رسولِ خدا رحمتِ عالمین
کہ جن سر پہ لولاک کا تاج ہے
سو اس کو عرش آپے محتاج ہے
ثنا جس کی بولیاں ہے سبحان نے
سو طٰہٰ و یٰسٓ و قرآن ہے
اَحد نے تجے نانوں احمد دیا
بجز میم بھی کچھ فرق نیں کیا
چند مشغلہ دار ہو وقتِ شام
جمع کر ستارے کرے تجھ سلام
ترا نانوں عزت ہے آدم تئیں
ترا اسم ہے ورد عالم تئیں
ترا نانوں ہے ذات بعدے صفات
کجھوں بیجاول بزں پھول پات
تجلی تے تجھ پاتے جب یک جھلک

کیے سجدہ آدم کوں سب ملک
عیاں تجھ میں جلوہِ ذوالجلال
ہے عالم کو معراج تیرا جمال

☆

محمد نصرتیؔ بیجاپوری (م1085ھ/1674ئ)

محمد نصرت نام، نصرتیؔ تخلص، آباواجداد بیجاپور میں فوجی ملازم تھے۔اس کا ذکر نصرتیؔ نے خود اپنے ایک شعر کے ذریعہ کیا ہے ؎

کہ تھا مجھ پدر سوں شجاعت مآب
قدیم یک سلح دار جمع رکاب

نصرتیؔ کے والد کی نشست و برخاست معاشرے کے اعلا لوگوں میں تھی جس کے سبب نصرتیؔ کی تعلیم و تربیت شاہی محل میں سلطان علی عادل شاہ کے ساتھ ہوئی تھی، چناں چہ عادل شاہ کے تخت نشین ہوتے ہی سلطان علی عادل شاہ نے نصرتیؔ کو ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا اور مزید یہ کہ جب عالم گیر نے بیجاپور کو فتح کیا تو انہوں نے بھی نصرتیؔ کو اسی خطاب سے نوازا۔

تحقیق سے دریافت ہوا ہے کہ نصرتیؔ کی تصنیفات میں تین مثنویاں، ایک قصائد اور ایک غزلیات کا مجموعہ ملتا ہے۔مثنویوں میں (1) علی نامہ (2) گلشن عشق (3) گلدستۂ عشق وغیرہ ہیں۔ان کی تصنیفات میں شامل ایک نعتیہ قصیدہ بہ عنوان ''معراج نامہ'' بھی شامل ہے جو ایک سو اکیس اشعار پر مشتمل ہے۔چناں چہ نمونہ کلام پیشِ خدمت ہے ؎

رہے نامور سید المرسلیں
کہ آخر وے ہے شافع المذنبیں
ادا ہوئے نہ حمد احد کی بچن
ترا کے جلگ مدح احمد میں فن
عجب آفرینش کے دریا کا در
کہ جس نور تی بحر ہستی ہے پر

تول رُکھ پہ خلقت کے اے دل تو ریچ
وہی پھل ہے آخر جو اول ہے بیج
اٹھا تب تو موجود تمکین میں
جب آدم تھا ماء والطین میں
جلک علم آسا کا آدم سبق
پڑیا نین تلگ تھا تو علام حق
شرف دار پوتے اس حد کوں پاڑ
بزرگی دھری جو بیٹھے پھل تی جھاڑ
حبیبِ اَحد تونچہ اے مصطفیٰ
ترا ناو لیتیچ ہوئے دل صفا
احد ہور احمد میں جگ کون عظیم
معمہ ہوئی گرچہ میانے کی میم
اسی میم تے پن معما شگاف
دیکھیں عین احمد کوں احد تے صاف
رہے دین دنیا میں سرمد ہے تو
توں محمود وہاں یہاں محمد ہے تو
تری ذات تی پائی دنیا سکت
تری سوں چہ محمود اچھے عاقبت
اوچایا ہے توں گرچہ آخر عَلَم
اول سب تی جنت میں تیرا قدم
قیامت کے طوفاں میں ہو جگ ادھار
لے جاوے تو امت کی کشتی کو پار
قیامت کو تیرے طفیل اے دلیل

کرے جگ پہ جنت کوں خوانِ خلیل
تری شان سرتاج لولاک کا
ترے بخت کوں تخت افلاک (8)

☆

ولی دکنی (1079ھ/1190ھ)

محمد ولی اللہ نام، ولی تخلص، والد کا نام محمد تھا جو گجرات کے مشہور و معروف بزرگ شیخ وجیہ الدین کے بھائی شاہ نصر اللہ کی آل میں سے تھے۔ ولی کی ولادت 1079ھ مطابق 1668ء احمد آباد گجرات میں ہوئی اور تعلیم کا آغاز مدرسہ شیخ وجیہ الدین سے ہوا۔ سعد اللہ گلشنؔ دہلوی سے اصلاح لی۔ مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ غزل جو حدیثِ دل اور نغمۂ حُسن وعشق سے عبارت ہے وہ ولی کے یہاں اپنی پوری سج دھج اور فنی رچاو کے ساتھ نظر آتی ہے۔ ولی کی غزلوں میں حُسن وتازگی، رعنائی اور دل کشی ہے، وہ زندگی بھر محبت کے نغمے چھیڑتے رہے، محبوب کی دل فریب اداوں کو مختلف انداز سے بیان کرتے رہے حُسن کے خد وخال اور اس کے رنگ وروپ اور عشق کی مختلف کیفیات اور واردات کو اپنی غزلوں میں سموتے رہے۔ ولی حُسنِ مجازی اور حُسنِ حقیقی دونوں ہی کے پرستار تھے۔ دراصل حُسنِ مجازی ان کے لیے حُسنِ حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ تھا۔

ولی نے اپنی لسانی لیاقتوں اور اجتہادی صلاحیتوں کی مدد سے فارسی شاعری اور ہندی شاعری کی روایات میں ایک لطیف توازن پیدا کرکے اردو زبان کو ایک نیا رنگ وروپ دیا۔ ولی کی زبان اتنی صاف ستھری اور چست ہے کہ اس کے اشعار پڑھنے کے بعد قطعی احساس نہیں ہوتا کہ ہم دورِ متقدمین کے کسی شاعر کا کلام پڑھ رہے ہیں بلکہ ایسا لگتا ہے کہ ہم عصر حاضر کے کسی شاعر کے اشعار پڑھ رہے ہیں مثلاً

خوب رو خوب کام کرتے ہیں
اک نگہ میں غلام کرتے ہیں
بے رحم نہ ہو، غصہ نہ کر، بات مری سن
ڈرتا نہیں یک بات کی سو بات سنا جا

دل کو لگتی ہے دل بار کی ادا
جی میں بستی ہے خوش ادا کی ادا
ہوش کھوتی ہے نازنیں کی ادا
سحر ہے گل جبیں کی ادا

متذکرہ بالا مثال صنف غزل سے ہے، جب کہ ہمارا موضوع نعتیہ شعری روایت ہے۔ بہ ایں وجہ اس مقام پر ولی کی نعت گوئی سے متعلق گفتگو کی جارہی ہے۔ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ولی نے جس طرح غزل، قصیدہ، رباعی اور دیگر صنف میں اپنے جوہر بکھیرے ہیں اسی طرح نعت گوئی کے فن میں بھی اس نے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ اس سلسلہ میں حفیظ تائب کا ولی کی نعت گوئی پر کیا گیا یہ تبصرہ قابل مطالعہ ہے :

"بارھویں صدی ہجری اردوزبان کے مجدد ولی دکنی (م 1190ھ) کے جلو میں طلوع ہوئی اور بہ قول ریاض مجید: "جس طرح ولی کی شاعری پر جنوبی ہند اور شمالی ہند کی شعری روایت اور زبان وبیان کے اسالیب کے درمیان ایک واضح حد فاصل قائم کرتی ہوئی نظر آتی ہے اسی طرح ولی کے نعتیہ اشعار اردو کے ارتقائی سفر میں ایک نئی منزل کی تلاش کی نشان دہی کرتے نظر آتے ہیں، ولی کی نعتیہ شاعری ان کی غزلوں اور قصیدوں سے لے کر رباعیوں، مخمس اور مستزاد پر مشتمل ہے جو ان کے مخصوص رنگ (ریختہ) کی ترجمانی کرتا ہے"

ولی کے دیوان میں چھ نعتیہ قصیدے ہیں جن میں ایک حمد ونعت اور منقبت وموعظت میں ہے۔ دوسرا نعتِ رسول ﷺ میں ہے۔ تیسرے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت ہے۔ چوتھے میں بیت الحرام کی مدح ہے۔ پانچویں میں حضرت میراں محی الدین علیہ الرحمہ کی مدح ہے اور چھٹے میں حضرت شاہ وجیہ الدین علیہ الرحمہ کی مدح سرائی کی ہے۔ ولی کو نعت سے خصوصی شغف تھا اور اس کی ساری امیدیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے وابستہ تھیں اس نے اپنے قلبی تعلق کو اپنے اشعار میں یوں ظاہر کیا ہے مثلاً ؂

ہم کوں شفیع محشر دیویں پناہ بس ہے
شرمندگی ہماری عذر گناہ بس ہے

نعتیہ قصیدے کا ابتدائی رنگ دکھانے کے لیے ولی کے نعتیہ قصیدے کے کچھ شعر درج کیے جاتے ہیں ؂

عشق میں لازم ہے اول ذات کو فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم یاد یزدانی کرے
یا محمد دوجہاں کی عید ہے تجھ یاد سوں
خلق کو لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے
جس مکاں میں فکر روشن ہے تمہاری جلوہ گر
عقل اول آکے واں اقرار نادانی کرے
دیکھ طوبیٰ قد تری جنبش میں آوے شوق سوں
جب گلستان ارم کی تو خرامانی کرے
عارفاں بولیں گے جان ودل سے لاکھوں آفریں
جب ولی تیری مدح میں گوہر افشانی کرے

ولی نے رباعیات اور مخمسات میں بھی نعت گوئی کی ہے جیسا کہ ماقبل اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ذیل میں رباعی اور مخمس میں اس کی نعت گوئی کی کا نمونہ خاطر نشین ہو ؂

رباعی

اے خلق کے زیب وزین! مجھ حال کو دیکھ
اے جدِّ حسن حسین! مجھ حال کو دیکھ
تجھ باج مجھے نہیں ہے دوجا جگ میں
شاہنشہِ مشرقین! مجھ حال کو دیکھ (9)

مخمس

مطلب نہیں ہے ہم کو حسیناں! نعیم کا — کچھ خوف نہیں ہم کو عزیزاں! جحیم کا
بندہ ہوں صدق دل سے نبی الکریم کا — مجھ درد پر دوا نہ کرو کچھ حکیم کا
بن وصل نہیں علاج برہ کے سقیم کا

آخر میں ولی دکنی کے چند اشعار اور پیش کیے جاتے ہیں: ؂

بعد حمد خدائے بے ہمتا
یاد کر نعت سید مرسل

جس کی ہمت کی ہے ترازو میں
دوجہاں مثلِ خانۂ خردل
اس کی مجلس میں آ ہوا ہے کھڑا
صفِ آخر میں جوہر اول
گر ہو وہ آفتاب گرم عتاب
آسماں جائیں مثل میم پگھل(10)

سید محمد فراقیؔ بیجاپوری(1685ئ/1732ئ)

سید محمد فراقی، ولیؔ کے ہم عصر اور بیجاپور کے رہنے والے تھے۔اورنگ زیب کے فتح دکن کے بعد انھوں نے کچھ عرصہ تک اورنگ آباد میں قیام کیا اور بعد میں ویلور(ایلورہ) میں سکونت اختیار کی۔فراقیؔ کی ایک ضخیم مذہبی مثنوی ''مراۃ الحشر'' کے علاوہ چند غزلوں کا پتہ چلتا ہے۔تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے ولیؔ کے ہمراہ دہلی کا سفر بھی کیا تھا۔ان کی مثنوی میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں جن سے عشقِ رسول ﷺ کے سوزِ والہانہ کا پتہ چلتا ہے ؎

مدینے میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا
محمد کی گلی بہتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا
عبث خوباں کی گلیوں میں عمر تو صرف نہ کرائے دل
مدینے کی زیارت کوں گیا ہوتا تو کیا ہوتا
منھ اس مکتب مجازی میں جو عشق استاد نہ ہوتا
تو میرے دل کی کثرت کا سبق برباد نہ ہوتا
نظر ہے علم منطق ہور معانی میں فراقیؔ کوں
اگر علم حدیث مصطفیٰ ہوتا تو کیا ہوتا(11)

سراجؔ اورنگ آبادی(1127ھ/1177ھ)

سراجؔ اورنگ آبادی اس پُر عظمت ادبی اور شعری روایات کے آخری علم بردار ہیں جو کم وبیش تین صدیوں تک دبستانِ دکن میں فروغ پاتی رہی۔ان کے ضخیم کلیات میں غزلیں بھی

ہیں اور مثنویاں بھی۔رباعیاں بھی ہیں اور مرثیے بھی۔انھوں نے ہر صنفِ ادب میں طبع آزمائی کی ہے۔سراجؔ کو بچپن ہی سے شاعری سے لگاؤ تھا۔لیکن عین جوانی کے عالم میں طبیعت کچھ اس طرح بدلی کہ تصوفانہ فکر نے عشقِ حقیقی کو ہی زندگی کا حاصل تصور کیا۔بہ ہر حال انھوں نے غالباً کم عمری ہی میں شعر گوئی کا آغاز کیا اور محض چھ سال کی قلیل مدت میں ایک ضخیم کلیات مرتب ہوا۔انھوں نے نعتیہ اشعار بھی کہے اور خوب کہے ان کے کلام میں سوز وگداز کے علاوہ روحانی تجربات وریاضت کی حرارت بھی ملتی ہے۔1740ء کے بعد انھوں نے اپنے پیرو مرشد شاہ عبد الرحمن چشتی علیہ الرحمۃ کے حکم پر شعر گوئی ترک کر دی تھی، پیش ہے ان کا نعتیہ نمونۂ کلام ؎

رسولِ خدا سید المرسلین
قیامت کے دن شافع المذنبین
عجب روز محشر کا سردار ہے
صفِ اصفیا میں وہ سالار ہے
جگت میں روے سلطنت ہے مدام
جماعت میں ہے انبیا کی امام
عجب ذاتِ مقبولِ کونین ہے
کہ کونین کا قرۃ العین ہے(12)

شاہ ظہور الدین حاتمؔ (1699ئ/1783ئ)

شیخ ظہور الدین نام،اور تخلص حاتمؔ ہے۔والد کا نام شیخ فتح الدین۔دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کا زمانہ دہلی شہر کی معاشی بدحالی، معاشرتی انتشار، خانہ جنگی اور امرا کے درمیان کشمکش کا زمانہ تھا۔لہٰذا ان کی شاعری میں اپنے دور کے حادثات وواقعات کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔بہ حیثیت انسان حاتمؔ انتہائی خلیق اور خوش مزاج انسان واقع ہوئے ہیں۔انھوں نے نظم کے ساتھ نثر نگاری بھی کی ہے۔زبان دانی کے معاملے میں اردو کے علاہ فارسی زبان سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔گو کہ فارسی ان کے عہد کی معیاری زبان کا درجہ رکھتی تھی۔ان کی تصانیف میں دیوان قدیم، دیوان زادہ، دیوانِ فارسی منظوم ہیں اور نسخۂ مفرح الضحک نثری ہے۔ان کے نعتیہ اشعار کا نمونہ نشانِ خاطر ہو ؎

محمد صاحبِ ایجاد و ایماں

کہ جس کی شان میں آیا ہے قرآں
گئے سب انبیا اس آرزو میں
روا اس رنگ کی کملی کسو میں
سریر و سرور بابا سلیماں
چلا جن و پری پر اس کا فرماں
وہی تھا نور تیرا ساتھ اس کے
انگوٹھی نام کو تھی ساتھ اس کے (13)

پیشِ نظر باب میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ ہندوستان میں مختلف مذاہب اور طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے باہمی میل جول، سماجی، معاشرتی اور لسانی تقاضوں کے سبب ایک نئی زبان وجود میں آتی ہے۔ جسے ہندی، ہندوی اور اردو کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اردو میں شاعری کے آغاز کے ساتھ ہی نعت گوئی کا سلسلہ بھی شروع ہوتا ہے۔خواجہ بندہ نواز گیسودراز اور فخر دین نظامی سے شروع ہونے والا نعت گوئی کا یہ کارواں آگے کی طرف بڑھتا ہے۔اور اس میں قلی، وجہی، غواصی، صنعتی، نصرتی، ولی، فراقی اور حاتم وغیرہ شامل ہو کر اس روایت کو استحکام بخشتے ہیں۔

دورِ متاخرین، اردو کا تشکیلی دور کہلاتا ہے۔اس دور میں زبان و بیان میں پنجابی اور برج بھاشا کے اثرات رفتہ رفتہ کم ہو رہے تھے۔وقت کے ساتھ ساتھ مشکل الفاظ کی تعداد بھی کم ہوتی جا رہی تھی اور مقابلۃً آسان الفاظ ان کی جگہ لیتے جا رہے تھے۔

اس دور کے شعرا میں ولی دکنی کو محققین بلند مقام دیتے ہیں۔اس کی شاعری جنوبی و شمالی ہند کی شعری روایت اور زبان و بیان کے اسالیب کے اندر ایک واضح حدِ فاصل قائم کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔اس نے نعت گوئی کے فن میں نت نئے تجربے کیے۔اس کا نعتیہ کلام غزلوں، قصیدوں سے لے کر رباعیوں، مخمس اور مستزاد پر مشتمل ملتا ہے۔ولی کے ساتھ ساتھ اس دور کے دیگر شعرا نے بھی نعت گوئی کے فن کو وقار عطا کرنے کے لیے اپنا خونِ جگر صرف کیا۔مختصر یہ کہ اس دور میں اردو نعت گوئی اپنے ارتقائی سفر کی اچھی خاصی مسافت طے کر لیتی ہے۔

حواشی

(1) شجاعت علی سندیلوی، ڈاکٹر: تعارف تاریخ اردو، ص 24/25

(2) مسعود حسین خان، ڈاکٹر: مقدمہ تاریخ اردو، علی گڑھ، ص 139/140

(3) طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر: اردو کی نعتیہ شاعری، ص 25/26

(4) محمد عسکری، مرزا: تاریخ اردو ادب، عشرت پبلشنگ ہاوس، لاہور، ص 34/35

(5) نقوش: رسول نمبر ج 10 جنوری 1984ء، ادارۂ فروغِ اردو، لاہور، ص 170

(6) قلی قطب شاہ: انتخاب کلامِ قلی قطب شاہ، مرتبہ: سیدہ جعفر، 1989ء، یو۔پی۔ اردو اکیڈمی، لکھنو، ص 32/38

(7) ساجد صدیقی - والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین و ادب، لکھنو، ص 65

(8) نقوش: رسول نمبر ج 10 جنوری 1984ء، ادارۂ فروغ اردو، لاہور، ص 475/47/477/479

(9) نقوش: رسول نمبر ج 10 جنوری 1984ء، ادارۂ فروغ اردو، لاہور، ص 172

(10) شارب ردولوی، ڈاکٹر: مطالعۂ ولی، 1972ئ، نصرت پبلشرز، لکھنو، ص 183/193

(11) نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو، ص 234/235

(12) رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر: اردو میں نعتیہ شاعری، 1976ئ، اردو اکیڈمی، کراچی، ص 179/180

(13) ساجد صدیقی-والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنو، ص 70

{............}

2: دوسرا دور (متوسطین نعت گو شعرا)

(1154ھ/1750ء سے 1308ھ/1890ء تک)

پچھلے باب میں زبان کے لسانی پس منظر، سماجی و معاشرتی ملاپ اور اردو نعت گوئی کے آغاز اور ابتدائی نشوونما کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اردو کے سماجی، معاشرتی اور لسانی پس منظر کا جائزہ لیا گیا۔ اور ساتھ میں اردو نعت گوئی کے آغاز پر روشنی ڈالتے ہوئے دورِ متقدمین کے نعت گو شعرا کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور تحقیق کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس دور میں رفتہ رفتہ عربی، فارسی اور ترکی کے الفاظ و محاورات کے ساتھ سہل اور آسان لفظیات کا استعمال شعرا نے شروع کیا۔ اس دور میں نعت گوئی کے فن میں کامیاب تجربے کیے گئے۔ اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ اردو نعت گوئی کی روایت ایک امانت کی طرح دورِ متوسطین شعرا کے ہاتھوں میں سونپ دی۔

دورِ متوسطین کا آغاز مرزا محمد رفیع سوداؔ سے ہوتا ہے۔ سودا تک آتے آتے اردو شاعری اور اردو کی نعتیہ شاعری نے خاصی ترقی کرلی تھی اور زبان و بیان میں بھی پہلے سے زیادہ تبدیلی ہوچکی تھی۔ لہٰذا ماضی میں جس پودے کو حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور فخر دین نظامی نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا اس کی آب یاری میں قلی قطب شاہ معانیؔ، عبداللہ قطبؔ شاہ، ملاوجہیؔ،

غواصیؔ، صنعتیؔ بیجاپوری، سراجؔ اورنگ آبادی اور شاہ ظہورالدین حاتمؔ وغیرہ کا خونِ جگر حاصل رہا اور ان شعرا نے اسے استحکام عطا کرنے کے لیے نئی جدتیں اختیار کیں۔ جس کے نتیجے میں سوداؔ کے دور تک آتے آتے زبان میں سلاست وفصاحت، فطری حسن، سادگی اور دل کشی پیدا ہوگئی۔ اس دور میں نعت گوئی صنفی اور فنی حیثیت اختیار کرتی چلی گئی۔ اس فضا نے سیکڑوں اردو نعت گو شعرا کو منظرِ عام پر آنے کے راستے ہموار کیے۔ بہ الفاظ دیگر اردو نعت نے اس مدت میں ارتقائی سفر کی ایک تہائی مسافت طے کرلی۔

دوسرے دور کے شعرا کے نمونہ کلام نشانِ خاطر ہو ے

مرزا محمد رفیع سوداؔ (1713ئ/1781ئ)

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے تسبیح [illegible]ر سلیمانی
ہنر پیدا کر اوّل ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر وگر نہ ننگِ عریانی
اکیلا ہو کے دنیا میں اگر چاہے بہت جینا
ہوئی ہے فیضِ تنہائی سے عمرِ خضر طولانی
نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیفِ مسلمانی
زہے دین محمد پیروی میں اس کی جو ہووے
رہے خاکِ قدم سے اس کی چشمِ عرش نورانی
ملک سجدہ نہ کرتے آدمِ خاکی کو گر اس کی
امانت دار نورِ احمدی ہوتی نہ پیشانی

خیالِ خلق اس کا گر شفیعِ عاصیاں ہووے
رکھیں بخشش کے سر منت یہودی اور نصرانی
جو صورت اس کی ہے لاریب وہ ہے صورت ایزد
جو معنی اس میں ہیں بے شک وہ ہیں معنی ربانی

حدیثِ من رآنی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اُس کو دیکھی اُس نے شکلِ یزدانی (1)

☆

ابوالفضل محمد فاضل بٹالوی (م 1151ھ/1738ئ)

ناہیں مرا چھٹ تم کوئی انظر بحالی یا نبی
ہے رین دن غفلت بڑی انظر بحالی یا نبی

اس فضل سوں راکھوں مجھے من عزل درجات الصفا
فریاد کرتا ہر گھڑی انظر بحالی یا نبی

میں ہوں خرابی میں پڑا کالطفل سوء الخلق حیف
اس غم ستی چھاتی سڑی انظر بحالی یا نبی

اس شرم سوں مجھ کوں نہیں حتیٰ ارئ ضوء الصفا

ہے مرگ بھی سر پر کھڑی انظر بحالی یا نبی

برقع شریعت سوں رکھوں حتیٰ کون بنور کم
اس عشق سوں کر پھلجھڑی انظر بحالی یا نبی

فاضلؔ پکارے رین دن اشفع شفیع المذنبین
فریاد کرتا ہر گھڑی انظر بحالی یا نبی (2)

☆

میر حسنؔ (1736ئ/1786ئ)

نبی کون یعنی رسولِ کریم
نبوت کے دریا کے دُرِّ یتیم

کیا حق نے نبیوں کا سردار اسے
بنایا نبوت کا حق دار اسے

نبوت جو کی اس پہ حق نے تمام
لکھا اشرف الناس خیر الانام

کروں اس کے رتبے کا کیا میں بیاں

کھڑے ہوں جہاں باندھ صف مرسلاں

محمد کے مانند جگ میں نہیں
ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں

☆

شیخ قلندر بخش جرات (1748ئ/1809ئ)

محمد ہے نبی ممدوح ذاتِ کبریائی کا
کرے بندہ گر اس کی مدح، دعوا ہے خدائی کا

منور کیوں نہ اس کے نور سے ہو خانۂ طاعت
کہ روشن کرنے والا ہے وہ شمعِ پارسائی کا

گروہ انبیا میں وہ ہی حق کا برگزیدہ ہے
سوا اس کے لقب کس کو ملا ہے مصطفائی کا

سراپا نورِ حق نام خدا کہیے نہ کیوں اس کو

کہ جس کا نقشِ پا ہو جبہہ سا ساری خدائی کا

دلیل اسکی ہے یکتائی کی یہ لاریب اے جرأتؔ
کہ تھا سایہ نہ اس محبوبِ ذاتِ کبریائی کا

☆

میر تقی میرؔ (1137ھ/1225ھ)

جرم کی خو شرم گینی یارسول
اور خاطر کی حزینی یارسول
کھنچوں ہوں نقصان دینی یارسول
تیری رحمت ہے یقینی یارسول
رحمۃ للعالمینی یارسول! ہم شفیع المذنبینی یارسول

ہو رہے ہیں ہم جو دوزخ کے حطب
سر پہ ہم اعمال لائے ہیں غضب
رکھتے ہیں چشمِ عنایت تجھ سے سب
تجھ سوا کس سے کہیں احوال اب

جب تلک تاثیر کا تھا کچھ گماں
گر قرآں خواں میرؔ تھے گر سبحہ خواں
وقت یک ساں تو نہیں اے دوستاں
اب بھی ہے ہر زباں وردِ زباں
رحمۃ للعالمینی یارسول! ہم شفیع المذنبینی
یارسول(3)

☆

نظیر اکبر آبادی (1740ئ/1830ئ)

تم شہِ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفیٰ
سر گروہ مرسلیں ہو یا محمد مصطفیٰ
حاکمِ دینِ متیں ہو یا محمد مصطفیٰ
قبلۂ اہلِ یقیں ہو یا محمد مصطفیٰ
رحمۃ للعالمیں ہو یا محمد مصطفیٰ

ہیں جو یہ دونوں جہاں کی آفرینش کے چمن
جس میں کیا کیا کچھ عیاں ہیں صنعِ خالق کے چمن
باعثِ خلق ان کے ہو تم یا حبیبِ ذوالمنن

اور اک مطلع پڑھوں میں یمن سے جس کے سخن
سو سعادت کے قریں ہو یا محمد مصطفیٰ

مخبرِ صادق ہو تم یا حضرتِ خیر الورا
سرورِ ہر دوسرا اور شافعِ روزِ جزا
ہے تمہاری ذاتِ والا منبعِ جود و سخا
کیا نظیرؔ اک، اور بھی سب کی مدد کا آسرا
یاں بھی تم واں بھی تمہیں ہو یا محمد مصطفیٰ

☆

انشاء اللہ خان انشا (م 1817ئ)

اے عشق مجھے شاہد اصلی کو دکھالا
قم خذبیدی وفک اللہ تعالیٰ

ہے تجھ کو جنوں کی قسم اے جذبۂ محبت
اس نور تجلی کی جھلک مجھ کو جھکالا

اتنا تو پھرا وادیِ وحشت میں کہ میرے
ہے پاے نظر میں بھی پڑا اشک کا چھالا

سوجھے ہے مجھے عالم اطلاق کی منزل
الفت نے تو تقلید کی منزل سے نکالا

ہر چند کہ عاصی ہوں پر امت میں ہوں اس کی
جس کا ہے قدم عرش معلا سے بھی بالا

مولائے جہاں رہِ بر عشاقِ محمد
سب عقدۂ مشکل کا مرے کھولنے والا

☆

غلام ہمدانی مصحفیؔ (1748ئ/1824ئ)

رفو ناصح سے ہو کب چاک پیراہن کا عاشق کے
مگر سلوائیں آسرور گریباں آستیں دامن
محمد باعث ایجاد عالم جس کے جامہ کا
ہے ادریس پیغمبر گریباں آستیں دامن
تمہارا ابرِ رحمت یا محمد مجھ پہ گر برسے
تو ہو پاکیزہ و اطہر گریباں آستیں دامن
وگر نہ مصحفیؔ تو وہ سیہ رو ہے کہ کالا ہو
بدن سے جس کے چھوٹے گر گریباں آستیں دامن (4)

شاہ نیازؔ بریلوی (م1825ئ)

زہے عزو علائے منتہائے اوجِ انسانی
نبی یثربی و مہبطِ تنزیلِ فرقانی
ظہورِ کاملِ ذات و صفاتِ حضرتِ یزداں
حبیبی سیدی محبوبِ خاص الخاص ربانی (5)

☆

سعادت یار خاں رنگینؔ دہلوی (1758ئ/35-1834ئ)

لکھوں میں کس طرح سے نعت اس کی
براق ادنا تھا جس کی اک سواری
بڑا ہے عرش سے بھی اس کا پایا
کہ سب کچھ جس کی خاطر ہے بنایا
بہ ظاہر گرچہ وہ اُمّی تھے لیکن
بھرا تھا علم سے کل ان کا باطن
وہ باتیں ان کی تھیں نزدیک آساں
کہ جن کو کر سکے مطلق نہ انساں
بیاں تم سے کریں کیا ان کے اوقات

یہ الفت ان کو تھی ہم سے دن اور رات
جناب کبریا میں کرکے زاری
طلب کرتے تھے آمرزش ہماری

سراہیں اپنی ہم قسمت کو رنگیں
کہ امت میں ہوئے ہم ان کے بے کیں(6)

☆

حضرت غلام قادر شاہ (م1176ھ/1762ئ)

وہی وہی نہ دو جا کوئی
پرگھٹ ہو یا محمد ہو کوئی

اُحد محمد ایک پچھانوں
ایک ہی دیکھو ایک ہی جانوں

حمد کہو اور بہت درود
فھوالحامد والمحمود

اول آخر باطن ظاہر
ناہیں اس سے کو یا باہر

انامن نورہٖ سنو بیاں
ولکل نوری کرو دھیان(7)

☆

امامی دکنی

کہ ہیں دو نگینے سلیمان کے
مہر ہیں محمد کے فرمان کے

وہ مالک رسالت ولایت کے ہیں
وہ ہادی حقیقت ہدایت کے ہیں

کہ حیدر سری کا ہے اس کا جمال
محمد کی خصلت ہے اس میں کمال

محمد کیے کوچ جنت طرف
قیامت جہاں میں پری ہر طرف

ختم کر اماتیؔ تو خیرالامام
وصال محمد علیہ السلام(8)

☆

محمد رفعتی فتاحیؔ

گئے ہیں محمد اپن گھر کوں جب
لگے بیا کا سامان کرنے کو سب

خدیجہ بھی سامان سب کچھ کیے
بوطالب کنیں یو خبر تب دیے

بولائے قریشاں بوطالب کے سب
بولائے ہیں بعضے جتے تھے عرب

قبیلے قریشاں کے سب آملے
عجب نور عینی کے در سب کھلے

بلند قدا تھے لیلۃالقدر سوں
جھمکتا اچھے موہنے بدرسوں

☆

مختارؔ

کہوں حمد اول اسی راج کا
نبی کوں دیا تاج معراج کا

عجب دیک محبوب ہے بے بدل
محمد شہ انبیا از ازل

اسی چار حرفاں کا ہے ناو آج
رکھے اسکوں لولاک کا سر پہ تاج

سو سہ حرف کا میں کہوں یو بیاں
مہ ہے میم محبوبیت کا نشاں

سوحی لے ولادت حمایت اپر
حمایت کی ساری شفاعت اپر

خزینہ سو دارو کا قرآن ہے
کہ کل موموناں کا او ایمان ہے (9)

☆

شاہ اسماعیل دہلوی (م 1831ئ)

اُسی سے ہے مقصود اصلی کتاب
وہی ہے گا مضمون ام الکتاب
خصوصاً کہ جو اکمل انسان ہے
وہ سارے صحیفوں کا عنوان ہے
وہ انسان اکمل ہے سنتے ہو کون
ہوئے مفتخر جس سے یہ دونوں کون
نبی البرایاء رسول کریم
نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم

حبیب خدا سید المرسلین
شفیع الورا ہادی راہ دین
محمد ہے نام ان کا احمد لقب
بیاں ہوسکے منقبت ان کی کب
دل ان کا جو ہے مخزنِ سرِّ غیب
مبرا خطا سے ہے بے شک وریب

الٰہی ہزاروں درود اور سلام
تو بھیج ان پر اور ان کی امت پہ عام (10)

☆

محمد باقر آگا (1745ئ/1806ئ)

جوں خدا کی حمد میں حیراں ہے عقل
یوں نبی کی نعت میں ناداں ہے عقل

احمدِ مرسل شہنشاہِ رسل
سرورِ عالم امامِ جزو کل

وحدت مطلق کے گہن کا آفتاب
خلق جس کے نور کا ہے ایک تاب

جب خلائق کوں ہوا اس سوں ظہور
اس سبب سوں حق رکھا نام اس کا نور

حق سوں ہر دم سو درود و سو سلام
نت اچھو تربت پو اس کی صبح و شام (11)

☆

غلام امام شہیدؔ (1799ئ/1879ئ)

مداح ہوں جناب رسالت پناہ کا
عرش بریں پہ گوشہ ہے میری کلاہ کا

محفل میں میری نغمہ سرائی سے شور ہے
ہر سمت آہ آہ کا اور واہ واہ کا

زیبا ہے مجھ کو فخر و ناز جس طرح کروں
دیکھو تو مدح خواں ہوں میں کس بادشاہ کا

دریائے فیض و جود ہے جس کے سامنے
تنکے سے کم ہے کوہ بھی گر گناہ کا

پیغمبروں کو فخر ہوا جس کی ذات سے
سردار ہی سے بڑھتا ہے رتبہ سپاہ کا

پیغمبروں کا شاہدِ عدل ہے وہ شہیدؔ
کیا مرتبہ ہے نامِ خدا اس گواہ کا (12)

☆

میر سید علی غمگینؔ

ظاہر و باطن ہے حمد و نعت ہر انسان کا
معنی و صورت یہ مطلع ہے میرے دیوان کا

ہے مرا ظاہر محمد اور باطن ہے خدا
قال یہ ہے حال کھونا اپنے ہے ایمان کا

رؤ بہ رؤ ہے پر اسے دیکھا نہیں جاتا ہے آہ

کیا کہوں میں حال اپنے حسرت و ارمان کا

بے سروسامانی کا اک ساماں ہے اے دل یادرکھ
کاروان عشق میں ہر بے سروسامان کا

معرفت پر اس کی حق کی معرفت موقوف ہے
مرتبہ ایسا ہے عالی حضرت انسان کا(13)

☆

مومن خان مومنؔ (م1852ئ)

زبانِ حال کہاں اور مدیحِ تاجِ خروس
گرا ہے خاک پہ کیا لعلِ افسرِ کاوس

ہوا ہے کون سی ایسی مگر مدینہ میں
دمِ مسیح کو ہے جس کی حسرتِ پابوس

شرف مدینہ کو جس سے ہے ہو نہ ہو وہ ہو
جسے بتاتے ہیں محبوبِ حضرتِ قدوس

وہ کون احمدِ مرسل شفیعِ ہر دوسرا
جو خلق کا سبب اور باعثِ معادِ نفوس

یہاں متاعِ شہنشاہِ آفتاب نشاں
فلک سریر و قمر طلعت و ملک ناموس(14)

☆

کرامت علی شہیدیؔ (م1256ھ/1840ئ)

ہے سورۂ والشمس اگر روئے محمد
واللیل کی تفسیر ہوئی موئے محمد

جب روئے محمد کی نظر آئی تجلی
سمجھا میں شبِ قدر ہے گیسوئے محمد

کم ساتھ ہوا روئے نکو خوئے نکو کا

ہے نیک مگر روئے صفت خوئے محمد

ہے سرمۂ کوری میں نہاں دیدۂ بد بیں
جس دن سے عیاں ہے رخِ نیکوئے محمد

ماہِ مہِ شوال سے عاشق کی نہیں عید
جب تک نظر آجائے نہ ابروئے
محمد(15)

☆

شیخ امام بخش ناسخ (م1838ئ)

دکھا اس کو جہاں میں غل ہے جس کی آمد آمد کا
الٰہی ہوں بہت مشتاق دیدار محمد کا

الٰہی ہوں بہت مشتاق دیدار محمد کا
نشانِ سایۂ احمد نشاں تصویر احمد کا

عبور اللہ نے اس کو دیا ہے علمِ باطن پر
لیا ہر چند ظاہر میں نہ درس ایک ابجد کا

کرے گا جب کہ وہ اتمام آکر حجتِ حق کو
زمانے میں رہے گا نام ملحد کا نہ مرتد کا

معانی قل ہو اللہ اَحد کے ہیں یہاں ناسخ
برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمد کا(16)

☆

میاں منشی عبدالعزیز عزیز صفی پوری

کیا رخِ سیدِ ابرار ہے اللہ اللہ
ہر طرف جلوۂ دیدار ہے اللہ اللہ
دن کو خورشید ہے اور رات کو ہے ماہ تمام
واہ کیا روئے پر انوار ہے اللہ اللہ
جب سے نرگس کو نظر آئی ہے وہ چشمِ سیاہ
جوشِ آشوب سے بیمار ہے اللہ اللہ
کیوں نہ ہو خلد میں مسجود ملائک آدم

عاشقِ احمدِ مختار ہے اللہ اللہ
گر خبر لیں وہ تو ہرگز نہیں رحمت سے بعید
اب تو دل غم سے بہت زار ہے اللہ اللہ
جی نہیں دیکھا میں جان سے پہچان لیا
بس وہی محرمِ اسرار ہے اللہ اللہ
ان کی فرقت میں جو آنکھوں سے بہیں خوں ہو کر
جان اس دل کی طلب گار ہے اللہ اللہ
شورِ محشر سے دو بالا ہے وہ بالائے بلند
حشر تو رفتۂ رفتار ہے اللہ اللہ

کیا عجب گر دلِ سرگشتہ کو سودا ہے عزیزؔ
ان کے کاکل میں گرفتار ہے اللہ اللہ

☆

مفتی کفایت علی کافیؔ مرادآبادی (م 1858ء)

عرش بریں ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خلد سرا بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کفیلِ کارِ امت آپ شفیعِ روزِ قیامت
ہیں بے حد احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مظہرِ رحمت مصدرِ رافت مخزنِ شفقت عینِ عنایت

ذاتِ محمد جانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رحمتِ عالم اس کا لقب ہے خلقتِ عالم کا وہ سبب ہے
ہے کیا عالی شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بہرِ شفاعت دردِ مصیبت اور برائے رنج وفلاکت
کافی ہے درمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (17)

☆

لطف علی خاں لطفؔ بدایونی (م 1881ء)

عشقِ محبوبِ خدا اے دل جسے حاصل نہیں
لاکھ مومن ہو مگر ایمان میں کامل نہیں

روح جنت کو نہ جائے گی مدینہ سے مری
ہوں میں شیدائے نبی حوروں پہ کچھ مائل نہیں

کر مجھے سیراب دیدارِ رسولِ پاک سے

آبِ کوثر کا خداوندا میں کچھ سائل نہیں

جان آسانی سے نکلے وقت مردن یا نبی
آپ کے نزدیک یہ مشکل مری مشکل نہیں

نشۂ عشق نبی نے یہ بنایا مجھ کو مست
یادِ حق سے ایک دم بھی دل مرا غافل نہیں

پھرتی ہے آنکھوں میں میری صورت پاک نبی
لطفؔ مجھ سا والضحیٰ کا خلق میں عامل نہیں (18)

☆

شیخ ابراہیم ذوقؔ (م1854ئ)

ہوا حمد خدا میں دل جو مصروف رقم میرا
الف الحمد رب العالمیں کا ہے قلم میرا
رہے نام محمد لب پہ یارب اول و آخر
الٹ جائے بہ وقتِ نزع جب سینے میں دم میرا
محبت اہلِ بیتِ مصطفیٰ کی نور بر حق ہے
کہ روشن ہوگیا دل مثل قندیلِ حرم میرا
دکھائی مجھ کو راہِ شرع اصحابِ پیمبر نے

چراغِ راہ ہے اکرامِ اصحابِ کرم میرا
کہیں شاہِ نجف کے عشق میں دل میرا ڈوبا تھا
کہ ہے دُرِّ نجف ہوکر چمکتا دُرِّ یم میرا
رہے گا دانہ افشاں مزرعِ امید بخشش میں
غمِ آلِ نبی ہے دانہ ہر اشکِ نم میرا

شہِ بغداد کا خطِّ غلامی ذوقؔ رکھتا ہوں
نہ کیوں دل اس خطِ بغداد سے ہوجامِ جم میرا (19)

☆

بہادر شاہ ظفرؔ (م1869ئ)

اے سرورِ دو کون شہنشاہ ذوالکرم
سرخیلِ مرسلین و شفاعت گرِ امم
موکب ترا ملائک و مرکب ترا براق
مولد ترا مکہ و معبد ترا حرام
رنگِ ظہور سے ترے گلشن رخِ حدوث
نورِ وجود سے ترے روشن دلِ قدم
ٹوٹا جو کفر قوتِ اسلام سے ترے
صد جائے سے شکستہ ہے [illegible]رِ موجِ یم

تو تھا سریرِ اوجِ رسالت پہ جلوہ گر
آدم جہاں ہنوز پسِ پردۂ عدم
صدقے زمیں کے ہوتا نہ پھر پھر کے آسماں
رکھتا سرِ زمیں نہ اگر اپنا تُو قدم
کرتا ہے تیرے اسمِ مبارک کو دل پہ نقش
اس واسطے عزیزِ جہاں ہوگیا درم
محروم تیرے دستِ مبارک سے رہ گیا
کیوں کر نہ اپنا چاک گریباں کرے قلم
قرآں میں جب کہ خود ہو ثنا خواں ترا خدا
کیا تاب پھر قلم کو جو کچھ کرسکے رقم
پہنچا نہ آستانِ مقدس کو تیرے میں
اس غم سے مثلِ چشمہ ہوئی میری چشمِ نم

تیری جنابِ پاک میں یہ ہے ظفرؔ کی عرض
صدقے سے اپنی آل کے اے شاہِ محتشم

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہؔ (م 1871ئ)

کیا تھا نور جب اللہ نے پیدا محمد کا
اسی دن سے ہوا ہے عاشق و شیدا محمد کا

نہ ہو ذکر مبارک آپ کا وردِ زباں کیوں کر
میں ہوں روزِ ازل سے عاشق و شیدا محمد کا

فرشتے قبر میں پوچھیں گے گر مجھ سے تو کہہ دوں گا
کہ ہوں بندہ خدا اور ہوں شیدا محمد کا

خدایا جب مرا اس قالبِ خاکی سے دم نکلے
زباں پر اس گھڑی جاری رہے کلمہ محمد کا

خیالِ مہر و مہ دل سے تو فوراً بھول جائے گا
نظر آجائے گا جس دم تجھے روضہ محمد کا

بشر کی تاب و طاقت کیا جو لکھے نعتِ احمد کو
خدا ہی جانتا ہے خوب بس رتبہ محمد کا

تمنا ہے کہ فوراً جاں بہ حق تسلیم ہوجاؤں
نظر آئے جو مجھ کو شیفتہؔ روضہ محمد کا (20)

☆

پیشِ نظر ضمنی باب میں یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ زبان و بیان کے ساتھ اردو نعت گوئی کا فن بھی ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا سلاست وفصاحت، فطری حُسن، سادگی اور دل کشی میں اضافہ کرتا ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور فخرِ دین نظامی نے اردو نعت گوئی کی جس روایت کا آغاز کیا تھا اُسے مزید آگے بڑھانے میں دورِ متوسطین کے شعرا کافی خلوص وللّٰہیت سے نعت گوئی کی روایت کو استحکام عطا کرنے کے لیے نئی جدتیں اختیار کرتے ہیں۔ اور تحقیق ومطالعہ کی روشنی میں اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ دورِ متوسطین کے شعرا سوداؔ، فاضلؔ، میر حسنؔ، میرؔ، جرأتؔ، انشاؔ، نیازؔ بریلوی، رنگینؔ، غمگینؔ، مومنؔ، شہیدیؔ، ناسخؔ، خاموشؔ، عزیزؔ صفی پوری، کافیؔ، لطفؔ، ذوقؔ، ظفرؔ اور شیفتہؔ وغیرہ اپنی کوششوں سے زبان و بیان سے اردو نعت گوئی کو

وسعت دیتے ہیں۔تشبیہات ،استعارات اور محاورات کا استعال کرتے ہوئے نعت کو مختلف اصناف غزل، رباعی، قصیدہ، مرثیہ وغیرہ کے فارم میں لکھ کر اس کو صنفی حیثیت دیتے ہیں۔غرض یہ کہ فنِ نعت گوئی اس دور میں اپنے ارتقائی سفر کی ایک تہائی مدت طے کر لیتی ہے۔

حواشی

(1) رفیع الدین اشفاقؔ، ڈاکٹر: اردو میں نعتیہ شاعری، 1976ئ، اردو اکیڈمی، کراچی، ص 184/183

(2) محمود شیرانی: پنجاب میں اردو، اردو اکیڈمی، اتر پردیش، لکھنو، ص 243

(3) ساجد صدیقی-والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنو، ص 72/79/73

(4) طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر: اردو کی نعتیہ شاعری، ص 37/36/39/38

(5) شاہ محمد عبدالغنی نیازی، پروفیسر: مخزن الخزائن، 1990ئ، محل پبلیکیشنز، دہلی، ص 205

(6) قلی قطب شاہ: انتخابِ کلامِ قلی قطب شاہ، مرتبہ: سیدہ جعفر، 1989ء، یو۔پی۔اردو اکیڈمی، لکھنو، ص

38/32

(7) ساجد صدیقی-والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنو، ص 80

(8) رفیع الدین اشفاقؔ، ڈاکٹر: اردو میں نعتیہ شاعری، 1976ئ، اردو اکیڈمی، کراچی، ص 168

(9) نقوش: رسول نمبر ج 10 جنوری 1984ء، ادارۂ فروغ اردو، لاہور، ص 483/481

(10) گلبن: نعت نمبر، احمد آباد 1999ئ، ص 87

(11) طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر: اردو کی نعتیہ شاعری، ص 41

(12) سید شمیم گوہرؔ، ڈاکٹر: نعت کے چند شعرائے متقدمین، الٰہ آباد، ص 31

(13) ساجد صدیقی-والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنو، ص 86

(14) طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر: اردو کی نعتیہ شاعری، ص 43

(15) رفیع الدین اشفاقؔ، ڈاکٹر: اردو میں نعتیہ شاعری، 1976ئ، اردو اکیڈمی، کراچی، ص 228

(16) ساجد صدیقی-والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنو، ص 82

(17) نقوش: رسول نمبر ج 10 جنوری 1984ء، ادارۂ فروغ اردو، لاہور، ص 572/681

(18) سید شمیم گوہرؔ، ڈاکٹر: نعت کے چند شعرائے متقدمین، الٰہ آباد، ص 60/59

(19) گلبن: نعت نمبر، احمد آباد 1999ئ، ص 88

(20) ساجد صدیقی-والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنو، ص 97/96

{............}

3: تیسرا دور (متاخرین نعت گوشعرا)

(1308ھ/1890ء سے مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی تک)

اردو نثر و نظم کی ہمہ جہت و ہمہ گیر ترقی و نشو نما کیلئے اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی عیسوی کو عہد زریں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔بالخصوص اٹھارہویں صدی کے نصف آخر سے

انیسویں صدی کے اختتام تک شعروادب میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے گئے اور ایسی نابغۂ روزگار ہستیاں جلوہ گر ہوئیں جن کا شمار ان اشخاص میں کیا جاتا ہے جو زبان کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بناتے ہیں۔ جو زبان کی زلفِ پریشاں اور مقدر سنوارتے ہیں۔ یہ تمام سرفروش مجاہدینِ اردو وہ تھے کہ جنہوں نے زبان کی تاریخ میں حیرت انگیز اور تعجب خیز ابواب کا اضافہ کیا ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں کے ارتقائی عمل کو اگر سامنے رکھا جائے تو وہ بڑی دشوار گذار منزلوں سے گذر کر سیکڑوں سال بعد ترقی کے اوج ثریا پر پہنچے ہیں۔ لیکن اردو کے ارتقا کی تاریخ سو سال سے بھی کم مدت کو محیط ہے۔

ولیؔ دکنی نے جس شجرِ ستودہ صفات کی آب یاری کی تھی۔ جب اس درخت کی شاخیں شمالی ہند پہونچیں تو دیکھتے ہی دیکھتے پورا لسانی نظام اتھل پتھل ہو گیا جو لوگ فارسی زبان وادب میں دادِ سخن لینے اور دینے کا کام انجام دے رہے تھے وہ سب کے سب دکنی، ہندوی یا اردو زبان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اگر چہ امیر خسروؔ، حاتمؔ، آرزوؔ، آبروؔ، قائمؔ، شاکرناجیؔ اور مرزا مظہرؔ جان جاناں بنیادی طور پر فارسی سے دل چسپی رکھتے تھے۔ لیکن یک جنبشِ قلم یہ سب اردو کے زمرے میں داخل ہو گئے۔ ولیؔ کی بازگشت گویا ایک ایسی بادِ صرصر تھی جس نے ان اوراق کو الٹ دیا جس پر فارسی درج تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ فارسی رابطے کی زبان اور علمی زبان کے طور پر قائم ودائم رہی۔ علماو فضلا پیدا کرتی رہی لیکن فکری اور تجرباتی اظہار کیلئے اردو کا روشن چہرہ نمایاں ہو گیا۔ جسے ہم اردو کے ارتقا اور عروج کے عہدِ زرّیں سے معنون کرتے ہیں۔

اٹھارہویں صدی کے نصف اول تک ولیؔ سے براہ راست متاثر افراد کا دور دورہ رہا ان میں مظہرؔ جان جاناں، شاکرناجیؔ، حاتمؔ، آبروؔ، قائمؔ، آرزوؔ وغیرہ کے نام خصوصیت سے لیے جاتے ہیں۔ لیکن اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں زبان کی زمام میر تقی میرؔ، خواجہ میر دردؔ، سوداؔ اور یقینؔ وغیرہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لی؛ یہ لوگ اس انقلاب سے پوری طرح واقف تھے جو صرف پچاس برس کے مختصر سے وقفہ میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ فکر، نظریہ، نقطۂ نگاہ اور اندازِ بیاں سب کچھ تبدیل ہو گیا تھا یہ تغیرات کس طرح وقوع پذیر ہوئے ان سے بھی ہمارے قافلۂ سالار واقفیت رکھتے تھے۔ وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ اور باخبر تھے کہ یہ عظیم الشان

انقلاب صرف ایک شخص کی تنہا کوششوں کا مرہون منت ہے وہ کام جس کے لیے سفینے درکار تھے اس کام کو صرف ایک فن کار نے اپنے انجام تک پہونچایا اور یہ فن کار ولیؔ دکنی کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا اس صداقت کا اظہار شاعر میرؔ ان الفاظ میں کرتے ہیں ؎

آیا نہیں کچھ یوں ہی اندازِ غزل ہم کو
معشوق جو اپنا تھا باشندۂ دکن تھا

میرؔ کے مذکورہ شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ **1700**ء سے لیکر **1750**ء تک شمالی ہند میں لسانی سطح پر جو تغیرات وتبدلات واقع ہوئے وہ قابلِ دید تھے۔ **1750**ء سے **1800**ء تک وساطؔ، سوداؔ، میر دردؔ، نظیرؔ اور ان کے ہم عصروں کے آتے ہی فورٹ ولیم کالج کے قیام نے اردو کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات کو "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے" کے مصداق سمجھا جاسکتا ہے۔

وہ عہد جو انیسویں صدی میں شروع ہوا، اس نے نثر ونظم کی یک ساں ترقی کی طرف توجہ دی۔ ورنہ مشرقی زبانوں میں یہ ایک بڑا سقم ہے کہ وہ نثر سے عام طور پر کسی دل چسپی کا اظہار نہیں کرتیں۔ لیکن انیسویں صدی اتنی مبارک تھی کہ اس نے کاروبارِ حیات کی تفہیم کرنے والی زبان پر اپنی توجہ مرکوز کر دی چناں چہ میر امنؔ دہلوی کی "باغ وبہار" اور فورٹ ولیم کالج کے زیر اثر لکھی جانے والی کتابوں نے اردو نثر کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ اس طرح کی صورتِ حال کا اندازہ عمل اور ردعمل سے لگایا جاسکتا ہے۔ جس کے ثبوت میں رجب علی بیگ سرور کی "فسانۂ عجائب" کو پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ جو "باغ وبہار" کے منظرِ عام پر آنے کے چوبیس سال بعد اس کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ لیکن جواب تو کجا "باغ وبہار" کے اسلوب بیان اور پُرکشش انداز کو ماند نہ کر سکی۔

ہم جس دور کا ذکر کر رہے ہیں وہ شاعری کی دنیا میں غالبؔ اور ان کے عظیم ہم عصروں کا دور تھا، وہ دور آتشؔ، ناسخؔ، اور دوسرے لکھنوی شعرا سے متصل تھا۔ ایسا نہیں کہ غالبؔ کا عہد، میرؔ اور سوداؔ کے فوراً بعد شروع ہوا بل کہ ناسخؔ وآتشؔ اور شاہ نصیرؔ دہلوی درمیان کی کڑی تصور کیے جاتے تھے۔

جس زمانے میں باغ وبہار اور فسانہ عجائب کا مناقشہ معرضِ وجود میں آیا اس وقت غالبؔ اور ان کے ہم عصر صرف شاعری کے میدان کو فکر وفن کی وسعت عطا کر رہے تھے۔ نثر کی

طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ 1850ء کے لگ بھگ جب اپنے خطوط کے ذریعے غالبؔ میدانِ نثر میں قدم رنجہ ہوئے تو دنیائے نثر کے زمین و آسمان بدل کر رہ گئے، سرسیدؔ، حالیؔ، شبلیؔ، غلام غوث بے خبرؔ، میر مہدی مجروحؔ وغیرہ نے اردو زبان کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر دورِ جدید کے رست وخیز کے حوالے کر دیا۔ یہ دراصل اردو کی ترقی کا اجمالی تعارف ہے۔

یہ سچ ہے کہ اردو زبان کی ہمہ جہت ترقی جس میں نثر و نظم دونوں شامل ہیں، انیسویں صدی کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ مندرجہ بالا سطور میں جن تصورات کو اجمالی طور پر بیان کرنے کی چھوٹی سی کاوش ہے۔ اس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بہ بطور صنفِ شاعری اسی دور میں نعت گوئی نے بھی بے پایاں ترقی کی۔ گویا شاعری کے رجحانات میں جب وسعت پیدا ہوئی تو نعت بھی شامل تھی۔ غالبؔ نے اپنی بہترین نعتیں اگرچہ فارسی ہی میں پیش کیں لیکن اہلِ نظر جانتے ہیں کہ ان نعتوں میں عصری حسیت اور وسعت مکانی ہے وہ اسی دور کی دین ہے۔ یعنی انیسویں صدی میں جو معاشرتی، سیاسی، اخلاقی، تہذیبی اتھل پتھل ہو رہی تھی اس نے خیالات و جذبات، رجحانات اور فکری پیمانوں کو اور خود زبان و ادب کو نت نئی جہات سے آشنا کیا۔ یہ عہد نعت گوئی کا عہدِ زرّین کہلاتا ہے۔ کیوں کہ رسول اکرم ﷺ کو دکھے دلوں سے یاد کرنے اور آواز دینے، استغاثہ و فریاد کرنے کا موقع اس دور سے پہلے اسلامیانِ ہند کے سامنے اس قدر کبھی بھی نہیں تھا۔ اہل بصیرت یہ دیکھ رہے تھے کہ سلطنت مغلیہ کا چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ آٹھ سو سالہ مسلم اقتدار خطرے میں ہے اور عزت و وقار کا عنقریب خاتمہ ہونے والا ہے۔ چناں چہ ان ناگفتہ بہ حالات میں نعت گوئی نے خاصی ترقی کی اور انیسویں صدی نعت گوئی کا عہدِ زرین بن گئی۔ قلب وروح کی بے قراری کو قرار عطا کرنے اور سکون واطمینان فراہم کرنے میں نعت گوئی ایک محرک ذریعہ بن گئی۔ دراصل کرب و ابتلا انسان کو اللہ کے قرب سے آشنا کرتے ہوئے اس کو نبی پاک کی آغوش رحمت میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے حالات نے روح وقلب کی گہرائیوں سے اہل بصیرت کو حمد و نعت کا نذرانہ پیش کرنے پر مجبور کیا۔

دورِ متاخرین میں نعتیہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ دور نعتیہ شاعری کے عروج واقبال کا دور تھا۔ اس دور میں نعتیہ شاعری کے دو اہم ستون سامنے آئے مثلاً: امیرؔ مینائی اور محسنؔ کاکوروی۔ صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو نعت گوئی اپنے تشکیلی عہد سے نکل

کر انھیں دونوں حضرات تک پہنچ کر تکمیلِ فن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ امیرؔ مینائی اور محسنؔ کاکوروی کے ساتھ ساتھ شبلیؔ نعمانی، الطاف حسین حالیؔ، نظمؔ طباطبائی، مومنؔ، داغؔ، احمد رضاؔ بریلوی، حسنؔ رضا بریلوی، اقبالؔ، اسماعیل میرٹھی، حافظؔ پیلی بھیتی، ضیاؔ القادری بدایونی، حسنینؔ رضا بریلوی اور مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی وغیرہ ان افراد کی طویل فہرست کے چند اسمائے گرامی ہیں، جنھوں نے قلبِ مضطر کے جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں نذرانۂ نعتِ عقیدت پیش کیا اور نعت گوئی کو انتہائی عروج وکمال تک پہونچا دیا۔

ان شعرائے نعت کی نعت گوئی اس لیے نئی جہتیں رکھتی ہیں کہ ان میں رسمی نعت گوئی کا انداز نظر نہیں آتا بل کہ ان لوگوں نے اپنے عہد کے پس منظر میں نعت گوئی کے فن کو ایک نئی جہت سے آشنا کیا۔ ان کی نعت گوئی میں اس دور میں رونما ہونے والے واقعات، حادثات، حالات اور انقلابات کی عکاسی ملتی ہے۔ ان حضرات نے نعت گوئی کو حصول برکت کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کے مضمحل قلوب کے تئیں مرہم کا کام کیا اور ان کے زخموں کا مداوا بن کر سکونِ قلب بخشا۔ کیوں کہ اس عہد میں مسلم قوم پر جو جبر و تشدد تھا اس سے یہ شعرائے کرام پوری طرح واقف تھے۔ چناں چہ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی نعت گوئی میں فریاد وفغاں کا رنگ غالب ہے، حالیؔ کا مطلع ؎

اے خاصۂ خاصان رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آج عجب وقت پڑا ہے

مذکورہ شعر درحقیقت قلبِ مضطر کی ایک ایسی پُر تاثیر صدا ہے جو ہر دعا گو کو اپنے ساتھ لیتی ہے یہ محض اتفاقی شاعری نہیں بلکہ پوری نعت اسی کرب و درد اور فکر و نظر کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ایک مربوط فغاں ہے جو امت مسلمہ کے عروج وزوال کی کہانی سنا رہی ہے ؎

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
فریاد ہے اے کشتیِ امت کے نگہبان
بیڑا یہ تباہی کے قریب آ کے لگا ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں

اس کی ہی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آن پڑا ہے
امت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن
دلدادہ ترا ایک سے ایک ان میں سوا ہے
ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر میں تمہارے
نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے

اسی طرح مذکورہ تاثر سے عبارت امام احمد رضا محدث بریلوی کی یہ نعت بھی اسی فریاد وفغاں اور کرب وکسک کی آئینہ دار ہے۔ جس کے ایک ایک شعر سے اس عہد کے امت مسلمہ کے حالات کرب ودرد کی عکاسی ہوتی ہے ؂

غم ہوگئے بے شمار آقا — بندہ تیرے نثار آقا
بگڑا جاتا ہے کھیل میرا — آقا آقا سنوار آقا
منجدھار میں آکے ناو ٹوٹی — دے ہاتھ کہ ہوں پار آقا
ٹوٹی جاتی ہے پیٹھ میری — للہ یہ بوجھ اتار آقا
مجبور ہیں ہم تو کیا فکر ہے — تم کو تو ہے اختیار آقا
مجھ سا کوئی غم زدہ نہ ہوگا — تم سا نہیں غم گسار آقا

اتنی رحمت رضاؔ پہ کرلو
لا یَقرَبُہُ البَوار آقا

متذکرہ دونوں کلام کی روشنی میں جب مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو من وعن وہی تاثر ملتا ہے۔ مثلاً آپ کے نعتیہ اشعار نشانِ خاطر ہوں ؂

زخم پہ زخم یہی کھائے یہی قتل بھی ہو
خونِ مسلم کیا ابھی اور بھی ارزاں ہوگا
بھیڑیوں کا ہے جنگل نہیں کوئی راعی
بھولی بھیڑوں کا شہا کون نگہباں ہوگا

ظلم پر ظلم سہے اور سزائیں بھگتے
اور اُف کی تو تہِ خنجرِ براں ہوگا
یہی اندھیر اگر اور بھی کچھ روز رہا
تو مسلماں کا نشاں بھی نہ نمایاں ہوگا
صبح روشن کی سیہ بختی سے اب شام ہوئی
کب قمر نور دہِ شامِ غریباں ہوگا

اغثنا حبیب الالٰہ اغثنا

تباہی میں بیڑا ہمارا پھنسا ہے
یہ سچ ہے بد اعمالیوں ہی نے اپنی
ہمیں روزِ بد یہ دکھایا شہا ہے
بہت نام لیوا ہوئے قتل و غارت
خبر کیا نہیں تم سے کیا کچھ چھپا ہے
تصور میں بھی جو نہ تھے وہ مظالم
ہوئے اور ابھی تک وہی سلسلا ہے
نہ دیکھا تھا جو چشمِ گردوں نے اب تک
ترے بندوں نے وہ ستم اب سہا ہے
چھنے مال و دولت ہوئے قتل وغارت
ہزاروں کا ناموس لوٹا گیا ہے
لکھو کھا کیے ٹھنڈے سفاکیوں سے
مگر ظالم اب تک بھی گرما رہا ہے
جو حق چاہتا ہے یہ وہ چاہتے ہیں
جو یہ چاہتے ہیں وہ حق چاہتا ہے
مگر مولیٰ اب تو سزا پا چکے ہم
کرم کیجیے اب یہی التجا ہے

نکو کار بندے ہی کیا ہیں تمہارے
یہ بدکار بھی آپ ہی کا شہا ہے
نہ کی جے نظر اس کی بدکاریوں پر
کرم کیجیے جو شعار آپ کا ہے
جو پہلے تھے آقا، غلام آج ٹھہرے
غلام اپنے آقا کا آقا بنا ہے

متاخرین نعت گوشعرا کے کلام کا انیسویں صدی کے نصف آخر سے نعت گوئی کا جو فکری کارواں روانہ ہوا یہ پورے شعور وآگہی کے ساتھ اپنا سفر طے کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور اس نے پوری فکر وآگہی اور دردمندی کے ساتھ اپنے فکر وخیال کو ایک امانت کی طرح بیسویں صدی کے شاعروں کو سونپ دیا۔

داغؔ، اقبالؔ، حالیؔ، احمد رضا بریلوی، حسنؔ بریلوی، امیرؔ مینائی، محسنؔ کاکوروی، اور نظم طباطبائی پیدا تو انیسویں صدی کے نصف اول میں یا اس کے آس پاس ہوئے تھے لیکن ان سب کے نعتیہ افکار ور جحانات نے بیسویں صدی کو اپنا نورِ بصیرت یقینا عطا کیا ہے۔ اور اس نورِ بصیرت سے اپنی زنبیل حیات کو تاب ناک کر کے نعت گوئی میں اپنا مقام بنانے والوں میں یہ افراد بھی ناقابلِ فراموش ہیں: ظفرؔ علی خاں، ریاضؔ خیر آبادی، جمیلؔ بریلوی، نعیم الدین نعیمؔ مرادآبادی، حسنینؔ رضا بریلوی، سید محمد کچھوچھوی، امجدؔ حیدرآبادی، آسیؔ غازی پوری، سیمابؔ اکبرآبادی، احسنؔ مارہروی اور مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی وغیرہ۔ لہٰذا اس پس منظر میں اب تیسرے دور کے نعت گوشعرا کے کلام کا انتخاب پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا

امیرؔ مینائی لکھنوی (م 1900ئ)

نامِ عاصی داخلِ فردِ شفاعت ہوگیا
خاتمہ بالخیر احمد کی بہ دولت ہوگیا
مرغِ عصیاں اڑ کے صیدِ بازِ رحمت ہوگیا

دنگ شاہینِ ترازوے عدالت ہوگیا
گرمیِ خورشیدِ محشر سے حاصل ہو نجات
شامیانہ سر پہ میرے ابر رحمت ہوگیا
آلِ احمد کی محبت کا چبھا تھا دل میں خار
بڑھ کے محشر میں کلید باب جنت ہوگیا
جم گیا جو دل میں مشق معاصی کا غبار
سرمہ بہر دیدۂ عین عنایت ہوگیا
واہ ری رحمت جو رکھا پاوں بالائے صراط
دستگیری امن نے کی خوف رخصت ہوگیا
جس علم کے نیچے پائی فیض احمد سے جگہ
میری بے جرمی پہ انگشت شہادت ہوگیا
دفعتاً صورت بدل کر بن گئی امید یاس
خار زار رنج فرش خواب راحت ہوگیا
تشنگی میں کوثر و تسنیم کے چشموں پہ ہم
اس طرح پہنچے کہ رضواں غرقِ حیرت ہوگیا
صبح محشر جلد چھٹکارا ملا ہم کو امیرؔ
مہر کیا چمکا کہ تاباں مہر قسمت ہوگیا (1)

☆

محسنؔ کاکوروی (م 1905ئ)

کیا جھکا کعبے کی جانب کو ہے قبلہ بادل
سجدہ کرتا ہے سوے یثرب و بطحا بادل
چھوڑ کر ے کدۂ ہند و صنم خانۂ برج
آج کعبے میں بچھائے ہے مصلا بادل
سبزۂ چرخ کو اندھیاری لگا کر آیا

شہِ سوارِ عرَبی کے لیے کالا بادل
بحرِ امکاں میں رسول عربی دُرِّیتیم
رحمت خاص خداوند تعالیٰ بادل
قبلۂ اہل نظر کعبۂ ابروے حضور
موے سر قبلے کو گھیرے ہوئے کالا بادل
رشک سے شعلۂ رخسار کے روتی ہے برق
برق کے منہ پہ ہے رکھے ہوئے پلا بادل
آمدورفت میں تھا ہم قدم برق براق
مرغ زار چمن عالم بالا بادل
ہفت اقلیم میں اس دیں کا بجایا ڈنکا
تھا تری عام رسالت کا گرجتا بادل
دین اسلام تری تیغ دودم سے چمکا
یا اٹھا قبلے سے دیتا ہوا کاندھا بادل
تو وہ فیاض ہے کہ در پہ ترے سائل کی طرح
فلکِ پیر کو لایا دیے کاندھا بادل
تیغ میدان شجاعت میں چمکتی بجلی
ہاتھ گل زارِ سخاوت میں برستا بادل
محسنؔ اب کیجیے گل زارِ مناجات کی سیر
کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل (2)

داغؔ دہلوی (م)

تو جو اللہ کا محبوب ہوا خوب ہوا

یا نبی خوب ہوا خوب ہوا خوب ہوا
شبِ معراج یہ کہتے تھے فرشتے باہم
سخنِ طالب و مطلوب ہوا خوب ہوا
اے شہنشاہِ رسل فخرِ رسل ختمِ رسل
خوب سے خوب خوش اسلوب ہوا خوب ہوا
حشر میں امتِ عاصی کا ٹھکانا ہی نہ تھا
بخشوانا تجھے مرغوب ہوا خوب ہوا
حسنِ یوسف میں ترا نور تھا اے نورِ خدا
چارۂ دیدۂ یعقوب ہوا خوب ہوا
تھے سبھی پیشِ نظر معرکۂ کرب و بلا
صبر میں ثانیِ ایوب ہوا خوب ہوا

داغؔ ہے روزِ قیامت مری شرم اس کے ساتھ
میں گناہوں سے جو محجوب ہوا خوب ہوا (3)

☆

سید شاہ ابوالحسین نوریؔ مارہروی (م1344ھ)

(مرشدِ باوقار مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی)

جہان و جان ہیں قربانِ محمد

جہانِ جاں ہے ہر آنِ محمد ﷺ
ہمارے واسطے ہے نعمتِ خلد
کہ ہم ہیں زلّہ خوارانِ محمد ﷺ
محمد خاص بندہ ہے خدا کا
خدا کے بعد ہے شانِ محمد ﷺ
محمد شافعِ روزِ جزا ہے
یہی کہتا ہے قرآنِ محمد ﷺ
ملائک پر نہ کیوں کر ہو بزرگی
کہ ہے جبریل دربانِ محمد ﷺ
تمنا باغِ جنت کی یہی ہے
کہ ہو وقفِ غلامانِ محمد ﷺ
محمد کی صفت قرآن میں آئی
سمجھ لو اس سے تم شانِ محمد ﷺ
خدا نے نور سے اپنے بنایا
یہیں سے جان لو شانِ محمد ﷺ

ثنائے پاک نوریؔ کس طرح ہو
کہاں ہم اور کہاں شانِ محمد ﷺ (4)

☆

خواجہ الطاف حسین حالیؔ (م 1914ئ)

یَا مَلَکِیَ الصِّفاتِ یا بَشَرِیَ القوی

فیک دلیلُ عَلیٰ انّک خیرالوریٰ

تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسے کہ باراں سے خاک
خُلقُکَ خَصفُ الزّماں بعثُک فحیُ الوری

دعوا روشن ترا ثابت بے بینہ
صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گواہ

گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جدا
شان رسالت کی تھی تیری جبیں سے عیاں

گلہ بنی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو
گلۂ آدم تجھے سونپ چکی تھی قضا

خاک تھی جس ملک کی مزرعِ شرّ و فساد
تو نے اسی کو دیا ارضِ مقدس بنا

☆

مولانا شبلی نعمانی (م 1914ئ)

جب کہ آمادۂ خوں ہوگئے کفارِ قریش

لاجرم سرورِ عالم نے کیا عزمِ سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز
گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور
اک فقط حضرتِ بوبکر تھے ہم راہِ رکاب
کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر
چوں کہ سو اونٹوں کا انعام تھا قاتل کے لیے
آپ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالبِ زر
انہیں لوگوں میں سراقہ خلفِ جعشم تھے
جن کو فاروق نے کسرا کے پنھائے تھے گہر
تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں
تھا جہاں عقرب و افعی کی حکومت کا اثر

بیمِ جاں ، خوفِ عدو، ترکِ غذا ، سختیِ راہ
ان مصائب میں ہوئی اب شبِ ہجرت کی سحر

☆

مولانا اسماعیل میرٹھی (م 1917ئ)

خلیلِ حق کی تھی جو اشارت
اور ابنِ مریم کی جو بشارت
ظہورِ احمد سے تھی عبارت
سمجھ گئے صاحبِ بصارت

کہ اب گری کفر کی عمارت
گھٹے گی فارس کی اب حرارت
مٹے گی اب روما کی شرارت
لٹے گی اب مصر کی امارت
خزانہ ہرقل کا ہوگا غارت
بڑھے گی تقوا بھی اور طہارت
ہے باغِ اسلام کی نضارت
نیا ہے سلطاں نئی وزارت
اور اس کے احبابِ اتقیا پر
وہ فخرِ آدم امانِ عالم
امینِ محکم رسولِ اکرم
محیطِ اعظم زغیبِ ملہم
بوحیِ محرم شہِ مسلّم
عرب کے اندر وہی معظم
عجم کے اندر وہی مکرم
لگا کے آدم سے تا بہ ایں دم
ظہور اس کا ہے بعدِ آدم
وجود اس کا مگر مقدم
وہ نورِ حق تھا ولے مجسم
کیا مدینے کو سبز و خرم
درودِ محمود بھیج پیہم

اکبر الٰہ آبادی (1846ئ/1921ئ)

مدیحِ سرورِ کونین میں خامہ اٹھاتا ہوں

خیالِ کفر کی ظلمت پہ اک بجلی گراتا ہوں
شبِ اوہام ہے، شمعِ یقیں محفل میں لاتا ہوں
چراغِ طورِ ایمن کوہِ معنی پر جلاتا ہوں
الٰہی شوخیِ برق تجلی دہ زبانم را
قبول خاطر موسیٰ نگاہاں کن بیانم را
محمد پیشوا اور رہنماے خلق و عالم ہیں
معزز ہیں مقدس ہیں معظم ہیں مکرم ہیں
فروغِ محفلِ ہستی میں نورِ عرشِ اعظم ہیں
حبیبِ حق ہیں ممدوحِ ملک ہیں فخرِ آدم ہیں
انہیں کے رنگ سے رنگِ گلِ ہستی کی زینت ہے
انہیں کی بو سے عطر آگیں بنی آدم کی طینت ہے
انہیں کے دل کی آگاہی ہوئی تھی رازِ فطرت پر
انہیں کی طبع کو وجد آگیا تھا سازِ فطرت پر
وہی چشمِ خدا بیں محو تھی اندازِ فطرت پر
انہیں کا ناز غالب آگیا تھا نازِ فطرت پر
وقائع ان کے عزم وفکر کے سانچے میں ڈھلتے ہیں
ذرائع غیب سے تکمیلِ مقصد کو نکلتے ہیں

☆

حاجی امداداللہ مہاجر مکّی

کرکے نثار تم پر گھر بار یارسول

اب آپڑا ہوں آپ کے دربار یارسول

عالم نہ متقی ہوں نہ زاہد نہ پارسا
ہوں امتی تمہارا گنہ گار یارسول

دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپ کا
کیا غم ہے گرچہ میں ہوں بہت خوار یارسول

ذات آپ کی تو شفقت ورحمت ہے سر بہ سر
میں گرچہ ہوں تمام خطاوار یارسول

کیا ڈر ہے اس کو لشکرِ عصیان و جرم سے
تم سا شفیع ہو جس کا مددگار یارسول

ہو آستانہ آپ کا امدادؔ کی جبیں
اور اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یارسول (7)

☆

علامہ حسن رضا خان حسنؔ بریلوی (م 1326ھ/1908ئ)

(عم محترم مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی)

دل میں ہو یاد تری گوشۂ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

آستانہ پہ ترے سر ہو اجل آئی ہو
اور اے جانِ جہاں تو بھی تماشائی ہو
خاکِ پامالِ غریباں کو نہ کیوں زندہ کرے
جس کی دامن کی ہوا بادِ مسیحائی ہو
اس کی قسمت پہ فدا تختِ شہی کی راحت
خاکِ طیبہ پہ جسے چین کی نیند آئی ہو
اک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو
وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو
آج جو عیب کسی پر نہیں کھلنے دیتے
کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رسوائی ہو
کیوں کریں بزمِ شبستانِ جناں کی خواہش
جلوۂ یار جو شمعِ شبِ تنہائی ہو
یہی منظور تھا قدرت کو کہ سایا نہ بنے
ایسے یکتا کے لیے ایسی ہی یکتائی ہو
جب اٹھے دستِ اجل سے مری ہستی کا حجاب
کاش اس پردہ کے اندر تری زیبائی ہو
کبھی ایسا نہ ہوا ان کے کرم کے صدقے
ہاتھ کے پھیلنے سے پہلے نہ بھیک آئی ہو
بند جب خوابِ اجل سے ہوں حسنؔ کی آنکھیں
اس کی نظروں میں ترا جلوۂ زیبائی ہو(8)

امام احمد رضا خان بریلوی (م1340ھ/ 1921ئ)

(والد محترم مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی)

گزرے جس راہ سے وہ سیّدِ والا ہوکر
رہ گئی ساری زمیں عنبرِ سارا ہوکر
رُخِ انور کی تجلّی جو قمر نے دیکھی
رہ گیا بوسہ دہِ نقشِ کفِ پا ہوکر
وائے محرومیِ قسمت کہ پھر اب کی برس
رہ گیا ہم رہِ زوّارِ مدینہ ہوکر
چمنِ طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغِ سدرہ
برسوں چہکے ہیں جہاں بلبلِ شیدا ہوکر
صرصرِ دشتِ مدینہ کا مگر آیا خیال
رشکِ گلشن جو بنا گلشنِ دل وا ہوکر
گوشِ شہ کہتے ہیں فریاد رسی کو ہم ہیں
وعدۂ چشم ہے بخشائیں گے گویا ہوکر
پائے شہ پر گرے یارب تپشِ مہر سے جب
دلِ بے تاب اڑے حشر میں پارا ہوکر

ہے یہ امید رضاؔ کو تری رحمت سے شہا
نہ ہو زندانِ دوزخ ترا بندہ ہوکر(9)

☆

مولانا جمیل الرحمن جمیلؔ بریلوی

دل کہتا ہے ہر وقت صفت ان کی لکھا کر
کہتی ہے زباں نعت محمد کی پڑھا کر

اے ابرِ کرم بارشِ رحمت تری ہوجائے
ہوجائیں گنہ گار ابھی پاک نہاکر
کیا دور ہے سرکارِ مدینہ کے کرم سے
تھوڑی سی جگہ دیں ہمیں طیبہ میں بلاکر
اے بادِ صبا اتنا کرم بہر خدا کر
لے جا تو مدینہ کو مری خاک اڑا کر
کیا مہرِ قیامت ہمیں دکھلائے گا تیزی
سرکار رکھیں گے ہمیں دامن میں چھپاکر
اک جام مَیِ عشق کا بندہ کو پلا کر
یا شاہِ عرب اپنی محبت میں فناکر
ہے نازوں کی پالی ہوئی یہ امتِ عاصی
مولا! یہ کہیں گے کہ رہا اس کو خدا کر
ہے کون وہ دولت جو نہ دی ان کو خدانے
وہ کون سی شَے ہے جو رکھی ان سے چھپاکر
جو خلد نہ چاہیں گے مدینہ کے عوض میں
لے جائیں گے رضواں انھیں جنت میں مناکر

وہ روز جمیلِؔ رضوی کو ہو میسّر
کچھ نعت پڑھیں روضۂ سرکار پہ آکر(10)

☆

نظم طباطبائی(1933ئ)

حرا پر یہ تجلی کس کے جلوے کی نظر آئی
ہوئی گُل آتشِ زرتشت شمعِ طور شرمائی
جو پایا ناشناس اہلِ جہاں کو شاہِ بطحا نے
تو بس آئینۂ زانو سے پیدا کی شناسائی
رہے غارِ حرا میں مہرِ انور ایک مدت تک
پسندِ طبع تھی عزلت شریکِ حال تنہائی
نہ تھا جز ذکرِ حق دنیا ومافیہا سے کچھ مطلب
اسی عالم میں گذرا عالمِ طفلی و برنائی
قدم چالیسویں منزل میں اس یوسف نے جب رکھا
تو پہونچا کاروانِ وحی آوازِ جرس آئی
عجب آہنگ تھی جس نے جگایا بھی سلایا بھی
کہ دل جاگ اٹھا آنکھوں میں غفلت کی نیند چھائی
ہوا سینے میں اس سے موج زن اک لجۂ عرفاں
کہ تاب اس جزر و مد کی فطرتِ انساں نہیں لائی
بڑھا جوش اس کا بڑھ کر ساحلِ افلاک تک پہونچا
اٹھی موج اس سے اٹھ کر عرش کی زنجیر کھڑکائی

ہوئیں جاری زباں پر آیتیں وہ نور کی جس پر
فدا ہو لحنِ داؤدی و انفاسِ مسیحائی(11)

☆

حضرت سید شاہ علی حسین اشرفیؔ میاں کچھوچھوی(م1355ھ)

کھو گئے دوعالم سے محوِ جانِ جاں ہوکر
دَیر میں کیا مسکن طالبِ بتاں ہوکر

تیرے مَے پرستوں کو فکر زہد و تقوا کیا
کس لیے مقید ہوں مطلق العناں ہوکر

کیوں قفس میں پر باندھے طائرِ مقید کے
ہاے کیا کِیا تو نے یارِ مہرباں ہوکر

یوں تو جستجو میں ہم مدتوں رہے لیکن
کچھ نشاں ملا تیرا آپ بے نشاں ہوکر

رازِ خلوتِ جاناں لب پہ آنہیں سکتا
خود بہ خود ہوئے ساکت شکلِ بے زباں ہوکر

بے قراریاں کیسی اشرفیؔ ترے دل کو
ضبط کیوں نہیں کرتا مردِ رازداں ہوکر(12)

☆

مولانا حامد رضا خان حامدؔ بریلوی (م1362ھ)

(برادرِ اکبر مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی)

ہیں عرشِ بریں پر جلوہ فگن محبوبِ خدا سبحان اللہ
اک بار ہوا دیدار جسے سو بار کہا سبحان اللہ

حیران ہوئے برق اور نظر اک آن ہے اور برسوں کا سفر
راکب نے کہا اللہ غنی مرکب نے کہا سبحان اللہ

طالب کا پتا مطلوب کو ہے مطلوب ہے طالب سے واقف
پردہ میں بلاکر مل بھی لیے پردہ بھی رہا سبحان اللہ

ہے عبد کہاں معبود کہاں معراج کی شب ہے رازنہاں
دو نور حجابِ نور میں تھے خود رب نے کہا سبحان اللہ

سمجھے حامدؔ انسان ہی کیا یہ راز ہیں حسن و الفت کے
خالق کو حبیبی کہنا تھا خلقت نے کہا سبحان اللہ(13)

☆

اصغر گونڈوی (م1936ئ)

دل نثارِ مصطفیٰ جاں پائمالِ مصطفیٰ
یہ اویسِ مصطفیٰ وہ بلالِ مصطفیٰ

دونوں عالم تھے مرے حرفِ دعا میں غرق و
محو
میں خدا سے کر رہا تھا جب سوالِ مصطفیٰ

سب سمجھتے ہیں اسے شمعِ شبستانِ حرا
نور ہے کونین کا لیکن جمالِ مصطفیٰ

عالمِ ناسوت میں اور عالمِ لاہوت میں
کوندتی ہے ہر طرف برقِ جمالِ مصطفیٰ

عظمتِ تنزیہہ دیکھی شوکتِ تشبیہ میں
ایک حالِ مصطفیٰ ہے ایک قالِ مصطفیٰ

دیکھیے کیا حال کر ڈالے شبِ یلدائے غم
ہاں نظر آئے ذرا صبحِ جمالِ مصطفیٰ

ذرہ ذرہ عالمِ ہستی کا روشن ہوگیا
اللہ اللہ شوکت و شانِ جمالِ مصطفیٰ

☆

ریاضؔ خیر آبادی

نام کے نقش سے روشن یہ نگینہ ہوجائے
کعبۂ دل مرے اللہ مدینہ ہوجائے

وہ چمک درد کی ہو دل میں کہ بجلی چمکے
دامنِ طور ذرا آج یہ سینہ ہوجائے

آنکھ میں برق سرِ طور ہو گنبد کا کلس
شرَف اندوزِ زیارت یہ کمینہ ہوجائے

اس کی تقدیر جو پامال ہو تیرے در پر
اس کی تقدیر کہ جو خاکِ مدینہ ہوجائے

دفن ہوں ساتھ مرے میرے گہر ہائے
سخن
خاک میں مل کے نمایاں یہ دفینہ ہوجائے

جان کی طرح تمنا ہے یہی دل میں ریاضؔ
مروں کعبہ میں تو منہ سوئے مدینہ ہوجائے(14)

☆

بیدمؔ شاہ وارثی (م 1940ئ)

قبلہ و کعبۂ ایمان رسولِ عربی
دوجہاں آپ پہ قربان رسولِ عربی

چاند ہو تم تو رسولانِ سلف تارے ہیں
سب نبی دل ہیں تو تم جان رسولِ عربی

صدقہ حسنین کا روضہ پہ بلالو مجھ کو
ہند میں ہوں میں پریشان رسولِ عربی

کوئی بہتر ہے تو بہتر سے بھی بہتر تو ہے
سب سے اعلا ہے تری شان رسولِ عربی

تیرا دیدار ہے دیدارِ الٰہی مجھ کو
تیری اُلفت مرا ایمان رسولِ عربی

مجمعِ حشر میں اس شان سے آئے بیدمؔ
ہاتھ میں ہو ترا دامان رسولِ عربی (15)

☆

مولانا حسرتؔ موہانی (م 1951ئ)

مظہرِ شانِ کبریا صلِ علیٰ محمد
آئینۂ خدا نما صلِ علیٰ محمد

موجبِ نازِ عارفاں باعثِ فخرِ صادقاں
سرورِ خیلِ انبیا صلِ علیٰ محمد

مرکزِ عشقِ دل کشا مصدرِ حسنِ جاں فزا
صورت و سیرتِ خدا صلِ علیٰ محمد

مونسِ دل شکستگاں پشتِ پناہِ خستگاں
شافعِ عرصۂ جزا صلِ علیٰ محمد

حسرتؔ اگر رکھے ہے تو بخششِ حق کی آرزو
وردِ زباں رہے صدا صلِ علیٰ محمد (16)

☆

ڈاکٹر اقبالؔ (م 1938ئ)

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم اٹھا اٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

جو تیرے کوچے کے ساکنوں کا فضائے جنت میں دل نہ بہلے
تسلیاں دے رہی ہیں حوریں خوشامدوں سے منا منا کر

شہیدِ عشق نبی کے مرنے میں بانکپن بھی ہیں سو طرح کے
اجل بھی کہتی ہے زندہ باشی ہمارے مرنے پہ زہر کھا کر

ترے ثنا گو عروسِ رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روزِ محشر
کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنا دکھا دکھا کر

بتائے دیتے ہیں اے صبا ہم یہ گلستانِ عرب کی بو ہے
مگر نہ اب ہاتھ لا ادھر کو وہیں سے لائی ہے تو اڑا کر

شہیدِ عشقِ نبی ہوں میری لحد پہ شمعِ قمر جلے گی
اٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغِ خورشید سے جلا کر

جسے محبت کا درد کہتے ہیں مایۂ زندگی ہے مجھ کو
یہ درد وہ ہے کہ میں نے رکھا ہے اس کو دل میں چھپا چھپا کر

خیال راہِ عدم سے اقبالؔ تیرے در پر ہوا ہے حاضر
بغل میں زادِ عمل نہیں ہے صلہ مری نعت کا عطا کر (17)

سیمابؔ اکبرآبادی (1951ئ)

سلام اے صبحِ کعبہ السلام اے شامِ بت خانہ
تو چمکا بزمِ آزر میں بہ اندازِ خلیلانہ

حریمِ پاک تیرا وہ بلند ایواں حقیقت کا
جہاں جبریل بھی ناچیز سا ہے ایک پروانہ

کہیں تو زندگی پیرا بہ اندازِ لبِ عیسیٰ
کہیں تو خطبہ فرما اوجِ طائف پر کلیمانہ

کچھ اس انداز سے جلوہ نمائی تو نے فرمائی
کہ ہر ذرّہ زمیں کا ہوگیا تیرا ہی دیوانہ

یہ دنیا تیری نظروں میں مثالِ نقطۂ ناقص
یہ عالم خرمنِ عرفاں کا تیرے صرف اک دانہ

مجھے معلوم ہے رازِ غلامی اہلِ عالم کا
ہے آئینِ سیاست سے ترے ذہن ان کا بیگانہ

اگر پیرو ترا یہ عالمِ ایجاد ہوجائے
تو اک انسان ہی کیا کل کائنات آزاد ہوجائے (18)

☆

مولوی ظفر علی خاں (م1956ئ)

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی دنیا کے سب درباروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں 'لولاک لما' کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گل زاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سی پاروں میں

ہیں کرنیں ایک مشعل کی بوبکر و عمر، عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں (19)

☆

اکبر وارثی میرٹھی (م1952ئ)

نیرنگیاں عجب تھیں محمد کے نور کی
ہر جا نئی ادا تھی کرم کے ظہور کی

آنکھوں میں روشنی ہے محمد کے نور کی
بجلی چمک رہی ہے ثنا میں ظہور کی

غنچوں میں عطر بیز ہے خوشبو حضور کی
نیرنگیاں ہیں گل میں محمد کے نور کی

رحمت نے آ کے جوش میں کیں غرق کشتیاں
عیبوں کی، معصیت کی، خطا کی، قصور کی

ہم عاصیوں کو بخش گئی پاک کر گئی
موج آ گئی جو رحمتِ ربِّ غفور کی

بُت کہہ رہے تھے وقت ہلاکت کا آ گیا
آمد ہے اب تو شافعِ یومُ النشور کی

اکبرؔ خدا کے فضل سے جنت کو ساتھ ساتھ
پڑھتا ہوا چلوں گا میں نعتیں حضور کی (20)

☆

مولانا محمد علی جوہرؔ (م 1931ئ)

کلفتِ قطعِ منازل ہوئی کافور ہے آج
ہے مدینہ جو نزدیک تو سب دور ہے آج

سنگِ در تک تو بہ ہرحال رسائی بخشی
دیکھوں کیا کیا مرے سرکار کو منظور ہے آج

آرزوہائے دو عالم تھی اور اک دل، کل تک
فقط اک تیری تمنا سے وہ معمور ہے آج

اب بھی دیدار سے محروم ہی رکھیے گا ہمیں
تھی جو اک حسرتِ پابوس بہ دستور ہے آج

جس سے چہرے دمک اٹھے تھے یثرب کے
دیکھو جوہر کی بھی آنکھوں میں وہی نور ہے آج (21)

☆

احسنؔ مارہروی (م 1940ئ)

ہر اک ذرہ چمک اٹھا ہے مہِ تابِ ضیا بن کر
فضا کو جگمگایا آپ نے شمس الضحیٰ بن کر

مرے سرکار آئے دردِ عصیاں کی دوا بن کر
سکونِ قلبِ مضطر غم زدوں کا آسرا بن کر

نبی ہیں اور جتنے اخترِ برجِ رسالت ہیں
مرے سرکار آئے ہیں مگر شمس الضحیٰ بن کر

خدا شاہد بڑی مشکل میں تھے اللہ کے بندے
کہ وہ تشریف لائے دفعتاً مشکل کشا بن کر

پریشانِ حوادث دیکھ کر بحرِ حوادث میں
پئے تسکیں انھیں کی یاد آئی ناخدا بن کر

تمھیں نے زندگی تو عطا فرمائی ہے آقا
کہ مردہ دل کے واسطے آبِ بقا بن کر

سمجھ سے ماورا ہستی کو احسنؔ کیا کوئی سمجھے
کہ دنیا میں مرے سرکار آئے جانے کیا بن کر (22)

☆

حضرت آسی غازی پوری (م1917ئ)

نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دیدۂ تر پر
کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر

تمہارے حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے
نظر ٹھہرتی نہیں عارضِ منور پر

کسی نے لی رہ کعبہ کوئی گیا سوے دَیر
پڑے رہے ترے بندے مگر ترے در پر

گنہ گار ہوں میں واعظو! تمہیں کیا فکر
مرا معاملہ چھوڑو شفیعِ محشر پر

پلا دے آج کہ مرتے ہیں رند اے ساقی
ضرور کیا کہ یہ جلسہ ہو حوضِ کوثر پر

صلاحیت بھی تو پیدا کر اے دلِ مضطر
پڑا ہے نقشِ کفِ پاے یار پتھر پر

اخیر وقت ہے آسؔی چلو مدینے
نثار ہو کے مریں تربتِ پیمبر پر(23)

☆

سید احمد حسین امجدؔ حیدر آبادی (م1961ئ)

فرقت میں جاں برباد ہے آیا ہے اب آنکھوں میں دم
جاکر سنائے کون انھیں افسانۂ بیمارِ غم
پیغام بر ملتا نہیں بے چارہ و بے کس ہیں ہم
ان نلت یا ریح الصبا یوماًالیٰ ارض الحرم
بلغ سلامی روضۃً فیھا النبی المحترم
کیا شکل کھینچی واہ وا قرباں ترے دستِ قضا
پڑھتے ہیں جس کو دیکھ کر حور و ملک صلِّ علا
کیا رنگ ہے کیا رؤپ ہے کیا حسن ہے نامِ خدا
من وجھہ شمس الضحیٰ من خدہ بدر الدجیٰ
من ذاتہ نورالھدیٰ من کفہ بحرالھمم
کیا پوچھتے ہو ہم دمو! ہم سے محبت کا مزا
دل چاک ہے ٹکڑے جگر تن زخمیِ تیغ جفا
سنتا وہاں ہر زخم سے رہ رہ کے آتی ہے صدا
اکباد نا مجروحۃً من سیف ھجر المصطفیٰ
طوبیٰ لاھل البلدۃِ فیھا النبی المحترم
پیراہن دل چاک ہے ٹکڑے ہیں جیب و آستیں
جینے سے جی بے زار ہے ہونٹوں پہ ہے جانِ حزیں
اچھے مسیحا بے رخی بیمار سے اچھی نہیں
یا رحمۃ للعالمیں ادرک لزین العابدیں
محبوس ایدی الظالمیںفی المرکب والمزدھم(24)

☆

جگر مرادآبادی (م 1960ئ)

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ
ہاں کوئی نظر رحمتِ سلطانِ مدینہ
تو صبحِ ازل آئینۂ حسن ازل بھی
اے صلِ علیٰ صورتِ سلطانِ مدینہ
اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق
تو خلد ہے تو جنتِ سلطانِ مدینہ
کونین کا غم یادِ خدا وردِ شفاعت
دولت ہے یہی دولتِ سلطانِ مدینہ
اس امتِ عاصی سے نہ منھ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ
اے جان بہ لب آمدہ ہشیار خبردار
وہ سامنے ہیں حضرتِ سلطانِ مدینہ
ظاہر میں غریب الغرباء پر یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ

کچھ اور نہیں کام جگر مجھ کو کسی سے
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ(25)

☆

علامہ سید نعیم الدین نعیمؔ مرادآبادی (م 1948ئ)

کرتے ہیں کس پہ کچھ ستم ، کیوں ہو کسی کو رنج وغم
مولدِ مصطفیٰ کی ہم ، عید اگر منائیں تو

بد ہیں اگرچہ ہم حضور ، آپ کے ہیں مگر ضرور
کس کو سنائیں حالِ دل ، تم کو نہیں سنائیں تو

آپ کے در پہ گر نہ آئیں، کون سا در ہے جس پہ جائیں
سامنے کس کے سر جھکائیں، آپ ہمیں بتائیں تو

حال مرا تباہ ہے ، نامہ مرا سیاہ ہے
ہیچ مرا گناہ ہے ، آپ اگر بچائیں تو

دل کی مراد ان کی دید، دید ہے ان کی دل کی عید
عید نہیں ہے کچھ بعید، لطف سے گر بلائیں تو

کرنے کو جان و دل فدا روضۂ پاک پر شہا
پہونچے نعیمؔ بے نوا، آپ اگر بلائیں تو(26)

☆

شکیل بدایونی (م1970ئ)

تمنا ہے کہ مرتے وقت ہم بھی مسکراتے ہوں
زباں پر یا محمد ہو جب اس دنیا سے جاتے ہوں
بنے اے کاش اس دم سازِ ہستی آخری ہچکی
فرشتے نغمۂ صل علیٰ جب گنگناتے ہوں
مزا جب ہے کہ ہم دیوانہ واران کی طرف جائیں
اشارے سے شہِ ہر دوسرا ہم کو بلاتے ہوں
شبِ فرقت کی ان رنگینیوں پر جان و دل صدقے
تمہاری یاد ہو دل میں ستارے مسکراتے ہوں
نہ کیوں اونچا ہو سارے انبیا سے مرتبہ ان کا
سفارش کر کے جو امت کو اپنی بخشواتے ہوں
سکوں کی ساعتوں میں کون ان کو بھول سکتا ہے
دمِ مشکل جو ہر اک بے نوا کے کام آتے ہوں

بیاں ہو کیا شکیلؔ اس بزمِ دل کی جلوہ سامانی
حبیبِ کبریا جس بزم میں تشریف لاتے ہوں

☆

ناصر کاظمی (م1972ئ)

(تظمین برکلام غالبؔ)

یہ کون طائرِ سدرہ سے ہم کلام آیا
جہانِ خاک کو پھر عرش کا سلام آیا
جبیں بھی سجدہ طلب ہے یہ کیا مقام آیا
”زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے“
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور ترا نظیر
خطِ جبیں ترا امّ الکتاب کی تفسیر
دکھاؤں پیکرِ الفاظ میں تری تصویر
”مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے“
تھکی ہے فکرِ رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
”ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے“(27)

☆

مولانا حسنینؔ رضا بریلوی (م 1981ئ)

تری نعلِ مقدس جس کے سر پر سایہ گستر ہے
وہی فرماں روائے ہفت کشور ہے سکندر ہے
خدا ہی جانے ان کے سر کی عزت اور عظمت کو
قدم ان کے جہاں پہونچے وہ عرشِ ربِّ اکبر ہے
ترے الطافِ بے پایاں تری چشمِ کرم مولا!
ہمیں پر ہے ہمیں پر ہے ہمیں پر ہے ہمیں پر ہے
ہمارے پاس تھا ہی کیا جسے قربان کر دیتے
بس اک ٹوٹا ہوا دل ہے جو قدموں کی نچھاور ہے
یہ مہر و ماہ بھی تو منتظر ہیں اک اشارے کے
زمیں پر آپ رہتے ہیں حکومت آسماں پر ہے
پلٹنے والے کیا پلٹے مقدر کا پلٹنا تھا
نہ یاں وہ سبز گنبد ہے نہ یاں اللہ کا گھر ہے

غضب ہی کر دیا حسنینؔ طیبہ سے پلٹ آیا
وہ جیتے جی کی جنت ہے وہ جنت سے بھی بڑھ کر ہے (28)

☆

احسان دانش (م 1982ئ)

کعبۂ جاں قبلۂ اہلِ نظر پیدا ہوئے
خواجۂ کونین شاہِ بحر و بر پیدا ہوئے

ہر قدم اک مشرقِ نور و ضیا کا سامنا
ہر نفس امکانِ معراجِ نظر پیدا ہوئے

جس زمیں کو پائے بوسی کا شرف حاصل ہوا
اس زمیں میں لعل و یاقوت و گہر پیدا ہوئے

عارفِ ارض و سما میرِ بساطِ کائنات
خیر سے خیرالامم ، خیرالبشر پیدا ہوئے

جس نے دیکھا پھر نہ دیکھا اور کچھ ان کے سوا
اک نظر میں سیکڑوں حُسنِ نظر پیدا ہوئے

اب نہ اتریں گے صحیفے اب نہ آئیں گے رسول
لے کے قرآں آخری پیغام بر پیدا ہوئے

حُسن کو جس رنگ میں دیکھا تڑپ کر رہ گئے
اور یہ حالات دانشؔ عمر بھر پیدا ہوئے

جوش ملیح آبادی (م1982ئ)

اے مسلمانو! مبارک ہو نویدِ فتح یاب
لو وہ نازل ہورہی ہے چرخ سے امّ الکتاب

وہ اٹھے تاریکیوں کے بامِ گردوں سے حجاب
وہ عرب کے مطلعِ روشن سے ابھرا آفتاب

گرد بیٹھی کفر کی ، اٹھی رسالت کی نگاہ
گر گئے طاقوں سے بت خم ہوگئی پشتِ گناہ

چرخ سے آنے لگی پیہم صدائے لاالٰہ
ناز سے کج ہوگئی آدم کے ماتھے پر کلاہ

آگیا جس کا نہیں ہے کوئی ثانی وہ رسول
روحِ فطرت پر ہے جس کی حکمرانی وہ رسول

جس کا ہر تیور ہے حکمِ آسمانی وہ رسول
موت کو جس نے بنایا زندگانی وہ رسول

محفلِ سفاکی و وحشت کو برہم کردیا
جس نے خوں آشام تلواروں کو مرہم کردیا

☆

حفیظ جالندھری (م1982ئ)

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی
سلام اے ظلِ رحمانی سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی
سلام اے سِرِّ وحدت اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی
ترے آنے سے رونق آگئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربانی
سلام اے صاحبِ خلقِ عظیم انساں کو سکھلائے
یہی اعمالِ پاکیزہ یہی اشغالِ روحانی
زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہوچکی اجزائے ہستی کی پریشانی
زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہوجائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرّے کو تابانی
حفیظِ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ الفت
عقیدت کی جبیں تیری مروت سے ہے نورانی
ترا در ہو ، مرا سر ہو ، مرا دل ہو ، ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی
سلام اے آتشیں زنجیرِ باطل توڑنے والے

☆

مولانا سید محمد اشرفی محدث کچھوچھوی (م1383ھ)

مدینہ کی زمیں بھی کیا زمیں معلوم ہوتی ہے
لیے آغوش میں خلدِ بریں معلوم ہوتی ہے

ترے جُود و کرم کی ہر ادا میں یارسول اللہ
نمودِ شانِ رب العالمیں معلوم ہوتی ہے

تعالیٰ اللہ اے ارضِ مدینہ تیرا کیا کہنا
بلندی عرش کی زیرِ زمیں معلوم ہوتی ہے

سیہ کارانِ امت کے لیے زلفِ سیہ ان کی
سراسر رحمۃ للعالمیں معلوم ہوتی ہے

گنہ گاروں سے پوچھو زاہدو! رتبہ محمد کا
انہیں قدرِ شفیع المذنبیں معلوم ہوتی ہے

خدا جانے کہ سودا دل میں ہے یا درد ہے دل میں
مگر اک چوٹ سی مجھ کو کہیں معلوم ہوتی ہے

نگاہِ یار کی تاثیر سیدؔ ایسی ہے اَن مِٹ

☆

حضرت حافظؔ پیلی بھیتی

آنکھ میں پھرتی ہے وہ شوخیِ رفتار جدا
تڑپے جاتا ہے جدائی میں دلِ زار جدا

وہی اچھے رہے محشر میں جو رحمت برسی
بے گناہوں سے کھڑے تھے جو گنہ گار جدا

خاک پر لوٹتے ہیں، کوے نبی میں دونوں
نورِ خورشید جدا ، سایۂ دیوار جدا

چلتا پھرتا رہے دن رات مگر کیا ممکن
اُن کی دیوار سے ہو سایۂ دیوار جدا

اپنا اپنا تجھے سب کہتے ہیں اللہ اللہ!
شیخ وَے خوار جدا، کافر و دیں دار جدا

سر اگر تن سے جدا ہو، تو جدا ہو حافظؔ
سر سے ہوگا نہ درِ احمدِ مختار جدا

☆

مولانا ضیاءؔ القادری بدایونی

کلکِ قدرت سے بر آمد جو صدا ہوتی ہے
مدحتِ صاحبِ لولاک لما ہوتی ہے

جاں مدینے کو رواں وقتِ قضا ہوتی ہے
للہ الحمد کہ مقبول دعا ہوتی ہے

ورفعنا لک ذکرک کے ترانے سُن کر
خود فضائے دوجہاں نغمہ سرا ہوتی ہے

فرضِ حیدر ہوئے نذرِ ادبِ شاہِ رُسُل
کب قضا ورنہ نمازِ عُرَفا ہوتی ہے

چرخ پر نغمے سلاموں کے جو گاتے ہیں مَلک
عالمِ وجد میں عالم کی فضا ہوتی ہے

ہو خدا! حُسنِ تصور کی مرے عمر دراز
جان سو جاں سے مدینے پہ فدا ہوتی ہے

نور کے تڑکے ضیاؔ کہتا ہوں اُس وقت غزل
جب مدینے کی ذرا دل میں ضیا ہوتی ہے(31)

☆

زائرِ حرم حمیدؔ صدیقی لکھنوی (م1385ھ)

ہند سے پھر قافلے سوئے حرم جانے لگے
خوش نصیبوں کے لیے پیغامِ شوق آنے لگے

دل کو یوں حُسنِ تصوّر کے مزے آنے لگے
ہر نفَس جیسے پیام آنے لگے جانے لگے

آگیا رحمت بہ داماں موسمِ حج آگیا
نغمہ ہائے شوق اربابِ طرب گانے لگے

عازمانِ کوچۂ طیبہ پہ ہنگامِ وداع
کوثر وزم زم کے ساگر بھر کے چھلکانے لگے

پھر سکونِ گم شدہ کی جستجو ہونے لگی
وہ جنونِ شوق کے لمحات یاد آنے لگے

چاندنی شب میں کھجوروں کے درختوں کا وہ عکس
جیسے عارض پہ کسی کے زُلف لہرانے لگی

آیۂ لاتقنطوا پیشِ نظر رکھیے حمیدؔ
دل ہجومِ ناامیدی سے جو گھبرانے لگے(32)

☆

ماہرالقادری(م1398ھ)

کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے ، کچھ کفر نے فتنے پھیلائے
سینوں میں عداوت جاگ اُٹھی ، انسان سے انساں ٹکرائے

پامال کیا برباد کیا ، کم زور کو طاقت والوں نے
جب ظلم وستم حد سے گزرے ، تشریف محمد لے آئے

تہذیب کی شمعیں روشن کیں،اونٹوں کے چرانے والوں نے
کانٹوں کو گلوں کی قسمت دی،ذرّوں کے مقدر چمکائے

اللہ سے رشتے کو جوڑا ، باطل کے طلسموں کو توڑا
خود وقت کے دھارے کو موڑا،طوفاں میں سفینے تیرائے

تلوار بھی دی قرآں بھی دیا ، دنیا بھی عطا کی عقبیٰ بھی
مرنے کو شہادت فرمایا ، جینے کے طریقے سمجھائے

عورت کو حیا کی چادر دی ، غیرت کا غازہ بھی بخشا

سینوں میں نزاکت پیدا کی ، کردار کے موتی بکھرائے

اے نامِ محمد صلِ علیٰ ، ماہرؔ کے لیے تو سب کچھ ہے
ہونٹوں پہ تبسم بھی آیا ، اور آنکھ میں آنسو بھر آئے(33)

☆

مولانا محمد یونسؔ مالیگ(م1982ئ)

ہو مجھ پر بھی چشمِ کرم میرے آقا حبیبِ خدا تاجدارِ مدینہ
درِ پاک پر اپنے مجھ کو بلالو، ہوں مدت سے امیدوارِ مدینہ

کٹے اب تو شامِ غم وہجر وکلفت ،نمودار ہو صبحِ عیش ومسرت
مجھے کاش پہنچادے اِک بار قسمت، کروں تا بہ کے انتظارِ مدینہ

وہیں کاٹوں اب عمر میں اپنی آقا، وہیں خاتمہ ہو مری زندگی کا
بقیعِ مقدس میں ہو دفن لاشہ، بنے خاک میری غبارِ مدینہ

ہیں مرغوب مجھ کو مدینے کے صحرا،نہیں رغبتِ سیرِ گلزارِ طیبہ
کہ لذت میں ہے لمسِ گل سے زیادہ،رگِ جاں کو نوکِ خارِ مدینہ

نہ مایوس ہو رحمت ومغفرت سے،ندا آرہی ہے درِ مصطفی سے
گنہ گارو!اپنی شفاعت کے حامی، ہیں دارین میں غم گسارِ مدینہ

خدا نے قسم یاد فرمائی اِس کی ، ہے طیبہ کی یہ بھی دلیلِ بزرگی
ہے بلدُ الامیں اس کی تعریف آئی ، یہ اظہارِ عزّ ووقارِ مدینہ

فضائیں ہیں عکسِ جمالِ محمد ، ہواوں میں عطرِ خیالِ محمد
تو ہیں بازگشتِ مقالِ محمد سے خوش رنگ لیل ونہارِ مدینہ

جہاں سب پکاریں گے یاربِّ نفسی ، جہاں ہوگا یونسؔ کسی کا نہ کوئی
وہاں بھی اس امت کے غم خوار وحامی، رہیں گے شہِ ذی وقارِ مدینہ (34)

☆

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی (م 1981ئ)

کچھ ایسا کردے مرے کردگار آنکھوں میں
ہمیشہ نقش رہے روے یار آنکھوں میں
بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں
کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں
وہ نور دے مرے پروردگار آنکھوں میں
کہ جلوہ گر رہے رخ کی بہار آنکھوں میں
بصر کے ساتھ بصیرت بھی خوب روشن ہو
لگاؤں خاک قدم بار بار آنکھوں میں
انہیں نہ دیکھا تو کس کام کی ہے یہ آنکھیں
کہ دیکھنے کی ہے ساری بہار آنکھوں میں
نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں
خزاں کا دَور ہوا دُور وہ جہاں آئے
ہوئی ہے قدموں سے ان کے بہار آنکھوں میں
وہ سبز سبز نظر آرہا ہے گنبد سبز
قرار آگیا یوں بے قرار آنکھوں میں

کرم یہ مجھ پہ کیا ہے مرے تصور نے
کہ آج کھینچ دی تصویرِ یار آنکھوں میں
فرشتو! پوچھتے ہو مجھ سے کس کی امت ہو
لو دیکھ لو یہ ہے تصویرِ یار آنکھوں میں
پیا ہے جامِ محبت جو آپ نے نوریؔ
ہمیشہ اس کا رہے گا خمار آنکھوں میں (35)

تیسرے دور کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ اردو نثر و نظم کی ہمہ جہت ترقی کے لیے یہ دور سنہری دور بن جاتا ہے۔اس میں نظم ونثر کے میدان میں بے پناہ ترقی ہوتی ہے۔جنوبی ہند سے اُٹھنے والی ولیؔ دکنی کی صداے بازگشت ایک بادِ صرصر بن کر شمالی ہند کے فارسی سے دل چسپی رکھنے والے شعراے کرام کو اردو کا گرویدہ بنا دیتی ہے۔خسروؔ، حاتمؔ، آرزوؔ، آبروؔ، قائمؔ، ناجیؔ اور مرزا مظہرؔ جانِ جاناں وغیرہ اردو نثر و نظم کو اپنے خیالات اور جذبات سے مالا مال کرنے لگتے ہیں۔

اس بات کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ ان حضرات کے بعد میرؔ، سوداؔ، میر دردؔ، یقینؔ وغیرہ اور فورٹ ولیم کالج کے قیام سے اردو کی ہمہ گیر ترقی میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔اور انیسویں صدی میں اردو مکمل طور پر کاروبارِ حیات کی تفہیم کرنے والی زبان بن گئی۔نظم کے ساتھ ساتھ نثری میدان میں بھی اس دور میں بھرپور طبع آزمائی کی گئی۔غالبؔ نے اپنے خطوط کے ذریعہ اور سرسیدؔ، حالیؔ، شبلیؔ، غلام غوث بے خبرؔ، میر مہدی مجروحؔ، احمد رضا بریلوی وغیرہ نے مل کر اردو نثر کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔

یہی وہ دور ہے جس میں بہ طورِ صنفِ شاعری اردو نعت گوئی بھی بے پایاں ترقی کرتی چلی گئی۔اس عہد کے سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی اور معاشرتی اتھل پتھل نے خیالات وجذبات، رجحانات اور فکری پیمانوں کو نئی جہات سے آشنا کردیا۔دورِ متاخرین کو اردو نعت گوئی کا عہدِ زرّین کہا جاتا ہے کیوں کہ رسول اکرم ﷺ کو دکھے دلوں سے یاد کرنے اور آواز دینے، استغاثہ وفریاد کرنے کا موقع اس دور سے پہلے اسلامیانِ ہند کے سامنے اس قدر کبھی نہیں آیا تھا۔اہل بصیرت یہ دیکھ رہے تھے کہ سلطنت مغلیہ کا چراغ ٹمٹما رہا ہے۔آٹھ سو سالہ مسلم اقتدار خطرے

میں ہے اور عزت و وقار کا عنقریب خاتمہ ہونے والا ہے۔ چناں چہ ان ناگفتہ بہ حالات میں نعت گوئی نے خاصی ترقی کر لی۔ قلب وروح کی بے قراری کو قرار بخشنے اور سکون واطمینان فراہم کرنے میں نعت گوئی ایک محرک ذریعہ بن گئی۔ دراصل کرب وابتلا انسان کو اللہ کے قرب سے آشنا کرتے ہوئے اس کو نبیِ پاک کی آغوشِ رحمت میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے حالات نے روح وقلب کی گہرائیوں سے اہل بصیرت کو حمد ونعت کا نذرانہ پیش کرنے پر مجبور کیا۔

تحقیق سے یہ بات بھی واضح کی گئی کہ دورِ متاخرین نعتیہ شاعری کے عروج واقبال کا دور تھا۔ نعت گوئی اپنے تشکیلی عہد سے نکل کر تکمیلِ فن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ امیرؔ مینائی، محسنؔ، شبلی نعمانی، حالیؔ، نظمؔ طباطبائی، مومنؔ، داغؔ، امام احمد رضاؔ بریلوی، علامہ حسنؔ رضا بریلوی، ڈاکٹر اقبالؔ، اسماعیلؔ میرٹھی، حافظؔ پیلی بھیتی، ضیاؔ بدایونی، حسنینؔ رضا بریلوی اور مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی وغیرہ نے قلبِ مضطر کے جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں نذرانہ نعت پیش کیا اور اردو نعت گوئی کو انتہائی عروج وکمال تک پہونچا دیا۔

متاخرین نعت گو شعرا کے کلام کا یہ فکری کارواں پورے شعور وآگہی کے ساتھ اپنا سفر طے کرتا رہا اور پوری فکر وآگہی اور دردمندی کے ساتھ اپنے فکر وخیال کو ایک امانت کی طرح عصرِ حاضر کے شاعروں کو سونپ دیا۔ یہ انھیں حضرات کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ عصرِ حاضر کے ادبی منظر نامہ پر اردو نعت گوئی بے پناہ مقبول ہے اور عصرِ حاضر کے شعرا عصری شعور کو بڑی خوب صورتی سے اپنی نعتوں میں تحلیل کر رہے ہیں؛ اور نوتراشیدہ اور خود وضع کردہ لفظی تراکیب، مترنم بحروں اور نئی ہیئت وسانچوں کو اندازِ نو سے برت رہے ہیں۔ ذات وکائنات کے مسائل، انسانی دکھوں، تکالیف، مصائب، آلام اور پریشانیوں کے مداوا کی بات رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے نعتوں میں کی جا رہی ہے۔ نئے لہجے اور نئے رنگ وآہنگ کے ساتھ جدید علامتوں اور اشاروں کو بڑی فن کاری سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ اردو نعت گوئی کا یہ نہ رُکنے والا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔

حواشی

(1) گلبن: نعت نمبر، احمد آباد 1999ئ، ص 89

(2) ساجد صدیقی-والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنو، ص 102

(3) گلبن: نعت نمبر، احمد آباد 1999ئ، ص 90

(4) سید شاہ ابوالحسین نوریؔ: تجلیِ نوری، برکاتی دارالاشاعت، مارہرہ، ص 22

(5) ساجد صدیقی-والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنو، ص 107/109/108

(6) گلبن: نعت نمبر، احمد آباد 1999ئ، ص 94

(7) نقوش: رسول نمبر ج 10 جنوری 1984ء، ادارۂ فروغ اردو، لاہور، ص 654

(8) حسن رضا بریلوی، مولانا: ذوقِ نعت، اشرفی کتب خانہ، مراد آباد سنبھل، ص 124/125

(9) احمد رضا بریلوی، مولانا: حدائقِ بخشش، 1997ئ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 108/109

(10) جمیل الرحمن بریلوی، مولانا: قبالۂ بخشش، مالیگاوں، ص 65

(11) رفیع الدین اشفاقؔ، ڈاکٹر: اردو میں نعتیہ شاعری، 1976ئ، اردو اکیڈمی، کراچی، ص 399

(12) نوائے سادات: جمیعۃ الاشرف، کچھوچھہ، ص 34

(13) شہاب الدین رضوی: انتخابِ کلامِ حامد، ص

(14) ساجد صدیقی-والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنو، ص 142/112

(15) ماہ نامہ حجاز جدید: اکتوبر 1988ئ، دہلی، ص 40

(16) حسرت موہانی: کلیاتِ حسرتؔ موہانی، فرید بک ڈپو، دہلی، ص 461
(17) ساجد صدیقی - والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنؤ، ص 124
(18) گلبن: نعت نمبر، احمد آباد 1999ئ، ص 96
(19) ساجد صدیقی - والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنؤ، ص 122
(20) اکبر وارثی میرٹھی: میلادِ اکبر، فرید بک ڈپو، دہلی، ص 30
(21) طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر: اردو کی نعتیہ شاعری، ص 63/ 64
(22) ساجد صدیقی - والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنؤ، ص 126
(23) آسی غازی پوری: عین المعارف، انجمن فیضانِ رشیدی، کلکتہ، ص 120
(24) نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو، ص 419/ 420
(25) جگر مرادآبادی: کلیاتِ جگر، فرید بک ڈپو، ص 240/ 241
(26) سید نعیم الدین مرادآبادی: ریاضِ نعیم، مرادآباد، ص 24
(27) گلبن: نعت نمبر، احمد آباد 1999ئ، ص 100/ 101
(28) شہاب الدین رضوی: مولانا حسنین رضا بریلوی، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 97
(29) گلبن: نعت نمبر، احمد آباد 1999ئ، ص 102/ 103/ 104/ 105
(30) سید محمد کچھوچھوی، محدثِ اعظمِ ہند: فرش پر عرش، رضوی کتاب گھر دہلی، ص 143/ 144
(31) صابر سنبھلی، ڈاکٹر: دیوانِ صابر، اقرا آفسیٹ، دہلی، ص 111/ 112/ 113/ 114
(32) ساجد صدیقی - والی آسی: ارمغانِ نعت، 1982ء، مکتبۂ دین وادب، لکھنؤ، ص 213
(33) عبد البر اثری: اسلامیات (3)-2005ئ، فیروس پبلیکیشنز، ممبئی، ص 101
(34) محمد یونس مالیگ، مولانا: جنّاں بکف، رضا ریسرچ اینڈ پبلشن بورڈ، مانچسٹر، ص 80
(35) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی: سامانِ بخشش، 1428ھ/ 2008ئ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 94/90

{............}

باب پنجم

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی۔حیات وخدمات

الف

حیات نوریؔ بریلوی

باب پنجم

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی۔حیات وخدمات

الف: حیات نوریؔ بریلوی

مفتیِ اعظم حضرت نوریؔ بریلوی کا شجرۂ نسب۔ایک نظر میں

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی ہندوستانی مسلمانوں کے ایک مذہبی رہ نما گزرے ہیں۔ آپ عالم اسلام کی مشہور شخصیت امام احمد رضا محدث بریلوی (م1921ئ) کے فرزند اصغر تھے۔آپ کا خانوادہ کئی صدی پیش تر سے اسلامی علوم وفنون کا مرکز ومحور رہا ہے۔آپ تقوا وطہارت میں بلندیِ کردار سے متصف تھے۔مرجعِ فتاویٰ تھے۔ملتِ اسلامیہ کے قائد ورہ بر تھے۔ذیل میں آپ کا شجرۂ نسب پیش کیا جاتا ہے ۔جس کی ابتدا حضرت سعیداللہ خان صاحب سے کی جارہی ہے جو عالی جاہ شجاعت جنگ بہادر کے لقب سے مشہور تھے اور قندھار سے سلطان شاہ محمد شاہ کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔ اعلا انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے حکومت وقت نے انھیں ''شش ہزاری'' کے

منصب سے سرفراز کیا تھا۔لاہور کا ''شیش محل'' آپ ہی کی جاگیر تھی۔آپ کے صاحب زادے سعادت یار خاں صاحب ہیں جو سلطانِ وقت کے وزیر مالیات تھے ان کی امانت داری اور دیانت داری کو دیکھ کر سلطان محمد شاہ نے ضلع بدایوں کے کئی مواضعات انھیں عطا کیے جو آج بھی اس خاندان کے حصے میں ہیں۔سعادت یار خاں صاحب کے تین فرزند محمد معظم خاں صاحب، محمد اعظم خاں صاحب اور محمد مکرم خاں صاحب ہوئے۔ان میں محمد اعظم خاں صاحب بھی وزارتِ اعلا کے عہدے پر فائز تھے، مگر کچھ عرصہ بعد سلطنت کی ذمہ داریوں سے سبک دوشی حاصل کرلی اور زہد واتقا، ریاضت وروحانیت کی جانب مکمل طور پر مائل ہوگئے آپ ہی کی ذات والا مرتبت سے قندھار کے اس خانوادے میں علم وفضل اور زہد واتقا کا بول بالا شروع ہوا۔ حضرت نوریؔ بریلوی، محمد اعظم خاں صاحب ہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔محمد اعظم خاں صاحب کے یہاں چار بیٹیاں تولد ہوئیں اور ایک فرزند حافظ کاظم علی خاں ہوئے، جن کی آل میں تین صاحب زادیاں اور تین بیٹے امام العلماء رضا علی خاں صاحب، حکیم تقی علی خاں صاحب اور جعفر علی خاں صاحب تولد ہوئے۔حافظ کاظم علی خاں صاحب کے بیٹوں میں امام العلماء رضا علی خاں صاحب کی اولاد میں مولانا نقی علی خاں صاحب اور تین بیٹیاں ہوئیں۔مولانا نقی علی خاں صاحب کے یہاں تین بیٹے امام احمد رضا، مولانا حسن رضا، محمد رضا اور تین صاحب زادیاں پیدا ہوئیں۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا نقی علی خاں صاحب کے بڑے بیٹے امام احمد رضا خاں صاحب کے فرزندِ اصغر ہیں۔حضرت نوریؔ بریلوی کے بڑے بھائی مولانا حامد رضا خاں صاحب اور پانچ بہنیں مصطفائی بیگم، کنیز حسن، کنیز حسنین، کنیز حسین اور مرتضائی بیگم ہیں۔حضرت نوریؔ بریلوی کے یہاں ایک بیٹے انوار رضا خاں صاحب ہوئے جو کم سنی ہی میں انتقال فرماگئے علاوہ ازیں آپ کی چھ بیٹیاں ہوئیں، جن کے اسمائے گرامی نگار فاطمہ، انوار فاطمہ، برکاتی بیگم، رابعہ بیگم، ہاجرہ بیگم اور شاکرہ بیگم

ہیں۔ مزید خاکے سے شجرۂ نسب کی تفصیل واضح طور پر نمایاں ہوتی ہے۔

علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کا شجرۂ نسب

سعید اللہ خاں (شجاعت جنگ بہادر)

سعادت یار خاں (وزیر مالیات)

محمد معظم خاں　　محمد اعظم خاں　　محمد مکرم خاں

چار صاحبزادیاں　　حافظ کاظم علی خاں

تین صاحبزادیاں　　امام العلما رضا علی خاں　　حکیم تقی علی خاں　　جعفر علی خاں

مولانا نقی علی خاں　　تین صاحبزادیاں

امام احمد رضا خاں　　مولانا حسن رضا خاں　　محمد رضا خاں　　تین صاحبزادیاں

مولانا حامد رضا خاں　　مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی　　مصطفائی بیگم　　کنیز حسن　　کنیز حسنین　　کنیز حسین　　مرتضائی بیگم

انوار رضا خاں　　نگار فاطمہ　　انوار فاطمہ　　برکاتی بیگم　　رابعہ بیگم　　ہاجرہ بیگم　　شاکرہ بیگم (1)
(کم سنی میں انتقال ہوگیا)

حیات علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی
(1310ھ 1892ء تا 1402ھ/ 1981ئ)

ولادت:

تحقیق ومطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی دنیائے اسلام کے عظیم رہنما، قطبِ زمانہ، مرجع العلماء والخلائق، رہبرِ شریعت وطریقت، غزالیِ دوراں، رازیِ زماں، با فیض مدرس، پُر خلوص داعی، عظیم فقیہہ، مفسر، محدث، خطیب، مفکر، دانش ور، تحریک آفریں قائد، مایۂ ناز مصنف ومحقق اور بلند پایہ نعت گو شاعر اور گوناگوں خصوصیات کے مالک تھے۔ آپ عالمِ اسلام کی مشہور شخصیت امام احمد رضا بریلوی کے فرزندِ اصغر تھے۔ آپ کا خاندان علم وفضل، زہد واتقا اور عشقِ رسول (ﷺ) میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ آپ کی ولادت 22ر ذی الحجہ 1310ھ بمطابق 7 جولائی 1892ء بروز جمعہ بوقتِ صبح صادق آپ کے چچا مولانا حسن رضا بریلوی کے دولت کدہ پر، واقع رضا نگر، محلہ سوداگران، بریلی، یوپی، (انڈیا) میں ہوئی۔

اسم گرامی:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کا پیدائشی اور اصل نام ''محمد'' ہے۔ آپ

کا عقیقہ اسی نام پر ہوا۔ غیبی نام ''آلِ رحمن'' ہے۔ پیرومرشد نے آپ کا پورا نام ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی'' تجویز فرمایا اور والد گرامی نے عرفی نام ''مصطفیٰ رضا'' رکھا۔ فنِ شاعری میں آپ اپنے پیرومرشد شیخ المشائخ سید شاہ ابوالحسین نوری میاں مارہروی نوراللہ مرقدہٗ کی نسبت سے اپنا تخلص ''نوریؔ'' فرماتے تھے۔ عرفی نام اس قدر مشہور ہوا کہ ہر خاص وعام آپ کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔

مشہور ترین لقب:

یوں تو آپ کو علم وفضل کی بنیاد پر بہت سارے القاب سے نوازا گیا، مگر جس لقب کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی وہ ہے ''مفتیِ اعظم''۔ اس کی تفصیل آگے پیش کی جائے گی۔

ولادت سے قبل بشارت:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی ولادت سے پہلے والد ماجد امام احمد رضا بریلوی اپنے پیرومرشد حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی (م 1297ھ) کے مزارِ پاک کی زیارت اور سید المشائخ سید شاہ ابوالحسین نوریؔ مارہروی (م 1324ھ) سے ملاقات کے لیے مارہرہ مطہرہ تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع پر جو واقعات ہوئے اس کی الگ الگ روایتیں سامنے آئی ہیں، مگر ان میں فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمن رضوی کی وہ روایت جسے آپ نے مولانا سید شاہد علی رضوی رام پوری سے بیان کیا، بہ ایں معنی قابلِ ترجیح ہے کہ مفتی صاحب موصوف نے اس کو خود مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی زبانی ساعت کیا ہے۔ سید شاہد علی رضوی تحریر فرماتے ہیں:

''22/ ذی الحجہ 1310ھ کی شب میں تقریباً نصف رات تک امام احمد رضا قدس سرہ اور سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہ کے درمیان علمی مذاکرات رہے۔ پھر دونوں اپنی اپنی قیام گاہوں میں آرام فرما ہوئے۔ اسی شب عالمِ خواب میں دونوں بزرگوں کو حضرت مفتی اعظم کی ولادت کی نوید دی گئی اور نومولود کا نام 'آل الرحمن' بتایا گیا۔ خواب سے بیداری پر دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے یہ فیصلہ کیا کہ بہ وقتِ ملاقات مبارک باد پیش کروں گا۔۔۔۔۔۔ فجر کی نماز کے لیے جب دونوں بزرگ مسجد پہنچے تو مسجد کے دروازے پر ہی دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوگئی اور وہیں ہر ایک

نے دوسرے کو مبارک باد پیش کی۔ فجر کی نماز کے بعد سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری میاں قدس سرہ نے امام احمد رضا سے ارشاد فرمایا:

'مولانا صاحب! آپ اس بچے کے ولی ہیں۔ اگر اجازت دیں تو میں نومولود کو داخلِ سلسلہ کرلوں'۔۔۔۔۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے عرض کیا:

'حضور غلام زادہ ہے اسے داخلِ سلسلہ فرمالیا جائے'۔۔۔۔۔ سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری میاں قدس سرہ نے مصلا ہی پر بیٹھے بیٹھے مفتی اعظم کو غایبانہ داخلِ سلسلہ فرمالیا۔ حضرت سید المشائخ نے امام احمد رضا کو اپنا عمامہ اور جبہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

'میری یہ امانت آپ کے سپرد ہے جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہوجائے تو اسے دے دیں۔ مجھے خواب میں اس کا نام 'آل الرحمن' بتایا گیا ہے۔ لہٰذا نومولود کا نام 'آل الرحمن' رکھیے۔ مجھے اس بچے کو دیکھنے کی تمنا ہے۔ وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے۔ میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہوکر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کردوں گا۔''

دوسرے روز جب ولادت کی خبر مارہرہ پہنچی تو سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری قدس سرہ نے نومولود کا نام 'ابوالبرکات محی الدین جیلانی' منتخب فرمایا۔۔۔۔۔۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے ساتویں روز ''محمد'' نام پر بیٹے کا عقیقہ کیا۔ (2)

متذکرہ واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت جل شانہٗ کے نیک طینت اور پاک باز بندوں پر غیبی طور پر آیندہ پیش آنے والے امور منکشف ہوجاتے تھے۔ حضرت نوریؔ بریلوی کی ولادت کی خبریں جن بندگانِ خدا نے دیں وہ اپنے عہد کے قطب اور مجدد ہیں۔ انھیں نفوسِ قدسیہ کی بشارتوں کا یہ ثمرہ ہے کہ حضرت نوریؔ بریلوی کا نام آج دنیاے اسلام کے افق پر روشن ومنور ہے۔

بیعت وخلافت:

6/ ماہ بعد جب 25 جمادی الثانی 1311ھ کو سید المشائخ سید شاہ ابوالحسین نوری میاں مارہروی (م 1324ھ) بریلی تشریف لائے تو حضرت نوریؔ بریلوی کو اپنی آغوش میں

لے کر دعاؤں سے نوازا اور چھ ماہ تین دن کی عمر میں ہی آپ کو داخلِ سلسلہ فرما کر تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز کیا۔ اور دورانِ بیعت ارشاد فرمایا کہ :

"یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہونچے گا، یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے۔ یہ فیض کا دریا بہائے گا۔" (3)

سید المشائخ نے حلقۂ بیعت میں لینے کے بعد قادری نسبت کا دریائے فیض بنا کر ابوالبرکات کو امام احمد رضا کی آغوش میں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"مبارک ہو آپ کو یہ قرآنی آیت ...... "واجعل لی وزیرا من اھلی" کی تفسیر مقبول ہو کر آپ کی گود میں آگئی ہے..... "آل الرحمن۔ محمد۔ ابوالبرکات۔ محی الدین جیلانی۔ مصطفیٰ رضا" (4)

بزرگوں کے اقوال سے یہ بات مذکور ہے کہ جب کسی شخص میں محاسن کی کثرت ہوتی ہے تو اس کا ہر کام تشنۂ توصیف ہوتا ہے؛ اور لوگ ایسی جامع الصفات شخصیت کو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ نوریؔ بریلوی کے نام میں پہلی نسبت رحمن سے ہے، دوسری نسبت حضور اقدس ﷺ سے ہے، تیسری نسبت غوث اعظم علیہ الرحمہ سے ہے اور چوتھی والد گرامی امام احمد رضا بریلوی سے ہے۔ اگر چہ یہ اہتمام تو اکابر نے اپنی بالغ نظری سے کیا مگر دنیا نے اس منبعِ خیر و فلاح سے قریب ہو کر جب فیض حاصل کیا تو لوگ اپنے جذبۂ ستائش پر قابو نہ پا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آج آپ مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔

تعلیم کا آغاز:

جب نوریؔ بریلوی نے ہوش وخرد کی منزل میں قدم رکھا تو آپ کو زیورِ علم اور تہذیبِ اخلاق سے آراستہ کرنے کے لیے والدِ ماجد امام احمد رضا بریلوی کے قائم کردہ مدرسہ "منظرِ اسلام" میں داخل کرایا گیا۔ آپ نے مدرسہ کے مختلف اساتذہ سے کسبِ علم کیا مگر آپ کی تربیت میں سب سے زیادہ دخل آپ کے برادرِ اکبر مولانا حامد رضا خاں بریلوی (م 1362ھ/ 1943ئ) کا رہا، انھوں نے اس ہیرے کو خوب خوب تراشا ہر زاویے سے دیکھا پرکھا اور جب قوم کے روبرو کیا تو بڑے بڑوں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں، بعد اس کے

آپ نے اپنے والدِ گرامی امام احمد رضا بریلوی سے اکتسابِ فیض کیا۔ ابتدا ہی سے ذکاوت ونکتہ سنجی، جودتِ طبع، فکر وخیال کی بلندی، حصولِ علم میں کدوکاوش نمایاں رہی۔ آپ کے اساتذۂ کرام میں برادرِ اکبر مولانا حامد رضا خاں بریلوی، مولانا شاہ رحم الٰہی منگلوری (م 1361ھ)، مولانا سید شاہ بشیر احمد علی گڑھی، مولانا ظہور الحسین فاروقی رامپوری (م 1342ھ) علیہم الرحمۃ کا شمار ہوتا ہے۔

فراغت:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفےٰ نوریؔ بریلوی نے 1328ھ/ 1910ء میں بہ عمر اٹھارہ سال خداداد ذہانت، ذوقِ مطالعہ، لگن ومحنت اور اساتذۂ کرام کی شفقت ومحبت، والدِ گرامی امام احمد رضا بریلوی کی کامل توجہ اور مرشدِ گرامی حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کی روحانی عنایات کے نتیجے میں جملہ علوم وفنون، منقولات ومعقولات پر عبور حاصل کیا اور دار العلوم منظر اسلام بریلی سے فراغت پائی۔

علوم وفنون:

حضرت نوریؔ بریلوی کی تصنیفات وتالیفات کے مطالعہ کے بعد یہ خیال تقویت پاتا ہے کہ برِ صغیر ہند وپاک میں علوم عقلیہ ونقلیہ کی جتنی مشہور سندیں ہیں۔ آپ کا سلسلۂ تلمذ اُن سب کا جامع ہے۔ ذیل میں ان علوم وفنون کی فہرست پیش کی جاتی ہے جو مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے "بریلوی سلسلۂ تلمذ" کے واسطے سے نہ صرف حاصل کیے بل کہ ان میں انھیں مہارتِ تامّہ وکاملہ بھی حاصل رہی۔

(1) علم تفسیر
(2) علم حدیث
(3) اُصول حدیث
(4) فقہ (جملہ مذاہب)
(5) اصول فقہ
(6) علم الفرائض
(7) جدل

(9) عقائد

(10) کلام

(11) نحو

(12) صرف

(13) معانی

(14) بیان

(15) بدیع

(16) منطق

(17) مناظرہ

(18) فلسفہ

(19) تکسیر

(20) ہیئت

(21) حساب

(22) ہندسہ

(23) قراءت

(24) تجوید

(25) تصوف

(26) سلوک

(27) اخلاق

(28) اسماء الرجال

(29) سیَر

(30) تاریخ

(31) لغت

(32) ادب (عربی، فارسی، اردو)

(33) عروض وقوافی

(34) توقیت

(35) اوفاق

(36) فنِ تاریخ واعداد

(37) جفر

(38) ریاضی وغیرہ۔

علوم وفنون کی یہ کثرت حضرت نوریؔ بریلوی کے علوے مرتبت پر دلالت کرتی ہے۔
ان علوم فنون کو آپ نے خالص اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا وخوش نودی اور دین ومذہب کی ترویج واشاعت کے لیے حاصل کیا۔ مذکورہ بالا علوم وفنون آپ نے جن سلاسل سے حاصل کیے اور امام احمد رضا بریلوی نے آپ کو جن 25 سلاسل اولیا وسلاسل قرآن وسلاسل حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی ان اسناد کے نقشے آیندہ صفحات کی زینت بنیں گے۔

اجازت وخلافت:

تعلیم وتربیت سے فراغت کے بعد آپ کے والدِ ماجد امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے آپ کو جمیع اوراد ووظائف اور جملہ سلاسلِ طریقت کی خلافت واجازت عطا فرمائی۔

عقدِ مسنون:

امام احمد رضا بریلوی کے برادر اصغر مولانا محمد رضا صاحب کی اکلوتی صاحب زادی سے مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کا عقدِ مسنون 1911ء میں ہوا۔ جن کو مخدومۂ اہل سنت کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، جو 16 جمادی الثانی 1405ھ/ 1985ء کو وصال کر گئیں۔

اولاد:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی اولاد میں ایک صاحب زادہ محمد انور رضا خاں تولد ہوئے افسوس! جو کم سنی ہی میں انتقال فرما گئے اور آپ کے یہاں چھ صاحب زادیاں پیدا ہوئیں، جن کو آپ نے نہایت شفقت ومحبت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی سیرتِ طیبہ کے مطابق تربیت دی اور فرمانِ

رسول ﷺ کو ادا کرتے ہوئے اپنی صاحب زادیوں کو پارۂ جگر تصور کیا۔اُن کی پرورش و پرداخت میں حقِ پدری ادا کیا۔یہی وجہ ہے کہ آپ کے نواسوں میں ہر کوئی ''ہر گلے را رنگ وبوے دیگراست'' کے مصداق گلشنِ اسلام کا بے خزاں شگفتہ پھول تصور کیا جاتا ہے۔

حج وزیارت:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کو تین مرتبہ حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ مواجہہ رسول ﷺ کی سعادت حاصل ہوئی۔آپ نے پہلا حج 1364ھ/ 1945ء میں اور دوسرا حج 1948ء میں ادا کیا۔ان دونوں حج وزیارت کے دوران پاسپورٹ میں فوٹو کی قید نہیں تھی۔ جب آپ نے تیسرا حج اپنی زوجۂ محترمہ کے ہم راہ 1391ھ/ 1971ء میں ادا کیا تو اس وقت پاسپورٹ میں فوٹو لازمی ہوگیا تھا لیکن آپ کا یہ حج اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ آپ نے بغیر فوٹو کے حج کی سعادت حاصل کی۔اس معاملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ تقوا وطہارت کی کس بلند منزل پر فائز تھے اور فرمانِ نبوی ﷺ پر عمل میں آپ کتنے غیور تھے۔

نقش سراپا:

جب آپ کے حسن و جمال اور نقش سراپا پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نقش ونگار پر جو خامہ فرسائی آپ کے شاگرد وخلیفہ جناب مفتی سید شاہد علی رام پوری نے کی ہے اُنھیں کے حوالے سے معمولی حذف واضافہ کے ساتھ دیگر مصنفین نے نقل کیا ہے۔لہٰذا اسی روایت کو اعتبار کا درجہ حاصل ہے۔ذیل میں آپ کا سراپا مفتی موصوف کی زبانی خاطر نشین ہو :

> ''رنگت سرخی مائل سفید،قد میانہ،بدن نحیف،سر بڑا گول اس پر عمامہ کی بہار،چہرہ گول روشن وتابناک نور برساتا ہوا جسے دیکھ کر خدا کی یاد آجائے،پیشانی کشادہ،بلند تقدس کا آثار لیے ہوئے،بھویں گنجان ہالہ لیے ہوئے،پلکیں گھنی بالکل سفید ہالہ نما،آنکھیں بڑی بڑی کالی چمک دار گہرائی و گیرائی لیے ہوئے،رخسار بھرے بھرے گداز روشن جلال و جمال کا آئینہ ،ناک متوسط قدرے اٹھی ہوئی،مونچھ نہ بہت پست نہ اٹھی ہوئی،لب پتلے

گلاب کی پتی کی طرح تبسم کے آثار لیے ہوئے،دنداں چھوٹے چھوٹے ہم وار موتیوں کی لڑی کی طرح جب تبسم ریز ہوتے،کان متناسب قدرے درازی

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی (قدس سرہ)

امام احمد رضا محدث بریلوی

مولانا نقی علی بریلوی

سید آل رسول احمدی مارہروی | شیخ فضل الرحمن مرادآبادی | مولانا رضا علی بریلوی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی | الشیخ محمد السندی | سید احمد زینی دحلان | عبدالرحمن سراج مکی | حسین بن صالح | سید ابوالحسین احمد نوری

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی | ابوالعیاش محمد عبدالعلی لکھنوی | شیخ عثمان دمیاطی | جمال بن عبداللہ مفتی مکہ | عابد السندی المدنی | شاہ علی حسین مرادآبادی

لیے ہوئے، گردن معتدل، سینہ فراخ کچھ روئیں لیے ہوئے، کمر خمیدہ مائل، ہاتھ لمبے لمبے جو سخاوت و فیاضی میں بے مثل، کلائیاں چوڑی روئیں دار، ہتھیلیاں بھری ہوئیں گداز، انگلیاں لمبی لمبی موزوں کشادہ، پاؤں متوسط، ایڑیاں گول موزوں۔" (6)

خصوصیات:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی حیات و خدمات کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ آپ گوناگوں خصوصیات اور متنوع صفات کے حامل تھے، آپ کی ہمہ جہت خوبیوں میں تین خوبیاں انتہائی نمایاں اور ممتاز ہیں :

(1) عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ آپ کے خانوادے کا طرۂ امتیاز ہے۔

(2) تقوا۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے عہد میں اور بعد بھی دور دور تک تقوا میں کوئی آپ کا مثیل و نظیر نہیں۔

(3) تفقہ فی الدین (دین کی سمجھ)۔ یہ وہ امتیازی وصف ہے جس میں آپ اپنے معاصرین مفتیانِ کرام کے مقابلہ میں سب سے زیادہ نمایاں تھے۔ اسی سبب سے آپ کو "مفتیِ اعظم" کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔

علاوہ ازیں آپ نے ہمیشہ آلِ رسول کا احترام کیا، غیر محرم عورتوں کو کبھی بھی بے پردہ نہیں دیکھا نہ ہی کبھی غیر محرم عورتوں کو بے پردہ مرید کیا، بے شرع کو سخت فضیحت اور شریعت مطہرہ پر قائم رہنے کی نصیحت کی، آپ نے تا حیات نماز کی ادائگی میں پاسداری اختیار کی، حتیٰ کہ نمازِ تہجد اور دیگر نوافل پر بھی مداومت کی، طہارت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ وضو سے رہتے ہوئے بھی ہر نماز کے لیے تازہ وضو فرماتے، ڈاکٹروں کی ممانعت پر بھی آپ نے حالتِ بیماری میں وضو کیا، انگریزی اشیا، دوات، دوائیں اور دیگر کو کبھی بھی استعمال نہ کیا، آپ کی طبیعت میں مہمان نوازی کا جذبہ نہایت بلند تھا، گویا مہمان کو آپ خدا کی رحمت سمجھتے تھے اور ہر کس و ناکس سے شفقت و محبت کا سلوک کرنا آپ کی منکسر المزاجی کو ظاہر کرتا ہے۔ غرض یہ کہ آپ سراپا خلوص و محبت تھے۔

وصال:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی تا عمر اہلِ اسلام کو اپنے علمی، روحانی اور عرفانی

فیوض سے مالا مال فرماتے رہے۔ اللہ رب العزت کی مرضی و مشیت کے مطابق علم و فضل اور زہد و اتقا کا یہ روشن ستارہ 92/ برس کی عمر میں 14/ محرم الحرام 1402ھ بمطابق 12 نومبر 1981ء بروز جمعرات شب ایک بج کر چالیس منٹ پر غروب ہوگیا۔ جوں ہی ریڈیو کے ذریعہ آپ کے وصالِ پُر ملال کی خبر اکنافِ عالم میں نشر ہوئی، پورے عالمِ اسلام میں رنج و غم کی فضا چھا گئی۔ سارا ماحول سوگوار ہوگیا۔ مختلف ممالک سے آپ کے عقیدت مند، مریدین و متوسلین جوق در جوق اپنے اس عظیم روحانی رہ نما کے آخری دیدار کے لیے بریلی جمع ہونے لگے۔ 15/ محرم الحرام 1402ھ بروز جمعہ صبح تقریباً نو بجے آپ کے جسدِ خاکی کو غسل دیا گیا۔ صبح تقریباً دس بجے جنازۂ مبارک لاکھوں عشاق کی اشک بار آنکھوں سے خراجِ عقیدت و محبت وصول کرتا ہوا کلمۂ طیبہ اور درود و سلام کی پُر کیف و روحانی گونج میں کاشانۂ اقدس سے برآمد ہوا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب ہر دل تڑپ رہا تھا۔ ہر آنکھ برس رہی تھی۔ ہر فرد مغموم تھا گویا انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جو اپنے اس عظیم محسن کو آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے لیے بریلی میں امنڈ آیا تھا۔ تقریباً دوپہر سوا تین بجے نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ اخباری رپورٹوں کے مطابق نمازِ جنازہ میں تقریباً پانچ لاکھ اور جلوسِ جنازہ میں تقریباً بیس لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ حکومتِ وقت کے وزرا اور بیرونِ ملک کے سفرا و مشاہیر بھی بریلی حاضر ہوئے۔ تقریباً ہر زبان کے ملکی و بین الاقوامی اخبارات و رسائل نے حضرت نوریؔ بریلوی کے وصالِ پُر ملال پر تعزیتی پیغامات شائع کیے۔ "شیخ المشائخ 1892ھ" سے سنِ ولادت اور "عظیم الشان 1402ھ" سے سنِ رحلت نکلتا ہے۔ (6)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے مریدین ہندوستان، پاکستان کے علاوہ حجازِ مقدس، مصر، عراق، برطانیہ، افریقہ، امریکہ، ترکی، افغانستان، بنگلہ دیش، وغیرہ ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے علما، فضلا اور دانش وروں نے آپ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ آپ کے مریدین کی تعداد ایک کروڑ سے زائد ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ بیش تر جن بھی آپ سے بیعت تھے۔ آپ کی علمی و ادبی اور سیاسی و تدریسی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جس کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ اگلے صفحات پر آپ کی خدمات پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

حواشی

(1) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: مفتیِ اعظم نمبر، ستمبر، نومبر 1990ء، ص 15/14
(2) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج 1 ص 23/22
(3) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج 1 ص 25
(4) محمد جلال الدین قادری: محدث اعظم پاکستان، مکتبۂ نبویہ، لاہور، ج ا ص 67
(5) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج 1 ص 18/17
(6) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: مفتیِ اعظم نمبر، بریلی، ستمبر تا نومبر 1990ء ص 49

{............}

نقشۂ سلاسلِ علوم

(الف) خیر آبادی سلسلۂ تلمذ

علامہ مولانا فضل حق خیر آبادی

مولانا عبدالعلی خاں رام پوری (الریاضی)　　　　مولانا عبدالحق خیر آبادی

امام احمد رضا محدث بریلوی　　　　مولانا ظہور الحسین رام پوری　　　　مولانا　سید　عبدالعزیز

انی[illegible]وی

مولانا رحم الٰہی منظر نگری

حضرت مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی
(قدست اسرارہم)

نقشۂ سندِ احادیثِ مبارکہ وعلومِ متفرقہ

(ب) دہلوی و بریلوی سلسلۂ تلمذ

نقشۂ سندِ حدیثِ مسلسل بالاوّلیّت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوقابوس مولا عبداللہ بن عمرو بن عاص

حضرت سفیان بن عمرو بن دینار

حضرت سفیان بن عینیہ

حضرت عبدالرحمن بن بشیر بن الحکم

حضرت ابوحامد احمد بن محمد بن یحییٰ بن بلال ◎ر

حضرت ابوطاہر بن محمد بن محمد محمش الزیادی

حضرت ابوصالح احمد بن عبدالملک المؤذن

حضرت ابوسعید اسماعیل بن ابوالصالح احمد بن عبدالملک نیشاپوری

حضرت حافظ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی

حضرت ابوالفرج عبداللطیف بن عبدالمنعم الحرانی

حضرت ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراہیم الکبریٰ المیدومی

شیخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد التدمیری

شیخ الفضل عبدالرحیم بن حسین العراقی

شیخ الشہاب ابوالفضل احمد بن علی العسقلانی ابن حجر

شیخ شمس الدین سخاوی القاہری

شیخ وجیہ الدین عبدالرحمن بن ابراہیم علوی

شیخ محمد افلح الیمنی

شیخ عبدالوہاب بن فتح اللہ بروجی

(یکے از فقراے سید عبدالوہاب المتقی)

شیخ زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی

شیخ ابوالفتح محمد بن ابو بکر بن الحسین المراغی

(جاری ہے)

شیخ سید ابراہیم التازی

شیخ احمد حجی الوہرانی

شیخ سعید بن محمد المتقری

شیخ سعید بن ابراہیم الجزائری قدورہ

شیخ یحییٰ بن محمد شاوی

شیخ عبداللہ بن سالم البصری

شیخ سید عمر

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

شیخ ابوالرضا بن اسماعیل دہلوی (نواسۂ شیخ محقق)

سید مبارک فخرالدین بلگرامی

سید شاہ حمزہ بن سید آل محمد بلگرامی حسنی الواسطی

سید آل احمد اچھے میاں مارہروی

سید آل رسول احمدی مارہروی

امام احمد رضا محدث بریلوی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

سید آل رسول احمدی مارہروی

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی
(قدست اسرارہم)

نقشۂ سندِ حدیثِ مسلسل بالاوّلیّت
(یہ سندِ حدیث بہت عالی ہے)

حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر شیخ الشہاب ابوالفضل احمد بن حجر العسقلانی تک وہی سند ہے جو ما قبل سند گذری..........اس کے بعد سند یوں ہے :

شیخ الاسلام اشرف زکریا بن محمد الانصاری

شیخ ابوالخیر بن عموس الرشیدی

شیخ محمد بن عبدالعزیز

شیخ احمد بن محمد الدمیاطی المعروف ابن عبدالغنی

شیخ مولانا احمد حسن الصوفی مرادآبادی

سید شاہ ابوالحسین احمد النوری مارہروی

امام احمد رضا محدث بریلوی

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی
(قدست اسرارہم)

نقشۂ سندِ فقہِ حنفی

اس سند کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تمام تر اساتذۂ کرام و مشائخ ذوی الاحترام حنفی المسلک ہیں..........اس نقشۂ سندِ فقہ حنفی کو "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ جلد اول ص ۵" سے نقل کیا جارہا ہے، نشانِ خاطر فرمائیں :

النبی الکریم الامین علیہ الصلاۃ والسلام

حضرت عبداللہ بن مسعود

حضرت علقمہ　　　　حضرت الاسود

حضرت ابراہیم

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ

حضرت ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی

حضرت احمد بن حفص (الشہیر ابوحفص الکبیر)

شیخ ابوعبداللہ السبذ مونی

شیخ ابوبکر محمد بن الفضل البخاری

شیخ القاضی ابوعلی النسفی

(جاری ہے)

امام شمس الائمۃ الحلوانی

امام فخر الاسلام البزدوی

امام برہان الدین (صاحب الہدایہ)

امام عبدالستار بن محمد الکردری

شیخ جلال الدین الکبیر

شیخ عبدالعزیز البخاری

شیخ جلال الدین الخبازی

شیخ علاؤالدین السیرانی

شیخ السراج قاری الہدایہ

شیخ الکمال بن الہمام (صاحب فتح القدیر)

شیخ سری الدین عبدالبر بن الشحنہ

شیخ احمد بن یونس الشلبی

شیخ محمد بن عبدالرحمن المسیری　شیخ عبداللہ النحریری　شیخ محمد بن احمد الحموی　شیخ احمد الحبتی

شیخ حسن الشرنبلالی (صاحب نور الایضاح وغیرہ)　شیخ علی المقدسی　شیخ الشمس الحانوتی　شیخ عمر بن نجیم

شیخ احمد شوبری

شیخ اسماعیل بن عبدالغنی النابلسی (صاحب شرح الدرر والغرر)

شیخ عبدالغنی بن اسماعیل بن عبدالغنی النابلسی (صاحب الحدیقۃ الندیۃ وغیرہ)

شیخ اسماعیل بن عبداللہ الشہیر علی زادہ البخاری

شیخ عبدالقادر بن خلیل

شیخ یوسف بن محمد بن علاؤالدین المزجاجی

شیخ محمد عابد الانصاری المدنی

شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر مفتیِ مکہ

شیخ عبدالرحمن السراج بن شیخ عبداللہ السراج مفتیِ مکہ

امام احمد رضا محدث بریلوی

مفتیِ اعظم علامہ مصطفی رضا نوریؔ بریلوی
(قدست اسرارہم)

{............}

ب: علمی خدمات

علم اور علما کی قرآن و حدیث میں بہت فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ دراصل علم سیکھنے اور سکھانے کا عمل ہے۔ علما کو انبیاے کرام علیہم السلام کا وارث بتاتے ہوئے خوف وخشیتِ الٰہی میں ان کو دیگر بندوں پر ممتاز قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ انبیاے کرام کی بعثت و نبوت کا بنیادی مقصد اسلام کی ترویج و اشاعت تھا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور انور ﷺ تک تمام نبیوں اور رسولوں نے اللہ رب العزت کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچایا۔ نبیِ آخرالزماں مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ پر اللہ رب العزت نے نبوت و رسالت کا خاتمہ فرمادیا۔ آپ ﷺ کے بعد اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی تمام تر ذمہ داریاں علماے امت پر عائد ہوگئیں۔ اور جب بھی اہلِ اسلام کسی ناگفتہ بہ صورتِ حال سے دوچار ہوئے یا اسلام کے خلاف

دشمنانِ اسلام نے سازشیں کیں تو علماے کرام کی مقدس جماعت نے ان کا جواں مردی سے مقابلہ کرتے ہوئے مذہبِ اسلام کی صحیح تصویر پیش کی۔

ایک سچا اور حق پسند عالمِ دین اپنے افکار و نظریات اور رجحانات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پرکھتا ہے۔ اس کے اقوال و اعمال اور عقائد کی اساس خلوص و للّٰہیت پر ہوتی ہے۔ اس کا دل و دماغ تجلیاتِ ربانی اور انوارِ محمدی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ وہ کسی کی رؤ رعایت نہیں کرتا۔ اس معاملے میں اس کا طریقۂ کار اس طرح ہوتا ہے کہ وہ اپنوں کے ساتھ ریشم کی طرح نرم و ملائم اور دشمنانِ اسلام کے ساتھ فولاد سے زیادہ سخت بن جاتا ہے گویا حق بات کہنے میں اپنوں اور بے گانوں میں کوئی تفریق مدِ نظر نہیں رکھتا۔ دوستوں کی بے جا طرف داری سے گریز اور سچائی و صداقت کا برملا اظہار اس کا شعار ہوتا ہے۔ اس کی دوستی اور دشمنی دونوں اللہ کے لیے ہوتی ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفی رضا نوریؔ بریلوی کی شخصیت ان اوصاف سے متصف تھی۔ علم و فضل اور زہد و اتقا کے سبب آپ کو اپنے عہد کے علما میں ممتاز اور نمایاں مقام حاصل رہا۔ آپ نے تمام تر چیزوں کو دینی نقطۂ نگاہ سے دیکھا اور جو چیز مذہب کی روشنی میں ہوتی تھی اس کو قبول کیا اور جو اس کے خلاف ہوتی تھی اس کو ٹھکرا دیا۔ آپ کی زندگی کے شب و روز کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کی جملہ خدمات خواہ وہ علمی ہوں یا ادبی، سیاسی ہوں یا تدریسی ان تمام میں آپ نے مذہبِ اسلام کی ترویج و اشاعت کو مقدم جانا اور اللہ تعالیٰ کے ڈر و خوف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کو پیشِ نگاہ رکھا۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفی رضا نوریؔ بریلوی کی علمی، ادبی، سیاسی اور تدریسی خدمات کا دائرہ کار وسیع و عریض ہے۔ اس موضوع پر اگر مفصل قلم اٹھایا جائے تو ایک ضخیم مقالہ سپردِ قرطاس کیا جاسکتا ہے۔ پیشِ نظر مقالہ کا خاص موضوع حضرت نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری ہے۔ اس لیے یہاں آپ کی علمی، ادبی، سیاسی اور تدریسی خدمات کا جائزہ اختصاراً پیش کیا جارہا ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفی رضا نوریؔ بریلوی کو مختلف علوم و فنون پر دست رس حاصل تھی۔ آپ کی تصانیف کے مطالعہ کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ علمِ تفسیر، علمِ حدیث، علمِ فقہ اور دیگر علوم و فنون سے متعلق آپ کی خدمات یقیناً لائق صد آفریں

ہیں۔ چوں کہ علمِ فقہ میں آپ کی خدمات انتہائی وسیع تر ہیں اوراسی کو جملہ خدمات میں ممتاز حیثیت حاصل ہے کہ اسی کے سبب آپ کو "مفتیِ اعظم" جیسے مہتم بالشان لقب سے نوازا گیا۔ چناں چہ اوّلاً اسی کو بیان کیا جاتا ہے۔

علمِ فقہ

فقہ وافتا: افتا کے معنی ہیں فتویٰ دینا۔ فتویٰ شرعی مسائل میں ماہرِ شریعت کے فیصلے کو کہتے ہیں۔ اور علمِ فتویٰ کو علمِ فقہ بھی کہتے ہیں۔ فقہ ایک نہایت عالی اور کامل فن ہے جو آغازِ اسلام ہی میں وجود میں آیا۔ افتا چوں کہ نہایت اہم اور ذمہ داری کا کام ہے۔ اس لیے ابتداے اسلام سے ہی اس کا ایک مخصوص محکمہ قائم تھا۔ جس کا نام "محکمۂ افتا" تھا۔ اس محکمہ میں اسلامی قوانین کے ماہرین جنھیں "فقیہ" کہا جاتا ہے۔ تشنگانِ علومِ دینیہ کی طرف سے پوچھے گئے مسائل کے جوابات دیا کرتے تھے۔ فقیہ کو عرفِ عام میں "مفتی" بھی کہا جاتا ہے۔

امتِ مسلمہ میں علماے دین کے دو طبقوں نے خاص طور پر اسلام کی خدمت نمایاں طور پر کی ہیں۔ ایک محدثینِ کرام کا طبقہ جس نے احادیثِ نبوی کی روایات اور ان کے بیان وضبط کا اہتمام فرمایا اور اسناد وغیرہ پر گہری نظر رکھی۔ دوسرا فقہا (مفتیانِ کرام) کا طبقہ جس نے قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی سے مسائل واحکام کا استنباط واستخراج کیا اور الفاظِ حدیث سے زیادہ معاً حدیث اور اس سلسلہ کے اصول وقواعد پر ان کی نظر مرکوز رہی۔ مفتیانِ کرام کا تعلق اسی دوسرے طبقہ سے ہے۔

خانوادۂ نوریؔ بریلوی میں افتا کی بنیاد

تیرہویں صدی ہجری میں مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے جدِ امجد امام العلماء مفتی رضا علی خاں بریلوی (م1282ھ/1865ئ) نے 1246ھ/1831ء میں بریلی میں مسندِ افتا کی بنیاد رکھی اور 1282ھ/1865ء تک فتویٰ نویسی کا گراں قدر کام انجام دیا۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند مولانا نقی علی بریلوی نے 1297ھ تک اپنے والدِ ماجد کی جگہ فتویٰ نویسی کا کام بہ حسن وخوبی انجام دیا اور مولانا نقی علی بریلوی نے اپنے والدِ گرامی کی طرح اپنے تمام صاحب زادوں کو زیورِ علم سے آراستہ کیا اور ان میں امام احمد رضا محدثِ بریلوی کو خصوصی طور پر علمِ فقہ سے بہرہ ور فرما کر فتویٰ نویسی کے لیے متعین کیا۔ 1293ھ/1876ء کو

مولانا نقی علی نے امام احمد رضا کو فتویٰ نویسی کی کُلی طور پر اجازت دی، امام احمد رضا بریلوی نے 1297ھ/1880ء سے 1340ھ/1921ء تک مسلسل فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں۔ آپ پوری دنیا کے مسلمانوں کے مرجع تھے۔ ایسا مانا جاتا ہے کہ آپ کے دارالافتاء میں برِّ اعظم ایشیائ، یورپ، امریکہ، افریقہ سے استفتا وارد ہوتے تھے اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو سوالات جمع ہوجایا کرتے تھے اور آپ تمام کا شافی وکافی جواب عنایت فرماتے تھے۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے بھی اپنے آباواجداد کی طرح اپنے صاحب زادوں کو فتویٰ نویسی کی خصوصی تربیت دی، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا بریلوی اور مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی دونوں ہی اپنے وقت کے ممتاز فقیہ کہلاے۔ آج بھی خانوادۂ رضویہ میں فتویٰ نویسی کا کام بہ حسن وخوبی انجام دیا جارہا ہے۔ جانشینِ مفتیِ اعظم علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری برکاتی ازہری بریلوی زیبِ مسندِ افتا وارشاد ہیں۔

علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی فتویٰ نویسی کا آغاز

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ فتویٰ نویسی حضرت نوریؔ بریلوی کے خانوادے کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ اس فن کے امام کہے جاتے ہیں۔ آپ کے زمانے میں آپ جیسا تفقہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔ آپ کی ذات مرجعِ علما وخواص رہی۔ آپ کی اصابتِ راے اور فکری گیرائی وگہرائی کی مثال ملنی مشکل ہے۔ مختلف مسائل پر آپ کے فتاوے ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ جس کے کچھ نمونے "فتاویٰ مصطفویہ" کی شکل میں منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ جو علوم ومعارف کے گہر ہاے آب دار کہلاتے ہیں۔ آپ کی فتویٰ نویسی کی ابتدا کے بارے میں مولانا محمود احمد قادری مظفر پوری لکھتے ہیں:

> "مولانا ظفر الدین (بہاری) ومولانا سید عبدالرشید (عظیم آبادی) دارالافتاء میں کام کررہے تھے ایک دن آپ دارالافتاء پہنچے مولانا ظفرالدین فتویٰ لکھ رہے تھے، مراجع کے لیے اُٹھ کر فتاویٰ رضویہ المماری سے نکالنے لگے حضرت (نوریؔ بریلوی) نے فرمایا، نوعمری کا زمانہ تھا، میں نے کہا! فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہو؟ مولانا نے فرمایا، اچھا تم بغیر دیکھو لکھ دو تو جانوں، میں نے فوراً لکھ دیا، وہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔ یہ پہلا جواب تھا آپ کا یہ واقعہ 1328ھ کا ہے،

اصلاح کے لیے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ صحت جواب پر امام اہل سنت بہت خوش ہوئے اور "صحیح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب" لکھ کر دستخط ثبت فرمایا۔ اور "ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن عرف مصطفیٰ رضا" کی مہر مولانا یقین الدین سے بنوا کر عطا فرمائی۔"(1)

بلاشبہ اسے فیضانِ نظر ہی کہا جاسکتا ہے کہ 18/ برس کی عمر میں بغیر کتاب کی مدد اور مشاہدے کے؛ فقط حافظے کی بنیاد پر قلم برداشتہ جواب لکھ دینا یقیناً قابلِ تحسین ہے۔ چناں چہ یہ حُسنِ تربیت کا فیضان ہی تھا ورنہ مکتب کی کرامت میں یہ بات کہاں؟ اور یہ بھی عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے قلم سے جو پہلا فتویٰ صادر ہوا تو وہ بھی رضاعت ہی کا تھا اور جب ان کے فرزندِ سعید نے قلم اٹھایا تو پہلا مسئلہ جو قلم بند کیا وہ بھی مسئلۂ رضاعت ہی تھا۔ 18/ سال سے فتویٰ نویسی کی ابتدا ہوئی تو پھر تاحیات یہ سلسلۂ خیر جاری رہا اور آپ کا یہی وہ نمایاں فن تھا، جس میں اس وقت برصغیر میں آپ کی نظیر نہیں۔

عکسِ مہر:

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے معاصر علمائے کرام آپ کی علمی برتری اور تفوق کے قائل رہے۔ اختلاف کی صورت میں آپ کی جانب رجوع کیا جاتا، جس فتویٰ پر آپ کی مہرِ تصدیق ثبت ہوتی، اس میں کسی کو چوں چرا کی گنجایش نہیں رہتی، آپ کی رائے سند اور قولِ فیصل کا درجہ رکھتی تھی۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے بعد اُمتِ مسلمہ جن مسائل سے دوچار ہوئی۔ ان مسائل کو آپ نے جس تحقیقِ انیق سے واضح کرتے ہوئے ان کا حل پیش کیا وہ آپ کی اعلاترین اجتہادی صلاحیتوں اور فقہی بصیرتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں نشانِ خاطر ہوں :

(1) انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ

روزہ رہتے ہوئے انجکشن لگانے سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ جب پہلی بار مفتیانِ کرام کے سامنے آیا تو بیش تر حضرات متردد رہے کچھ نے انجکشن لگوانے پر روزہ فاسد ہوجانے کا حکم دیا تو کچھ نے کہا گوشت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، ہاں! رگ میں لگوانے سے روزہ فاسد ہوجائے گا کیوں کہ دوائیں گوشت سے معدہ تک پہونچتی ہیں وغیرہ۔

لیکن حضرت نوریؔ بریلوی نے کہا کہ :

"انجکشن گوشت میں لگوایا جائے یا رگ میں کسی صورت میں اس کی دوائیں معدہ تک منفذ کے ذریعے نہیں پہونچتی ہیں بل کہ مسامات کے ذریعہ پہونچتی ہیں، اس لیے روزہ فاسد نہیں ہوگا"(2) ملخصاً

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے فقہ کے ضابطے سے کہ "اگر کوئی بیرونی چیز بغیر منفذ کے معدہ تک پہونچے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا"۔ روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا؛ اس کی وضاحت فرمائی نیز آپ نے اس میں طبی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھا اور پھر فتویٰ صادر کیا، اور ملتِ اسلامیہ کی صحیح رہنمائی فرمائی۔

(2) چاند پر انسان کا پہنچنا

جب چاند پر پہلا قدم رکھنے کے لیے روس اور امریکہ ایک دوسرے پر سبقت اور اوّلیت لے جانے کی جدوجہد اور تگ ودو میں مصروف تھے تو چاند کو خدائی کا درجہ دینے والوں اور اس کی عبادت و پرستش کرنے والوں کے ساتھ ساتھ بعض مفتیانِ کرام بھی اسے روس اور امریکہ کا جنون اور بکواس قرار دے رہے تھے ان کا استدلال تھا کہ :

"چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہونے کا خیال اسلامی اصول کے خلاف ہے۔"

بیش تر علمائے کرام گومگو کی کیفیت سے دوچار خاموش تھے لیکن مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے کہا کہ :

"جب چاند کی طرف نگاہ اُٹھائی جاتی ہے تو وہ آسمان کے نیچے دکھائی دیتا ہے۔ صحابیِ رسول رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کے مطابق سورج چاند اور ستارے سبھی زمین وآسمان کے درمیان مسخر ہیں جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے۔

عن ابن عباس ان الشمس والقمر والنجوم کلھا مسخرات بین السماء والارض... الغرض مشاہدہ اور روایات دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ چاند آسمان کے نیچے ہے اور جب چاند آسمان کے نیچے ہے تو چاند پر پہنچنے سے آسمان پر پہنچنا کہاں لازم آتا ہے کہ چاند پر پہنچنا ممکن ہے اور اگر کسی مشینی ذریعہ سے انسان چاند پر پہنچ جائے تو اس سے اسلام کا کوئی اصول مجروح نہیں ہوگا۔"(3)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے اس فتوئی سے جہاں آپ کی مجتہدانہ صلاحیت وقابلیت کا اظہار ہوتا ہے وہیں تفاسیر پر آپ کی وسعتِ نظری اور اسلامی اصولوں سے مکمل واقفیت وآگاہی کا اندازہ بھی لگتا ہے۔

(3) 29ر تاریخ کو ہوائی جہاز سے چاند دیکھے جانے کا مسئلہ

جنرل محمد ایوب خاں کے دورِ صدارت میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے علما کی شمولیت میں رویتِ ہلال کمیٹی قائم کی گئی اور سطحِ زمین سے چاند نہ دیکھے جانے کی صورت میں ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کی کوشش کرنا طے پایا۔ چوں کہ یہ مسئلہ فقہ کی کتابوں میں موجود نہیں تھا اس لیے دنیاے اسلام کے بڑے بڑے مفتیانِ کرام سے فتوئی طلب کیا گیا تمام مفتیانِ کرام نے ہوائی جہاز سے 29ر کا چاند دیکھے جانے پر روزہ اور عید کرنا جائز قرار دیا مگر مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے فرمایا:

"چاند سطحِ زمین سے دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا حکم ہے جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں قاضیِ شرع شرعی ثبوت پر روزہ وعید کا حکم دیں گے۔ سطحِ زمین یا وہ جگہ جو سطحِ زمین سے ملی ہوئی ہو وہاں سے چاند دیکھا جائے تو معتبر ہے، جہاز سے چاند دیکھا جانا معتبر نہیں۔ چاند نگاہوں سے پوشیدہ ہوجاتا ہے فنا نہیں ہوجاتا۔ اس لیے مزید بلندی پہ جایا جائے تو انتیس کے بجاے اٹھائیس کو بھی نظر آسکتا ہے اب اگر کوئی ہوائی جہاز سے اٹھائیس ہی کو چاند نظر آجائے تو روزہ وعید کا حکم دیا جائے گا؟"

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کا فتوئی صادر فرمانا تھا کہ پاکستان کے تمام

اخباروں نے جلی سُرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ حکومت نے 28ر تاریخ کو ہوئی جہاز اڑا کر اس کی تصدیق کرنا چاہی تو واقعی کافی بلندی پر جانے سے چاند نظر آگیا۔ جس سے آپ کے فتوئی کی صداقت کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ہوا اور حکومتِ پاکستان نے ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے کی کوشش ترک کردی۔(4)

ان فتاووں کے علاوہ تصویر کھنچوانے کے جواز وعدم جواز، نیز لاؤڈ اسپیکر پر نماز ادا ہونے نہ ہونے سے متعلق اور دیگر سلگتے ہوئے مسائلِ جدیدہ میں آپ نے جس انداز سے تحقیق و تدقیق فرما کر مسئلہ کی صحیح صورت حال کو واضح کر کے حکم صادر فرمایا ہے ان سے آپ کی اعلاترین اجتہادی صلاحیتوں، فقہی مہارتوں اور علمِ فقہ پر غیور مطالعے اور گہری نظر کا پتہ چلتا ہے۔

مفتیِ اعظم کا خطاب

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی اعلا فقہی بصیرت کو دیکھتے ہوئے، امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے ساتویں عرس منعقدہ 25ر صفرالمظفر 1347ھ اگست 1928ء کے عظیم الشان اجلاس میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی (برادرِ اکبر) سمیت غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے مفتیانِ کرام، علماے عظام اور مشاہیر قوم کی موجودگی میں آپ کو "مفتیِ اعظم" کہا گیا اور حضرت حجۃ الاسلام کے حکم سے منظور شدہ تجویزوں میں سے تجویز نمبر 3 میں آپ کو "صدرالعلما" اور "مفتیِ اعظم" کا لفظ لکھا گیا۔(5)

اسی طرح آل انڈیا سنی کانفرس منعقدہ 27 تا 30ر اپریل 1946ء بہ مقام بنارس کے تاریخ ساز اجلاس جس میں پانچ سو مشائخ عظام سات ہزار مفتیانِ کرام اور علماے فخام شریک تھے اس میں آپ کو بار بار "مفتیِ اعظم" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اور اس کی مختلف تجویزوں میں "مفتیِ اعظم" لکھا گیا۔(6) تب سے حضرت نوریؔ بریلوی کو دنیاے اہل سنت عقیدت واحترام کے ساتھ "مفتیِ اعظم" کے معزز لقب سے یاد کرتی ہے، یہاں تک کہ جب کوئی "مفتیِ اعظم" کہتا ہے تو اس سے شہزادۂ اعلاحضرت علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی ہی مراد لیے جاتے ہیں۔

علمِ تفسیر

ایک کامیاب فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ کامیاب مفسر بھی ہو، آشنائے رموزِ قرآنی اور مستند تفاسیر پر گہری نظر رکھتا ہو۔ کیوں کہ فتویٰ نویسی کے دوران مسائل کے استخراج اور استنباط اور استفتا کے جوابات میں بار بار قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ کا سہارا لینا پڑتا ہے، مسئلہ کی مکمل توضیح وتشریح کے لیے قرآنی آیات کی تشریح وتفسیر کرنا پڑتی ہے۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفی رضا نوری بریلوی نہ صرف یہ کہ کامیاب مفتی تھے بل کہ علماے کرام اور مفتیانِ شرعِ متین کی کثیر جماعت نے آپ کو "مفتیِ اعظم" کے لقب سے نوازا تھا؛ بہ ایں طور دیکھا جائے تو مفتیِ اعظم علامہ مصطفی رضا نوری بریلوی کا مفسر ہونا یقینی ہے۔ چناں چہ آپ کی تصنیفات وتالیفات اور حواشی نیز فتاویٰ مصطفویہ کی مجلدات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ علوم قرآنیہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے نیز مستند تفاسیر پر آپ کی گہری نظر تھی اور آپ نے تفسیری حواشی بھی تحریر کیے، تفسیرِ احمدی پر آپ کا حاشیہ رضوی دارالافتاء بریلی شریف کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفی رضا نوری بریلوی کی علمِ تفسیر پر دقتِ نظر کا اجمالاً مطالعہ کرتے ہیں۔ آپ کی بارگاہ میں سوال آیا :

"زید کا قول ہے کہ شراب تھوڑی پئیں کہ حدِ سکر کو نہ پہنچے امام شافعی کے نزدیک اس کا پینا جائز وحلال ہے یہ صحیح ہے یا نہیں اگر نہیں تو مع حوالۂ کتب جواب عنایت ہو۔"

اس پر آپ نے ارشاد فرمایا:

"زید کا قول حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افترا ہے اوس پر پہلی آن میں اپنی اس افترا سے توبہ اور رجوع لازم اوس نے اوس جلیل الشان رکنِ دین امامِ مسلمین پر افترا کیا لاحول ولاقوۃ......الخ......شراب پیشاب کی طرح عین نجاست ہے"۔ اس کے بعد آیتِ کریمہ یاایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب ......الخ ......کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ: "اور جس پلیدی محرم العین، جس کے دماغ میں عقل کا چراغ کچھ بھی روشنی دے رہا ہو وہ بھی یہ نہ کہے گا کہ کسی پلیدی کا کوئی قلیل حصہ حلال ہے کثیر حرام ہے بل کہ جو شئے عین نجاست ہو نجاست کا کوئی ذرہ یا کوئی قطرہ پڑجانے سے پاک

شئے ناپاک ہوگئی جب تک وہ ناپاک رہی اوس وقت تک کوئی صحیح دماغ والا انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا کثیر حرام، قلیل حلال ہے شراب حرامِ قطعی ہے اوس کی حرمت کتاب وسنت اور امامِ امت سب سے ثابت۔"

اس کے بعد تفسیراتِ احمدیہ ص 243 کی عبارت پیش کرکے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا کہ زید کا قول حضرت امام پر نری تہمت ہے اس لیے اس پر توبہ لازم ہے۔ ملخصاً (7)

اس حوالے سے آپ کی علم قرآن اور تفسیر پر دقتِ نظر کا برملا اظہار ہوتا ہے۔

ایک سوال "ایسٹرن ٹائمز" لاہور سے 1354ھ میں آیا:

"قرآن کریم اور احادیث مبارکہ وغیرہم سے یہ امر ثابت فرما دیجیے کہ تلوار رکھنا مسلم کے لیے ضروری ہے ایک انگریز اخبار نے چھاپا ہے کہ تلوار رکھنا مسلمانوں کا مذہبی شعار نہیں لفظ 'تلوار' صاف صاف آنا چاہیے۔"

اس کے جواب میں آیت کریمہ:

"واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط......الخ......اور آیت کریمہ:"یاایھا الذین اٰمنوا خذوا حذرکم...الخ......کو تحریر فرما کر اس کی روشنی میں واضح کیا کہ مسلمانوں کو حفظِ ماتقدم بہ نیتِ مغلوبیِ اعداے دین تلوار رکھنا روا ہے، اور پھر اس کی توضیح مزید میں تفسیراتِ احمدیہ کے حوالے دے کر مسئلہ روشن وصاف کیا ہے۔"(8)

اسی طرح ایک مسئلہ راے بریلی سے 25 محرم الحرام 1358ھ کو آیا جسے ملخصاً پیش کیا جارہا ہے......سوال یوں تھا کہ :

"جن عورتوں کو حیض ونفاس ہوتا ہے جب تک وہ پاک نہیں ہوتیں تب تک بعض بعض شخص ان کے ہاتھ کا کھانا اور ان کے ہاتھ کا چھوا پانی کھانے پینے سے اعتراض کرتے ہیں کیا ایسا ہی حکم شریعت میں ہے۔"

مفتیِ اعظم علامہ مصطفی رضا نوری بریلوی نے ارشاد فرمایا:

"جو لوگ ایسا کرتے ہیں ناجائز وگناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور مشرکین کی پیروی کرتے ہیں بہ حالتِ حیض ونفاس صرف شرم گاہ سے استمتاع ناجائز ہے،

مشرکین کی طرح ایسی عورت کو بھنگن سے بھی بدتر سمجھنا بہت ناپاک خیال''۔

اس کے بعد تفسیراتِ احمدیہ کی طویل عبارت نقل کرتے ہوئے مسئلہ کو واضح کیا ہے اور یوں ارشاد فرمایا ہے کہ :

''مسلمانوں پر لازم ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں انھیں سمجھائیں اور یہود و مجوس وہنود وعنود کی اس ناجائز موذی رسم کی پیروی سے روکیں اگر وہ جہالت پر جمیں اپنی ہٹ پر اَڑیں ضد پر رہیں ان سے برادرانہ تعلقات چھوڑیں یہاں تک کہ وہ توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (9)

یوں تو علمِ قرآن وتفسیر کے حوالے سے مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تصانیف اور فتاووں سے درجنوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہاں اختصاراً صرف تین ہی مثال پر اکتفا کیا گیا ہے۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر مدارک، معالم التنزیل، ابن کثیر، نیشاپوری، خازن، کبیر، لباب التاویل، ابن جریر، بیضاوی، صاوی، روح البیان، جلالین، احمدیہ، عزیزی، مظہری وغیرہ کتبِ تفاسیر کے حوالے بہ کثرت ملتے ہیں اس سے آپ کی مستند تفاسیر پر ژرف نگاہی کا ثبوت ملتا ہے۔

علمِ حدیث

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کامیاب مفتی وفقیہ کے لیے جس طرح علومِ قرآنی کا ماہر ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح اسے محدث اور حدیث داں ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ محدث کے لیے مفتی اور فقیہ ہونا ضروری نہیں۔ اس بات کو اگر ذہن نشین رکھا جائے اور علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی المعروف بہ مفتیِ اعظم کی حدیث دانی اور فنِ حدیث میں آپ کے رسوخ اور تبحر کو نہ بھی بیان کیا جائے تب بھی یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح فقہ میں آپ کا مقام ومنصب انتہائی اعلا ہے اسی طرح فنِ حدیث میں بھی آپ کا مقام ومرتبہ انتہائی بلند و بالا ہے۔

ایک کامیاب مفتی کو فتویٰ نویسی کے دوران سائلین کے جوابات کے دوران جہاں آیاتِ قرآنیہ اور تفاسیر کے حوالے دینے پڑتے ہیں وہیں اپنے موقف کی وضاحت وصراحت کے لیے قدم قدم پر احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کا سہارا بھی لینا ہوتا ہے۔

اس تناظر میں اگر مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تصنیفات وتالیفات، حواشی اور فتاویٰ مصطفویہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ جہاں آپ اپنے عہد میں مفتیِ اعظم تھے وہیں محدثِ اعظم کے منصب پر فائز رہنے کے بھی حق دار ہیں۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تصنیفات، تالیفات اور فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان میں احادیث وآثار کی ایک حسین وجمیل دنیا آباد ہے۔ چناں چہ آپ کی محدثانہ بصیرت پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے مشہور ومعروف استاذِ حدیث مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری تحریر فرماتے ہیں :

''حضور مفتیِ اعظم کے بعض فتاوے دیکھ کر علمِ حدیث پر ان کی معلومات و وسعتِ نظر کا اعتراف واقرار کرنا پڑتا ہے اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح فقہ کی باریکیوں پر آپ کی نظر گہری تھی، اسی طرح علمِ حدیث کے آداب و اصول سے بھی آپ کلی طور پر واقف وآگاہ تھے۔''

(مفتیِ اعظم اور علمِ حدیث: مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری: مشمولہ جہانِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی ص 593/594)

اسی طرح مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی مسئلۂ اذانِ ثانی پر مشہور زمانہ تصنیف ''وقایۃ اہل السنۃ'' کا مکمل تجزیہ کرنے کے بعد ممتاز عالمِ دین رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے آپ کے محدثانہ مقام ومنصب اور آپ کی فنِ حدیث میں گیرائی اور گہرائی پر یوں اظہارِ خیال کیا ہے :

''فنِ حدیث میں حضور مفتیِ اعظم کے رسوخ وتبحر کو سمجھنے کے لیے وقایۃ اہل السنۃ کے اتنے اقتباسات ہی کافی ہیں، ورنہ اس دریائے ناپیدا کنار کے تلاطم کا تو یہ حال ہے کہ بحث کے جس نکتے پر قلم اٹھتا ہے مختلف سمتوں میں اتنی دور تک پھیل جاتا ہے کہ اس کا سمٹنا مشکل ہے۔ ابنِ اسحاق کی حدیث پر حضور مفتیِ اعظم نے فنِ حدیث کے ایسے ایسے علمی ذخائر اور نوادر کا انبار لگا دیا ہے کہ عقل حیران ہے کہ ہم کس کس رُخ سے اس جلوے کا تماشا دیکھیں اور اس چمکتے ہوئے نگار خانے میں کس کس گوہرِ تاب دار کی نشاندہی کریں ...... حضور مفتی

اعظم کو اب تک اپنے وقت کے عظیم فقیہ اعظم اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ایک فقید المثال اور وحید العصر کشورِ افتا کی حیثیت سے جانتے تھے، لیکن وقایۃ اہل السنۃ کے مطالعہ کے بعد ہر انصاف پسند کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ صرف مفتیِ اعظم نہیں تھے بل کہ وہ اپنے دور میں فنِ حدیث کے امام اعظم تھے۔"

(مفتیِ اعظم کا محدثانہ منصب: علامہ ارشد القادری: مشمولہ: جہانِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 568)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی فتویٰ نویسی میں طرزِ استدلال بھی اپنے اندر انفرادیت اور جامعیت کا درجہ رکھتا ہے۔ استدلال کے طور پر آپ پہلے آیاتِ قرآنیہ، پھر احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم، پھر کتبِ فقہ کی عبارات ونصوص، پھر اقوالِ ائمہ وعلما پیش کرتے ہیں۔ یقیناً ایسا وہی شخص کرسکتا ہے جو علومِ اسلامیہ کا ماہر وفاضل ہو اور ان علوم وفنون پر جس کی فکر سلیم ہو اور غیور نظر ہو۔ فتاویٰ مصطفویہ اور آپ کی دوسری تصنیفات وتالیفات کے مطالعہ ومشاہدہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے درج ذیل کتبِ احادیث اور کتبِ شروحِ احادیث کو زیرِ مطالعہ رکھا ہے اور ان کتب کے حوالے آپ کی تحریرات میں بہ کثرت ملتے ہیں۔ مثلاً :

"بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، خصائصِ نسائی، مشکوٰۃ، مرقات شرحِ مشکوٰۃ، اشعۃ اللمعات، مسند امام اعظم، موطا امام محمد، موطا امام مالک، کتاب الآثار، کتاب الخراج، شرح معانی الآثار، مسند امام شافعی، مسند امام محمد، سنن دارمی، بیہقی، مسند امام احمد بن حنبل، کنز العمال، مقدمۂ اصول حدیث، مختار الاحادیث، حصن حصین، طبرانی، مستدرک، معجم الکبیر، جامع کبیر، جامع صغیر، کتاب الترغیب، خصائص کبریٰ، صحیح البہاری، عینی شرح بخاری، فتح الباری شرح بخاری، دارقطنی، شرح السنۃ، طحاوی وغیرہ"۔

چناں چہ جس فقیہ کے فتاویٰ اور تصانیف میں اس قدر کثرتِ تعداد کے ساتھ کتبِ احادیث کے حوالے ملتے ہوں وہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بجا طور پر ایک باخبر حدیث داں اور محدث کہلانے کا واجب طور پر مستحق ہے۔ اسی طرح آپ کے مجموعہ فتاویٰ "فتاویٰ مصطفویہ" جو کہ 644/صفحات پر مشتمل ہے، اس میں 375/مسائل ہیں مگر ان میں احادیث کی کل تعداد 357/تک ہے۔ اس میں دیگر مفتیان کے مقابلہ میں مسائل کی تعداد کی نسبت سے احادیث کی

تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ نے ایک ایک سوال کے جواب کو دلائل وبراہین سے مزین وآراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ آیاتِ قرآنیہ کے بعد کہیں 38/احادیث، کہیں 25/احادیث، کہیں 20/احادیث، کہیں 15/احادیث تو کہیں 10/ 10/احادیث بھی پیش فرمائی ہیں بل کہ بعض فتاوے تو ایسے بھی ہیں جن میں آپ نے درجنوں احادیث سے استدلال کیا ہے اس سے آپ کے محدثانہ مقام ومنصب اور علمِ حدیث میں وسعتِ نظر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آخر میں مثال کے طور پر ایک استفتا فتاویٰ مصطفویہ سے نقل کیا جاتا ہے جس میں مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی سے سوال کیا گیا کہ :

"زید کہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل نہیں ہے اور یہ کہ آپ غیب نہیں جانتے تھے؟"

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے اس سوال کے جواب میں دس آیاتِ قرآنیہ، دس احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم پیش فرمائیں، پھر کتبِ فقہ کی عبارات و اقوالِ ائمہ سے اسے مزین وآراستہ کیا :

قرآنِ عظیم کی آیات کے بعد آپ نے حضور ﷺ کے علمِ غیب کے ثبوت میں یہ احادیث پیش فرمائی ہیں :

(1) ان اللہ قد رفع لی الدنیا وانا انظر الیہا والی ماھو کائن فیہا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہ (زرقانی علی المواہب اللدنیہ)

بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھائی یعنی میرے پیشِ نظر فرمادی اور جو کچھ اس میں روزِ قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے ہاتھ کی ہتھیلی کو۔

(2) اخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم و اھل النار منازلھم (مشکوٰۃ، ص 506، کتاب بدء الخلق وذکر الدنیا، الفصل الاول)

ہمیں سیدِ عالم ﷺ نے ابتداے آفرینش سے جنتیوں کے اور جہنمیوں کے اپنے اپنے منازل میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔

(3) اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا و مغاربھا

(مشکوٰۃ، ص 512، فضل سید المرسلین، الفصل الاول)

اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق ومغارب کو ملاحظہ فرمالیا۔

(4) تجلی لی کل شئی وعرفت

(مشکوٰۃ، ص 72، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، الفصل الاول)

ہر چیز مجھ پر روشن ہوئی اور میں نے پہچان لیا۔

(5) علمت مافی السمٰوٰت والارض (مشکوٰۃ، ص 70)

میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔

(6) قطرت فی حلقی قطرۃ فعلمت ماکان ومایکون

میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکا تو میں نے جان لیا ماکان ومایکون کو جو کچھ ہونے والا ہے سب کو۔

(7) مامن شئی کنت لم اراہ الا وقد رأیت فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار

(بخاری، ج 1، ص 18)

جو چیز میں نے نہیں دیکھی تھی انھیں میں نے اپنی اس جگہ پر دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت و دوزخ کو بھی دیکھا۔

(8) تجلی لی مابین السمآو الارض

آسمان وزمین کے درمیان کی ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی۔

(9) علمت مابین المشرق والمغرب

مشرق ومغرب کے درمیان سب کچھ میں نے جان لیا۔

(10) اخبرنا بما کان وبما ھو کائن فاعلمنا احفظنا (مسلم، ج 2، ص 390)

جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے حضور ﷺ نے ہمیں خبر دی تو ہم میں زیادہ علم والا وہ جسے زیادہ یاد رہا۔

الغرض آیات واحادیث ودیگر دلائلِ شرعیہ سے جواب واضح کرنے کے بعد مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”آیات واحادیث جن سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے علمِ غیب کا ثبوت ہے اور بھی ہیں مگر منکرین کے دس انکار کے مقابل دس آیات واحادیث پر

بس کریں۔“ (فتاویٰ مصطفویہ، مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، ص 32)

فنِ تاریخ گوئی

علمِ تفسیر، علمِ فقہ، علمِ حدیث، وغیرہ علوم وفنون کی طرح مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی فنِ تاریخ گوئی میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور اس فن میں بھی مثالی حیثیت کے حامل تھے۔ آپ کی بیش تر تصانیف کے نام قریب قریب تاریخی ہیں۔ وجوبِ حج کے سلسلے میں آپ کی ایک کتاب ہے: ”حجۃ واہرہ بوجوب الحجۃ الحاضرہ (1344ھ)“ اس کا نام تاریخی ہے اس کا سنِ تصنیف 1344ھ ہے۔ اسی طرح ”القول العجیب فی اجوبۃ التثویب“ یہ بھی تاریخی نام ہے جو 1339ھ کی تصنیف ہے۔ دیوانِ نعت ”سامانِ بخشش“ کا نام بھی تاریخی ہے۔ آپ نے اس کا دوسرا نام ”گلستانِ نعتِ نوری“ رکھا، اس لیے کہ یہ دیوان 1347ھ سے 1354ھ کے درمیان مکمل ہوا دونوں سن کے حساب سے آپ نے اس کے دو نام رکھے ”سامانِ بخشش عرف گلستانِ نوری“۔

علاوہ ازیں اور بھی کئی تصانیف ہیں جن کے نام تاریخی ہیں۔ مریدین ومعتقدین کے یہاں جب بچہ پیدا ہوتا تو حضرت سے تاریخی نام دریافت کرتے آپ فوراً بتا دیتے بعد میں جب اس نام کے تاریخی اعداد جوڑے جاتے تو وہ ایک دم صحیح اور تاریخی ہوتے۔

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد (م 1382ھ) کے وصال پر صوفی اقبال احمد نوری بریلوی نے ماہ نامہ ”نوری کرن“ کا خاص نمبر 1962ء میں شائع کیا جس کے لیے انھوں نے حضرت سے تاریخِ وصال کی درخواست کی حضرت نے فرمایا کل صبح بعد نمازِ فجر آنا۔ صوفی صاحب موصوف دوسرے دن بعد نمازِ فجر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت بیٹھک میں بیٹھے وظیفہ میں مشغول تھے انھیں اشارہ سے بیٹھنے کو کہا بعد فراغتِ وظیفہ ایک کاغذ لیا اور صرف بیس منٹ میں حسبِ ذیل لوحِ تاریخِ وصال لکھ کر عطا کردی۔

لوحِ تاریخِ وصال (1382ھ)

آہ میرا روشن چاند جاتا رہا (1382ھ)

غروبِ مہ صلحا (1382ھ)

فیضانِ تام (1382ھ)

فیضانِ اتم (1382ھ)

منبعِ کرم مقبولِ عصر امیر العلمائ (1382ھ)

آئینۂ اسرار مقصودِ آفاقِ زین ودانش (1382ھ)

مشہورِ انام پیشوا چارہ سازِ بیکساں (1382ھ)

ہادیٔ بُستان رہبرِ اسلام نور الہدیٰ (1382ھ)

مولٰنا الاوحد الاسدُ الاسعدُ الارشد بحرِ علم (1382ھ)

سعادت مآب مولوی سردار احمد صاحب (1382ھ)

ذکی ومحدث باکمال (1382ھ)

رضی عنہ مولاہ الصمد (1382ھ)۔

لوحِ تاریخِ وصال کے اس استخراج میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ "لوحِ تاریخِ وصال" کے اعداد بھی 1382ھ ہیں جو کہ محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ کا سنِ وصال ہے۔

اسی "نوری کرن" میں منظوم تاریخِ وصال بھی نوریؔ بریلوی نے مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمۃ کی رقم فرمائی، یہ نظم 33/اشعار پر مشتمل ہے، جس کے تین اشعار جن میں تاریخِ وصال درج ہے خاطر نشین ہوں

مر گیا فیضان جس کی موت سے
ہائے وہ "فیضِ انتما" جاتا رہا 1382ھ

"یا مجیب اغفرلہ" تاریخ ہے 1382ھ
کس برس وہ رہنما جاتا رہا

دیو کا سر کاٹ کر نوریؔ کہو
"چاند روشن علم کا جاتا رہا" 1382ھ

تصنیفات وتالیفات وحواشی

علمی خدمات کے ضمن میں تصنیفات وتالیفات اور حواشی کا ذکر بھی غیر ضروری نہ ہوگا۔

یوں تو بعض تصانیف ادبی خدمات کے زمرے میں بھی آتی ہیں۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے تمام قلمی جواہر پارے آپ کی علمیت وصلاحیت اور فقہی بصیرت وژرف نگاہی کے منہ بولتے نادر نمونے اور شاہ کار ہیں۔ آپ نے اپنی گوناگوں اور متنوع مصروفیات اور مشاغل کے باوجود تصنیف وتالیف اور حواشی کا ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ قلم میں مبدءِ فیاض نے بے پناہ قوت اور کشش ودیعت فرمائی تھی ۔ زبان پُر اثر اور طاقت ور استعمال فرماتے ۔ الفاظ اور روزمرہ محاورات کا برمحل استعمال کرتے ۔ آپ کی تصنیف وتالیف اور حواشی سے متعلق مایۂ ناز ادیب مولانا افتخار احمد مصباحی رقم طراز ہیں :

> "وہ (مولانا مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی) ایک عظیم محقق ومصنف بھی ہیں، ان کی تحریر میں ان کے والدِ جلیل امام احمد رضا قدس سرہ کے اسلوب کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی ہے۔ تحقیق کا کمال بھی نظر آتا ہے اور تدقیق کا جمال بھی۔ فتاویٰ کے جزئیات پر عبور کا جلوہ بھی نظر آتا ہے اور علامہ شامی کے تفقہ کا انداز بھی۔ تصانیف میں امام غزالی کی تحقیق اور امام رازی کی تدقیق اور امام سیوطی کی تلاش وجستجو کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔" (10)

اللہ جل شانہ نے مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے قلم میں ایسی روانی دی تھی کہ مضامین کے سیلاب کو جو اُن کے دماغ میں امنڈتا تھا اسے ضبطِ تحریر میں لے آتے تھے کتاب وسنت کے خلاف اگر کسی طرف سے آواز اُٹھتی تو بے تابانہ تعاقب کرتے اور بلاخوفِ لومۃ لائم احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیتے مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تصنیفات وتالیفات اور حواشی جواب تک تحقیق میں آئیں مندرجہ ذیل ہیں:

(1) اشدُ الباس علیٰ عابد الخناس (1328ھ)

(2) الکاوی فی العاوی والغاوی (1330ھ)

(3) القسم القاصم للداسم القاسم (1330ھ)

(4) نور الفرقان بین جند الالٰہ واحزاب الشیطان (1330ھ)

(5) وقعات السنان فی حلقۃ مسماۃ بسط البنان (1330ھ)

(6) الرمح الدیانی علیٰ راس الوسواس الشیطانی (1331ھ)

(7) وقایۂ اہل سنۃ (1332ھ)۔

(8) الہی ضرب بہ اہل الحرب (1332ھ)

(9) ادخال السنان الی الحنک الحلقی بسط البنان (1332ھ)

(10) نہایۃ السنان (1332ھ)

(11) صلیم الدیان لتقطیع حبالۃ الشیطان (1332ھ)

(12) سیف القہار علیٰ عبد الغفار (1332ھ)

(13) نفی العار من معائب المولوی الغفار (1332ھ)

(14) النکتۃ علیٰ مراۃ کلکتہ (1332ھ)

(15) مقتلِ اکذب واجہل (1332ھ)

(16) مقتلِ کذب وکید (1332ھ)

(17) الموت الاحمر علیٰ کل انجس اکفر (1337ھ)

(18) ملفوظات (چار حصے) (1338ھ)

(19) الطاری الداری لہفوات عبد الباری (تین حصے) (1339ھ)

(20) القول العجیب فی جواب التثویب (1339ھ)

(21) طرق الہدیٰ والارشاد الی احکام الامارۃ والجہاد (1341ھ)

(22) حجۃ واہرہ بوجوب الحجۃ الحاضرہ (1342ھ)

(23) القسورۃ علیٰ ادوار الحمر الکفرۃ (1343ھ)

(24) سامانِ بخشش عرف گلستان نعت نوری (1354ھ)

(25) فتاویٰ مصطفویہ

(26) شفاء العی فی جواب سوال بمبئی

(27) تنویر الحجہ بالتواء الحجہ

(28) وہابیہ کی تقیہ بازی

(29) مسائلِ سماع

(30) الحجۃ الباہرہ

(31) نور العرفان

(32) داڑھی کا مسئلہ

(33) ہشتاد و بید بند بر مکال دیوبند

(34) طرد الشیطان

(35) سل الحسام الہندی لنصرۃ سیدنا خالد النقشبندی

(36) کانگریسیوں کا رد

(37) حواشی وتکمیلات الاستمداد

(38) حاشیہ تفسیرِ احمدی (قلمی)

(39) حاشیہ فتاویٰ عزیزیہ (قلمی)

حواشی

(1) محمود احمد قادری، مولانا: تذکرۂ علمائے اہلِ سنت، مکتبۂ نبویہ، لاہور، ص223

(2) مطیع الرحمن رضوی، مفتی: مفتیِ اعظم مفتیِ اعظم کیوں؟، رضا دار المطالعہ، بہار 2004ء ص19/18

(3) مطیع الرحمن رضوی، مفتی: مفتیِ اعظم مفتیِ اعظم کیوں؟، رضا دار المطالعہ، بہار 2004ء، ص20

(4) ماہنامہ استقامت: مفتیِ اعظم نمبر، کانپور، 1983ء، ص118/116

(5) دبدبۂ سکندری: رامپور، اگست 1928ئ، شمارہ 9، جلد 6، ص206

(6) ماہنامہ المیزان: ممبئی، اپریل 1987ء، ص122/120

(7) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی: فتاویٰ مصطفویہ، مکتبہ رضا بریلی، ج1، ص207

(8) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی: فتاویٰ مصطفویہ، مکتبہ رضا بریلی، ج3، ص195/194

(9) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی: فتاویٰ مصطفویہ، مکتبہ رضا بریلی، ج3، ص14/13

(10) ماہنامہ استقامت: مفتیِ اعظم نمبر، کانپور، 1983ء، ص

(11) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی: فتاویٰ مصطفویہ، بیسلپور پیلی بھیت 1397ھ، ج1، ص9

{..........}

ج: ادبی خدمات

تحقیق و مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوریؔ بریلوی کی ادبی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ وہ مختلف اصنافِ ادب کے ماہر، صاحبِ طرز ادیب، مایۂ ناز انشا پرداز اور قادر الکلام نعت گو شاعر تھے۔ آپ کی تصنیف و تالیف اور حواشی میں بیش تر کتب و رسائل کو جب پیشِ نظر رکھتے ہیں تو بہت سارے ادبی پہلو سامنے آتے ہیں۔

الملفوظ کی ترتیب و تدوین، الاستمداد کی شرح و تکمیلات، سامانِ بخشش اور مختلف کتب و رسائل سے آپ کی ادبیت آشکار ہے۔ آپ کی تصنیفات میں اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں کا کثرت سے استعمال ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی کی شاعری سے متعلق تحقیقی جائزہ تو پیشِ نظر مقالے کا خاص موضوع ہے۔ یہاں صرف آپ کی نثر نگاری پر قدرے روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تصانیف جہاں اپنے فن کے اعتبار سے معرکہ آرا کہلاتی ہیں۔ وہیں زبان و بیان اور اسلوبِ نگارش کے اعتبار سے بھی اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ آپ نے انشائیے، خاکے اور مضامین بھی لکھے۔ جس میں اعلا درجہ کی نثر نگاری کی جھلک سامنے آئی ہے۔ مسجع و مقفا عبارتیں بھی لکھیں۔ سیدھے سادھے جملے بھی لکھے۔ مگر ان میں بھی بلا کی پرکاری اور دلفریبی انگڑائیاں لیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بات میں بات پیدا کرنا، تشبیہ و استعارہ اور صنعتی گل بوٹے کھلانا آپ کی نثر نگاری کا اعلا نمونہ ہے۔ محدثِ اعظم پاکستان کے وصال پر "وہ میرا چاند تھا" کے عنوان سے ماہ نامہ نوری کرن، بریلی کے محدثِ اعظم نمبر 1963ء میں آپ کا ایک مضمون شائع ہوا جو نثر نگاری کا ایک عمدہ نمونہ ہے :

"وہ میرا چاند تھا؛ جو بڑھتا ہی رہا کبھی نہ گھٹا جو اپنی گفتار...... اپنی رفتار......
اپنے کردار سے فتنوں ...... فسادوں ...... کفر و گمراہی کی گھٹا کو دفع کرتا رہا......
کبھی گھٹاؤں میں نہ چھپا...... کتنی ہی دھولیں اڑیں ...... کتنا ہی گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا...... وہ چمکتا جگمگاتا ہی رہا...... وہ میرے دین کا چاند تھا...... دین کا چاند بڑھتا ہی رہتا ہے آسمانِ دنیا کے چاند کی طرح بار بار گھٹتا اور اترتا اور اتر کر غائب نہیں ہوتا...... وہ میرا چاند تھا؛ جس نے ملک میں بہت چاند روشن کیے۔"

امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے علوم و معارف کا ایک بڑا ذخیرہ "الملفوظ" ہے جو ان

کے ارشادات اور کلماتِ طیبات پر مشتمل ہے۔ اس کو مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے چار حصوں میں جمع کیا، مکمل کتاب میں جابجا ادبی جواہر پارے نظر آتے ہیں، نثر اعلا ترین ہے، اس کا مقدمہ مسجع و مقفا نثر نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ نشانِ خاطر کیجیے :

"یہاں جو دیکھا شریعت و طریقت کے باریک مسائل جن پر مدتوں غور و خوضِ کامل کے بعد ہماری کیا بساط بڑے بڑے سر پٹک کر رہ جائیں فکر کرتے کرتے تھک جائیں اور ہرگز نہ سمجھیں صاف لاعلمی کا دم بھریں وہ یہاں ایک فقرہ میں ایسے صاف فرمادیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے اور حقائق و نکاتِ مذہب و ملت جو ایک چیستاں اور معمہ ہیں جن کا حل دشوار تر ہے وہ یہاں حل فرمادیے جائیں تو خیال گذرا کہ یہ جواہرِ عالیہ اور زواہرِ غالیہ یونہی بکھرے رہے اور انھیں سلکِ تحریر میں نہ لایا تو اندیشہ ہے کہ وہ کچھ عرصہ بعد ضائع ہو جائیں۔"(1)

اسی طرح الاستمداد کے مقدمہ کی یہ عبارت بھی کتنی شگفتہ، سلیس، اور رواں دواں ہے:

"فضول قصوں، ناولوں کی نظمیں، نثریں دیکھتے پڑھتے گھنٹوں گزریں یہ بھی ایک مزہ دار نظم ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے زینت ہے، قیامت قریب ہے۔ اللہ حسیب ہے۔ اس کا ثواب عظیم اور عذاب شدید ہے، دین کو جھگڑا سمجھنا مسلمانوں کی شان سے بعید ہے، تنہا یا دو دو اطمینان سے۔ انصاف یا ایمان سے۔ دو تین بار سچے دل سے ایک ہی نگاہ دیکھ لیجیے مگر یہ کہ صاف بات میں نہ اینچ پیچ کی حاجت۔ نہ اللہ جل وعلا و رسول ﷺ کے مقابل کسی کی رعایت۔"(2)

علاوہ ازیں امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی کتاب 'دوام العیش فی الائمۃ من القریش' کے مقدمہ میں جو مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے لکھا ہے اس میں ایسی ایسی عبارتیں ہیں جنھیں پڑھنے کے بعد قاری یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ کسی مولوی کے جملے ہیں؟ اس کی زبان ہے یا کسی صاحبِ طرز ادیب یا قلم کار کی عبارتیں ہیں؟

"اگرچہ چہرۂ پُرنور، ماہتابِ صدق پر کذابوں کے کذب کی نہایت وحشت ناک تیرگیاں چھائیں، اور روئے آفتابِ حق پر باطل کی سخت بھیانک اور

خوف ناک تاریکیاں اور کالی کالی ڈراونی بدلیاں آئیں، مگر ہمارے قلوب بفضلہٖ تعالیٰ مطمئن تھے، ہم سمجھے ہوئے تھے یہ بھی کچھ روز کی ہَوا ہے، جودم میں ہُوا ہے، آخر کار وہی ہُوا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا۔ وہ دن آہی گیا کہ وہ تیرگی دور اور تاریکی کافور ہوئی، نورِ حق کا جگمگاتا، چمکتا دمکتا پُرنور چہرۂ آفتاب نصف النہار کی طرح آنکھیں خیرہ کرتے نکلا اور ایک عالم نے آنکھوں دیکھ لیا کہ حق یہ ہے اور باطل وہ تھا جو اس کے حضور جم نہ سکا پٹا توڑ بھاگا، کب تک باطل حجابِ حق کو چھپائے تابہ کے جھوٹے نقابِ صدق کی آڑ کر سکے، آخر حق کی شعاعوں نے ان باطل پردوں کو خاکستر ہی کر دیا، جھوٹے نقابوں کو جلا ہی ڈالا اور دنیا کو اپنا جلوۂ جہاں تاب دکھا ہی دیا''(3)

اس اقتباس میں ''چہرۂ پُرنور، ماہتابِ صدق، روئے آفتابِ حق، نقابِ صدق، حجابِ حق'' وغیرہ جیسے تراکیب کے حُسن ''وحشت ناک، خوف ناک، جگمگاتا، چمکتا، دمکتا''، وغیرہ ہم آواز اور ہم وزن الفاظ نیز ''تیرگیاں، تاریکیاں، جگمگاتا، چمکتا، دمکتا'' وغیرہ مترادفات اور ''کالی کالی'' لفظ کے جوڑے وغیرہ کا سلیقہ مندانہ استعمال نے تحریر میں صوتی فضا بھر دی اور اسے جمال وجلال کا حسین امتزاج بنا دیا ہے۔ کچھ روز کی ہوا، اور پٹہ توڑ بھاگا جیسے محاورات، ۔ ہَوا، ہُوا اور ہُوا کا استعمال،......ذرا یہ جملہ دیکھیے :

''کچھ روز کی ہَوا ہے، جودم میں ہَوا ہے، آخر کار وہی ہُوا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا۔ وہ دن آہی گیا''۔

''کی ...... روز ...... ہَوا...... ہُوا۔'' کی تکرار نے تحریر میں حُسن ولطافت پیدا کر دی ہے مزید یہ کہ تحریر میں استفہامیہ انداز بھی ہے، تشبیہات واستعارات کی جلوہ گری بھی۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی ایک مقفا و مسجع تحریر دیکھیے اور اس میں لطیف طنز کا جلوہ بھی خاطر نشین کیجیے :

''یہ ہے آپ کی سندوں کا بھاگ...... یہ ہے آپ کے کمل کا باگ...... یہ ہے
آپ کی کتابوں کی قطار...... یہ ہے آپ کی روایتوں کی پکار ع
شرم بادت از خدا ورسول''(4)

مذکورہ تحریر میں شعری فضا کے اہتمام کے ساتھ فارسی مصرع نے حُسنِ تحریر کو اور بھی دوبالا کر دیا ہے۔ یہ اقتباس نشانِ خاطر کیجیے:

''وہ بے چارے ہیبت کے مارے، خاموش روپوش اور یہ چاری لگائے جاتے ہیں۔ ہر بار منہ کی کھاتے ہیں۔ مگر مکروکید سے کب باز آتے ہیں''۔

عبارت مقفا بھی ہے اور ترکیب بند بھی۔ آوازوں کے جوڑوں نے جملے میں آہنگ برپا کر دیا ہے۔ ''خاموش، روپوش، بے چارے، ہیبت کے مارے'' لائقِ دید ہیں۔ ''چاری لگائے جاتے ہیں، ہر بار منہ کی کھاتے ہیں''۔ میں شعری ملاحت کا جلوہ دیدنی ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے تاعمر فتویٰ نویسی کی، قرآن وحدیث سے تحریروں کو آراستہ کیا اور اللہ و رسول جل وعلا ﷺ کے احکام اور نظامِ اسلام کے نفاذ واشاعت اور ترویج وتشہیر کی سعی بلیغ فرمائی، فقہ وفتویٰ اور دینی تحریرات میں فصاحت واستدلال لازمی جزو ہیں، ساتھ ہی ساتھ ایجاز واختصار اور متانت وسنجیدگی بھی ضروری ہے۔

ایک سائل نے سوال کیا کہ :

''اصول کو اہل منطق اور اہلِ فلسفہ وحدتِ نظری اور عوام الناس نظمِ کائنات کہتے ہیں، کیا اسطرح قائل نے نظمِ کائنات کو دائمی اور ابدی نہیں کہا؟''

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے اس کا جواب یوں دیا :

''قائل، نظمِ کائنات کو ابدی کہتا ہے نہ کائنات کو، کائنات کو نہ ابدی اور دائمی بتایا نہ اس کے کسی لفظ سے مترشح۔ نظمِ کائنات اس نے انھیں اصولوں کا نام رکھا جن پر نظامِ کائنات برقرار ہے۔ جن پر کائنات کا مدار ہے۔ رہا یہ کہ کن اصولوں کو وہ دائمی و مستحکم وابدی کہتا ہے یہ اس عبارتِ منقولہ میں نہیں وہ بھی منقول ہوتے تو ان کا حکم بتایا جاتا مگر ایسے اصول ہیں جنھیں ابدی کہہ سکتے ہیں مگر وہ بھی جواز کی بھی ہیں اور ابدی بھی ہمیشہ سے ہے اور ابدالآباد تک رہے گا۔ وہ اصل کیا ہے لا الٰہ الا اللہ جس پر نظامِ کائنات کا مدار ہے جب عالم میں کوئی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والا باقی نہ رہے گا جب ہی قیامت قائم ہوگی اور یہ نظامِ عالم درہم برہم اور عالم تہہ وبالا نیست ونابود ہوجائے گا۔ فنا کے گھاٹ اُتر جائے گا۔ تو اسے ابدی دائمی کہنے میں کیا حرج کہ قطعاً ابدی ودائمی ہے۔ اصول کے دائمی وابدی ہونے سے نظامِ عالم ابدی ودائمی نہ ہو جائیں گے!''(5)

غور کریں اس قدر فلسفیانہ اور زبردست دینی مسئلہ کو کس قدر آسانی کے ساتھ مولانا مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے سمجھایا ہے کہ قوتِ استدلال اور منطقیانہ اندازِ بیان لائقِ دیدنی و شنیدنی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ایجاز و اختصار اور متانت و سنجیدگی کو بھی برقرار رکھا گیا ہے۔

طنز و نشتریت بھی ادب کا اہم جزو ہے اس سے فن پارے میں لذت و ملاحت پیدا ہوتی ہے اور یہ اصلاحِ معاشرہ کا ذریعہ بھی ہے اور فسادات کو روکتا اور دور کرتا ہے۔ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے فرقہاے باطلہ کے پیشواؤں، بدعقیدوں، مشرکوں، ملحدوں، اشتراکیوں، غیروں کی چال و جال میں آکر اسلامی عقائد اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے والے اپنوں اور بے گانوں نیز بے عمل مسلمانوں وغیرہ پر طنز و تعریض اور تنقید کی نشتر زنی کی ہے اور اپنی تحریروں کو تمکین حُسن کا پیکر بنا دیا ہے، چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے :

''نہ تم انھیں مسجدوں میں لے جاتے اور انھیں مسجد کے منبر پر مسلمانوں سے اونچا اٹھاتے ، نہ تم ان کو واعظ بناتے ، نہ تم ان کے فوٹو کھنچواتے ، تصویر اتروا تے ، نہ تم یہ روزِ بد دیکھتے نہ اوروں کو دکھاتے۔ آج میدانِ ارتداد میں منشی رام، شردھانند کا وہ فوٹو جو جامع مسجد دہلی میں اس کے منبر پر بیٹھے ہونے اور لکچر دینے کا لیا گیا ہے، مسلمانوں کو دکھا دکھا کر مرتد کیا جا رہا ہے۔ شرم، شرم ،شرم۔''(6)

اسلام میں خلافت و امامت کے لئے ''قرشیت'' شرط ہے مگر مولانا عبدالباری فرنگی محلی اس شرط کو نہیں مانتے تھے ان کے دادا مولانا عبدالرزاق صاحب نے بھی امامت و خلافت کے لئے ''قرشیت'' کو لازمی قرار دیا اس پر مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی موصوف کو لکھتے ہیں طنز کا یہ لطیف مگر کاٹ دار انداز لائقِ دیدنی ہے :

''اب فرمایئے! آپ حق پر ہیں یا آپ کے دادا اور وہ آپ کے جدِ اعلیٰ بحرا لعلوم دیکھیں تو آپ کیسے بات کے دھنی ہیں کہ اپنے بزرگوں پر بھی کوئی فتوا لگاتے ہیں یا نہیں یا یہ عنایت ہم غربا اور ائمہ و علما پر ہے۔''(7)

اسی طرح علما کی بارگاہ کے بے ادب و گستاخ افراد پر کس طرح طنز کے ہلکے ہلکے نشتر چلائے ہیں :

''اے مدعیانِ علم و تہذیب و ادب علما کی شان میں گستاخ نہ بنو، انھیں اپنے

پر قیاس نہ کرو۔''(8)

مولانا مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے یہاں جملہ اقسامِ نثر کے تمام خوب صورت نمونے موجود ہیں۔ یہاں مزید ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''اللہ اللہ! اہل اللہ کی زندگی اللہ تبارک و تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت ہے۔ سبحان اللہ ! انھیں نفوسِ قدسیہ طاہرہ کے قدم کی برکت سے وہ عقدۂ لاینحل چٹکی بجاتے حل ہو جاتے ہیں جنھیں قیامت تک کبھی بھی ناخنِ تدبیر نہ کھول سکے جس سے کیسا ہی کوئی عقیل، مدبّر ہو، حیران رہ جائے، کچھ نہ بول سکے، جسے میزانِ عقل میں تول نہ سکے، اللہ اکبر! ان کی سیرت، ان کی صورت، ان کی رفتار، ان کی گفتار، ان کی ہر روش، ان کی ہر ادا، ان کا ہر ہر کردار، اسرارِ پروردگار عز مجدہٗ کا ایک بہترین مرقع اور بولتی تصویر ہے کہ یہ انفاسِ نفیسہ مظہرِ ذاتِ علیا و صفاتِ قدسیہ ہوتے ہیں۔''(9)

علاوہ ازیں اس طرح کی درجنوں نادر مثالیں نوریؔ بریلوی کے مکتوبات، تصنیفات، تالیفات، حواشی اور فتاواے مصطفویہ کے سیکڑوں صفحات پر جا بجا جلوہ افروز ہیں جن سے آپ کی اعلا ترین ادبیت آشکار ہوتی ہے۔

ذیل میں آپ کی مختلف تصنیفات و تالیفات سے بلا تبصرہ چند ادبی جواہر پارے پیش کیے جاتے ہیں جن میں اعلا ترین نثر کے نمونے، مسجع و مقفا جملے اور روزمرہ محاورات کے استعمال ملتے ہیں ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں مولانا مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے قلم نے تازگی و طرفگی کے گلہاے رنگا رنگ کھلائے ہیں :

''حمد کی جان اس مالکِ عرش و فرش پر قربان۔ جس نے صدق و حق کو پسند کیا اور اسے عزت دی اور اس سے اپنی حمد فرمائی کہ فرمایا۔ من اصدق من اللہ قیل ا۔ اور فرمایا۔ و من اصدق من اللہ حدیثا ۔ اور ارشاد ہوا۔ و اللہ یقول الحق و یھدی السبیل ۔ اور کذب و باطل کو سخت مبغوض رکھا اور کذابوں پر لعنت بھیجی اور ان پر اپنا غضب اتارا کہ فرمایا۔ لعنت اللہ علیٰ الکاذبین ۔ حق کو باطل پر ہمیشہ غلبہ عطا فرمایا حق گو، راست بازوں کا منہ اجالا اور جھوٹے کذابوں، دروغ بافوں، ناپاکوں کا منہ کالا کیا جس نے ہمیں یہ پیارا پیارا روح

افزا جاں فزا مژدہ سنایا۔ قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ تم فرمادو! حق آیا اور باطل بھاگا اور باطل تو بھاگنے ہی کو تھا اور ہزاروں صلاۃ و لاکھوں تسلیمات کروروں تحیات زاکیات کی نچھاور اس کے مقدس رسول حبیب و محبوب، طالب و مطلوب، دانائے کل غیوب، صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جنھوں نے فرمایا۔ الصدق نجی والکذاب یھلک سچ نجات دیتا ہے اور کذب ہلاکت کرتا ہے پھر ان کی آل و اصحاب پر جنھوں نے امتیازِ حق و باطل کے لیے جان توڑ کوششیں فرمائیں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیا۔"

(احمد رضا بریلوی، مولانا: مقدمہ دوام العیش فی الائمۃ من القریش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 11)

"ہاں تکفیر کرنے والے ان کے نزدیک خطا کار ہیں۔ قصور وار ہیں۔ مجرم ہیں گنہگار ہیں۔ ان کے خیال میں کفر کرنا کفر بکنا کچھ عیب نہیں کافر کہنا عیب ہے، جب تو کفر بکنے والوں کے طرف دار ہیں۔ اور تکفیر کرنے والوں سے برسرِ پیکار ہیں۔ کوئی کہتا ہے صاحب ان کے یہاں کفر کی مشین ہے جس میں رات دن کفر کے فتوے ڈھلتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے اجی ساری دنیا کافر ہے بس یہ مسلمان ہیں۔ یہ بھی کافر وہ بھی کافر سب کو کافر کیے ڈالتے ہیں کوئی کہتا ہے یہ سب کو کافر کہتے ہیں انھوں نے اسلام کا دائرہ تنگ کردیا ہے بڑے تنگ نظر ہیں، بہت تنگ خیال ہیں۔"

(مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: القسورۃ علیٰ ادوار الحمرۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 18)

"یہ بے ادب و بے تہذیب، مدعیانِ تہذیب و ادب، علما پر بے تہذیبی کا الزام لگاتے ہیں اور بے ادبی کا منہ آتے ہیں۔ کہ یہ لوگ گالیاں سناتے ہیں۔ مخلوقِ خدا کو ناحق ستاتے ہیں۔ بہت سختیاں برتتے ہیں۔ نہایت شدتیں کرتے ہیں۔ ان کے اعتراض علما تک ہی نہیں رہتے بلکہ اللہ و رسول تک جاتے ہیں، علما ہی ان کی گندی گھنونی گالیوں سے ایذا نہیں پاتے ہیں بلکہ یہ کہہ کر اللہ و رسول تک ایذا پہنچاتے ہیں علما کیا فرماتے ہیں جنھیں یہ گالیاں بتاتے ہیں۔ بے تہذیبی ٹھہراتے ہیں۔ علما تو وہی کہتے ہیں جو قرآن و حدیث انھیں سکھاتے

ہیں۔ وہ اگر کافر کہتے ہیں تو اللہ و رسول نے کافر فرمایا۔"

(مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: القسورۃ علیٰ ادوار الحمرۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 35/36)

"اگر اس قسم کی آیات و احادیث لکھوں تو دفتر درکار ہے۔ اور مدِ نظر اختصار ہے۔ اور ہے یہ کہ ع

درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

اور معاند کے لیے اوراقِ سماوات و ارض کے شواہد ناکافی۔ غرض اتنا تو بہ فضلہٖ تعالیٰ ہر ادنا عقل والے پر روشن ہوگیا کہ علمائے کرام متخلق باخلاق اللہ المنان ہیں۔ ہر طرح اس کے اور اس کے رسول کے تابعِ فرمان ہیں۔ اور یہ ان کے دشمن اعدائے دین و مذہب و متبع خطواتِ شیطان ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اے عزیز! یہ مسئلہ بھی ایسا ہے جس کے لیے دلائل فقیہہ درکار ہیں۔ اور اگر یہی اصرار ہے تو یہاں کب انکار ہے۔"

(مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: القسورۃ علیٰ ادوار الحمرۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 43/44)

"کیا اب بھی جوازِ مزامیر کا بے سُرا راگ گائے جاؤ گے؟ کیا اب بھی بے وقت کی راگنی الاپے جاؤ گے؟ حضور سلطان المشائخ کے فرمانِ ذیشان کے آگے سرِ تسلیم جھکاؤ۔ اور اپنے غلط و باطل کہے پر پشیماں ہو اور شرماؤ۔ کیا حضور نے مزامیر کو ناجائز، حرام، ممنوع و معصیت نہ فرمایا؟ کیا حضور نے ان کا معصیت ہونا غیر صوفیہ کے ساتھ خاص فرمادیا؟ کیا خود صوفیہ کے لیے بار بار نہ فرمادیا کہ میں منع کرچکا ہوں؟۔ انھوں نے بُرا کیا۔ نامشروع کام کیا، معصیت کی، پھر یا رب! اب وہ کون سے صوفی ہیں جو حضور سلطان المشائخ کے مریدوں سے بھی آگے ہیں اور ہوں بھی تو علی الاطلاق یہ کہنا کہ صوفیوں کے لیے مزامیر حلال ہیں کیوں کر برمحل ہوگا؟۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: مسائلِ سماع، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 10/11)

"جو حکم انسانی قوت و طاقتِ بشری، وسعت و استطاعت سے باہر ہو وہ ہرگز حکمِ شریعتِ مطہرہ نہیں، جس حکم میں باقاعدہ اتلافِ جان و اہلاکِ نفس ہو وہ

اس شرع مبین کا حکم نہیں یوہیں جس حکم سے سوتے فتنے جاگیں فساد برپا ہوں وہ کبھی مقدس اسلام کا حکم نہیں ہوسکتا اب یہی خود دیکھ لیں یہاں اس وقت حکمِ جہاد میں تکلیف مالایطاق ہے یا نہیں؟ اس میں فائدہ ہے یا مضرت؟ جانوں کی بلاوجہ ہلاکت یا حفاظت، فتنہ وفساد کی اشارت ہے یا اقامت؟ اس میں مسلمانوں کی عزت ہے یا ذلت؟ یہ حکم قبل از وقت ہے یا خاص وقت پر؟ ان امور پر غور کرنے کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہوجائے گا، اصلا خفا نہ ہوگا کیا نہتوں کو ان سے جو تمام ہتھیاروں سے لیس ہوں لڑنے کا حکم دینا سختی نہیں؟ اور تکلیفِ فوق الوسعت نہیں؟ کیا ایسوں کو جو ہتھیار چلانا بڑی بات ہے اٹھانا نہیں جانتے، جن کے وہم میں بھی کبھی نہیں گزرا کہ بندوق کس طرح اٹھاتے، تلوار کیوں کر تھامتے، مارتے، طمنچہ کیسے چلاتے ہیں، جنہوں نے کبھی جنگ کے ہنگامے، لڑائی کے معرکے خواب میں نہ دیکھے ہوں انھیں توپوں کے سامنے کردینا کچھ زیادتی نہیں؟ کیا ایسوں سے میدان کرانا اور ان کی جانیں مفت گنوانا عبث نہیں؟ کیا یہ فتنہ وفساد نہیں کہ مسلمانوں کی عزیز اور قیمتی جانیں مفت ضائع ہوں؟ اس سے بڑھ کر اور فتنہ اور اس سے زائد فساد فی الارض کیا ہوگا؟۔''

(مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، مولانا: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی ممبئی، ص 7/8)

''ہم کہتے ہیں اگر معاذ اللہ شریف سے بھی کوئی کفر بھی ہوگیا ہوتا۔ تو ان کے کفر کا جب کہ امن پر کوئی اثر نہ ہوتا حج کیوں ناروا ہوتا؟ اب جب کہ بہ فضلہٖ تعالیٰ ان سے صدورِ کفر تو کفر، فسق بھی بہ طریق ثبوتِ شرعی ثابت نہیں اور امن موجود؛ جوازِ حج کیوں مفقود؟ اتنی سی عبارت میں اکاذیبِ مضمون نگار کا انبار؛ اور اس کے افتراءات کا طومار۔''

(مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، مولانا: حجۃ واہرہ، رضا اکیڈمی ممبئی، ص 19/20)

''مضمون نگار صاحب یہ سمجھے کہ اتنی خیانتیں کرکے اب یہ عبارت ان کے مقصود کی موید ہوگئی۔ مگر خدا کا دھرا سر پر انھیں نصیبوں سے کیا خبر۔ عبارت اتنی کاٹ چھانٹ، لوٹ پوٹ پر بھی ان کے مقصود کے خلاف ہی ہے اور ان کی

کج فہمی، نا سمجھی کا پکار پکار کر اعلان کررہی ہے، اس کا بیان ہم آگے کریں گے پہلے مضمون نگار کی چوریاں بتادیں۔ سینہ زوریاں دکھادیں۔''

(مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، مولانا: حجۃ واہرہ، رضا اکیڈمی ممبئی، ص 29/30)

''تحریفیں بھی کیں، خیانتیں بھی کیں، مطلب خبط کرنے کو اوپر کی عبارت نیچے، نیچے کی اوپر بھی کی، یہ سب کچھ ہوا مگر الحمدللہ! وہ ستم زدہ عبارت وہی فرماتی رہی جو اس ستم سے پہلے فرمارہی تھی، یہ اپنی کج فہمی سے اسے اپنے حسبِ منشا بن جانا سمجھے اور اسے نقل کرلائے اور نہ جانا کہ اس میں اب بھی ان کے لیے زہرِ ہلاہل سمِ قاتل ملا ہوا ہے۔''

(مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، مولانا: حجۃ واہرہ، رضا اکیڈمی ممبئی، ص 32/33)

''ہر مسلمان مظلوم کی حمایت کی جائے گی بلکہ ہر مظلوم انسان کی حالت دل دکھاتی اور خواہ نخواہ حمایت پر لاتی ہے پھر یہ کہ حمایت ہمدردی ہی سے ہوتی ہے سلطان کو سلطان مان کر حمایت کی تو ان کی ہمدردی ہے۔ انھیں معزول کیا یہ بھی ان کی ہمدردی ہے۔ کہ وہ اپنے ملک سنبھال نہ سکے لہٰذا انھیں گوشۂ عافیت میں بٹھایا اپنے آپ ملک کا انتظام کیا اگر ہمدردی نہ ہوتی یہ ترک اللہ تعالیٰ انھیں اپنی ہزاروں نعمتوں سے نوازے اور ان کی تمام جائز مرادیں پوری فرمائے اپنے آپ کیوں زحمتیں گوارا کرتے کیوں مشقتیں اٹھاتے کس لیے مصیبتیں جھیلتے کاہے کو تکلیفیں برداشت کرتے سلطان کے ہمدرد نہ ہوتے تو ان کا سارا ملک معاذ اللہ! سارا ملک غیروں کے قبضہ میں چلا جاتا ان کے کان پر جوں نہ رینگتی وہ خود ان کے ہاتھ میں پڑجاتے انھیں خیال بھی نہ ہوتا کہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ وہ ہمدرد تھے جب ہی تو انھیں درد ہوا ان کے ملک کی حمایت وحفاظت ان کی حمایت وحفاظت ہے۔''

(احمد رضا بریلوی، مولانا: مقدمہ دوام العیش فی الائمۃ من القریش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 38)

متذکرہ بالا مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نوری بریلوی کی نثر اعلا پایے کی ہے۔ آپ کے قلم نے تازگی وطرفگی کے گلہاے رنگارنگ کھلائے ہیں۔ آپ کی نثر میں مسجع ومقفا عبارتیں بھی ہیں، سیدھے سادھے جملے بھی۔ تشبیہات واستعارات بھی ہیں اور صنعتوں کے گل بوٹے بھی۔

روزمرہ محاورات کا استعمال بھی ہے، اور ایجاز و اختصار اور متانت وسنجیدگی بھی۔ اور کہیں کہیں عبارت کی طنز ونشتریت نے آپ کی نثر کو اور بھی لطیف بنا دیا ہے۔ تصنیفاتِ نوریؔ کے مطالعہ کے بعد آپ کو مایۂ ناز ادیب اور بلند پایہ انشا پرداز قرار دینا غیر مناسب نہ ہوگا۔

حواشی

(1) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: الملفوظ، فیاض الحسن بک سیلر، کانپور، ص20
(2) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: مقدمہ الاستمداد، مرکزی مجلسِ رضا، لاہور، ص2/3
(3) احمد رضا بریلوی، امام: مقدمہ دوام العیش فی الائمۃ من القریش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص34
(4) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: مقتلِ کذب وکید، مطبع بریلی، ص12
(5) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: فتاویٰ مصطفویہ، اختر رضا بک ڈپو، بریلی، ج1، ص50
(6) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص23
(7) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: سوراخ در سوراج، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص76/77
(8) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: طرق الہدیٰ والارشاد، مطبع بریلی، ص52
(9) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: الملفوظ، فیاض الحسن بک سیلر، کانپور، ص18

{............}

د: سیاسی خدمات

اسلام میں دین وسیاست جدا نہیں ہیں۔ علمائے حق پیغمبروں کے وارث اور جانشین ہونے کی بنا پر اسلامی سیاست کے وارث وجانشین بھی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر دور یا کسی بھی حکومت وریاست میں عہدہ کے حصول، جاہ وحشم کے لالچ، اپنے مطلب کی خاطر دنیاوی عزت وشہرت اور ناموری کے لیے سیاست میں ملوث ہوتے رہیں۔ جیسا کہ آج کل سیاست داں دنیا بھر میں کرتے پھر رہے ہیں۔

مختلف ادوار اور حکومتوں میں مسلم سیاست کا طریقۂ کار بھی مختلف ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ مردِ مومن ہے تو حق وصداقت اور سچائی کا دامن نہیں چھوڑتا۔ دین وشریعت کے راستے سے کبھی نہیں ہٹتا۔ وہ سیاست میں حصہ لیتا بھی ہے تو اپنی قوم کی فلاح وبہبود اور دین وشریعت کے تحفظ و بقا کی خاطر اور اگر وہ دین ومذہب سے دور رہ کر سیاست میں سرگرمِ عمل ہو تو وہ سیاست نہیں بلکہ چنگیزی کرتا ہے۔

فی زمانہ باطل پرستوں نے اسلامی سیاست کو دنیوی اور کفری سیاست میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ نام نہاد مسلم سیاست داں سیاست کا ڈھونگ رچا کر ایک طرف اسلام اور مسلم قوم کو بدنام کر رہے ہیں تو دوسری طرف موقع فراہم ہونے پر ان کے جان ومال، عزت وآبرو کی بربادی اور پامالی کا سامان بھی پیدا کر رہے ہیں۔ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے ان نام نہاد سیاست دانوں کی بساطِ سیاست الٹ کر رکھ دی، مطالعہ وتحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی سیاسی خدمات، علمی خدمات ہی کی طرح وسعت رکھتی ہیں۔ سرِ دست یہاں آپ کی سیاسی خدمات پر مختصراً روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی اپنے وقت کے سیاسی بصیرت و بصارت کے حامل، دور اندیش، تہذیبِ اخلاق، سیاستِ مدن اور تدبیرِ منزل سے آشنا فرد کہلائے۔ سیاسی اور ملی معاملات میں اعتدال پسندی، تدبر وتحمل، سلامت روی اور مثبت غور وفکر میں آپ نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ آپ کے سیاسی افکار ونظریات کو سمجھنے کے لیے آپ کی درج ذیل تصانیف کا مطالعہ معلومات بخش ہوگا۔

(1) طرق الہدی والارشاد الٰی احکام الجہاد (1341ھ)
(2) فصل الخلافہ یعنی سوراخ درسوراج (1341ھ)
(3) الطاری الداری لھفوات عبدالباری (1339ھ)
(4) مقدمہ ”دوام العیش فی الائمۃ من القریش“ (1334ھ)
(5) فتاویٰ مصطفویہ، 3/جلد کے مختلف فتاویٰ۔

شدھی تحریک

تقسیمِ ہند سے پہلے شدھی تحریک نے جس طرح فتنہ انگیزی پھیلائی اور مسلمانوں پر جس انداز سے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ زبردستی مسلمانوں کا شدھی کرن کیا جاتا، اور روپیوں کا لالچ دے کر ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑکائے جاتے۔ بوالہوس اور زرپرست انسان ان کے دامِ فریب میں آکر اپنے دین وایمان کا سودا کرڈالتے۔ یہ سلسلہ اس قدر بڑھا کہ شہر شہر، قریہ قریہ اس کی وبا عام ہوگئی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ اہلِ ہنود بہ بانگِ دہل اعلان کرنے لگے کہ چار کروڑ مسلمانوں کو شاشتر اور شمشیر (تلوار) کے ذریعہ شدھ کیا جائے گا۔ ساتھ ہی ایسے نعرے بھی لگاتے جسے سُن کر مسلمانوں کا خون کھول جاتا۔ اور اپنی تقریروں میں بارہا مسلمانوں کو کھٹمل، آبِ زم زم کو کیچڑ اور گندگی، وضو کو ڈھکوسلہ، رکوع کو اچک بلّی، اور سجدہ کو مُرغا بتا کر مسلمانوں کی دل آزاری کرنا ان کا شیوہ تھا۔

غرض یہ کہ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو جبراً مُرتد کیا جا رہا تھا، قتل وغارت گری اور خونریزی کا بازار گرم تھا یہ قتلِ عام اس لیے تھا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری...... اس مذموم مقصد میں اہلِ ہنود اپنی گندی اور شاطرانہ سیاسی چالوں کے پیشِ نظر کامیاب ہورہے تھے۔ مگر وہ ذات مولانا مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تھی کہ بلند حوصلگی اور پختہ عزائم کے ساتھ جان ومال کی پروا کیے بغیر میدانِ عمل میں آکر میلوں بھوکے پیاسے چل کر تبلیغِ دین کی۔ مشرکوں کے دامِ فریب سے مسلمانوں کو بچانے کی سعیِ بلیغ فرمائی اور جو مسلمان دھوکہ میں آکر مرتد ہوگئے تھے انہیں ارتداد سے نکال کر توبہ کرائی اور دوبارہ مسلمان کیا۔ نوریؔ بریلوی اور ان کے رفقائے کار نے شدھی تحریک کے خلاف جس مجاہدانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا اس کے شواہد جماعت رضائے مصطفیٰ کی فائلوں میں اب بھی محفوظ ہیں۔ (ملخصاً1)

ضبطِ ولادت (نسبندی)

ہندوستان میں ضبطِ ولادت کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں اس مسئلہ پر علما دو گروہوں میں منقسم ہوگئے تھے ایک گروہ مسئلہ اجتہادی کہہ کر اس کے جواز کے حق میں تھا جس کی نمایندگی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب صاحب فرمارہے تھے اور دوسرا گروہ عدمِ جواز کے حق میں تھا جس کی قیادت کی باگ ڈور مولانا مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے ہاتھ میں تھی نسبندی کے اس رستا خیز عہد میں جب کہ حکومتِ ہند کی طرف سے 5/جون 1976ء کو ایمرجنسی نافذ کردی گئی، حکومت کے خلاف زبان کھولنا انتہائی سنگین جرم تھا اس عہد میں ”میسا“ نامی قانون کے تحت گرفتاریاں بھی زور وشور سے ہورہی تھیں۔ لیکن حکومتِ وقت کے جبر وظلم اور تشدد کی پروا نہ کرتے ہوئے مولانا مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے قلمی جہاد فرمایا اور ظالم وجابر حکمراں کے سامنے حق گوئی کا مظاہرہ کیا، جب آپ سے فیملی پلاننگ (نس بندی) کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

”کہ نسبندی حرام ہے، حرام ہے، حرام“۔

مذکورہ فتوا کو جناب ساجد علی خاں مہتمم دارالعلوم مظہرِ اسلام بریلی نے 3/رمضان المبارک 1396ھ/ 30/ستمبر 1976ء کو شائع کیا۔ اس کی اشاعت کے بعد فتوا میں تبدیلی کا مطالبہ کیا گیا تو مولانا مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے فرمایا:

”ہمارے یہاں فتوا نہیں بدلا جاتا ہے ضرورت پڑی تو حکومت بدل دی جائے گی“۔

چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی کہ الیکشن میں حکمراں پارٹی ”کانگریس“ کو بُری طرح شکستِ فاش اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور جنتا پارٹی کی حکومت بن گئی۔ (2)

تحریکِ جہاد

اسلامی فرائض میں جہاد اہم ترین فریضہ ہے۔ لیکن یہ اسی وقت فرض ہوگا جب اس کی شرائط پائی جائیں۔ اس کی اہم شرائط میں سلطانِ اسلام اور طاقت وقوت کا موجود ہونا انتہائی ضروری ہے۔ مولانا احمد رضا محدثِ بریلوی کے بہ قول :

”مفلس پر اعانتِ مال نہیں، بے دست وپا پر اعانتِ اعمال نہیں، لہٰذا

مسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد وقتال نہیں۔'' (3)

تحریکِ جہاد کا نعرہ مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی اور ان کے ہم نواوں نے یہ باور کر کے لگایا تھا کہ ہم ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرائیں گے چاہے مال کے ذریعہ چاہے جان کے ذریعہ۔ مسلمان چونکہ فطرتاً جذباتی ہوتے ہیں اس لیے انہوں نے فوراً نعرۂ جہاد کو قبول کر لیا کیوں کہ کہایوں گیا تھا کہ یہ جہاد انگریزوں کے خلاف ہے حال آں کہ اس کی حقیقت اس کے برعکس تھی مسٹر گاندھی بے دست وپا مسلمانوں کو در پردہ مفلس وقلاش بنانا چاہتے تھے اور ان کے پاس جو مال ومتاع تھی وہ جہاد کی نذر ہو جائے تا کہ قومِ مسلم ایک قوت بن کر نہ ابھر سکے۔

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی جہاد کے مخالف نہ تھے مگر ایسی بے سروسامانی، مفلسی اور تنگ دستی کی حالت دیکھ کر آپ نے مخالفتِ جہاد کی شرعی کوشش کی چونکہ جہاد کی شرائط اس وقت ہندوستان میں نہیں پائی جاتی تھی آپ نے تحریر فرمایا :

''جو حکم انسانی قوت وطاقتِ بشری، وسعت واستطاعت سے باہر ہو وہ ہرگز حکمِ شریعتِ مطہرہ نہیں، جس حکم میں باقاعدہ اتلافِ جان واہلاکِ نفس ہو وہ اس شرعِ مبین کا حکم نہیں، یوہیں جس حکم سے سوتے فتنے جاگیں فساد برپا ہوں وہ کبھی مقدس اسلام کا حکم نہیں ہوسکتا اب یہی خود دیکھ لیں یہاں اس وقت حکمِ جہاد میں تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں؟ اس میں فائدہ ہے یا مضرت؟ جانوں کی بلاوجہ ہلاکت ہے یا حفاظت، فتنہ وفساد کی اشارت ہے یا اقامت؟ اس میں مسلمانوں کی عزت ہے یا ذلت؟ یہ حکم قبل از وقت ہے یا خاص وقت پر؟ ان امور پر غور کرنے کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو جائے گا، اصلا خفا نہ ہوگا کیا نہتوں کو ان سے جو تمام ہتھیاروں سے لیس ہوں لڑنے کا حکم دینا سختی نہیں؟ اور تکلیفِ فوق الوسعت نہیں؟ کیا ایسوں کو جو ہتھیار چلانا بڑی بات ہے اٹھانا نہیں جانتے، جن کے وہم میں بھی کبھی نہیں گزرا کہ بندوق کس طرح اٹھاتے، تلوار کیوں کر تھامتے، مارتے، طمنچہ کیسے چلاتے ہیں، جنہوں نے کبھی جنگ کے ہنگامے، لڑائی کے معرکے خواب میں نہ دیکھے ہوں انھیں توپوں کے سامنے کر دینا کچھ زیادتی نہیں؟ کیا ایسوں سے میدان کرانا اور ان کی جانیں

مفت گنوانا عبث نہیں؟ کیا یہ فتنہ وفساد نہیں کہ مسلمانوں کی عزیز اور قیمتی جانیں مفت ضائع ہوں؟ اس سے بڑھ کر اور فتنہ اور اس سے زائد فساد فی الارض کیا ہوگا؟'' (4)

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی ہرگز ہرگز جذبۂ جہاد کو سرد کرنا نہیں چاہتے تھے انہوں نے ایک باخبر مفتی اور فقیہ کی حیثیت سے شرعی حکم صادر فرمایا، اس میں نہ انگریزوں کی طرف داری مقصود تھی نہ ہی خوشامد؛ وہ تو ان کے سخت مخالف تھے ان کے دولت کدہ پر بڑے بڑے سربراہانِ مملکت آئے مگر آپ نے ملاقات تک نہ کی اور وہ خود ہی بغیر ملاقات کے واپس چلے گئے۔ آپ نے نام نہاد تحریکِ جہاد کا رد کرتے ہوئے شریعتِ مطہرہ کا واضح حکم یوں بیان کیا :

''یہاں کے نہتے بے سروپا جنگ سے ناواقف مسلمان، ان پر خود سلطانِ اسلام جس کے پاس سامانِ حرب بھی ہو اور باقاعدہ فوج بھی وہ اگر یہ سمجھے کہ کفار زائد ہیں یہ فوج وسامان انہیں کافی نہ ہوگا تو ایسی حالت میں اسے ان سے پہل ناجائز ہے۔'' (5)

واضح ہو کہ جس دور میں مسلمانوں کو جہاد کے لیے اکسایا جا رہا تھا، اس وقت جہاد کی شرائط عنقا تھیں۔ اور مسلمان مالی اور دیگر لحاظ سے انتہائی کمزور اور بے دست وپا تھے، جب کہ دشمن انتہائی طاقت ور اور ہتھیاروں سے لیس؛ زبردست کے مقابلے میں کمزور کو پیش کرنا خود کو موت کے منہ میں ڈالنا نہیں تو اور کیا ہے؟ مسٹر گاندھی کے مشوروں سے اس عہد کے بہت سارے مسلمان لیڈروں نے قرآن وحدیث کے حوالے سے ''جہاد جہاد'' کا نعرہ دیا تا کہ مسلمان قریب سے قریب تر ہو جائیں، ایک طرف گاندھی نے اخبارات میں شائع کرنا شروع کر دیا کہ میرا مذہب کشت وخون کو روا نہیں رکھتا ہم تو ''اہنسا کے پُجاری'' ہیں اور ''عدم تشدد'' پر یقین رکھتے ہیں۔ تو دوسری طرف انگریزوں کو مرعوب کرنے بل کہ در پردہ اسلام کو بدنام کرنے کے لیے یہ پالیسی اختیار کی کہ مسلمان ہر لحہ جہاد جہاد پکارتے رہیں۔ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی پس پردہ سازش سے نقاب اُٹھاتے ہوئے یوں فرماتے ہیں :

''اس وقت یہ جہاد بھی اسی دشمنِ اسلام ومسلمین گاندھی بددین کا حکم ہے۔ جیسے پہلے ہجرت سے نقصان پہونچائے، مسلمانوں کو خانماں برباد کرائے، ان

کی بیش بہا جائدادیں اور اموال کوڑیوں میں بکوائے، سب کے کوڑے کرائے
،غریب مسلمانوں میں اتنا روپیہ کہاں تھا، یوں اپنے ہندو بھائیوں کو دلوائے
،یوہیں یہ مسئلہ جہاد نکال کر اس نے چاہا کہ مسلمانوں کو جن کی روح بالکل فنا ہو
چکی ہے کچھ یوہیں سی رمق باقی ہے یہ بھی کیوں رہ جائے بالکل تباہ کرائے۔"
(6)

مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے ہر اس تحریک کا رد کیا جو اسلامی اصولوں اور بنیادوں سے ہٹ کر چلی، جس تحریک نے بہ نامِ اسلام اسلامی اصولوں سے کھلواڑ کیا اس کی بھی آپ نے سختی سے تردید فرمائی اور مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہوئے تنبیہاً تحریر فرمایا :

"کاش اب بھی سنبھلو اور ان گندم نما جو فروشوں سے بھاگو ان کی تو دلی خواہش ہے کہ تم مشقت میں پڑو۔ قد بدت البغضا من افواهھم وما تخفی صدورهم اکبر قد بینا الأیات ان کنتم تعقلون۔"......"خدا کے لیے ہماری اس یاد دہانی سے فائدہ اٹھایئے اور خلقِ خدا کو راہِ راست پر لایئے ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور اب آپ اپنا فرض ادا کیجیے۔" (7)

مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کے دل میں اسلام کا درد اور مسلمانوں کے کامیاب مستقبل کی فکر تھی آپ کی سوچ مسلمانوں کے مستقبل کو تابناک اور روشن بنانے کی تھی، انہوں نے اپنی سیاسی بالغ نظری اور دوراندیشی کو بروئے کار لاتے ہوئے اس دور میں چلنے والی سیاسی تحریکات کا صرف ظاہری خدوخال نہیں دیکھا بلکہ اس کا گہرائی سے مشاہدہ کرنے کے بعد ملّتِ اسلامیہ کی صحیح رہنمائی فرمائی۔

تحریکِ خلافت

1919ء میں خلافت کا مسئلہ پیش آیا تو اس وقت بھی آپ نے امتِ مسلمہ کی صحیح قیادت اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیا، مولانا احمد رضا بریلوی کی تصنیف 'دوام العیش فی ائمۃ من القریش **1334**ھ' پر آپ نے ایک جامع، پُرمغز اور معلومات افزا مقدمہ تحریر فرمایا جو آپ کی اعلاترین سیاسی بصیرت و بصارت کا منہ بولتا نمونہ ہے۔

مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے تحریکِ خلافت کے حامیوں سے تین سوالات کیے جو

ترکی کے سلطان عبدالحمید کو خلیفۂ شرعی تسلیم کرانے پر اصرار کرتے تھے، ذرا ان سوالات کو ملاحظہ کیجیے اور مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی سیاسی سوجھ بوجھ اور بالغ نظری کے ساتھ ساتھ ان کے علم دین کا کمال بھی دیکھیے :

"(1) سلطان مراد کی معزولی کے بعد عبدالحمید خاں سلطانِ ترکی ہوئے اگر سلطان مراد کو خلیفہ تسلیم کیا جائے تو سلطان عبدالحمید پر کیا حکم لگایا جائے گا؟

(2) غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے سلطان عبدالحمید خاں کو معزول کیا اگر واقعی عبدالحمید خاں خلیفہ تھے تو مصطفیٰ کمال پاشا پر کیا حکم لگایا جائے گا؟

(3) جب سلطان عبدالحمید خاں کی خلافت سے انکار کفر تھا تو جس نے اس کو معزول کیا اس پر تو اس سے بڑا فتوا لگنا چاہیے تھا مگر غازی مصطفیٰ کمال پاشا پر فتوا لگانے کی بجائے ان کو مبارک بادی کے تار بھیجے گئے"۔

مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے ارکانِ خلافت سے یوں سوال کیا :

"کیا ان کو باغی و کافر کہا جائے گا جس طرح شریفِ مکہ ملک الحجاز کو سلطان کی اطاعت سے سرتابی پر واجب القتل کا حکم لگایا جا چکا ہے۔"

آگے چل کر بڑے ناصحانہ انداز میں اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"انسان کو چاہیے کہ بات کہنے اور کرنے سے پہلے اس کے مآل وانجام پر نظر رکھے، جس کا آخر حسن ہو اسے اختیار کرے ورنہ نہیں تیرہ سو برس کے اجتماعی اتفاقی مسئلہ میں اختلاف سوائے کشت وافتراق بین المسلمین اور کیا تھا؟ ترکوں کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا ہاں اختلافِ مسلمین میں ایک اور اضافہ ہو گیا"۔(8)

تحریکِ خلافت کے زمانہ میں جو سب سے عجیب بات دیکھی گئی وہ یہ تھی کہ جو حضرات خلافتِ اسلامیہ کی حفاظت کی جدوجہد کر رہے تھے، وہ اہلِ ہنود کی ہم نوائی کو احیائے خلافتِ اسلامیہ کے لیے مدومعاون سمجھ رہے تھے اور جوش وجذبات میں اسلامی شعائر کو چھوڑ کر شعائرِ کفر اپنا رہے تھے۔ چناں چہ اس زمانے میں مسلمانوں نے اپنی پیشانی پر قشقہ بھی لگوایا، ہندو لیڈروں کی ارتھیوں پر کندھا بھی دیا، ہندو لیڈروں کو مساجد میں منبرِ رسول (ﷺ) پر بٹھایا، اپنا ہادی، اپنا رہبر اور پیشوا بنایا، قرآنِ پاک کو مندروں میں لے جایا گیا وغیرہ۔

یہاں یہ امر ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ تحریکِ خلافت کا ظاہر یہی تھا کہ یہ سلطنتِ اسلامیہ اور خلیفۂ اسلام کی حفاظت وصیانت کے لیے چلائی جا رہی ہے۔ جب کہ اس کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ اس تحریک کے ہم نواوں نے غیر مسلموں کے ساتھ جو دیرینہ تعلقات اور مراسم روا رکھے تھے۔ اس کا شریعتِ مطہرہ ہرگز اجازت نہیں دیتی یہی وجہ ہے کہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے نقصانات سے اہلِ اسلام کو آگاہ کیا۔ یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ آپ ایک اسلامی تحریک کی مخالفت کر رہے تھے اور مسلمانانِ ترکی کی خیر خواہی کے جذبات کو سرد کر رہے تھے۔ ذیل کی تحریر چشم کشا اور سچائی کا اظہار کرتی ہوئی نظر آتی ہے :

> ”سلطنتِ اسلام تو سلطنتِ اسلام ہے۔ سلطان تو سلطان ہیں۔ ہر فردِ مسلم کی خیر خواہی لازم ہے...... الدین النصح لکل مسلم...... ارشادِ پاک حضور ﷺ اس پر ناطق ہے۔“(9)

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی ایک صاحبِ فکر ونظر، صاحبِ بصیرت و بصارت اور مدبر سیاست داں تھے۔ جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا گیا ہے کہ آپ کی سیاسی سوجھ بوجھ میں مذہبی اثرات اس قدر نمایاں تھے کہ آپ نے دیگر ہم عصر بازی گرانِ سیاست کی طرح مذہب وملّت کا سودا نہیں کیا، بل کہ آپ نے ان سیاسی تحریکات کی زبردست مخالفت کی، جن سے مذہبی اصولوں اور شرعِ مطہرہ پر ضرب پڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے بعض ان تحریکات کا بھی تعاقب کیا جو بظاہر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے چلائی جا رہی تھیں۔ مگر جب اس کا قال اور انجام بہ نظرِ غائر دیکھا گیا تو وہ پس پردہ مسلمانوں کو نقصان اور خسارے میں ڈال کر مفلس وقلاش اور بے دست و پا بنا رہی تھیں۔ یہ مولانا مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تاب ناک اور پاکیزہ سیاسی فکر تھی کہ آپ نے ایسے ناگفتہ بہ حالات میں اپنے افکارِ عالیہ سے ملّتِ اسلامیہ کی حفاظت وصیانت کا فریضہ انجام دیا۔ چونکہ آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ شرعی اصول وضابطے کا آئینہ دار تھا؛ اور اسی کے مطابق آپ کے شب وروز بسر ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے سیاسی شعور اور افکار ونظریات کی بنیاد اسلامی افکار وخیالات سے مملو تھی۔

حواشی

(1) تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں، تاریخ جماعتِ رضائے مصطفیٰ: مولانا شہاب الدین رضوی، رضا اکیڈمی، ممبئی

(2) حجاز: مفتی اعظم نمبر، دہلی 1990ء، ص 106

(3) احمد رضا بریلوی، امام: مقدمہ دوام العیش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 108

(4) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 20/30

(5) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 31

(6) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 41

(7) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 42/44

(8) احمد رضا بریلوی، امام: مقدمہ دوام العیش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 11

(9) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی، مولانا: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص 53/54

{............}

ہ: تدریسی خدمات

تحقیق کی روشنی میں یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی دنیائے اسلام کے عظیم روحانی پیشوا، مرجع العلمائ، رہبر شریعت، پُرخلوص داعی، تحریک آفریں قائد، مایۂ ناز فقیہ ومحدث، بافیض مدرس اور بلند پایہ نعت گوشاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔آپ نے درس وتدریس کے فرائض بھی انجام دیے۔ درسِ نظامی کی تکمیل وفراغت کے بعد 1328ھ/ 1910ء میں جامعہ رضویہ منظرِ اسلام میں مسندِ تدریس کو زینت بخشی اور تدریسی سلسلہ شروع کیا۔ (1)

آپ کے تلامذہ اور خلفا کے تذکروں کے مطالعہ اور منظرِ اسلام اور مظہرِ اسلام کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دارالافتاء کے اہتمام وانصرام، فتویٰ نویسی کی زیادتی، تبلیغِ دین کے اسفار، تصنیف وتالیف اور دیگر مصروفیات کے سبب کبھی کبھار صرف مخصوص طلبہ کو درس دیتے تھے۔اور آپ کا سلسلۂ درس وتدریس تسلسل کے ساتھ جاری نہ تھا بل کہ آپ فرصت کے لمحات میں طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے۔تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے 1328ھ/ 1910ء سے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔لیکن یہ سلسلہ کس طرح اور کب تک جاری رہا؟ اس کی وضاحت وصراحت سے آپ کی حیات وخدمات پر تحقیق وریسرچ کرنے والے محققین واسکالرز اور تذکرہ نگاروں کی زبانیں خاموش ہیں۔بہر کیف! آپ نے اپنا تدریسی سلسلہ تسلسل سے نہ سہی کسی نہ کسی طور پر جاری رکھا۔اس ضمن میں ذیل کا واقعہ پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔

1344ھ/ 1966ء میں آپ کے برادرِ اکبر علامہ محمد حامد رضا بریلوی انجمن حزب الاحناف لاہور کے پہلے اجلاس میں شریک ہوئے۔ دوروز لاہور میں قیام کے بعد بریلی واپس آئے۔ واپسی پر حصولِ تعلیم کی غرض سے مولانا ابوالفضل سردار احمد رضوی لائل پوری، حامد رضا صاحب کے ہمراہ بریلی آئے۔آپ (حامد رضا صاحب) نے اپنی سرپرستی میں خصوصی عنایات کے ساتھ تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا۔اور اپنے دولت خانے پر قیام وطعام کا انتظام کیا۔جامعہ رضویہ منظرِ اسلام بریلی میں کم وبیش تین سال تک تعلیم حاصل کی۔اس عرصے میں مولانا سردار احمد نے مولانا محمد حامد رضا، مولانا شاہ محمد حسین کے ساتھ ساتھ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی سے درسِ نظامی کی کتابیں اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد حسین مدرس منظرِ اسلام سے پڑھیں،

منیہ، کنز الدقائق اور شرح جامی تک کی کتابوں کا درس نوریؔ بریلوی سے حاصل کیا۔ چنانچہ نوریؔ بریلوی نے اس امر کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔ذیل میں ملاحظہ ہو:

> ”جب میں ان (مولانا سردار احمد) کو دیکھتا۔ پڑھتے دیکھتا۔ مدرسہ میں قیام گاہ پرحتیٰ کہ مسجد میں آتے تو بھی کتاب ہاتھ میں ہوتی، اگر جماعت میں تاخیر ہوتی تو بجائے دیگر اذکار واوراد کے مطالعہ میں مصروف ہوجاتے۔ان کے اس والہانہ تحصیلِ علم سے میں بہت متاثر ہوا۔ میرے پاس دوسرے پنجابی طالب علم مولوی نذیر احمد سلمہ پڑھتے تھے۔ان سے دریافت کرنے پر آپ کی ساری سرگزشت سنائی۔ پھر ان کے ذریعہ وہ (مولانا محمد سردار احمد) میرے پاس آنے جانے لگے۔ان کے بہ اصرار درخواست اور مولوی نذیر احمد سلمہ کی سفارش پر میں نے منیہ، قدوری، کنز الدقائق اور شرح جامی تک پڑھایا۔“(2)

علاوہ ازیں مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی (متولد 1332ھ/ 1914ء متوفی 1393ھ/ 1973ئ) نے بھی نوریؔ بریلوی سے شرح جامی پڑھی اور 1352ھ/ 1929ئ میں آپ سے سند حدیث حاصل کی۔ مولانا معین الدین شافعی قادری (متولد 1357ھ/ 1939ئ) ناظم اعلیٰ جامعہ قادریہ رضویہ لائل پور نے بھی نوریؔ بریلوی سے میزان، نحو میر تک کی کتابیں مستقل سبقاً سبقاً پڑھیں اور 1950ء میں جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام بریلی سے سند فراغت حاصل کی۔ بعد میں آپ نے اجمیر مقدس میں آستانۂ عالیہ پر مولانا معین الدین شافعی کو دستارِ خلافت کے ساتھ ”تاج العلم والفضل“ کی سند بھی عطا کی۔اور بعد ازاں عدیم الفرصتی کے سبب آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ موقوف کردیا لیکن مدارسِ اسلامیہ کے ماہرینِ علوم وفنون، اساتذۂ کرام خصوصاً جامعہ رضویہ منظرِ اسلام اور جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام کے اساتذہ اور فارغ ہونے والے طلبہ آپ سے صحاحِ ستہ اور درسِ نظامی کی منتہی کتابوں کا درس لیتے اور شرفِ تلمذ حاصل کرتے رہے۔

مندرجہ بالا تحقیق سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے 1328ھ/ 1910ء سے 1366ھ/ 1947ء تک درس وتدریس کا سلسلہ کسی نہ کسی طور جاری رکھا۔ بعد میں رضوی دارالافتاء کی کثرت، جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام کی ادارت وسرپرستی اور تبلیغی سفروں کے

سبب تدریس کا سلسلہ موقوف ہوا، اور یہ بھی واضح ہوا کہ مدارسِ اسلامیہ کے اساتذہ وطلبہ آپ سے درس لیا کرتے تھے۔ چنانچہ مدارسِ اسلامیہ کی تعطیلِ کلاں ماہِ شعبان المعظم اور ماہِ رمضان المبارک میں بعض مدارس کے اساتذہ و فارغ التحصیل طلبہ نیز زیرِ تعلیم طلبہ اپنے آپ کو حضرت نوریؔ بریلوی کے حلقۂ شاگردی میں شمار ہونے کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے بریلی حاضر ہوتے اور آپ سے صحاح ستہ اور دیگر درسی کتابوں کا درس لیتے۔ چنانچہ علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی اپنا ذاتی واقعہ یوں بیان کرتے ہیں :

''علومِ اسلامیہ کی عربی درس گاہوں میں عموماً رمضان المبارک میں تعطیلِ کلاں ہوتی ہے۔ ان تعطیلات میں بریلی حاضر ہوکر فقیر ضیاء المصطفیٰ حضرت مفتی اعظم (نوریؔ بریلوی) رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے علمی استفادہ کرتا، ایک سال تعطیل کلاں میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے صحاح ستہ میں ابوداود شریف وابن ماجہ شریف پڑھی۔ حضرت مفتی اعظم نے ان دونوں کتابوں کی اجازت بھی عطا فرمائی۔'' (3)

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی جب تبلیغِ دین اور اشاعتِ مذہب کی غرض سے دورے پر ہوتے تو کسی نا کسی جامعہ یا دارالعلوم میں آپ ضرور تشریف لے جاتے تو اس سنہری موقعہ سے فائدہ اٹھا کران جامعات کے اساتذہ بھی خود کو آپ کے حلقہ شاگردی میں شامل کرنے کے لیے التماس کرکے درس حدیث کی نورانی وعرفانی محفل آراستہ کرتے اور درس لیتے چنانچہ درسِ حدیث کی ایسی ہی ایک نورانی وعرفانی محفل کا تذکرہ قاضی عبدالرحیم رضوی بستوی نے یوں کیا ہے :

''حضرت مفتی اعظم (نوریؔ بریلوی) قدس سرہ ایک سال دارالعلوم فیض الرسول، براؤں کے سالانہ جلسۂ دستارِ فضیلت کے موقع پر براؤں تشریف لے گئے۔ ساتھ میں مَیں اور مفتی شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ بھی تھے۔ دارالعلوم فیض الرسول کے اساتذہ و منتظمین نے حضرت کا شاندار استقبال کیا۔ حضرت فیض الرسول پہنچے کئی روز قیام رہا۔ اسی موقع پر فیض الرسول کے اساتذہ نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے درسِ حدیث لے کر اجازتِ حدیث لینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مفتی اعظم کی اجازت سے درسِ حدیث کی ایک نورانی مجلس بڑے تزک واحتشام سے منعقد ہوئی۔ درسِ حدیث کی اس مجلس میں شرکا پر

لازم قرار دیا گیا کہ وہ عمامہ باندھ کر ہی شریک ہوں۔ چنانچہ سارے اساتذۂ فیض الرسول درسِ حدیث کی اس مجلس میں عمامہ باندھ کر شریک ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے بخاری شریف کی ایک حدیث کا درس دیا۔ درسِ بخاری سے فراغت کے بعد جمیع شرکائے درس کو حدیث مسلسل بالاولیہ، حدیث مصافحہ اور حدیثِ تمر کی عملاً اجازت عطا فرمائی۔ نیز النورو البہا میں درج شدہ جملہ اجازتیں عطا فرمائیں۔ بخاری شریف کے اس درس میں، مَیں، مفتی شریف الحق امجدی صاحب، مولانا غلام جیلانی صاحب، مولانا جلال الدین صاحب، مولانا محمد یونس صاحب، مولانا محمد حنیف صاحب بستوی اور مولانا قدرت اللہ وغیرہ شریک تھے۔'' (4)

علاوہ ازیں آپ صحت کے زمانے میں عموماً بعدِ عشا رضوی دارالافتا میں تشریف رکھتے تھے۔ اس وقت علمائے کرام اور مفتیانِ عظام آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ چنانچہ اس دوران مولانا محمد نعیم اللہ رضوی، صدر المدرسین جامعہ منظرِ اسلام بریلی آپ سے استفادہ کرتے تھے اور مشکل مقامات کو حل کرتے تھے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی اعلیٰ تدریسی صلاحیت کے مالک تھے۔ باوجود یہ کہ آپ نے اپنا تدریسی سلسلہ مسلسل جاری نہ رکھا، پھر بھی آپ کو اپنے عہد کے دیگر ممتاز اساتذہ میں نمایاں مقام حاصل رہا۔ علم وفضل کے اعتبار سے آپ بلند رُتبے پر فائز تھے۔ درسِ نظامی کے باریک باریک اُمور پر آپ گہری نظر رکھتے تھے۔ اس مقام پر آپ کی تدریسی صلاحیتوں، مبلغِ علم کی بلندی اور درسِ نظامی پر کامل دست گاہ کے بارے میں مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی کے خیالات کو پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا :

''ایک بار جب کہ میں رضوی دارالافتا میں بیٹھا مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کیوں کہ مجھے یہ کتاب پڑھانے کے لیے دی گئی تھی۔ حدیثِ جبریل میں جہاں قیامت کے علم کو پانچ ان علوم میں بتایا گیا ہے جنھیں بے بتائے کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ میں اس حدیث کو کئی بار پڑھا چکا تھا۔ علومِ

خمسہ طلبہ کو سمجھا چکا تھا بما لہ و ما علیہ۔ لیکن مجھے خود سمجھانے کے باوجود حضرت مفتی اعظم (نوریؔ بریلوی) علیہ الرحمۃ سے اس حدیث کو سمجھنے کا شوق ہوا۔ میں نے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور! اس حدیث میں پانچ علوم کے مخلوق کو علم ذاتی نہ ہونے کی تخصیص ہے، تو پانچ ہی کی تخصیص کیوں کی گئی حالانکہ کسی چیز کا علمِ ذاتی مخلوق کو نہیں۔ حضرت مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا: آپ نے کہا ہے کہ علوم خمسہ کی تخصیص کی گئی۔ یہاں تخصیص کہاں ہے؟ میں متنبہ ہوا اور سمجھ گیا کہ حضرت نے مجھے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ آپ کو تخصیص نہیں کہنا چاہیے تھا کہ تخصیص علمِ معانی و بیان میں خاص صورت میں ہوتی ہے، خاص کلمات کے ذریعہ نفی اور استثنا کے ذریعہ اور کلمہ انما کے ذریعہ اور تقدیم وغیرہ کے ذریعہ۔ اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں۔ مجھے یہاں تخصیص نہیں بولنا چاہیے تھا۔ اس کے بعد فوراً حضرت مفتی اعظم نے فرمایا: یہ کہیے علوم خمسہ کی تخصیصِ بالذکر کی گئی۔ اس تنبیہ سے میں نے حضرت مفتی اعظم کے مبلغِ علم کی بلندی اور تعمقِ نظر و فکر کو خوب سمجھ لیا اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ حضور مفتی اعظم کا درس نظامی پر گہرا مطالعہ ہے۔ اگرچہ مفتی اعظم کہلاتے ہیں، مگر مدرسِ اعظم بھی ہیں۔ پھر حضرت نے وہ بتایا جو میں جاننا چاہتا تھا۔

حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

بے شک عالم کے کسی ذرّے کا بھی علم مخلوق کو بے عطائے الٰہی حاصل نہیں کہ علمِ ذاتی خاص ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ۔ حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پانچ چیزوں کا علمِ ذاتی مخلوق کو نہیں اور ان پانچ کے سوا کا معاذ اللہ ذاتی مخلوق کو ہے۔ اصل میں پانچ کی تخصیص ذکر کے ساتھ اس لیے کی گئی کہ اس زمانے میں کاہن، قائف، اور ساحر وغیرہ ان پانچ چیزوں کے علم کا دعوا کیا کرتے تھے اور وہ گمراہ تھے۔ وہ اس قابل نہیں تھے کہ اللہ عزوجل انھیں ان چیزوں کا علم عطا فرمائے۔ جب انھیں اللہ تعالیٰ نے بتایا نہیں اور وہ ان علوم کے جاننے کے مدعی تھے تو ان کے دعوے سے نکلتا تھا کہ انھیں ان چیزوں کا علم

ذاتی ہے۔ تو قرآن و حدیث میں ان کا رد کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بے بتائے جو یہ دعوا کر رہے ہیں وہ غلط اور باطل ہے۔ ان علوم کو بھی وہی جانتے ہیں جنھیں اللہ بتائے۔ اور یہ کاہن وغیرہ نہیں جانتے۔ یہ ہے وجہ تخصیصِ بالذکر کی۔

یہ ایک حدیثِ خاص حضرت نے مجھے سمجھائی اور پتہ نہیں کتنی بار فتاوا سناتے اور دکھاتے وقت تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کے مطالب سمجھائے اور بتائے۔" (5)

جانشینِ مفتی اعظم تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری دام ظلہ العالی اپنی فتویٰ نویسی کی ابتدا بیان کرتے ہوئے راقم ہیں:

"جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد میں نے اپنی دل چسپی کی بنا پر فتوے کا کام شروع کیا...... شروع شروع میں مفتی افضل حسین صاحب علیہ الرحمہ اور دوسرے مفتیانِ کرام کی نگرانی میں یہ کام کرتا رہا...... اور کبھی کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ دکھایا کرتا تھا...... کچھ دنوں بعد اس کام میں میری دل چسپی زیادہ بڑھ گئی اور پھر میں مستقل حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگا...... حضرت کی توجہ سے مختصر مدت میں اس کام میں مجھے وہ فیض حاصل ہوا کہ جو کسی کے پاس مدتوں بیٹھنے سے بھی نہ ہوتا۔" (6)

علاوہ ازیں آپ سے بیش تر حضرات نے فتویٰ نویسی کی تربیت بھی لی اور اپنے فتاویٰ پر اصلاح و نظرثانی کے لیے آپ کی بارگاہ میں رہ کر مدتوں بعض علمائے دین نے کسبِ فیض کیا۔ اس دوران کبھی کبھار اصلاحِ فتاوا کے ساتھ ساتھ درس و تدریسِ حدیث کا سلسلہ بھی چل نکلتا۔ فتوا نویسی سیکھنے کے دوران جب علما آپ کو فتاوا دکھاتے اور سناتے اس وقت نوریؔ بریلوی تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول کی سیکڑوں کتابوں کے مطالب سمجھاتے اور ان کی زنبیلِ حیات میں علم و فن کے گہر ہائے آب دار کا اضافہ کرتے۔

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے ہم عصر علما و فقہا، مفسرین و محدثین اور متکلمین و مناظرین آپ سے علمی استفادہ کرتے اور شرعی مسائل میں آپ سے رجوع ہوتے۔ مزید یہ کہ پیچیدہ و لاینحل مسائل کے حل کے لیے آپ کے یہاں حاضر ہوتے تھے۔ آپ جب تک حیات رہے یہ

سلسلہ جاری رہا۔ علما وطلبہ آتے گئے اور آپ کے علمی فیض سے مالا مال ہوتے گئے۔ اور جنھیں آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا وہ اپنے آپ کو سعادت مند اور خوش قسمت تصور کرتے ہیں۔

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کا طریقۂ تعلیم

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کا طریقۂ تعلیم اور درسِ افتا امتیازی شان کا حامل تھا۔ آپ درسِ افتا میں اس کا التزام فرماتے تھے کہ محض نفسِ حکم سے واقفیت نہ ہو بلکہ اس کے ماعلیہ وما لۂ کے تمام نشیب وفراز ذہن نشین ہو جائیں۔ پہلے آیات واحادیث سے استدلال کرتے، پھر اصولِ فقہ وحدیث سے اس کی تائید دکھاتے اور قواعدِ کلیہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کتبِ فقہ سے اس کی جزئیات پیش فرماتے، اور مزید اطمینان کے لیے فتاوا رضویہ یا امام احمد رضا بریلوی کا ارشاد بیان کرتے۔ اگر مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو قول راجح کی تعیین دلائل سے کرتے اور اصولِ افتا کی روشنی میں ماعلیہ الفتویٰ کی نشاندہی کرتے۔ پھر فتاویٰ رضویہ یا امام احمد رضا بریلوی کے ارشاد سے اس کی تائید پیش فرماتے۔ مگر عموماً یہ سب زبانی ہوتا۔ عام طور سے جواب بہت مختصر اور سادہ لکھنے کی تاکید فرماتے، ہاں! کسی عالم کا بھیجا ہوا استفتا ہوتا اور وہ ان تفصیلات کا خواست گار ہوتا تو پھر جواب میں وہی رنگ اختیار کرنے کی بات ارشاد فرماتے۔

نوریؔ بریلوی کے درسِ افتا اور اصلاحِ فتاوا سے متعلق آپ کے نائب شارح بخاری، مولانا محمد شریف الحق امجدی نے یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

> ''میں گیارہ سال تین ماہ خدمت میں حاضر رہا۔ اس مدت میں چوبیس ہزار مسائل لکھے ہیں، جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضرت مفتی اعظم کی تصحیح وتصدیق ہے۔ عالم یہ ہوتا کہ دن بھر بلکہ بعدِ مغرب بھی دو گھنٹے تک حاجت مندوں کی بھیڑ رہتی۔ یہ حاجت مند خوش خبری لے کر نہیں آتے، سب اپنا اپنا دکھڑا سناتے، غم آگیں واقعات سننے کے بعد دماغ کا کیا حال ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ اتنے طویل عرصے تک اس غم آگیں ماحول سے فارغ ہونے کے بعد، عشا بعد پھر تشریف رکھتے اور میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا، میں گھسا پٹا نہیں بلکہ بہت سوچ سمجھ کر، جانچ تول کر مسئلہ لکھتا، مگر واہ رے! مفتی اعظم۔ اگر کہیں ذرا بھی غلطی ہے، لوچ ہے یا بے ربطی ہے، یا تعبیر غیر مناسب

ہے، یا سوال کے ماحول کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے، یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے فوراً اس پر تنبیہ فرما دیتے اور مناسب اصلاح۔ تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار، جو لکھا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے، اس کو کوئی بھی ذہین نقاد کہہ سکتا ہے، مگر اس کو بدل کر لکھا جائے، یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مگر ستر سالہ مفتی اعظم کا علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرما دیتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔

کبھی ایسے جاں فزا تبسم کے ساتھ کہ قربان ہونے کا جذبہ حدِ اضطرار کو پہنچ جائے، کبھی ایسے جلال کے ساتھ کہ اعصاب جواب دے جائیں۔ مگر اس جلال کو کون سا نام دیں جس کے مخاطب کی جراتِ رندانہ اور بڑھ جاتی کیا کیجیے گا؟ اگر جلال سے مرعوب ہو کر چپ رہتے تو جلال اور بڑھتا، بڑھتا رہتا یہاں تک کہ مخاطب کو عرض معروض کرنا ہی پڑتا۔ یہ جلال وہ جلال تھا کہ جو اس کا مورد بنا کندن ہو گیا۔

یہ مجلس آدھی رات سے پہلے کبھی ختم نہ ہوتی۔ بارہا رات کے دو بج جاتے اور رمضان شریف میں تو سحری کا وقت روز ہو جاتا۔

بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا۔ کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا۔ مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دارالافتاء میں نہ تھیں زبانی لکھوا دیتے۔ میں حیران رہ جاتا، یا اللہ! کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں، یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں؟ پیچیدہ سے پیچیدہ دقیق سے دقیق مسائل پر بداہۃً ایسی تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا اس پر بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کلام بہت کم فرماتے مگر جب ضرورت ہوتی تو ایسی بحث فرماتے کہ اجلہ علما انگشت بدنداں رہ جاتے۔ کسی مسئلہ میں فقہا کے متعدد اقوال ہیں تو سب دماغ میں ہر وقت حاضر رہتے، سب کے دلائل، وجوہِ ترجیح، اور قولِ مختار ومفتی بہ پر تیقن اور ان سب اقوال پر اس کی وجہِ ترجیح سب ازبر۔ بابِ

نکاح میں ایک مسئلہ ایسا ہے جس کی بہتر (72) صورتیں ہیں اور کثیر الوقوع بھی ہیں، پہلی بار جب میں نے اس کو لکھا، سوال مبہم تھا، میں نے بیس (20) پچیس (25) شق قائم کر کے چار ورق فل اسکیپ کاغذ پر لکھا جب سنانے بیٹھا تو فرمایا :

''یہ طول طویل شق در شق اور شق در شق جواب کون سمجھ پائے گا؟ پھر اگر لوگ خدا ناترس ہوئے تو جو شق اپنے مطلب کی ہوگی اس کے مطابق واقعہ بنالیں گے۔ آج ہندوستان میں یہ صورت رائج ہے اسی کے مطابق حکم لکھ کر بھیج دیں یہ قید لگا کر کہ آپ کے یہاں یہی صورت تھی تو حکم یہ ہے۔''

یہ جواب فل اسکیپ کے آدھے ورق سے بھی کم پر مع تائیدات آگیا۔ اس واقعہ نے بتایا کہ کتب بینی سے علم حاصل کر لینا اور بات ہے اور فتوا لکھنا اور بات۔'' (7)

متذکرہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نوریؔ بریلوی کا طریقۂ تعلیم انتہائی عمدہ تھا۔ آپ نہایت شفقت و محبت سے اپنے طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ اور دقیق سے دقیق مسائل کو اس آسانی سے سمجھاتے کہ وہ طلبہ کے ذہن نشین ہو جاتا۔ فتوا نویسی کی تربیت لینے والے علما سے آپ ہمیشہ فرماتے تھے کہ استفتا کے جواب میں جو صورت رائج ہو اس کے مطابق حکم واضح کریں اور جواب طول طویل دینے کی بجائے اجمالاً مگر جامع دیا جائے۔

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی طلبہ سے شفقت و محبت

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی طلبہ سے مشفقانہ و مربیانہ اور محبت آمیز رویہ رکھتے تھے۔ آپ طلبہ پر نہایت مہربان تھے، انھیں شفقت و محبت سے نوازتے اور ہر طرح ان کی خدمت کرتے حتیٰ کہ غریب و نادار طلبہ کو خفیہ طور پر خرچ کے لیے رقوم بھی عنایت فرماتے۔ یوں ہی درس و تدریس کے ذریعہ ان کی خدمت کرتے، نہایت شفقت و محبت سے ان کو پڑھاتے، علمِ نافع حاصل ہونے کی دعائیں دیتے، کوئی طالب علم مسئلہ دریافت کرتا یا حدیث یا فقہ کی کتاب کے آغاز کے وقت تبرکاً پڑھنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، آپ نہایت شفقت سے جواب دے کر مطمئن فرماتے، جلسۂ دستارِ فضیلت کے موقع پر علما و طلبہ کے لیے خصوصی دعوت کا

اہتمام فرماتے تھے۔ خوشی کے موقع پر کھانے پکوا کر طلبہ کو کھلاتے۔ بیش تر طلبہ ایسے تھے جو دونوں وقت آپ کے یہاں کھاتے تھے، بعض طلبہ کو ان کے ذوقِ علمی کی بنا پر آپ خود اپنے مکان پر ٹھہراتے اور نہایت لطف و کرم سے قیام و طعام کا بندوبست فرماتے نیز ان کو اپنے علمی و روحانی فیضان سے مالا مال کرتے۔ غرض یہ کہ علما کی توقیر، طلبہ سے شفقت و محبت جو آج کل بڑی بڑی ہستیوں میں مفقود ہوتی جارہی ہے۔ وہ آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔

آپ کا علمی رعب و دبدبہ اور روحانیت ساری دنیا پر واضح ہے، آپ عالمِ اسلام میں مسلمانوں کی توجہ کا مرکز تھے۔ اس کے باوجود اپنے شاگرد رشید مولانا سردار احمد رضوی لائل پوری کو کن الفاظ سے یاد کرتے ہیں، آپ کے ایک مکتوب کا اقتباس دیکھیے اور اپنے شاگرد کے تئیں اُن کی والہانہ شفقت و محبت کا اندازہ کیجیے :

''آپ کے مدرسہ اور خدماتِ دینی کا حال ہر آنے والے سے معلوم ہوتا رہتا ہے۔ ماشاء اللہ لاحول و لاقوۃ الا باللہ۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کے فیض کو اور زیادہ سے زیادہ کرے اور دارین کی نعمتوں، برکتوں سے آپ کو مالا مال کرے اور بہت بہت ترقیاں ہر قسم کی دینی و دنیوی نصیب فرمائے آپ کی خدماتِ دینی کو شرفِ قبول بخشے اور بیش از بیش توفیقِ خیر دے اور آپ کو اس فقیر حقیر گناہ گار، عصیاں کار کے لیے سرمایۂ نجات بنائے۔ آپ کی دینی خدمات ثمن ثمن کرد ل باغ باغ ہے۔'' (8)

دورِ حاضر کے اساتذہ کے لیے نوریؔ بریلوی کا اپنے تلامذہ کے ساتھ یہ محبت آمیز رویہ ایک درس پیش کرتا ہے کہ اتنی عظیم اور بلند پایہ شخصیت جب اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسا مشفقانہ برتاو رکھتی تھی تو انھیں بھی چاہیے کہ آپ کے اس طرزِ عمل کو مشعلِ راہ بنائیں۔

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے تلامذہ

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے شاگردوں اور آپ سے علمی و فقہی استفادہ کرنے والوں میں بڑے بڑے علما و فقہا، مدرسین و محققین، مفسرین و محدثین، متکلمین و مناظرین گزرے ہیں جن کی ہند و پاک اور دیگر ممالک میں ایک بڑی جماعت ہے۔ گو کہ بعض اپنے مالکِ حقیقی سے

جا ملے ہیں اور بقیہ جو بہ قید حیات ہیں وہ ہمہ وقت دین و مذہب اور حق وصداقت کی ترویج واشاعت میں مصروف ہیں۔آپ کے تلامذہ ومستفیدین عالم، عامل، مدرس، مقرر، مفسر ومحدث، مناظر ومتکلم، منطقی وفلسفی، محقق ومصنف، فقیہ وقاضی اور مفتی ہونے کا ساتھ ساتھ ملک وملت کے بہی خواہ، ہمدرد اور بےلوث خادم ہیں۔

استاذ کی سیرت وکردار، علم وعمل کی پختگی اور قول وفعل کی یکسانیت اور ہم آہنگی کا اثر تلامذہ پر ضرور پڑتا ہے۔خصوصاً جب استاذ کی علمی وروحانی قوت اپنے معاصر علما ومشائخ سے بھی خراجِ عقیدت وصول کر چکی ہو۔یہی وجہ ہے کہ نوریؔ بریلوی کے تلامذہ ومستفیدین رسوخ فی العلم، استقامت فی الدین، مسلک سے والہانہ محبت، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر مقاصدِ علم میں ایسے ممتاز ومنفرد ہیں کہ اپنی مثال آپ ہیں۔

حضرت نوریؔ بریلوی خیرآبادی اور دہلوی سلسلۂ تدریس کے ساتھ ساتھ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مظہر بریلی سلسلۂ تدریس کے وارث وامین ہیں۔اس لیے آپ کے تلامذہ میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حسین تڑپ پیدا ہوگئی۔جس نے ان کی فکری واعتقادی زندگی میں اجتماعیت، روحانیت، عزمِ مصمم، یقیں محکم اور عمل پیہم کی بےکراں دولت جمع کر دی۔آپ کے مکتب اور فیضانِ نظر نے انھیں باطل فتنوں کے مقابلوں کی ہمت وجرات بخشی۔ آپ کے فیض یافتہ علما، فقہا، مفسرین، محدثین، متکلمین ومناظرین، محققین ومفتین، مصنفین ومولفین، مقررین ومدرسین، مناطقہ وفلاسفہ، ادباوشعرا، قاضیانِ عدالت اور مفتیانِ شریعت زمانے کے ہر چیلنج کا جواب دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، اور اپنے اندر ایسی توانائی اور قوت پاتے ہیں کہ جہاں ہوں وہاں ایک جہان آباد کر دیتے ہیں۔

تحقیق سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ منظرِ اسلام ومظہرِ اسلام کے جن طلبہ نے آپ سے درس لیا یا استفادہ کیا ان کا کوئی ریکارڈ نہ رکھا گیا اس لیے آپ کے تلامذہ ومستفیدین کا شمار ممکن نہیں رہا۔لیکن یہ حقیقت تو ظاہر ہے کہ آپ کے ان گنت تلامذہ ومستفیدین آسمانِ علم وفضل کے مہر وماہ بن کر چمکے اور ان کا علمی فیض ہند وپاک اور اس کی سرحدوں کے پار بھی فضاؤں کو منور کر رہا ہے۔

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے درسی تلامذہ

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے بےشمار تلامذہ میں سے چند کے اسمائے گرامی ذیل میں ملاحظہ ہوں :

1) محدثِ پاکستان مولانا سردار احمد رضوی، گورداس پوری، بانی جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، فیصل آباد، پاکستان
2) مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی، شیخ الحدیث والفقہ جامعہ نعیمیہ لاہور، پاکستان
3) مولانا مفتی حشمت علی خاں رضوی پیلی بھیتی، بانی دارالعلوم حشمت الرضا، پیلی بھیت
4) مولانا الحاج مبین الدین امروہوی، شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ، مرادآباد
5) مولانا محمد تحسین رضا خاں رضوی محدث بریلوی، صدرالمدرسین مرکزالدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا بریلی
6) شارح بخاری مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی، صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
7) مولانا محمد ریحان رضا خاں رضوی بریلوی، مہتمم جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی
8) مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری میاں، صدر مفتی مرکزی دارالافتا، وبانی مرکزالدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی
9) مولانا محمد خالد علی خاں رضوی، مہتمم جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی
10) محدث کبیر علامہ ضیاءالمصطفیٰ رضوی امجدی اعظمی، بانی وسربراہِ اعلیٰ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی
11) مولانا مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی، شیخ الحدیث وصدرالمدرسین جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی
12) مولانا سید عارف رضوی نان پاروی، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی
13) مولانا محمد نعیم اللہ خاں رضوی بستوی، صدرالمدرسین جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی
14) مبلغِ اسلام مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی رضوی، بانی سُنّی رضوی سوسائٹی، ماریشش
15) مولانا محمد منظور احمد فیضی رضوی، بانی مدینۃ العلوم، بہاول پور، پاکستان
16) مولانا معین الدین شافعی قادری، ناظمِ اعلیٰ جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان
17) مولانا غلام جیلانی گھوسوی، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی
18) مولانا مفتی قاضی عبدالرحیم بستوی، مرکزی دارالافتا، بریلی
19) فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی، بانی مرکزِ تربیتِ افتا اوجھاگنج، بستی

20) مولانا بدرالدین رضوی گورکھپوری، صدر مدرس مدرسہ غوثیہ، بڑھیا، بستی
21) مولانا محمد یونس نعیمی، صدرالمدرسین دارالعلوم فیض الرسول، براؤں، بستی
22) مولانا محمد حنیف قادری، مدرس دارالعلوم فیض الرسول، براؤں، بستی
23) مولانا قدرت اللہ رضوی، مفتی دارالعلوم فیض الرسول، براؤں، بستی
24) مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی، مدیر عام الادارۃ الحنفیہ، کشن گنج، بہار
25) مولانا لطف اللہ قریشی رضوی علی گڑھی، خطیب شاہی جامع مسجد و مفتی شہر متھرا
26) مولانا نذیر احمد رضوی پنجابی
27) مولانا محمد اسماعیل رضوی پورنوی
28) مولانا بلال احمد رضوی بہاری، مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی
29) مولانا عبدالخالق نوری بہاری، مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی
30) مولانا محمد ہاشم یوسفی بہاری، مدرس جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی
31) مولانا عبدالحمید رضوی افریقی
32) مولانا احمد مقدم رضوی افریقی
33) مولانا محمد میاں رضوی بریلوی
34) قاری محمد امانت رسول پیلی بھیتی
35) مولانا سید شاہد علی رضوی رام پوری، شیخ الحدیث و ناظم الجامعۃ الاسلامیہ، رام پور۔ وغیرہ (9)

افتا کے تلامذہ

مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کے شاگردوں میں آپ سے فتوانویسی میں استفادہ کرنے والے حضرات کی تعداد کثیر ہے۔ بلکہ اگر برِ صغیر کے مفتیانِ کرام کے اسما جمع کیے جائیں تو ان میں بیش تر حضرات آپ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ شاگرد ہوں گے۔ مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کے درسِ افتا کے چند تلامذہ کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں :

1) محدثِ پاکستان مولانا سردار احمد رضوی، گورداس پوری، بانی جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، فیصل آباد، پاکستان
2) مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد رضوی، شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور

، پاکستان
3) مفتی سید افضل حسین رضوی مونگیری، شیخ الحدیث و مفتی جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان
4) مولانا الحاج مبین الدین امروہوی، شیخ التفسیر جامعہ نعیمیہ، مراد آباد
5) مفتی محمد احمد جہانگیر خاں رضوی اعظمی، شیخ الحدیث و مفتی جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی
6) مولانا محمد تحسین رضا خاں رضوی محدث بریلوی، صدرالمدرسین مرکزالدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی
7) شارح بخاری مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی، صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
8) مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری میاں، صدر مفتی مرکزی دارالافتا، و بانی مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی
9) محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ رضوی امجدی اعظمی، بانی و سربراہِ اعلیٰ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، اعظم گڑھ
10) مولانا مفتی قاضی عبدالرحیم بستوی، مرکزی دارالافتا، بریلی
11) مولانا مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی، شیخ الحدیث و صدرالمدرسین جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی
12) مفتی عبدالمنان اعظمی، شیخ الحدیث و مفتی شمس العلوم، گھوسی، اعظم گڑھ
13) مفتی رجب علی رضوی نان پاروی، بانی و مہتمم مدرسہ عزیز العلوم، نان پارہ، بہرائچ
14) مولانا محمد حبیب رضا خاں رضوی بریلوی، ناظم ادارہ سُنّی دنیا، بریلی
15) مولانا مفتی ابرار حسین صدیقی تلہری، مفتی جماعت رضائے مصطفیٰ و مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ یادگارِ رضا، بریلی
16) مولانا غلام جیلانی گھوسوی، شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی
17) مفتی خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، شیخ المعقولات دارالعلوم
18) مولانا غلام یزدانی گھوسوی، صدرالمدرسین جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی
19) مولانا غلام یٰسین رشیدی پورنوی
20) مولانا معین الدین خاں اعظمی مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی
21) مفتی محمد طاہر حسین اشرفی، مفتی رضوی دارالافتا، بریلی
22) مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی، مدیر عام الادارۃ الحنفیہ، کشن گنج، بہار
23) مولانا محمد حسن منظر قدیری، فاضل جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی

24) مولانا عبدالحمید رضوی، دیناجپوری

25) مفتی محمد صالح رضوی مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

26) مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی، مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

27) مولانا مظفر حسین غازی پوری، کراچی، پاکستان

28) مفتی ریاض احمد سیوانی، نائب مفتی جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

29) مفتی جلال الدین قادری، ٹانڈہ، فیض آباد

30) مفتی عبدالغفور بہاری، مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی

31) مولانا محمد انور رضوی ٹانڈوی، مفتی رضوی دارالافتا، بریلی

32) مولانا رئیس الدین رضوی پورنوی، مدرس جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی۔ وغیرہ (10)

نوریؔ بریلوی کی شہرت و مقبولیت صرف برِ صغیر ہند و پاک تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ عالمِ اسلام کے جید علما و مشائخ آپ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ غائبانہ طور پر آپ کی دینی و ملی، علمی و فنی خدمات اور رفعت و عظمت کے معترف اور قدرداں تھے۔ آپ کے وجودِ مسعود کو عالمِ اسلام کے لیے باعثِ برکت و رحمت اور ایک نعمتِ عظمیٰ تصور فرماتے تھے۔ چنانچہ 1391ھ میں جب آپ تیسری مرتبہ حج و زیارت کے لیے حاضر ہوئے تو اس موقع پر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سیکڑوں افراد آپ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ بڑے بڑے جید علماے اعلام، فضلاے کرام اور مفتیانِ عظام نے آپ کے سامنے زانوے ادب تہہ فرما کر شرفِ تلمذ حاصل کیا ۔آپ سے اجازتِ حدیث لی اور خلافتیں حاصل کیں۔ ان میں سے چند کے اسماے گرامی ملاحظہ ہوں :

1) مفتیِ حرم علامہ مولانا سید محمد مغربی مالکی مکی

2) شیخ العلما علامہ سید امین قطبی مکی

3) حضرت علامہ مولانا مفتی سید نور

4) استاذ العلما حضرت علامہ مولانا جعفر بن کثیر

5) حضرت علامہ مولانا عمر ہمدان مکی

6) حضرت علامہ مولانا سید عباس مالکی مکی

7) حضرت علامہ مولانا عبدالمالک

8) حضرت علامہ مولانا موزاعرقی

9) حضرت علامہ مولانا ابراہیم مدنی

10) حضرت علامہ مولانا محمد فضل الرحمن مدنی

11) حضرت علامہ مولانا سید علوی مالکی وغیرہ (11)

تدریسی خدمات کے تحت جائزہ لیتے ہوئے اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ نوریؔ بریلوی نے تعلیم سے فراغت کے بعد 1328ھ/ 1910ء سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن فتوا نویسی کی زیادتی اور دیگر مصروفیات کے سبب آپ کا تدریسی سلسلہ تسلسل سے جاری نہ رہ سکا۔ ویسے آپ کبھی کبھار مخصوص طلبہ کو پڑھاتے رہے۔ مدارس کے اساتذہ، فارغ التحصیل طلبہ اور زیرِ تعلیم طلبہ تعطیل کے دوران بریلی حاضر ہو کر آپ کے حلقۂ شاگردی میں داخل ہوتے۔ اسی طرح تبلیغی سفر کے دوران بھی بعض علما و مشائخ آپ سے درسِ حدیث لے کر نوریؔ بریلوی کے تلامذہ میں شامل ہو کر اپنے آپ کو سعادت مند تصور کرتے۔

تحقیق سے یہ بھی واضح ہوا ہے کہ آپ اعلا تدریسی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ درسِ نظامی کے باریک باریک اُمور پر گہری نظر تھی۔ طلبہ کو نہایت شفقت و محبت سے پڑھاتے۔ آپ کا طریقۂ تعلیم اور درسِ افتا امتیازی شان کا حامل تھا۔ آپ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو اس آسانی کے ساتھ سمجھاتے کہ وہ طلبہ کے ذہن نشین ہو جاتا۔ طلبہ پر نہایت مہربان تھے، انھیں شفقت و محبت سے نوازتے، انھیں وظائف دیتے اور علمِ نافع حاصل ہونے کی دعائیں دیتے تھے۔

آپ کی تدریسی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ آپ سے بالواسطہ یا بلا واسطہ علمی و فقہی استفادہ کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت نہ صرف ہند و پاک بلکہ دیگر ممالک میں بھی موجود ہے۔ جو ہمہ وقت دین و مذہب کی حفاظت و صیانت میں مصروف ہے۔

حواشی

(1) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج 1 ص 40

(2) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج 1 ص 42

(3) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج 1 ص 44

(4) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج 1 ص 44/45

(5) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج 1 ص 46/47

(6) ماہ نامہ استقامت ڈائجسٹ، کان پور، مفتی اعظم نمبر، ملخصاً مئی 1983ء، ص 191

(7) پندرہ روزہ رفاقت: مفتی اعظم نمبر، پٹنہ، جلد ر ۱، شمارہ ر 5، فروری 1982ئ، ص 9

(8) مکتوب حضرت نوری بریلوی بنام محدث اعظم پاکستان محررہ 16 ر شوال 1374ھ

(9) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج 1 ص 58/64

(10) شاہد علی رضوی، سید، مفتی: مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج 1 ص 64/67

(11) عبد النعیم عزیزی، ڈاکٹر: ضمیمہ: مفتی اعظم، مطبوعہ بریلی، چھٹا ایڈیشن، ص 77

{............}

باب ششم

نوری بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ

نوری بریلوی کے عہد میں نعت گوئی کا معیار اور عام روش

نوری بریلوی کے عہد میں نعت گوئی کا معیار اور عام روش

مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کے عہد میں نعتیہ شاعری کا معیار اور اس کی عام روش کم و بیش وہی تھی جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں نظر آتی ہے۔ جس کا تذکرہ ''ہندوستان میں اردو نعتیہ شاعری کا تاریخی جائزہ'' کے تحت دورِ متاخرین نعت گوشعرا میں کیا جا چکا ہے۔ نوری بریلوی کا عہد (1892ء سے 1981ء تک) ہندوستانی مسلمانوں کے لیے تاریخ کا ایک ایسا کرب ناک اور ناگفتہ بہ دور تھا جو تاریخ ہند میں اس سے قبل نہ دیکھا گیا تھا۔ نت نئی تحریکات جنم لے رہی تھیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے اسلام دشمن قوتیں شب و روز نئے منصوبے بنا کر ان کو عملی جامہ پہنا رہی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی کی ناکامی کے زخم اب دھیرے دھیرے مندمل ہو رہے تھے؛ لیکن کشورِ ہند پر انگریزوں کی حکومت تشکیل پا چکی تھی۔ چوں کہ نوری بریلوی کا تعلق ہندوستان کے اسی عہدِ افتراق و انتشار سے تھا، اس لیے ان کی شاعری میں بھی اُس دور میں پیدا ہونے والے حالات و حوادث کی عکاسی دیکھنے کو ملتی ہے۔

نوری بریلوی کے عہد میں نعت گوئی کا جو معیار قائم ہو چکا تھا اُسے بہ آسانی فہم کر لینا دشوار گزار امر ہے کیوں کہ نوری بریلوی نے بیسویں صدی کا وہ دور دیکھا تھا جب کہ امیرؔ مینائی، محسنؔ کاکوروی، حالیؔ، شبلیؔ اور نظمؔ طباطبائی کے قائم کردہ معیار میں مزید کچھ نئے رنگ و آہنگ کا اضافہ ہو گیا تھا۔

تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں نعتیہ شاعری دو حلقوں میں منقسم ہو گئی تھی۔ نعت

گوشعرا کا ایک حلقہ محسنؔ کاکوروی، حالیؔ، شبلیؔ اور نظم طباطبائی کے زیرِ اثر کام کر رہا تھا تو دوسرا طبقہ امیرؔ مینائی، داغؔ دہلوی اور ناسخؔ لکھنوی کے زیرِ اثر نعت گوئی کے پرچم کو بلند کیے ہوئے تھا۔ اول الذکر شعرا کے یہاں مسائلِ حاضرہ بھی نعت کے دامن میں جگہ پاتے تھے جب کہ آخر الذکر شعرا کے کلام میں تغزل کا فنی و لسانی در و بست نظر آتا ہے اور ان کے ہاں نعت کا روایتی اسلوب بھی خاصا نمایاں ہے۔ گویا گردشِ ایام پیچھے کی طرف لوٹ رہا تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ 1857ء کی ناکام جنگِ آزادی کے زخم اب اتنے تازہ نہیں رہ گئے تھے۔ لیکن اول الذکر شعرا نے اس درد اور کسک کو اپنی نعت گوئی میں زندہ رکھا جو امتِ مسلمہ کے زوال کے سبب دلوں میں پیدا ہوئی تھی۔ اس عہد میں پہلے گروہ کی قیادت مولانا ظفرؔ علی خان اور اقبالؔ کے ہاتھوں میں تھی تو دوسرے گروہ کی زمام میلادِ اکبر والے اکبرؔ میرٹھی کے ہاتھ میں تھی۔

اس پورے منظر نامے میں ایک نئی، اچھوتی اور ملکوتی، کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی دل کش آواز اُبھر رہی تھی جسے ہم تیسری آواز کہہ سکتے ہیں۔ اور وہ آواز ہے مولانا احمد رضا خان محدثِ بریلوی کی۔ اس آواز میں کوثر و تسنیم کا تقدس، ملکوتی صفات، زوالِ امتِ مسلمہ کی تڑپ اور کسک، تغزل کا فنی اور لسانی رنگ و آہنگ، تعظیم و توقیر ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، اور عشق و محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ایسے متنوع جز و شامل ہو گئے تھے جو اس سے پہلے نعتیہ شاعری کا مقدر نہ بن سکے۔ اور آج یہی تیسری آواز نعتیہ شاعری اور نعت خوانی کی محفلوں اور مجلسوں میں نوائے سروش بن کر امتِ مسلمہ کے قلب و روح پر سایہ فگن ہے۔

اس آواز کے حامل نعت گو شعرا کی زمام مولانا احمد رضا بریلوی کے ہاتھ میں تھی اور اس کی ہم نوائی کرنے والوں میں آسیؔ سکندر پوری، حسنؔ رضا بریلوی، جمیلؔ بریلوی، سید محمد اشرفی سید کچھوچھوی، نعیم الدین نعیمؔ مرادآبادی، احمد یار خاں سالکؔ نعیمی، علیمؔ میرٹھی، فقیر برکاتی مارہروی وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔

مصطفیٰ رضا نوری بریلوی چوں کہ اسی عہد کے ممتاز عالمِ دین، عظیم فقیہ و محدث، بلند پایہ ادیب و مصنف اور مایۂ ناز شاعر ہیں۔ آپ کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے عہد سے اثر تو قبول کیا ہے۔ لیکن آپ کی آواز حسنؔ رضا بریلوی، جمیلؔ بریلوی، سید محمد کچھوچھوی، نعیم الدین نعیمؔ مرادآبادی، احمد یار خاں سالکؔ نعیمی، علیمؔ میرٹھی، فقیرؔ برکاتی مارہروی وغیرہ کی آواز سے منفرد اور جدا لگتی ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ آپ کی شاعری کا معیار اور روش اس

عہد کے شعرائے نعت کے معیار اور روش سے مماثل ہے۔ آپ کے یہاں مسائلِ حاضرہ بھی نعت کے اندر جگہ پاتے ہیں تو تغزل کے فنی اور لسانی دروبست بھی موجود ہیں، اسی طرح وہ کسک اور تڑپ بھی ہے، جو اُمتِ مسلمہ کے زوال و انحطاط کے سبب قلب و روح میں پیدا ہو رہی تھی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ بھی نہاں ہے۔ گویا آپ کی نعتیہ شاعری میں گوناگوں اور متنوع جز ویک جا ہو گئے ہیں۔

"نعت گوئی کی تاریخ کا اجمالی جائزہ" کے تحت اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں رسولِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتِ پاک کے محبت آمیز ذخائر موجود ہیں۔ اور ساری دنیا کے مسلمان اپنی اپنی زبانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس بارگاہ میں اپنا نذرانۂ خلوص و محبت نذر کر رہے ہیں۔ نعت کو نورِ لحد اور سرمایۂ آخرت سمجھ کر مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی نعتِ پاک کی بابرکت محفلوں میں شرکت کو سعادت سمجھتے ہیں اور عقیدت و احترام کے ساتھ نعتِ پاک کی مجالس میں شریک ہوتے ہیں۔ ذکرِ رسول و نعتِ رسول کو آفاقیت اور عالم گیریت بلکہ کائناتی وسعت حاصل ہے۔ جہاں جہاں اس روے زمین پر کوئی بھی ذی روح موجود ہے وہاں وہاں ذکرِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم جاری و ساری ہے۔ عربی، فارسی، اردو اور ہندوستانی زبانوں کی بات تو کجا دنیا کی ساری زبانیں اور بولیاں ذکرِ نبوی اور حُبِّ نبوی کی شاہد و گواہ ہیں۔

نوریؔ بریلوی کی نعت گوئی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری جملہ شعری و فنی محاسن سے آراستہ اور مزین ہے۔ آپ کے کلام میں رعایتِ لفظی، صنائع و بدائع، محاورات کا استعمال، تجانیس، پیکر تراشی، تراکیب سازی، معنی آفرینی، جدت طرازی، ندرت بیان، علاقائی زبانوں کا استعمال، عربی کی آمیزش اور فارسیت کا رچاو وغیرہ عناصر بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

نوریؔ بریلوی کے علم و فضل اور کمال کا اک جہاں معترف ہے۔ آپ نے اپنی شاعری میں جذبے کی آنچ اور تجرِ علمی دونوں کو ہم آہنگ کر کے ایک ایسے لب و لہجے کو جنم دیا جو قابلِ دیدنی بھی ہے اور شنیدنی بھی۔ آپ کے یہاں صنائعِ لفظی و معنوی، اصنافِ سخن اور جملہ شعری وفنی لوازمات کے تجربات محض تفننِ طبع کے طور پر نہیں بلکہ ایک سنجیدہ فکری نظریے کے طور پر کیے گئے ہیں۔ اور یہ تجربات مکمل عالمانہ شان اور وقار و تمکنت کے ساتھ نوریؔ بریلوی کے کلام میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

نعت کا وسیع و عریض دامن پوری کائنات پر اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ اس کی بیکراں وسعت، آفاقیت، عالم گیریت اور ہمہ جہتی کا کماحقہٗ اندازہ عقلِ انسانی کے بس کی بات نہیں۔ اس کا احاطہ کرنا اربابِ عقل و فہم سے بھی ماورا بلکہ وراءُ الورا ہے اس میں کسی بھی بلند پایہ نعت گو شاعر اور مداحِ رسول کی بھی کوئی تخصیص نہیں۔ ہاں! اس راہ میں جو تگ و تاز اور جست و خیز مولانا احمد رضا خاں بریلوی ان کے برادرِ اصغر مولانا حسن رضا خاں بریلوی اور مصطفٰی رضا نوریؔ بریلوی کے حصے میں آئی ہے وہ نہایت اعلا اور منفرد ہے۔ ان شعرائے نعت نے نعت گوئی میں نئے نئے گوشوں اور نئی نئی یافتوں سے نعتیہ ادب کو روشناس اور مالا مال کیا ہے۔ ان حضرات نے مقامی زبانوں اور علاقائی بولیوں کا عربی و فارسی کے ساتھ جس طرح ایک مخصوص رنگ و آہنگ اور آمیزہ نعت گوئی میں تیار کیا ہے وہ زبان و ادب کے لیے باعثِ فخر ہے۔

یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ ہمارے وہ تجربات جو محض جودتِ فکر کو چمکانے اور جودتِ طبع کی نمائش کے لیے وجود میں لائے جاتے ہیں وہ اکثر و بیشتر ناکامی کے شکار ہو جاتے ہیں۔ مگر جو تجربات نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے حضرت نوریؔ بریلوی نے کیے ہیں وہ مہک مہک اُٹھے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ تجربات خود ملہمِ غیبی کے اشارے پر معرضِ وجود میں آئے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کے مشہور و معروف حمدیہ و نعتیہ کلام ـــ

قلب کو اس کی رویت کی ہے آرزو
جسکا جلوہ ہے عالم میں ہر چار سو
بلکہ خود نفس میں ہے وہ سبحٰنہ
عرش پر ہے مگر عرش کو جستجو
اللہ اللہ اللہ اللہ

تو شمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

کچھ ایسا کر دے مرے کردگار آنکھوں
میں

ہمیشہ نقش رہے روئے یار آنکھوں میں

حبیبِ خدا کا نظارا کروں میں
دل و جان اُن پر نثارا کروں میں

کی محبت آمیز خوشبوئیں عالمِ اسلام کے اہلِ ایمان وعقیدت کے مشامِ جان وایمان کو معطر ومعنبر کررہی ہیں۔

نوریؔ بریلوی کے کلام میں شاعری برائے شاعری نہیں بلکہ شاعری برائے عبادت بن کر جلوہ فگن ہے۔ آپ کے کلام کی سب سے اہم ترین خصوصیت آپ کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ آپ نے اسی عشق کے اظہار کے لیے نعت گوئی کو بطورِ وسیلہ استعمال کیا ہے۔

ذیل میں نوریؔ بریلوی کے ہم عصر غزل گو و نعت نگار شعرا کی اجمالی فہرست بھی پیش کی جارہی ہے تاکہ اس بات کا مزید اندازہ ہوسکے کہ نوریؔ بریلوی کے عہد میں نعت گوئی کا معیار اور روش کیا تھی۔

احمد رضاؔ بریلوی (م 1921ئ)
اکبرؔ الہ آبادی (م 1921ئ)
نظمؔ طباطبائی (م 1933ئ)
محمد علی جوہرؔ (م 1931ئ)
ظفر علی خاں (م 1956ئ)
اقبالؔ (م 1938ئ)
بیدمؔ شاہ وارثی (م 1944ئ)
حامد رضا بریلوی (م 1942ئ)
ریاضؔ خیر آبادی (م 1934ئ)
عزیزؔ لکھنوی (م 1935ئ)
اصغرؔ گونڈوی (م 1936ئ)
صفیؔ لکھنوی (1950ئ)
فانیؔ بدایونی (م 1941ئ)

اقبال سہیلؔ عظیم (م 1946ئ)
حسرتؔ موہانی (م 1951ئ)
جگرؔ مرادآبادی (م 1960ئ)
امجدؔ حیدرآبادی (م 1960ئ)
زائرِ حرم حمیدؔ صدیقی (م 1965ئ)
حفیظؔ جالندھری (م 1982ئ)
جوشؔ ملیح آبادی (م 1982ئ)
مولانا محمد یونسؔ مالیگ (م 1982ئ)

{..........}

نوریؔ بریلوی۔ نعتیہ شاعری کا آغاز

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی اپنے والدِ ماجد مولانا احمد رضا بریلوی نوراللہ مرقدہٗ کے علم و فضل اور زہد وتقوا کے جانشین اور وارث وامین تھے۔ فقہ، حدیث، تفسیر اور دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ کی طرح تقدیسی شاعری بھی آپ کو ورثے میں ملی تھی۔ اور یہی شاعری تا عمر آپ کی شہنازِ تخیل اور ناہیدِ سخن بنی رہی۔

سرکارِ ابد قرار روحی فداہ، نبی اُمّی، ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصحاب واولیا سے عشق ومحبت والفت، خانوادۂ رضا کا طرۂ امتیاز ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی نہ صرف عاشقِ رسول اور عقیدت کیشِ اولیا بالخصوص شیدائے غوث الورا تھے بل کہ عشقِ مصطفوی اور عقیدتِ اولیا کی اشاعت وتشہیر بھی ان کی حیات کا مقصد اور ان کا مشن تھا فرماتے ہیں ؎

ترا ذکر لب پر خدا دل کے اندر
یونہی زندگانی گذارا کروں میں
دمِ واپسیں تک ترے گیت گاؤں
محمد محمد پکارا کروں میں

ظاہر ہے ایک ایسے عاشقِ رسول کا وہ بھی ایک خالص دینی، روحانی، علمی اور ادبی

خانوادے کے چشم و چراغ کی حیثیت سے تقدیسی شاعری یعنی نعتیہ شاعری (اسی کے تحت حمد ومناجات اور منقبت کو بھی رکھا گیا ہے) سے لگاو اور شغف فطری اور قدرتی امر تھا۔ جسے عشق و محبت، عقیدت والفت، تعظیم وتوقیر، دینی دردمندی اور پاکیزہ ومقدس ماحول نے نکھارا اور بانکپن عطا کیا۔

حضرت نوریؔ بریلوی 18 رسال کی عمر میں درسیارت سے فارغ ہوئے لہٰذا دونوں باتیں ممکن ہیں کہ زمانہ طالب علمی سے ہی آپ نے شعر کہنا شروع کیا ہو یا باقاعدہ شعر گوئی کا آغاز بعدِ فراغت کیا ہو اس بابت اب تک کوئی تحقیق سامنے نہیں آسکی ہے اور یوں بھی اس سے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا کہ کس عمر میں شاعری کا آغاز ہوا۔

سید تعظیم علی نقوی شایاںؔ بریلوی کے بقول حضرت نوریؔ بریلوی کا تخلص پہلے ''شیداؔ'' تھا۔ انھوں نے اپنی تالیف میں آپ کے دونوں تخلص لکھے ہیں یعنی ''شیدا'' و''نوری''۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعری کا آغاز بہر حال جوانی ہی میں ہوگیا تھا۔

تعظیم علی نقوی شایاںؔ بریلوی نے شیداؔ تخلص سے حضرت کے دو شعر بھی لکھے ہیں ؎

بزمِ عالم میں ہزاروں لائے پیغمبر چراغ
کوئی کب لایا جہاں میں آپ سے بہتر چراغ
ظلمتِ مرقد کا اندیشہ ہے شیداؔ کس لیے
لے کے آئیں گے لحد میں شافعِ محشر چراغ (1)

حضرت نوریؔ بریلوی کے نعتیہ دیوان کے مندرجہ ذیل تین تاریخی نام ہیں۔ یہ تینوں آپ نے خود اپنے قلمی دیوان کے شروع میں اپنے ہی قلم سے لکھے تھے :

(۱) حضور بیانِ نور۔ 1333ھ
(۲) گلستانِ نعتِ نبی۔ 1347ھ
(۳) سامانِ بخشش۔ 1354ھ

دیوان کے مندرجہ بالا تینوں نام میں پہلا نام ''حضور بیانِ نور'' سے ظاہر ہے کہ حضرت نوریؔ بریلوی نے 1333ھ میں اچھے خاصے کلام پر مشتمل دیوان مرتب کرلیا تھا یعنی 23

رسال کی عمر میں۔ (کیوں کہ حضرت نوریؔ بریلوی کا سنِ ولادت 1310ھ ہے)

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوریؔ بریلوی نے شاعری کا آغاز کم عمری ہی میں کردیا ہوگا یعنی زمانہ طالب علمی میں اور پھر 18 رسال کی عمر میں درسیات سے فارغ ہونے کے بعد آپ پر فتوا نویسی، درس وتدریس، رشد وہدایت وغیرہ کی ذمہ داری بھی عائد ہوگئی تھی لہٰذا اشعار کہنے کا زیادہ وقت نہ مل پاتا رہا ہوگا اور چوں کہ آپ نے بہ عمر 23 رسال (حیاتِ مولانا احمد رضا ہی میں کہ آپ کا سنِ وصال 1340ھ ہے) اچھے خاصے کلام پر مشتمل بنام ''حضور جانِ نور'' کے نام سے مجموعہ مرتب کرلیا تھا لہٰذا یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ آپ کو شاعری سے بڑا لگاو تھا اور آپ بہت زود گو بھی تھے۔

یہ بات تو ابتدا میں واضح کی جاچکی ہے کہ شاعری حضرت نوریؔ بریلوی کو ورثہ میں ملی تھی اور محبتِ رسول وعقیدتِ نائبینِ رسول نیز گھریلو ماحول نے شعر گوئی کی تحریک میں تیزی پیدا کی اور چوں کہ بریلی میں وصالِ مولانا احمد رضا کے بعد عرسِ رضا میں نعتیہ مشاعرہ کا انعقاد بھی ہوتا تھا۔ اس میں آپ بھی شرکت فرماتے تھے لہٰذا ایسا گمان گزرتا ہے کہ ذوقِ شعر گوئی کو اور بھی تقویت وتحریک ملی۔

حضرت نوریؔ بریلوی کے تقدیسی شاعری سے لگاو کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی لکھتے ہیں:

''ایک بار حضرت (حضرت نوریؔ بریلوی) ضلع بریلی کے ایک گاؤں میں تشریف لے گئے تھے۔ صاحب خانہ کی آٹھ، نو برس کی لڑکی کے ہاتھ میں کتاب کا ایک ورق تھا جس پر داغ دہلوی کی ایک غزل تھی جس کا ایک مصرع اس طرح تھا ع

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے

حضرت کو مصرع بہت پسند آیا اور وہیں بیٹھے بیٹھے تھوڑی دیر میں نعت لکھ دی۔''(2)

مصرع داغؔ ''کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے''۔ پر حضرت نوریؔ بریلوی نے جو

نعتِ پاک کہی اس کا مطلع اس طرح ہے ؎

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کر چلے
کب کسی سے نگاہیں بچا کر چلے

یہ نعت پاک 34 / اشعار پر مشتمل ہے۔ایک نشست میں وہ بھی قلیل وقت میں اتنی طویل نعت کہہ دینا حضرت نوریؔ بریلوی کی شعری حرکیت اور زود گوئی پر دال ہونے کے ساتھ ساتھ شاعری سے ان کے شغف اور لگاؤ کی بھی شاہد وگواہ ہے۔

دوسرا واقعہ حضرت نوریؔ بریلوی کے اولین سوانح نگار ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اس طرح بیان کرتے ہیں:

”ایک بار حضرت سفر میں تھے راستے میں کاغذ کا ایک ورق پڑا ملا جس کو حضرت نے اٹھالیا۔اس میں اکبرالہ آبادی کی ایک نظم کے کچھ اشعار تھے جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا کی اس میں ڈور، الجھاؤ، اور پتنگ وغیرہ کا تذکرہ آتا تھا۔

حضرت کو یہ مضمون بہت پسند آیا بعد میں حضرت نے ایک طویل نظم کہی جس کا ایک شعر مندرجہ ذیل ہے اور جو بہت مشہور ہے ؎

دہریہ الجھا ہوا ہے دہر کے پھندے میں یوں
سارا الجھا سامنے ہے اور سرا ملتا نہیں (3)“

یہ نعت پاک بھی طویل ہے اور 47 / اشعار پر مشتمل ہے۔اس نعت کے لکھنے سے بھی حضرت نوریؔ بریلوی کی زود گوئی اور شاعری سے قلبی لگاؤ کا پتہ چلتا ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہ کہ نوریؔ بریلوی کی ذمہ داریاں گوناگوں تھیں، رضوی دارالافتاء کا اہتمام، جامعہ مظہرِ اسلام کا انصرام، کارِ فتوا کی کثرت، تبلیغِ دین کے اسفار، تصنیف وتالیف اور دیگر مصروفیات سے جو وقت بچ جاتا تھا یا بچالیا جاتا تھا اس میں نوریؔ بریلوی نعت گوئی کیا کرتے تھے۔پھر بھی آپ کی شاعری ایسی عمدہ شاعری ہے کہ سلاست وروانی، زبان کی شگفتگی اور محاورہ کے اعتبار سے جن شعرا کی حیثیت کو مسلم مانا گیا ہے ان کی صف میں بلاشبہ شامل ہونے کی حق دار ہے۔

حواشی

(1) تعظیم علی نقوی شایاںؔ بریلوی، سید: تاریخ شعرائے روہیلکھنڈ، ج2، ص759

(2) عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر: مفتیِ اعظم ہند، اختر رضا بکڈپو، بریلی، 1981ئ ص58

(3) عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر: مفتیِ اعظم ہند، اختر رضا بکڈپو، بریلی، 1981ئ ص58

{..........}

شاعری سے لگاؤ اور تخلیقی رویّے

تخلیقی رویّے اور شاعری سے لگاؤ کا ایک دوسرے سے خاص تعلق ہے ایک فطری شاعر وہ بھی نعت ومنقبت کا شاعر جب بھی اپنے ممدوحین کا تصور کرتا ہے یا ان کے تذکرے کرتا ہے یا سنتا ہے یا گستاخانِ زمانہ ان کی تنقیص وتوہین کرتے ہیں تب شاعر کا قلم حرکت میں آجاتا ہے۔

حضرت نوریؔ بریلوی کے والد ماجد مولانا احمد رضا خان بریلوی، عمِ محترم مولانا حسن رضا خان حسنؔ بریلوی اور برادرِ اکبر مولانا حامد رضا خاں حامدؔ بریلوی وغیرہ کے دواوین حضرت نوریؔ بریلوی کے گھر ہی میں تھے۔آپ کو ان کے مطالعے سے بھی شعر گوئی کی تحریک وترغیب ملتی تھی علاوہ اس کے فتوا نویسی، درسِ فقہ وحدیث، نیز دینی تصنیف وتالیف میں حضور جانِ نور صلی اللہ علیہ وسلم نیز نائبین رسول کے فضائل ومناقب اور گستاخانِ رسول واصحاب وعترت واولیا وغیرہ کے رد کے توسط سے بھی نعت ومنقبت لکھنے کی تحریک وترغیب ملتی تھی اور حضرت نوریؔ بریلوی اپنے شعری حرکیت کو بروئے کار لاکر اشعار قلم بند کیا کرتے تھے۔

حضرت نوریؔ بریلوی کی شاعری دراصل وہبی تھی کسبی نہیں۔حضرت نوریؔ بریلوی صرف شاعر ہی نہیں شارحِ ادب بھی تھے۔آپ نے اپنے والد ماجد احمد رضا بریلوی کے چند اشعار کی شرح بھی فرمائی۔نیز تصنیفِ رضا ”الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد“ پر نوریؔ بریلوی نے

حواشی لکھے ہیں اوراشعار کی شرح فرمائی ہے۔ان امور سے بھی شعروسخن سے آپ کے دلی لگاواور شغف کا اندازہ ہوتا ہے نیز تخلیقی رویے کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت نوریؔ بریلوی نے مدیر زمین دار ظفر علی خاں کے تین کفری اشعار کی شرح کرتے ہوئے ان اشعار کو خالص کفری قرار دیتے ہوئے ظفر علی خاں پر حکمِ کفر عائد کیا ہے ،اشعار مندرجہ ذیل ہیں ؎

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا نہیں چلا قابو
مگر ہم اس بتِ کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں
وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی
خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے(1)

تفصیل کے لیے خاطر نشین کریں رسالہ ’’القسورۃ علی اَدْوار الحمرۃ الکفرۃ (1343ھ)

’’رسالہ کا عرفی نام ہے ’’سیف الجبار علی کفر زمین دار‘‘ اور لقبی نام ہے ’’ظفر علی رمۃ من کفر‘‘۔

درج بالا شرح ونقد سے حضرت نوریؔ بریلوی کے شعری لگاو اور ساتھ ہی ساتھ تخلیقی رویے کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت نوریؔ بریلوی نے اپنے والد ماجد احمد رضا بریلوی کے کلام سے بھی استفادہ کیا ہے۔’’گیسو‘‘ کی ردیف پر مولانا احمد رضا کی ایک نعت ہے جس کا مطلع ہے ؎

چمنِ طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حوریں بڑھ کر شکنِ ناز پہ وارے گیسو

اسی زمین پر نوریؔ بریلوی نے بھی نعت کہی ہے جس کا مطلع ہے ؎

کیا کہوں کیسے ہیں پیارے ترے پیارے گیسو
دونوں عارض ہیں ضحیٰ لیل کے پارے گیسو

حضرت رضا بریلوی کے اشعار ہیں ؎

ذبح ہوتے ہیں وطن سے بچھڑے

دیس کیوں گاتے ہیں گانے والے
ارے بد فال بری ہوتی ہے
دیس کا جنگلا سنانے والے

اسی مضمون پر حضرت نوریؔ بریلوی کے دو شعر ملاحظہ کریں ؎

دیس سے ان کے جو الفت ہے تو دل نے میرے
اس لیے دیس کا جنگلا بھی تو گانے نہ دیا
دیس کی دھن ہے وہی راگ الاپا اس نے
نفس نے ہائے خیال اس کا مٹانے نہ دیا

کلامِ نوری اور کلامِ رضاؔ کی معنوی اور صوتی ہم آہنگی کی مزید چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ کریں ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
’نہیں‘ سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ ’لا‘ ہے نہ حاجت اگر کی ہے
(رضاؔ)

جس نے جو مانگا وہ پایا اور بے مانگے دیا
پاک منہ پر حرف آتا ہی نہیں انکار کا
سنو گے ’لا‘ نہ زبانِ کریم سے نوریؔ
کریم ہیں یہ خزانے لٹانے آئے ہیں
(نوریؔ)

لا ورَبِّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
(رضاؔ)

دو جہاں میں بٹتا ہے باڑہ اسی سرکار کا

دونوں عالم پاتے ہیں صدقہ اسی سرکار کا
(نوریؔ)

پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں
(رضاؔ)

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں
(نوریؔ)

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی ،جان ہے تو جہان ہے
(رضاؔ)

جب تم نہ تھے کچھ بھی نہ تھا، جب تم ہوئے سب کچھ ہوا
ہے سب میں جلوہ آپ کا ،مہرِ عجم ماہِ عرب
(نوریؔ)

جن جن مرادوں کے لیے احباب نے کہا
پیشِ خبیر کیا مجھے حاجت خبر کی ہے
(رضاؔ)

حال ہمارا جیسا زبوں ہے ،اور وہ کیسا اور وہ کیوں ہے
سب ہے تم پر روشن شاہا ، صلی اللہ علیک وسلم
(نوریؔ)

گذرے جس راہ سے وہ سیدِ والا ہوکر
رہ گئی ساری زمیں عنبرِ سارا ہوکر
(رضاؔ)

جس گلی سے تو گذرتا ہے مرے جانِ جناں
ذرّہ ذرّہ تری خوشبو سے بسا ہوتا ہے
(نوریؔ)

ایسا اُمی کس لیے منت کشِ استاد ہو
کیا کفایت تجھ کو اقرا ربک الاکرم نہیں
(رضاؔ)

نہ منت تم پہ استادوں کی رکھی
تمہارا اُمی ہونا معجزا ہے
(نوریؔ)

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود
(رضاؔ)

چھپا تم سے رہے کیوں کر کوئی راز
خدا بھی تو نہیں تم سے چھپا ہے
(نوریؔ)

مذکورہ مثالیں اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت نوریؔ بریلوی کی شاعرانہ دلچسپی، لگاو اور شغف انتہائی گہرا تھا اور ساتھ ہی یہ آپ کے تخلیقی رویے کی غمازی بھی کرتی ہیں۔

بہر حال اس حقیقت سے انکار نہیں کہ حضرت نوریؔ بریلوی فطری شاعر تھے اور نعتیہ شاعری سے آپ کو عشقِ نبوی علیہ التحیۃ والثناء کے حوالے سے بڑا لگاو تھا۔ آپ اپنے دولت کدہ پر سالانہ محفلِ میلاد، ہفتہ وار میلاد اور نعتِ پاک کی بزم آراستہ کرتے تھے اس سے بھی نعتیہ شاعری سے آپ کے والہانہ شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔

نوریؔ بریلوی نے عشقِ رسول ﷺ کے حوالے سے ہی نعت نگاری کا آغاز کیا۔ آپ نے اپنے کلام میں رحمۃ للعالمین ﷺ کی عظمت و رفعت اور مقام و منصب کے ہر رُخ اور ہر پہلو کو اجاگر کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ آپ کی نثر و نظم دونوں جگہ حضور احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی

عظمت ورفعت کے جلوے نظر آتے ہیں۔نوریؔ بریلوی نے اپنے نعتیہ کلام میں جن موضوعات کو اختیار کیا ہے اس کی فہرست ذیل میں درج ہے۔

1۔ اللہ رب العزت جل شانہ کی حمد وثنا
2۔ رسول اللہ ﷺ کا اللہ کا نور اور باعثِ ایجادِ عالم واصلِ عالم ہونا
3۔ رسول اللہ ﷺ کا اللہ کی عطا سے غیب پر آگاہ ہونا
4۔ رسول اللہ ﷺ کا حاضر وناظر ہونا اور آپ کی حیات
5۔ رسول اللہ ﷺ کی محبوبیت (اللہ کا محبوب ہونا)
6۔ رسول اللہ ﷺ کا معراج کی شب لامکاں کا مکیں ہونا اور دیدار الٰہی سے مشرف ہونا
7۔ رسول اللہ ﷺ کا مالک ومختار ہونا
8۔ رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا
9۔ رسول اللہ ﷺ کا قاسم نعمت ہونا
10۔ رسول اللہ ﷺ کا بے مثل وبے مثال ہونا
11۔ رسول اللہ ﷺ کی فصاحت وبلاغت سب سے اعلیٰ وارفع ہونا
12۔ رسول اللہ ﷺ کا شافع یوم النشور ہونا
13۔ رسول اللہ ﷺ کی میلادِ پاک کا جشن منانا
14۔ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ ہونا
15۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزات کا ذکر کرنا
16۔ رسول اللہ ﷺ کے شہرِ پاک مدینۂ طیبہ کا ذکر کرنا
17۔ رسول اللہ ﷺ کے دیگر آسمانی کتب میں ذکر وثنا کو بیان کرنا
18۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں قوم وملت کی بدحالی پر استغاثہ وفریاد کرنا
19۔رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر اصلاحِ اعمال وعقائد کے ساتھ قومِ مسلم کو عمل کرنے کی تلقین کرنا۔

حواشی

(1) مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی: القسورہ علی ادوار الحمر الکفرہ ،رضا اکیڈمی ممبئی،2004ئ،ص4

{............}

نوریؔ بریلوی کا تصوّرِ عشق وفن

اردو شاعری کا خمیر بنیادی طور پر عشقیہ رہا ہے۔ولیؔ سے میرؔ تک،ذوقؔ سے مومنؔ تک، غالبؔ سے داغؔ تک اور اقبالؔ سے زمانہ حال کے شعرا تک،تمام ہی شعرا کے تصورِ فن پر عشق کے تصورات قائم اور حاوی رہے ہیں۔عشق ایک فطری جذبہ ہے۔کوئی انسان چاہے کتنا ہی بے حس اور سنگ دل ہو۔مگر قدرت کے اس حسین وجمیل اور لطیف وپُرکیف انعام سے وہ بے خبر ہرگز نہیں رہ سکتا۔یہ لطیف جذبہ جب سر اٹھاتا ہے تو زندگی ایک نئی انگڑائی لیتی نظر آتی ہے۔ساکت وجامد زندگی میں حرارت وتوانائی پیدا ہوجاتی ہے۔مر کے جینے کے اسباب مہیا ہوجاتے ہیں۔اور بے ثبات وبے نشاط زندگی کو حیاتِ جاوداں اور انبساط ونوید کا سراغ مل جاتا ہے،لمحہ لمحہ دل میں امنگ وولولہ،آنکھوں میں تجسس وتلاش،سینے میں خلش وکرب،کچھ پانے اور کچھ کھونے کی تمنا وآرزو،بڑی مصروف ترین اور مشغولیت کی زندگی ہوتی ہے ان عشق کے ماروں کی مگر ـــ

رونقِ ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

آیئے اوّل، عشق کی حقیقت وماہیت اور اس کے اسباب ومحرکات کا تجزیہ کرتے ہیں اور اس ضمن میں ڈاکٹر امجد رضا امجد کا مرقومہ حوالہ پیش کرتے ہیں :

''حضرت فرید الدین عطار نے تکمیلِ عشق کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'ایک شب کچھ پروانے ایک جگہ اکٹھا ہوئے اپنے دلوں میں شمع سے ہم کنار ہونے کی آرزو لیے ہوئے۔ ان میں سے ایک پروانہ شمع کی تلاش میں اڑا اس نے دور سے شمع کو جلتے ہوئے دیکھا، پس واپس آیا، اور دوسرے پروانوں کے سامنے شمع کے بارے میں بڑی دانش مندی سے باتیں کرنے لگا ،مگر پروانوں میں سب سے عقل مند پروانے نے کہا: ''یہ پروانہ ہمیں شمع کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا''۔ تب ایک پروانہ اڑا، وہ شمع کے اس قدر قریب چلا گیا کہ اس کے پروں نے شمع کے شعلے کو چھو لیا، مگر تپش اتنی زیادہ تھی کہ وہ اس کی تاب نہ لا سکا اور واپس آ گیا، واپس آکر اس نے بھی شمع کے اسرار سے پردہ اٹھایا اور بتایا کہ شمع سے وصال کی کیا نوعیت ہوتی ہے۔ مگر عقل مند پروانے نے کہا: ''تمہارا تجربہ بھی اتنا ہی بے کار ہے جتنا تمہارے ساتھی کا تھا''۔ تب تیسرا پروانہ اڑا اور اس پروانے نے جاتے ہی خود کو شمع کے حوالے کر دیا پھر جب وہ شعلے سے ہم کنار ہو گیا تو شمع کی طرح ہی لو دینے لگا، عقل مند پروانے نے دیکھا کہ شمع نے پروانے کو خود میں جذب کر لیا ہے تو اس نے کہا: ''اس پروانے نے عشق کی تکمیل کر دی ہے لیکن اس تجربہ کو وہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا''۔

اس تمثیل پر ڈاکٹر وزیر آغا تبصرہ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں :

''تصوف میں عشق کا سفر پروانے کے سفر سے مماثل ہے، جو شمع کی روشنی کی ایک جھلک پانے پر شروع ہوتا ہے اور اس لمحہ اپنے انجام کو پہنچتا ہے جب پروانہ خود کو شمع کی روشنی کی آگ میں جلا کر روشنی میں تبدیل کر دیتا ہے۔'' (1)

اسی طرح عشق کی حقیقت کو مشہور صوفی بزرگ منصور بن حلاّج نے اس طرح طرح بیان فرمایا ہے :

''محبت کی ابتدا جلنا ہے اور انتہا قتل ہو جانا۔''

علاوہ ازیں حضرت ابو تراب بخشی نے عشق کی علامات میں یہ چند شعر کہے ہیں ۔

''منها تنعمه بمر بلائه
وسروره فی کل ماهو فاعل
ومن الدلائل ان تریٰ فی عزمه
طوع الحبیب وان الح العادل
ومن الدلائل ان یری متبسما
والقلب فیه من الحبیب بلائل

ترجمہ: ایک علامت یہ ہے کہ وہ اپنی تلخ آزمائش سے لطف اندوز ہوتا ہے اور محبوب جو کرتا ہے اس سے خوش ہوتا ہے، ایک علامت یہ ہے کہ وہ محبوب کی اطاعت کا پختہ ارادہ رکھتا ہے اگر اسے ملامت کرنے والے ملامت کریں ،ایک علامت یہ ہے کہ تم اسے مسکراتا ہوا پاؤ گے اگرچہ اس کے دل میں محبوب کی طرف سے آگ سلگ رہی ہوتی ہے۔'' (2)

حقیقت یہ ہے کہ کائناتِ عالم کی ساری رونقیں، چہل پہل اور رنگینیاں عشق ہی کے دم قدم سے ہیں ؛ کہ اگر عشق نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا اور عشق نہ ہو تو کچھ نہ ہو۔ عشق ہی ''کنت کنزاً مخفیا'' کی تفسیر بن کر کائنات کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے ہر شَے میں اس پاکیزہ قوت کو کارفرما رکھا ہے۔

اس ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ داناپوری تحریر کرتے ہیں :

''سائنٹفک طور پر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عشق وہ کشش ہے جو مادہ میں موجود ہے اور جس کی بدولت دنیا کا نظام بدستور قائم ہے۔''(3)

اللہ رب العزت جل وعلا نے بھی اپنے محبوب علیہ السلام سے بے مثال محبت فرمائی ہے۔ ذرا قرآنِ مقدس میں محبوبِ بے مثال کا ذکرِ جمیل اور اظہارِ محبت کا دل نواز اسلوب ملاحظہ کیجیے:

لا اقسم بھٰذا البلد و انت حل بھٰذا البلد (سورۃ البلد پارہ 30، آیت 2)
محبوب کے شہر کی قسم
سبحان الذی اسریٰ بعبدہ (سورۃ بنی اسرائیل پارہ 15، آیت 1)
محبوب کے سفرِ لامکاں اور رفتار کا ذکرِ جمیل
ید اللّٰہ فوق ایدھم (سورۃ الفتح پارہ 26، آیت 10)
محبوب کے ہاتھوں کو محبت میں اپنا ہاتھ کہنے کا واقعہ
و ما رمیت اذ رمیت (سورۃ الانفال پ 9، آیت 17)
محبوب کے عمل کو اپنا عمل کہنے کا سخنِ دل آرا
والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ (سورۃ الضحیٰ پارہ 30، آیت 1)
محبوب کے چہرۂ زیبا کی یاد اور زلفِ پیچاں کا تذکرۂ خیر

گویا عشق کی یہ مقدس روایت جو عملاً ہم تک پہنچی ہے اس کی بنیاد ہی تقدس وطہارت، شیفتگی و لطافت اور پاکی و نفاست پر ہے۔ یہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عشق بندگی ہے، عشق عبادت ہے، عشق ریاضت ہے، عشق طاعت ہے، عشق سپردگی ہے، عشق فنا ہو کر بقا کا حصول ہے اگر اسے برتا جائے۔ اسے پرکھا جائے اور یہ ’’سب کچھ ہے‘‘ اگر اسے سمجھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں عشق و عقل کے مابین معرکہ آرائی میں عقل شکست خوردہ ہو جاتی ہے؛ وہیں عشق کی قوت وطاقت بڑے بڑے ناقابلِ تسخیر معرکے سر کر لیا کرتی ہے۔ عقل اصولوں کی پابند ہے۔ اس کے پیروں میں ضوابط کی بیڑیاں ہیں۔ اسے کانٹوں میں چبھن، انگاروں میں جلن، درد میں بے قراری، اور ہجر میں کرب و کسک کا احساس ہوتا ہے۔ مگر عشق کا انداز ہی انتہائی جداگانہ، اچھوتا اور نرالا ہے۔ انگارے اس کے لیے لالہ وگل بن جاتے ہیں۔ بے قراری میں سکون و اطمینان کی لذت ملتی ہے۔ اور کرب میں آرام و آسایش کا احساس، عاشقِ زخم خوردہ کی ٹیس بھی مرہمِ زنگار ہے۔ مگر عقل کے لیے آہ آہ اور ہائے ہائے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ عاشق کا زخم نہیں بھرتا اور اس کا درد و کرب منّتِ کشِ دوا بھی نہیں ہوتا، بہ قولِ غالبؔ ؎

درد منّت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

یہ عشق کے زخموں اور چوٹوں کا اعجاز ہے کہ وہ بڑھتے بڑھتے خود ہی دوا ہو جاتا ہے۔

اس کے چاک زخموں کو رفو کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی غالبؔ کہتے ہیں ؎

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

اور جب عشق اپنے انتہا کو پہنچتا ہے تو اسے قتل گہہ جاناں تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے اور یہی عشق کی معراج ہے ؎

عشرتِ قتل گہہ اہلِ تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے خورشید کا عریاں ہونا

غزل کا بنیادی سرمایہ چوں کہ عشق ہے۔ اور یہ عشق جتنا شدید اور پختہ ہوگا غزل کی معنویت اتنی ہی پُرکشش اور اثر انگیز ہوگی۔ شاعر کا فکری رجحان اور قلبی میلان معشوقِ مجازی کی طرف ہو یا محبوبِ حقیقی کی طرف...... اگر اس میں عشق کا سوز و گداز اور جذبِ دروں کی کیفیت کافی و وافی ہو تو فوراً دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

فارسی سے لے کر اردو تک ایسے شاعروں کی کمی نہیں جنھوں نے عشق کے بحرِ بے کراں کا صرف ساحل سے نظارہ نہیں کیا بلکہ اس میں غوطہ زن بھی ہوئے ہیں۔ چشمِ گریاں اور دلِ بریاں کے گوہر ہائے آب دار بھی پائے ہیں۔ اور دلِ مبتلا کو زخم و غم کے داغوں سے آراستہ بھی کیا ہے۔ اسی لیے ان کی شاعری میں درد و کرب کا سورج چمکتا ہے۔ زخموں اور ٹیسوں کے گلہائے رنگا رنگ مہکتے ہیں۔ اور داغِ دل کا سرسبز و شاداب باغ بہاروں کو شرماتا ہے۔ جب تک شاعر عینی مشاہدہ کی آنچ اور ذاتی تجربہ کی تپش سے اپنے فکر و خیال کو روشن نہیں کرتا، اس کی شاعری تاثیر اور اثر انگیزی سے یکسر محروم ہوتی ہے۔ اردو شاعری میں میرؔ و غالبؔ اور اقبالؔ بڑے خوش قسمت شاعر گذرے ہیں جنھیں اردو شاعری کی ارواحِ ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ ان کے یہاں تصورِ عشق کا جو رجحان ملتا ہے دراصل وہ ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ کا منہ بولتا عکس ہے۔ خارجیت و داخلیت دونوں پہلوؤں میں ان کے احساسات وجذبات کی کرچیاں ہمیں ان کے صحیفۂ عشق اور دیوانِ غم کا مکمل عرفان بخشتی ہیں۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد عشق کے تناظر میں ہم مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی شاعری اور ان کے تصورِ عشق و فن پر گفتگو کرتے ہیں۔ حضرت نوریؔ بریلوی اتر پردیش کے شہر بریلی کے اس

خانوادہ سے متعلق ہیں کہ جس کا طرۂ امتیاز ہی عشق ہے۔اور وہ عشق ملکوتی تصورات اور صفات کا حامل عشق ہے۔والدگرامی مولانا احمد رضا بریلوی کہ جن کی زندگی کا مشن ہی تحریکِ عشق تھا۔آپ کے وجود پر عشق ہی عشق کا غلبہ تھا۔یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہر فعل سے عشق کی تابنا کی ہویدا تھی۔آپ کے ہر عمل سے عشق کی درخشانی عیاں تھی۔آپ کا لمحہ لمحہ عشق کی تشہیر میں گذرا۔آپ کا قلم عشق ہی عشق کی ترویج کرتا رہا۔حضرت نوریؔ بریلوی کو جہاں اپنے والدِ ماجد سے ورثے میں بہت سے قیمتی گوہر ملے۔وہیں سب سے بیش بہا جو دولت ملی وہ دولتِ عشق ہے۔

حضرت نوریؔ بریلوی کے یہاں عشق کا ایک ایسا توانا تصور وتخیل ہے جو انتہائی نکھرا ہوا ،ستھرا ہوا، صاف وشفاف اور دل کش ودل نشین ہے۔آپ کے تصورِ عشق میں پراگندگی نہیں بل کہ پاکیزگی ہے۔آلودگی نہیں بل کہ طہارت ہے۔آپ کی عاشقی مجازی عاشق ومعشوق کی طرح بے راہ روی اور بے حیائی سے عبارت نہیں بل کہ آپ کی عاشقی خداے وحدہ لاشریک اور اس کے محبوبِ بے مثال مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ سے بے پناہ عقیدت ومحبت سے آراستہ ومزین ہے کہ یہی عشق اصل میں زندگی اور بندگی ہے، طاعت اور عبادت ہے۔یہی منشاے قرآنی بھی ہے اور باعثِ نجاتِ دائمی بھی۔نوریؔ بریلوی کے تصورِ عشق کے سب رنگ جلوے ہمیں ان کی زندگی کے گوشہ گوشہ میں نظر آتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ضمیر کی آواز لفظوں کا لبادہ اوڑھ کر جب درِ دل پر دستک دیتی ہے تو قاری وسامع اپنے اندر وہی درد، سوز،غم، کسک، کرب، تڑپ، اضطراب کی لذتوں سے آشنا ہوجاتا ہے جو شاعر کے قلب پر گذر چکی ہوتی ہے۔

حضرت نوریؔ بریلوی کی غزلیات کو پڑھ کر ان کی اس کیفیت کو جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔جس کا شعر شعر قرآنی عشق کی تشریح وتفسیر، لفظ لفظ حدیثِ محبت کا سرچشمہ ومنبع اور حرف حرف واردات والہام کا عکاس ہے۔آپ نے اپنے والد رضاؔ بریلوی ہی کی طرح اپنی زندگی کا مقصود ومدعا عشق ہی کو بنایا۔اسی لیے مادیت کے تمام افعال اور روحانیت کے تمام امور میں عشق ہی کی جلوہ گری رہی اور آپ نے عشق ہی کی رہ بری میں تمام مقدمات ومسائل حل کیے۔ آپ کی ذات پر عشق ہی عشق کا غلبہ تھا۔اس لیے آپ کے ہر فعل سے عشق کی روشنی پھوٹتی تھی۔ آپ کے ہر عمل سے عشق کی تابنا کی ہویدا تھی۔

چنانچہ آپ کے جانشین مرشدی مفتی محمد اختر رضا قادری برکاتی ازہری بریلوی آپ کے عشق کے بارے میں رقمطراز ہیں :

’’سیدی مفتی اعظم حضرت مصطفیٰ رضا قدس سرہ رضائے مصطفیٰ تھے، اور جو عظمت انھیں حاصل ہوئی محبتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی کی بنا پر اور بلاشبہہ عشقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہی جانِ ایمان ہے۔حضرت کی سرکار علیہ السلام کے عشق میں فنائیت کا شاہد ان کی زندگی کا ہر لمحہ ہے۔ان کی محبتِ رسول میں فنائیت کا صحیح اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آخری عمر میں باوجود شدید علالت کے نعت کی محفلوں میں گھنٹوں باادب بیٹھے رہتے تھے اور نعتِ پاک کے ہر ہر مصرعے پر رونا اور والہانہ کیفیت کا طاری ہونا اس بات کا غماز ہے کہ وہ مصطفیٰ (ﷺ) کی محبت میں ضم ہو چکے تھے۔‘‘(4)

جس طرح اقبالؔ نے اسرارِ خودی سے جاوید نامہ تک کا اور احمد رضا بریلوی نے انیسویں صدی کے اواخر سے 1921ء تک کا روحانی وادبی اور شعری سفرِ عشق کی رہبری میں طے کیا تھا۔اسی طرح کلامِ نوریؔ کے مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نوریؔ بریلوی نے بھی 1892ء سے 1981ء تک کا علمی وادبی ، روحانی وعرفانی، شعری وفنی سفر اسی عشق کی ہم رکابی میں مکمل کیا ہے۔آپ کا یہ وصف ایک اعجاز ہے جس نے اربابِ فکر ونظر کو مخمور ومسحور کر رکھا ہے۔یہ عشقِ صادق ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ آج نوریؔ بریلوی کا نعتیہ کلام دنیاے اسلام کے مسلمانوں کے لبوں پر جاری وساری ہے اور لوگ وجد آفریں انداز میں آپ کے اشعار پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں۔حسن وعشق کی یہ دل ربائی اردو شاعری میں حضرت نوریؔ بریلوی کا طرۂ امتیاز اور وجہِ افتخار ہے۔

آپ کی غزلیات میں علوے فکر، اوجِ خیال اور معنویت کی پُرکاری ہے۔وہ اسی دردِ دل اور اضطرابی کیفیت کے ترجمان ہیں جو عشقِ صادق کا مقصود ہے۔آپ ازخود کچھ نہیں کہتے تھے بل کہ جذبات خود ہی اشعار کی صورت میں ڈھل جاتے تھے اس لیے آپ کی غزلوں میں آمد آمد کی کیفیات ہیں جو ہمیں بھی تڑپنے ، سلگنے ، جلنے اور مچلنے پر انگیز کرتی ہے۔ چند شہ پارے ملاحظہ کیجیے ؎

اے شہ عرش آستاں اے سرورِ کون و مکاں
اے مرے ایمانِ جاں اے جانِ ایمانِ زماں

اے مرے امن واماں اے سرورِ ہر دوجہاں
میں ہوں عاصی سرورا اور تم شفیعِ عاصیاں

تری رحمتیں عام ہیں پھر بھی پیارے
یہ صدماتِ فرقت سہارا کروں میں
مجھے اپنی رحمت سے تو اپنا کرلے
سوا تیرے سب سے کنارا کروں میں
خدارا اب آؤ کہ دم ہے لبوں پر
دمِ واپسیں تو نظارہ کرو ں میں
یہ اک جان کیا ہے اگر ہوں کروروں
ترے نام پر سب کو وارا کروں میں
مجھے ہاتھ آئے اگر تاجِ شاہی
تری کفشِ پا پر نثارا کروں میں
ترا ذکر لب پر خدا دل کے اندر
یوں ہی زندگانی گذارا کروں میں
مرا دین و ایماں فرشتے جو پوچھیں
تمہاری ہی جانب اشارا کروں میں

نامِ والا ترا اے کاش مثالِ مجنوں
ریگ پر انگلیوں سے لکھوں قلم کی صورت
تیرا دیدار کرے رحمِ مجسّم تیرا
دیکھنی ہو جسے رحماں کے کرم کی صورت
صفحۂ دل پہ مرے نامِ نبی کندہ ہو
نقش ہو دل پہ مرے ان کے علم کی صورت

دم نکل جائے مرا راہ میں ان کی نوریؔ
ان کے کوچے میں رہوں نقشِ قدم کی صورت

بڑے دربار میں پہنچایا مجھ کو میری قسمت نے
میں صدقے جاؤں کیا کہنا مرے اچھے مقدر کا
بجھے گی شربتِ دیدار ہی سے تشنگی اپنی
تمہاری دید کا پیاسا ہوں یوں پیاسا ہوں کوثر کا

دل ہے کس کا جان کس کی سب کے مالک ہیں وہی
دونوں عالم پر ہے قبضہ احمدِ مختار کا
کیا کرے سونے کا کشتہ ،کشتہ تیرے عشق کا
دید کا پیاسا کرے کیا شربتِ دینار کا

چارہ گر ہے دل تو گھایل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لے کے پھاہا مرہمِ زنگار کا
جاگ اٹھی سوئی قسمت اور چمک اٹھا نصیب
جب تصور میں سمایا روے انور یا ر کا

کبھی بیمارِ محبت بھی ہوئے ہیں اچھے
روز افزوں ہے مرض کام دوا نے نہ دیا

مرضِ عشق کا بیمار بھی کیا ہوتا ہے
جتنی کرتا ہے دوا درد سوا ہوتا ہے
ہم نے یوں شمعِ رسالت سے لگائی ہے لَو

سب کی جھولی میں انھیں کا تو دیا ہوتا ہے
آپ محبوب ہیں اللہ کے ایسے محبوب
ہر محب آپ کا محبوب خدا ہو تا ہے

یہ اشتیاق تری دید کا ہے جانِ جہاں
دم آگیا ہے دمِ احتضار آنکھوں میں
کرم وہ مجھ پہ کیا ہے مرے تصور نے
کہ آج کھینچ دی تصویرِ یار آنکھوں میں

اقبالؔ نے کہا تھا مسلمان اگر عشقِ مصطفیٰ (ﷺ) میں سرشار ہوکر زندگی کے راستے پر گامزن نہیں ہوسکتا تو پھر اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ دینِ ابراہیمی سے اپنا رشتہ منقطع کرلے اور کافر کی موت مرنے کے لیے تیار ہوجائے۔ ان کا کہنا یہ بھی تھا کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل میں دین ہیں اگر ان سے کوئی اپنا تعلق توڑتا ہے تو وہ مصطفوی نہیں بل کہ ابولہبی کہلانے کا مستحق ہے ۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر با و نرسیدی تمام بولہبی ست (5)

حضرت نوریؔ بریلوی کا بھی یہی تصور ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی محبت ہی ایمان کی جان ہے اور یہ جذبۂ عشق جس کے دل میں نہیں وہ مسلمان نہیں۔ کہتے ہیں ۔

جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

رسولِ رحمت ﷺ کا عشق ہی سراپا عبادت اور بندگی ہے۔ باعثِ نجات سرمدی اور ایمان کا نور ہے۔ اور اسی نور کی مشعلِ تاباں مرتے دم تک روشن و منور رہی تو قبر کی اندھیری رات چراغاں ہوگی۔ نوریؔ بریلوی نے عشق کو جانِ ایمان اور نورِ ایمان قرار دیا ہے اور اسی نور کو ظلمت کدۂ لحد میں لے کر جارہے ہیں

نورِ ایماں کی جو مشعل رہے روشن پھر تو

روز وشب مرقدِ نوریؔ میں چراغاں ہوگا

حواشی

(1) سہ ماہی افکار رضا: شمارہ اپریل تا جون 2000ء، ممبئی، ص21
(2) غزالی، امام: مکاشفۃ القلوب، ترجمہ: مفتی تقدس علی خاں بریلوی، مطبوعہ دہلی 1978ء، ص 87/88
(3) سہ ماہی افکار رضا: شمارہ اپریل تا جون 2000ء، ممبئی، ص21
(4) ماہنامہ استقامت: مفتیِ اعظم نمبر، کانپور، 1983ئ، ص193
(5) محمد اقبال، ڈاکٹر: کلیاتِ اقبال، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 1981ئ، ص691

{............}

کلامِ نوریؔ میں عقیدۂ توحید

توحید خداے وحدہ لاشریک جل شانہٗ کی یکتائی اور بے ہمتائی پر مکمل ایمان رکھنے کا نام ہے۔ اس کا اجمالی تعارف سورۂ اخلاص میں اللہ رب العزت جل شانہ نے یوں بیان فرمایا ہے :

"اے محبوب تم فرماؤ! وہ اللہ ہے وہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد۔ اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔" (سورۃ اخلاص: پ ر30، رکوع ر37)

قرآن وحدیث میں توحیدِ باری تعالیٰ سے متعلق جتنے بیانات وارشادات اور اقوال وآثار ملتے ہیں ان سب کا خلاصہ ونچوڑ سورۂ اخلاص میں پوری اکملیت اور کاملیت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ توحید کے تحت خداے بزرگ وبرتر جل شانہٗ کی ذات وصفات کی بوقلمونی کا بیان

ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کی عظمت و کبریائی چوں کہ لامحدود و لامتناہی ہے۔ اس لیے شاعری میں اللہ کی توحید بیان کرنے کے لیے شاعروں کو لامحدود و لامتناہی فضا میسر آتی ہے۔ اب یہ شعرا کے شاعرانہ ظرف اور ذوق پر منحصر ہے کہ وہ کس حد تک صفاتِ خداوندی اور تجلیاتِ ربانی کے کیفِ مشاہدہ یا تخیل کو اظہار کی حدوں میں سمیٹ سکتے ہیں۔ وہ ذات جو کسی کے مثل نہیں، اور نہ کوئی شَے اس کی مثل ...... جو عرش پر مستوی ہے مگر عرش کو اس کی جستجو ہے۔ اور جو کائنات کے ذرّے ذرّے میں پنہاں اور مستور ہے۔ زمان و مکاں سے منزہ و مبرہ ہے۔ اور جو احساسات و ادراک سے ماورا بلکہ وراء الوراء ہے۔ اور پھر بھی شہ رگ سے قریب ترین ہے۔ اس کے بیان کو محسوسات کے دائرے میں لانا بڑے زرین تخیل اور بلند حوصلگی کا تقاضا ہے۔ ہاں! اس کے اسماے صفات کی بہ دولت کچھ بات بن سکتی ہے۔ جہاں تک حضرت نوریؔ بریلوی کا معاملہ ہے تو تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ عشق و عرفانِ الٰہی، معرفتِ ربانی اور روحانیت و تصوف کے اس بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز تھے کہ آپ کو اپنے زمانے کا قطب اور غوث کہا جاتا تھا۔ بایں معنیٰ دیکھا جائے تو آپ کے کلامِ بلاغت نظام میں توحیدِ باری تعالیٰ جل شانہ کے اذکار پوری تجمیلی شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

آپ کے مجموعۂ کلام سامانِ بخشش کی دو ابتدائی حمدیہ نظمیں اذکارِ توحید باری سے اس قدر آراستہ و مزین ہیں کہ پڑھنے کے بعد دیدہ و دل روشن و تابناک ہو جاتے ہیں۔ حمدِ باری تعالیٰ، مدحتِ رسول ﷺ، مناجات، اذکارِ توحید، اسما و صفات، اور عقائدِ توحید سے مملو یہ نظمیں بالترتیب ۲۰ / بندوں اور ۹۹ / بندوں پر مشتمل ہیں اور یہ دل کش نظمیں خوش آہنگی و ترنم ریزی، غنائیت اور نغمگی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ منظر کشی کا حسن اور تصویریت کا جمال ہر جگہ نمایاں ہے۔ لفظ لفظ میں اذکارِ توحید، اسما و صفات کی جلوہ گری ہے اور حرف حرف میں توحیدِ باری کی عظمت و جلالت کا کیف آگیں بیان ہے ؎

قلب کو اس کی رویت کی ہے آرزو — جس کا جلوہ ہے عالم میں ہر چار سو
بلکہ خود نفس میں ہے وہ سبحٰنہ — عرش پر ہے مگر عرش کو جستجو

اللہ اللہ اللہ اللہ

عرش و فرش و زمان و جہت اے خدا — جس طرف دیکھتا ہوں ہے جلوہ ترا

ذرّے ذرّے کی آنکھوں میں تو ہی ضیا — قطرے قطرے کی تو ہی تو ہے آبرو

اللہ اللہ اللہ اللہ

تو کسی جا نہیں اور ہر جا ہے تو — تو منزہ مکاں سے مبرہ زسو
علم و قدرت سے ہر جا ہے تو کو بکو — تیرے جلوے ہیں ہر ہر جگہ اے عفو

اللہ اللہ اللہ اللہ

بے شک خداوندِ قدوس کی ذات یکہ و تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ نہ ذات میں نہ صفات میں۔ نہ افعال میں۔ نہ احکام میں۔ اور نہ اسما میں۔ وہی ہمارا معبودِ برحق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں۔ صرف اور صرف وہی پرستش کے قابل ہے۔ اس کی بارگاہِ جلالت مآب کے سوا کسی اور کی بارگاہ میں سرِ خم ہونا روا نہیں۔ ہر ایک کی وہی سنتا ہے۔ ہر سانس ہر دھڑکن اس کی دستِ نگر ہے۔ عالم کی ہر شَے اس کی محتاجِ کرم ہے۔ جب کہ اسے کسی کی احتیاج نہیں وہ بے ہمتا ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی فرماتے ہیں ؎

اللہ واحد و یکتا ہے — ایک خدا بس تنہا ہے
کوئی نہ اس کا ہمتا ہے — ایک ہی سب کی سنتا ہے

خداوندِ قدوس کی ذات وحدہ لاشریک ہے وہ ہر طرح کی حرکت، سکون، صورت اور اجسام سے پاک و منزہ ہے۔ اس کے ہر فعل میں حکمتِ بے بہا پوشیدہ ہے۔ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہر شَے پر قادر ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی اس عقیدۂ توحید کا جلوہ اس طرح دکھاتے ہیں ؎

وہ ہے منزہ شرکت سے — پاک سکون و حرکت سے
کام ہے اس کے حکمت سے — کرتا ہے سب قدرت سے

جیسا کہ عرض ہوا کہ علماے اسلام نے جس قدر بھی توحیدِ باری تعالیٰ جل شانہ کی تعریفیں پیش کی ہیں اور عقیدۂ توحید کا بیان کیا ہے وہ تمام بیانات و ارشادات اور اقوال سورۃ اخلاص کا خلاصہ و نچوڑ ہیں یا اس کی تشریح و تفسیر ہیں۔ حضرت نوریؔ بریلوی چوں کہ علومِ اسلامیہ کے افق

کے ایک روشن وتابندہ ستارہ ہیں۔ علمِ قرآن وتفسیرِ قرآن پر آپ کی گہری نظر تھی۔ اور عقیدۂ توحید کی عظمت وجلالت آپ کے قلب وذہن پر ثبت تھی۔ سورۃ اخلاص کو اپنے ایک بند میں بیان کرتے ہوئے آپ اللہ رب العزت کے آٹھ اسمائے صفات کو اس حسن وخوبی کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ طبیعت پر وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور توحیدِ باری کی اس مشک باری سے مشامِ جان وایمان معطر ومعنبر ہوجاتی ہے فرماتے ہیں ؎

اللہ الٰہ و ربٌ واحد　　فرد و واحد و تر و صمد
جس کا والد ہے نہ ولد　　ذات وصفات میں بے حدوعد

خدائے واحد کی طرح کوئی دوسرا نہیں۔ اسی سے یہ کائنات قائم ہے۔ اس کی جڑیں مضبوط ہیں۔ وہ ہر عیاں کو دیکھتا ہے۔ حیات، قدرت، سننا، دیکھنا، کلام، علم، اور ارادہ اس کی صفاتِ ذاتیہ ہیں۔ مگر کان، ناک، زبان، جلد یعنی حواسِ خمسہ کے ذریعہ اس کا سننا، بولنا، دیکھنا، محسوس کرنا اور کلام کرنا نہیں ہے کہ یہ سب اجسام ہیں اور ذاتِ باری عزاسمہ اجسام سے پاک و منزہ ہے۔ بہر حال وہ پست سے پست آواز مسموع کر لیتا ہے، مہین سے مہین کو محسوس کر لیتا ہے۔ اس کی ذات وصفات ایسی ہے کہ وہ احاطۂ بیان سے ماورا اور وراء الورا ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی اس امر کا اظہار یوں کرتے ہیں ؎

ساجھی اسکا نہ کوئی شریک　　وہی مُلک ہے وہی مُلیک
پاک مکاں سے اور نزدیک　　دیکھے سُنے پست و باریک

روح نہیں ہے اور نہ وہ جسیم　　مُنقسم ہے نہ وہ قِسم وقسیم
اس کے صفات و اسم قدیم　　یہ ہے اپنا دینِ قویم

اللہ فرماتا ہے: ''بے شک شرک بڑا ظلم ہے'' (قرانِ عظیم: پ ۲۱ رکوع ۱۱)

شرک ظلمِ عظیم ہے۔ اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا دائرۂ اسلام سے آدمی کو خارج کر دیتا ہے۔ یہ انتہائی خطرناک جرم ہے۔ اسی طرح اللہ سبحان السبوح والقدوس کی ذات کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کر دینا جو اس کی تنزیہہ کے خلاف ہے وہ بھی کفر ہے۔ مثلاً: یہ کہنا کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اس سے جھوٹ صادر ہوسکتا ہے یا کذبِ باری تعالیٰ ممکن ہے۔ تو وہ دراصل خدائے واحد جل شانہٗ کا انکار کر رہا ہے کہ اللہ کی ذات ہر عیب سے

پاک ومنزہ ہے۔ اس کی ذات سے عیب کو کیا علاقہ؟ حضرت نوریؔ بریلوی ایسے باطل نظریات کی تردید کرتے ہوئے یوں تحفظِ الوہیت وتوحیدِ باری کی عظمت وجلالت کا نقشہ پیش کر رہے ہیں ؎

جہل و کذب و ظلم و زنا　　خواری مے خواری سرقہ
اس سے ممکن؟ جس نے کہا　　لاریب اس نے کفر بکا
پاک ہے عیبوں سے مولا　　عیب سے اس کو علاقہ کیا
عیب اس کا صالح نہ ہوا　　ہو متعلق قدرت کا

عقیدۂ توحید کے منکروں کو اللہ رب العزت جل شانہ نے جا بجا قرآن پاک میں تنبیہہ فرماتے ہوئے کہا ہے کہ: اللہ کے برابر کوئی نہیں، نہ اس کی ضد ہے اور نہ اس کی کوئی نظیر ومثیل ہے۔ اور وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ اسی کا قول سچا ہے اور اسی کی بات صادق ہے۔ اللہ رب العزت سے زیادہ سچا اور صادق کون؟ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں مگر منکرینِ عقیدۂ توحید نے ذاتِ باری کے لیے محال کو ممکن ثابت کرنے کی ناپاک جسارت کرتے ہوئے کذبِ باریِ تعالیٰ کو ممکن بتانا شروع کر دیا۔ جب کہ ایسے ناہنجار اور ناعاقبت اندیش اسی کی زمین پر رہتے بستے ہیں اور اسی کا رزق کھاتے ہیں ایسے فاجروں اور منکروں کو حضرت نوریؔ بریلوی نے یوں للکار کر کہا ہے ؎

من اصدق منہ قیلا　　من اصدق منہ حدیثا
کیسا کیسا رب نے کہا　　منکر ایک نہیں سنتا
صدقِ رب جب واجب ہے　　کذب محال اے خائب ہے
جمعِ دو ضد جائز کب ہے　　عقل کہاں تری غائب ہے
اس کا کھائے او منکر　　اور غرائے او کافر
کون ہے دیتا او غادر　　اس کے سوا ہاں او فاجر

اللہ رب العزت کی جلوہ گری کائنات کی ہر شئے میں ہے عرش وفرش، زمان وجہت ہر ذرۂ خشک وتر، میں اسی کا جلوہ سمایا ہوا ہے اسی کا علم، اور اسی کی رحمت ہر شئے کو محیط ہے۔ اللہ جزئیات، کلیات موجودات، معدومات، ممکنات اور محالات کو ازل میں جانتا تھا، اب جانتا ہے اور ابد تک اور ہمیشہ جانتا رہے گا۔ اشیا میں تغیرات واقع ہوتے ہیں مگر اس کا علم نہیں بدلتا دلوں

کے خطرات اور وساوس پر وہ باخبر ہے اس کا علم لامتناہی ہے اور وہی ہر شئے کا خالق ہے حضرت نوریؔ بریلوی کی نظر میں توحیدِ باری کے یہ عقائد انتہائی گہرائی سے بسے ہوئے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے عقائدِ توحید کو اپنے اشعار میں بڑی ہنر مندی سے پیش کیا ہے جس سے آپ کی قادرالکلامی کا ثبوت ملتا ہے ؎

عرش و فرش و زمان و جہت اے خدا — جس طرف دیکھتا ہوں ہے جلوہ ترا
ذرّے ذرّے کی آنکھوں میں تو ہی ضیا — قطرے قطرے کی تو ہی تو ہے آبرو

اللہ اللہ اللہ اللہ

تو کسی جا نہیں اور ہر جا ہے تو — تو منزہ مکاں سے مبرہ زسو
علم و قدرت سے ہر جا ہے تو کو بکو — تیرے جلوے ہیں ہر ہر جگہ اے عفو

اللہ اللہ اللہ اللہ

ہے وہ زمان و جہات سے پاک — وہ ہے ذمیمِ صفات سے پاک
وہ سارے محالات سے پاک — وہ ہے سب حالات سے پاک

وہ ہے محیطِ انس و جاں — وہ ہے محیطِ جسم و جاں
وہ ہے محیطِ کل از ماں — وہ ہے محیطِ کون ومکاں

ہمارا عقیدہ ہے کہ بخشنے والا۔ ظاہر و باطن کا بادشاہ۔ بہت پاک۔ سلامت رکھنے والا۔ امن دینے والا۔ نگہبان۔ غالب۔ نقصان کو پورا کرنے والا۔ بزرگ۔ سب چیز کا پیدا کرنے والا۔ صورت بنانے والا۔ تمام مخلوقات کو روزی دینے والا۔ بہت زیادہ جاننے والا۔ بلند درجہ کرنے والا۔ دونوں جہاں میں عزت دینے والا۔ دیکھنے۔ سننے۔ انصاف کرنے والا۔ بخشنے والا۔ معاف کرنے والا۔ خبردار۔ روح و بدن کو طاقت دینے والا۔ آخرت میں حساب لینے والا۔ کرم کرنے والا۔ دعائیں قبول کرنے والا۔ قوت و طاقت والا۔ دوبارہ پیدا کرنے والا۔ مارنے والا۔ جلانے والا۔ ہر شئے پر قدرت رکھنے والا۔ سب سے اول۔ سب سے آخر۔ ظاہر۔ باطن۔

احسان کرنے والا۔ توبہ قبول کرنے والا۔ نعمت عطا کرنے والا۔ سارے جہانوں کا بادشاہ۔ نفع پہنچانے والا۔ ہمیشہ رہنے والا۔ گنہگاروں کے گناہوں کو پوشیدہ رکھنے والا۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی ہے۔ یہ توحیدِ باری تعالیٰ سے متعلق وہ عقائدِ ضروریہ ہیں جن پر ایمانِ کامل رکھنا ہی ہمارے مومنِ کامل ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی کا عقیدۂ توحید انتہائی پختہ اور مضبوط تھا۔ آپ کا عقیدۂ توحید ہر قسم کی افراط و تفریط اور شرکتِ بے جا سے پاک تھا۔ اللہ رب العزت کے اسمائے صفات اور اس کے مفاہیم و مطالب پر آپ کی بڑی گہری نظر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اسمائے حسنیٰ کے گوہر ہائے آبدار سے ایسا خوش نما ہار تیار کیا ہے جو ہمیں کیف اندوز کرتا ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی فرماتے ہیں ؎

منعم و حق و سمیع و بصیر — باقی باری برّ و خبیر
جامع مانع منار و کبیر — رافع نافع حق و قدیر
حکَم و عدل و علی و عظیم — دیّان و رحمن و رحیم
قدوس و حنّان و علیم — فتّاح و منّان و کریم
والی ولی و متعالی حکیم — وہّاب و رزّاق و علیم
مالک یومِ دین و جحیم — مالک مُلک و خلد و نعیم
وہ ہے عزیز و مجیب و شکور — وہ ہے بدیع و قریب و صبور
وہ ہے متین و حبیب و غفور — وہ ہے معین و رقیب ضرور
وہ ہے مقدِّم اور غفار — وہ ہے مہیمن اور جبار
وہ ہے مؤخر اور قہّار — وہ ہے باسط اور ستّار
نور مصوّر اور ظاہر — باطن اول اور آخر
واجد ماجد اور قادر — مومن متکبّر و قاہر
توّاب و مغنی ہادی — مقسط محیی ممیت و غنی
منتقم و قیّوم و قوی — مقتدر و واسع مُحی
مبدی جلیل و حفیظ و مجید — معطی و وکیل و سلام و معید
وہ ہے لطیف و ودود وحید — اور شہیدٌ وحید و رشید
وہ ہے جوّاد و عفوٌ عطوف — ازلی ابدی ہے معروف
یصرف عنا جمیع صروف — مولی الکل وہو رؤف

لا الٰہ الا اللہ امنا برسول اللہ

عقیدۂ توحید صرف ”لا الٰہ الا اللہ“ کہہ دینے سے مکمل نہیں ہوجاتا بلکہ ”محمد رسول اللہ“

کا صدقِ دل سے اقرار بھی ضروری ہے۔ اللہ عزوجل کو وحدانیت کے جملہ لوازمات کے ساتھ ماننے ہوئے محبوبانِ خدا کو بھی ماننا یہی صحیح اور سچی توحید ہے۔ صرف اللہ کو ماننا اور محبوبانِ خدا سے منہ موڑنا یہ عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔ اس نکتے کو ابلیس نہ سمجھ سکا۔ اللہ کو مانتے ہوئے عظمتِ آدم علیہ السلام کا منکر ہو کر راندۂ درگاہ ہوگیا۔ نوریؔ بریلوی ایسی ابلیسی توحید کے سخت ترین مخالف اور حقیقی توحید کے قائل تھے۔ آپ کے نزدیک اللہ عزوجل کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ایمانِ کامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں جہاں عقیدۂ توحید کی جلوہ ریزیاں ہیں وہیں عقیدۂ رسالت کی ضیا باریاں بھی ہیں جو پڑھنے اور سننے والوں کو بڑے کیف آگیں جذبات سے سرشار کرتی ہیں ؎

اپنے کرم سے ربِّ کریم	ہم پہ کیا احسانِ عظیم
بھیجا ہم میں بفضلِ عمیم	بحرِ کرم کا دُرِّ یتیم
اپنے مظہرِ اول کو	اپنے حبیبِ اجمل کو
پہلے نبی افضل کو	پچھلے مُرسلِ اکمل کو
موجِ اول بحرِ قدِم	موجِ آخر بحرِ کرم
سب سے اعلیٰ اور اعظم	سب سے اولیٰ اور اکرم
نور سے اپنے پیدا کیا	نورِ حبیبِ ربِّ عُلا
پھر اس نور کو حصے کیا	ان سے بنایا جو ہے بنا

لاالٰہ الا اللہ امنا برسول اللہ

الغرض نوریؔ بریلوی کا عقیدۂ توحید انتہائی نکھرا اور ستھرا ہوا ہے۔ آپ نے اللہ جل شانہٗ کی صفات و کمالات کو بڑے احسن انداز میں پیش کیا ہے۔ جس سے اللہ رب العزت جل شانہٗ سے آپ کی محبت واُلفت کا پتہ چلتا ہے۔ نوریؔ بریلوی کا عقیدۂ توحید ابلیسی توحید کے منافی تھا کہ ابلیس عظمتِ آدم علیہ السلام کا منکر ہو کر راندۂ درگاہ ہوگیا۔ آپ نے اللہ کی وحدانیت کے ساتھ رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان لانے کو ہی اصل توحید قرار دیا ہے۔

{............}

کلامِ نوریؔ میں خصائصِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نعت وہ مقدس و محترم اور پاکیزہ صنفِ ادب ہے۔ جو اپنی ابتدائے آفرینش سے امروز تک رسولِ رحمت ﷺ کی توصیف وثنا، شمائل وخصائل اور اوصافِ جمیل کے اظہار کے لیے مختص ہے۔ نعت منشائے قرآن اور تقاضائے ایمان ہے۔ نعت قلب ونظر کے لیے نور اور روح وجگر کے لیے سرور ہے۔ نعت حریمِ جاناں میں اذانِ شوق، آبروئے فن اور معراجِ ذوق ہے۔ نعت ہر زبان کے شعروادب کی بلاشبہ عزت وآبرو اور عصمت وعفت ہے۔ یوں تو نعت کی کوئی خاص ہیئت متعین نہیں کی گئی ہے کیوں کہ ادب کی جملہ اصناف میں نعتیہ کلام لکھا جارہا ہے۔ حتیٰ کہ بعض علمائے ادب کے نزدیک وہ نثری شہ پارہ بھی نعت کے زمرہ میں شمار کیا جانا چاہیے جس میں رسول اللہ ﷺ کے اوصافِ جمیل اور اخلاقِ عظیم کا تذکرۂ جلیل ہو۔ بہرکیف! اصطلاحِ ادب میں حمد، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، منقبت اور غزل کے جس طرح موضوعات متعین ہیں اسی طرح نعت کا موضوع بھی رسولِ مختار ﷺ کی ثناوتوصیف کے اظہار کے تئیں مختص ہے۔ ان میں ذاتِ رسول ﷺ کے خصائص وفضائل سببِ تخلیقِ کائنات، ذکرِ معجزات، بے مثالی، نفیِ سایہ، اختیارات وتصرفات، عطائے عام، بیانِ عظمت ورفعت، ختمِ نبوّت، مظہرِ ذاتِ رب العزت، علمِ نبوت، وصفِ جمالِ نبوی، آستانۂ بلند، شہرِ محبوب کے خار وگل، مسیحائی، دستگیری، امیدِ شفاعت وغیرہ کو نعت گو شعرا اپنے کلام کا موضوع بناتے ہوئے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں اپنا خراجِ عقیدت ومحبت پیش کرتے ہیں۔

جہاں تک حضرت نوریؔ بریلوی کے عشقِ رسول اور وارفتگیِ شوق کا معاملہ ہے تو آپ کا خانوادہ آج سارے عالم میں محبتِ رسول ﷺ کے لیے طرۂ امتیاز کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب بھی جہاں کہیں عشقِ رسول ﷺ کا ذکر نکلتا ہے وہاں خانوادۂ رضاؔ کا تذکرہ لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوریؔ بریلوی کے مجموعہ کلام ''سامانِ بخشش'' کے ورق ورق میں شمائلِ نبوی ﷺ کی جلوہ ریزیاں ہیں اور سطر سطر میں خصائصِ رسول ﷺ کی ضیا پاشیاں ہیں۔

باعثِ تخلیقِ کائنات واصلِ مخلوقات

کائنات اوراس کی نیرنگیاں اس کی ساری نعمتیں، تمام آسایشیں، چاند کی چاندنی، سورج کی روشنی، ستاروں کی چمک، کہکشاں کا وجود، سمندروں کی جولانی، دریاوں کی روانی، فصلوں کی لہلہاہٹ، جنگلوں کی شادابی، گلوں کی عطر بیزی، پرندوں کی چہچہاہٹ غرض یہ کہ کائنات کی ہر شئے صدقہ ہے باعثِ تخلیقِ کائنات، وجہِ بنائے روزگار ﷺ کا جس پر حدیثِ قدسی "لولاک لما خلقت الافلاک والارضین" (1)۔اور حدیثِ نبوی "کل خلائق من نوری" (2)۔شاہدودال ہے۔جس کی تشریح وتفسیر اہلِ معرفت شعرائے کرام نے خوب خوب کی ہے اسی کی توضیح وتفسیر کلامِ نوریؔ میں ملاحظہ ہو ؎

ہے خشک وتر پہ قبضہ جس کا وہ شاہِ جہاں یہ ہے
یہی ہے بادشاہ بر کا یہی سلطاں سمندر کا

تمہارے ہی دم کی ہیں ساری بہاریں
تمہارے ہی دم سے یہ نشوونما ہے
اُسی دم سے آباد سارا جہاں ہے
اُسی دم سے سارا وجود و بنا ہے

جب تم نہ تھے کچھ بھی نہ تھا، جب تم ہوئے تو سب ہوا
ہے سب میں جلوہ آپ کا مہرِ عجم ماہِ عرب

تم ہو وجہِ بعثتِ خلقت تم ہو سرِّ غیب و شہادت
رازِ وحدت کثرت والے صلی اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
سرور و آقا مالک و مولا دونوں جگ کے تم ہو داتا
رحمت والے رافت والے صلی اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

تم ہو پیارے اصل ہماری سارا جہاں ہے فرع تمہاری
تم سب کی ماہیت گویا صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

بے مثالی

رسول اللہ ﷺ کی بے مثالی کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوبِ مکرم علیہ التحیۃ والثنا کو بے مثل وبے نظیر پیدا کیا ہے۔تمام مخلوقات میں سب سے افضل واعلا اور بے نظیر ذات رسول اللہ ﷺ ہی کی ہے۔یہ بے مثالی خصائصِ رسول ﷺ میں نمایاں خصوصیت ہے اس کو حضرت نوریؔ بریلوی نے اپنے کلام میں یوں پیش کیا ہے ؎

محالِ عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور
توہم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا

اسی کو دوسری جگہ یوں بیان کرتے ہیں ؎

مثل ممکن ہی نہیں ہے ترا اے لاثانی
وہم نے بھی تو ترا مثل سمانے نہ دیا
آپ کے جوڑ کا آئے تو کہاں سے آئے
جب وجود اس کو شہ ارض وسمانے نہ دیا

دوسرے مقام پر اس کو بڑے خوب صورت انداز میں بیان کرتے ہیں کہ پڑھتے ہی وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے ؎

نظر نظیر نہ آیا نظر کوئی کہیں
جچے نہ غلماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں

تمہیں حق نے دیئے ہیں وہ فضائل
کہ شرکت اس میں ہو ناروا ہے
مماثل ہو نہیں سکتا تمہارا
تمہیں وہ فضلِ کل رب نے دیا ہے
تمہاری بے مثالی اس سے ظاہر
کہ محبوبِ خدا تم کو کیا ہے
محب کیا چاہتا ہے مثلِ محبوب
محب تو بے مثالی چاہتا ہے

نفیِ سایہ

حضورانور ﷺ کے جسدِ لطیف اور جسمِ انور کا سایہ نہ تھا۔ حدیثِ پاک میں ہے۔

حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک نہ سورج کی دھوپ میں نظر آتا تھا نہ چاندنی میں۔''(3)

اس مضمون کو نعتِ سرکار علیہ السلام میں حضرت نوریؔ بریلوی نے مختلف مقام پر پیش کیا ہے اور ہر جگہ نئے انداز کے ساتھ نئی معنی آفرینی ہے۔ کہیں بلندیِ خیال ہے۔ کہیں عاشقانہ رنگ اور کہیں طرزِ استدلال۔ فرماتے ہیں ؎

نہ سایا روح کا ہرگز نہ سایا نور کا ہرگز
تو سایہ کیسا اس جانِ جہاں کے جسمِ انور کا

وہ ہیں خورشیدِ رسالت نور کا سایہ کہاں
اس سبب سے سایۂ خیرالوریٰ ملتا نہیں

جسمِ پر نور کا یوں تو سایہ نہ تھا
اور پتھر میں نقشے جما کر چلے

تو ہے نورِ خدا پھر سایہ کہاں
کہیں بھی نور کا سایہ پڑا ہے
تو ہے ظلِّ خدا واللہ باللہ
کہیں سایے کا بھی سایہ پڑا ہے
زمیں پر تیرا سایہ کیسے پڑتا
ترا منسوب ارفع دائما ہے

اختیارات وتصرفات

کہا جاتا ہے کہ ایک عاشق کا کلام اور اس کی شاعری اس کے ایمان وعقیدے کی تفسیر ہوتی ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے لیے اختیارات ماننا۔ آپ کو قاسمِ نعمت تسلیم کرنا۔ بارگاہِ رب العزت میں آپ کو وسیلۂ عظمیٰ ماننا۔ آپ کو بہ عطائے الٰہی مِلکِ خدا اور سارے جہاں کا مالک ماننا۔ یہ سب ایسے امور ہیں جن کا ایک طبقہ منکر ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی نے جہاں مخالفین پر طنز ونشتریت کرتے ہوئے ان عقائد کو بیان کیا ہے وہیں ان کمالات وخصائص کا ذکر کرتے ہوئے نعتِ سرورِ کائنات کا حق بھی ادا کیا ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی، سیدِ عالم ﷺ کے اختیارات وتصرفات اور حاکمیت ومالکیت کو بہ رنگِ استدلال یوں پیش کرتے ہیں ؎

تم کو عالم کا مالک کیا اس نے
جس کی مملوک ساری خدائی ہے
کس کے قبضے میں ہیں یہ زمین وزماں
کس کے قبضے میں ساری خدائی ہے
تو خدا کا ہوا اور خدا تیرا
تیرے قبضے میں ساری خدائی ہے
جب خدا خود تمہارا ہوا تو پھر
کون سی چیز ہے جو پرائی ہے

دل ہے کس کا جان کس کی سب کے مالک ہیں وہی
دونوں عالم پر ہے قبضہ احمدِ مختار کا

جو محب کی چیز ہے محبوب کے قبضے کی ہے
ہاتھ میں ہو جس کے سب کچھ اس سے کیا ملتا نہیں

انھیں خدا نے کیا اپنے مُلک کا مالک
انھیں کے قبضے میں رب کے خزانے آئے ہیں

عطائے عام وفیضِ دوام

مالک کونین ﷺ کے فیضِ عام، جود وسخا، بخشش وکرم، اور قاسمیت عامہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نوریؔ بریلوی رقم طراز ہیں ؎

دو عالم صدقہ پاتے ہیں مرے سرکار کے در کا
اسی سرکار سے ملتا ہے جو کچھ ہے مقدر کا

جو آیا لے کے گیا کون لوٹا خالی ہاتھ
بتادے کوئی سنا ہو جو 'لا' مدینے سے

جو چاہیں گے جسے چاہیں گے یہ اسے دیں گے
کریم ہیں خزانے لٹانے آئے ہیں
سنو گے 'لا' نہ زبانِ کریم سے نوریؔ
یہ فیض و جود کے دریا بہانے آئے ہیں

جاری ہے آٹھوں پہر لنگر سخی دربار کا
فیض پر ہر دم ہے دریا احمدِ مختار کا

محروم نہیں جس سے مخلوق میں کوئی بھی
وہ فیض انھیں دینا وہ جود و سخا کرنا
ہے عام کرم ان کا اپنے ہوں کہ اعدا ہوں
آتا ہی نہیں گویا سرکار کو 'لا' کرنا
محروم گیا کوئی مایوس پھرا کوئی
دیکھا نہ سنا ان کا انکار و اِبا کرنا

اِلتجا

تصرفاتِ سرکار علیہ التحیۃ والثنا کا ذکر کرتے ہوئے بارگاہِ نبوی ﷺ میں حضرت نوریؔ بریلوی یوں التجا کرتے ہیں ؎

تم سے ہر دم امیدِ بھلائی ہے
میٹ دیجے جو ہم میں برائی ہے

اعدا کو خدا والا جب تم نے بنا ڈالا
دشوار ہے تم پر کیا مجھ بد کا بھلا کرنا
سوکھی ہے مری کھیتی پڑ جائے بھرن تیری
اے ابرِ کرم اتنا تو بہرِ خدا کرنا

ہماری کشتِ امل میں کبھی نہ پھل آئے
کبھی تو شجرۂ امید بارور ہوجائے

قاسمِ نعم

اہلِ حق کا عقیدہ ہے کہ معطیِ حق تو رب العزت جل شانہ کی ذات ہے۔لیکن کوئی بھی نعمت کسی کو سرکار کے وسیلے کے بغیر نہیں ملتی۔حقیقی دینے والا تو اللہ ہے اور بانٹنے والے سرکار ﷺ۔خود سیدِ عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے :
"انما انا قاسم واللہ یعطی" (4) حضرت نوریؔ بریلوی اپنے نعتیہ کلام میں اس کا اظہار یوں کرتے ہیں ؎

انت القاسم ربک معطی تم ہی نے سب کو نعمت دی
دیدو مجھ کو میرا حصہ صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

جو خدا دیتا ہے ملتا ہے اسی سرکار سے
کچھ کسی کو حق سے اس در کے سوا ملتا نہیں
خود خدا بے واسطہ دے یہ ہمارا منہ کہاں
واسطہ سرکار ہیں بے واسطہ ملتا نہیں

بیانِ رفعت و عظمت

نوریؔ بریلوی کا جنابِ رسالت مآب ﷺ سے والہانہ محبت و عقیدت، احترام و تعظیم اور حضور ﷺ پر فدا کاری و جاں نثاری کا جو انداز تھا وہ آپ کے ہر شعر سے نمایاں ہے۔ عشقِ رسول ﷺ میں بے تاب و سرشار رہنے والے دل میں ہمیشہ یہی آرزو پروان چڑھتی رہی کہ شانِ مصطفوی ﷺ کا بیان ان رفعتوں اور بلندیوں تک پہنچا دیا جائے جہاں تک انسان کا علم، اس کا قلم، اس کی زبان، اس کی فکر، اس کا خیال اور اس کا ادراک ساتھ دے سکتا ہو۔

اسی جذبۂ دروں کی کارفرمائی تھی جس نے نثر نگاری ہو یا شاعری نوریؔ بریلوی کو ہر زاویۂ فکر و فن سے شانِ مصطفوی کی رفعتوں اور عظمتوں کے اظہار کے لیے تادمِ زیست سرگرمِ عمل رکھا۔ سرکارِ دو جہاں ﷺ کی رفعت و عظمت اور افضلیت کو نعتیہ پہلو میں کس طرزِ ادا اور رنگینیِ بیان کے ساتھ بیان کیا ہے کلامِ نوریؔ میں ملاحظہ ہو ؎

ماہِ تاباں تو ہوا مہرِ عجم ماہِ عرب
ہیں ستارے انبیا مہرِ عجم ماہِ عرب
ہیں صفاتِ حق کے نوری آئینے نبی سارے
ذاتِ حق کا آئینا مہرِ عجم ماہِ عرب

رَفعنا سے تمہاری رفعتِ بالا ہوئی ظاہر
کہ محبوبانِ رب میں سب سے عالی مرتبہ تم ہو
شبِ معراج سے اے سیدِ کل ہو گیا ظاہر
رُسل ہیں مقتدی اور امام الانبیا تم ہو

تاج رکھا تیرے سر پر رَفعنا کا
کس قدر تیری عزت بڑھائی ہے

ختمِ نبوّت

حضور سرورِ کائنات ﷺ خاتم الانبیا ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی پیدا ہوا نہ قیامت تک ہوگا۔ قرآن پاک میں ہے :

"ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین" (5)

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں! اللہ کے رسول ہیں سب نبیوں میں پچھلے (آخری)۔

نعتیہ کلام میں نوریؔ بریلوی نے اس مضمون کو اس شعر میں یوں پیش کیا ہے ؎

کب ستارہ کوئی چمکا سامنے خورشید کے
ہو نبی کیسے نیا مہرِ عجم ماہِ عرب

حضور سرورِ کائنات ﷺ دنیا میں تمام انبیا کے بعد خاتم الانبیا بن کر آئے لیکن اصلِ تخلیق کے اعتبار سے آپ تمام انبیا و رسل سے اول و مقدم ہیں اس معنی کی ادائیگی حضرت نوریؔ بریلوی یوں کرتے ہیں ؎

نہ ہوتے تم نہ ہوتے وہ کہ اصلِ جملہ تم ہی ہو
خبر تھے وہ تمہاری میرے مولا مبتدا تم
تمہیں باطن تمہیں ظاہر تمہیں اول تمہیں آخر
نہاں بھی ہو عیاں بھی مبتدا و منتہا تم ہو

مظہرِ ذاتِ لم یزل

ذاتِ رسول علیہ الصلاۃ والسلام ذاتِ خدا کی مظہرِ کامل ہے۔ اس مظہریت کا بیان حضرت نوریؔ بریلوی کے کلام میں ملاحظہ ہو ؎

خدا ہے تو نہ خدا سے جدا ہے اے مولا
ترے ظہور سے رب کا ظہور آنکھوں میں

ہیں صفاتِ حق کے نوری آئینے سارے نبی
ذاتِ حق کا آئینہ مہرِ عجم ماہِ عرب

خدا نے ذات کا اپنی تمہیں مظہر بنایا ہے
جو حق کو دیکھنا چاہیں تو اس کے آئینہ تم ہو

علمِ سرکار

سرکار مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے لیے علمِ غیب کا ثبوت ایک اہم علمی مسئلہ ہے۔ اللہ کا علم ذاتی ہے جب کہ حضور ﷺ کا علم عطائی، حضرت نوریؔ بریلوی اپنے عقیدے کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے نعتِ مصطفوی ﷺ میں اس مسئلے کو استدلالی انداز میں یوں پیش کرتے ہیں ؎

خدا نے غیب تمہارے لیے حضور کیا
جو راز دل میں چھپے ہوں تمہیں خبر ہو جائے

مسلط کر دیا تم کو خدا نے اپنے غیبوں پر
نبیِ مجتبیٰ تم ہو، رسولِ مرتضیٰ تم ہو

عیب سے تم کو پاک کیا ہے غیب کا تم کو علم دیا ہے
اور خود حق بھی تم سے چھپا کیا صلی اللہ علیک وسلم

وصفِ جمال

محبوب کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف، اس کے رخِ زیبا اور جبینِ تاباں کی ستائش اور ان کی سحر اور شمس و قمر سے تشبیہ غزلیہ شاعری کا خاصہ رہا ہے۔ لیکن جب عاشقِ رسول ﷺ اپنے محبوب کے حُسن و جمال، سراپائے اقدس، رخِ زیبا، جمالِ جہاں آرا اور جبینِ تاباں

کی مدح و ثنا سے اپنے عشق و محبت کی بزم سجاتا ہے تو کس کس انداز سے نوا سنج و نغمہ سرا ہوتا ہے اور شمس و قمر کی تابانی و درخشانی کو اپنے محبوب کے مقابل کس طرح پیش کرتا ہے۔ اس کا حسین و جمیل نظارا آیئے کلامِ نوریؔ میں نشانِ خاطر فرمائیں ؎

تمہارا حسن ایسا ہے کہ محبوبِ خدا تم ہو
مہ کامل کرے کسبِ ضیا وہ مہ لقا تم ہو

وصف کیا لکھے کوئی اس مہبطِ انوار کا
مہر و مہ میں جلوہ ہے جس چاند سے رخسار کا
فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے
جس کو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا
تیرے باغِ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں
آفتاب اک زرد پتہ ہے ترے گلزار کا
جلوہ گاہِ خاص کا عالم بتائے کیا کوئی
مہر عالم تاب ہے ذرہ حریم یار کا
زرد رُو کیوں ہو گیا خورشیدِ تاباں سچ بتا
دیکھ پایا جلوہ کیا اس مطلعِ انوار کا
یہ مہ و خور یہ ستارے چرخ کے فانوس میں
شمعِ روشن میں ہے جلوہ آپ کے رخسار کا

صورتِ پاک وہ بے مثل ہے پائی تم نے
جس کی ثانی نہ عرب اور عجم کی صورت

اس کے علاوہ والشمس وضحٰہا اور والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر عاشق رسول حضرت نوریؔ بریلوی کے اشعار میں ملاحظہ کیجیے ؎

زلف والا کی صفت واللیل ہے قرآن میں
اور رخ کی والضحیٰ مہرِ عجم ماہِ عرب

نہار چہرہ والا تو گیسو ہیں واللیل
بہم ہوئے ہیں یہ لیل ونہار آنکھوں میں

آستانۂ بلند

محبوب کے دیاراور اس درودیوار اور اس کے درباروگلی کوچے کی شان وشوکت اس کی عظمت اور اس کا وقار ایک عاشقِ صادق کی نظر میں کس قدر ہوتا ہے۔خاطر نشین کیجیے کلامِ نوریؔ بریلوی سے چند شہ پارے ؂

بادشاہانِ جہاں ہوتے ہیں منگتا اس کے
آپ کے کوچے کا شاہا جو گدا ہوتا ہے

ضیا بخشی تری سرکار کی عالم پہ روشن ہے
مہ وخورشید صدقہ پاتے ہیں پیارے ترے در کا

رشکِ سلطان ہیں وہ گدا جس نے
تیرے کوچے میں دھونی رمائی ہے

کوچۂ محبوب کے پاس ولحاظ اور اس کے ادب و احترام کو اس انداز میں بیان کرنا حضرت نوریؔ بریلوی جیسے عاشقِ صادق کا کمال ہے ؂

پاوں تھک جاتے اگر پاوں بناتا سر کو
سر کے بل جاتا مگر ضعف نے جانے نہ دیا

آبلے پاوں میں پڑجائیں جو چلتے چلتے
راہِ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت

خارِ دیارِ محبوب

یہ حقیقت ہے کہ ایک عاشقِ صادق کی نظر میں دیارِ محبوب کے خار گلہائے باغِ عالم ہی نہیں بلکہ گلہائے جنت سے بھی زیادہ دل کش، دل فریب، روح پرور، فرحت افزا، خوش نما اور تسکین بخش ہوتے ہیں حضرت نوریؔ بریلوی فرماتے ہیں ؂

نہ کیسے یہ گل وغنچہ ہوں خوار آنکھوں میں

بسے ہوئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں
نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

دست گیری

پناہِ عاصیاں، ہمدردِ بے کساں، شافعِ روزِ جزا، سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی وقار میں اپنے رنج والم اور بارِ عصیاں کی درد بھری داستان پیش کرتے ہوئے غم گسار و غم خوارِ امت سے حمایت ودستگیری کی طلب کا اندازِ عاشقانہ خاطر نشین ہو ؂

دبا جاتا پچا جاتا ہوں میں آقا دہائی ہے
یہ بھاری بوجھ عصیاں کا مرے سر سے ذرا سرکا

دور ساحل موج حائل پار بیڑا کیجیے
ناو ہے منجدھار میں اور ناخدا ملتا نہیں

مسیحائی

جانِ عالم وعالمیان ﷺ کی مسیحائی کو حضرت نوریؔ بریلوی ندرتِ بیان کے ساتھ پیش کرتے ہوئے عرض گذار ہیں ؂

شہرہ لبِ عیسیٰ کا جس بات میں ہے مولا
تم جانِ مسیحا ہو ٹھوکر سے ادا کرنا

مسیحِ پاک نے اجسامِ مردہ زندہ کئے
یہ جانِ جاں دل و جاں کو جلانے آئے ہیں

اُمیدِ شفاعت

اپنے انتہائے جرم وخطا، اس پر ندامت وشرمندگی اور شفیعِ روزِ جزا دستگیرِ عاصیاں ﷺ کے انتہائے عفو وکرم اور آپ کی دستگیری وشفاعت پر بھروسہ اور امید کا اظہار کرتے

ہوئے حضرت نوری بریلوی شافع یوم النشور ﷺ کے اس خاصہ کو یوں پیش کرتے ہیں ؎

دھجیاں ہوجائے دامن فردِ عصیاں کا مری
ہاتھ آجائے جو گوشہ دامنِ دل دار کا

عجب کرم ہیں کہ خود مجرموں کے حامی ہیں
گنہگاروں کی بخشش کرانے آئے ہیں

کیوں مجھے خوف ہو محشر کا کہ ہاتھوں میں مرے
دامنِ حامیِ خود ماحیِ عصیاں ہوگا
پلہ عصیاں کا گراں ہو بھی تو کیا خوف مجھے
میرے پلے پہ تو وہ رحمتِ رحماں ہوگا

گنہ کتنے ہی اور کیسے ہی ہیں پر رحمتِ عالم
شفاعت آپ فرمائیں تو بیڑا پار ہوجائے

عطر بیزی

سرکارِ دو عالم ﷺ جس گلی، کوچہ یا راہ سے گزرتے تو آپ کے جسمِ اطہر اور زلفِ مشک بار کی خوشبو سے گلی کوچے معطر و معنبر ہوجاتے تھے۔ اسی مشک باری اور عطر بیزی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نوری بریلوی وجد آفریں انداز میں فرماتے ہیں ؎

جس گلی سے تو گذرتا ہے مرے جانِ جناں
ذرّہ ذرّہ تری خوشبو سے بسا ہوتا ہے

جگمگا ڈالیں گلیاں جدھر آئے وہ
جب چلے وہ تو کوچے بسا کر چلے

خوشبوئے زلف سے کوچے مہکے ہیں

کیسے پھولوں میں شہا بسائی ہے
پیارے خوشبو تمہارے پسینے کی
خلد کے پھولوں سے بھی سوائی ہے
بات وہ عطرِ فردس میں بھی نہیں
تیرے ملبوس نے جو سنگھائی ہے

فصاحت و بلاغت

افصح الفصحائ، نبیِ امی ﷺ نے کسی کے آگے زانوے ادب تہ نہیں فرمایا نہ کسی سے پڑھنا، لکھنا سیکھا۔ لیکن یہ ایک عظیم معجزہ ہے کہ آپ کی زبانِ بلاغت نظام سے فصاحت و بلاغت کے ایسے ایسے چشمے ابلے جن کے سامنے عرب کے فصحا و بلغا کی فصاحتیں اور بلاغتیں دم بہ خود رہ گئیں۔ اور ان کی بلاغتوں کا تاجِ تفوق و برتری سرنگوں ہو کر رہ گیا۔ ان کی ساری خوش فہمیاں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں اور ان کی زبانیں گنگ ہوتی دکھائی دیں۔ اس کی منظر کشی حضرت نوری بریلوی نے یوں کی ہے ؎

جن کے دعوے تھے ہم ہی ہیں اہلِ
زباں
سن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے

جس طرح شعرا اور ان کی شاعری کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح شعرا کے مقصدِ شاعری میں بھی واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ عموماً ایسے شعرا کی کثرت ہے جن کی شاعری برائے شاعری ہے لیکن حضرت نوری بریلوی کی شاعری کا واحد مقصد رسول اللہ ﷺ کے جملہ خصائصِ جمیل کے جلوۂ جہاں آرا کو نمایاں کرنا تھا۔ جسے ہم بہ الفاظِ دیگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت نوری بریلوی کی شاعری، شاعری برائے شاعری نہیں بلکہ برائے عبادت تھی۔ لہٰذا اس کی وضاحت آپ کے کلام میں یوں ہے ؎

ثنا منظور ہے ان کی نہیں یہ مدعا نوری
سخن سنج و سخن ور ہو سخن کے نکتہ داں تم ہو

حواشی

(1) نقی علی خاں بریلوی، مولانا: سرور القلوب، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی، ص 55

(2) نقی علی خاں بریلوی، مولانا: سرور القلوب، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی، ص 55

(3) ارشد القادری، علامہ: جسمِ بے سایہ، مکتبۂ جامِ نور، دہلی، 1985ئ، ص 7، بحوالہ المواہب ص 30

(4) محمد شریف الحق امجدی، مفتی: نزہۃ القاری شرح بخاری، دائرۃ البرکات، گھوسی، ص 370/ 372

(5) القرآن الکریم: پ 22 رکوع 2

{............}

کلامِ نوریؔ میں حزم واحتیاط

نعت نگاری کے جملہ لوازمات میں سب سے اہم حزم واحتیاط ہے کہ اگر شاعر نعت میں بال برابر بھی تجاوز کرے تو عبد کو معبود کے منصب پر پہنچا کر شرک کر سکتا ہے۔ اور اگر بال برابر کمی کرے تو معبودِ حقیقی کے محبوبِ اکبر ﷺ کی شانِ اقدس میں توہین وتنقیص جیسے ناقابلِ معافی جرم کا مرتکب ہو کر خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو سکتا ہے۔

اس پُرخار وادی میں اچھے اچھے نام ور شعرا سے لغزش سرزد ہوئی ہے۔ جس کا اجمالی جائزہ بابِ دوم: نعت گوئی کا فن کے ضمنی باب: حزم واحتیاط میں لیا جا چکا ہے۔

بہرکیف! حقیقت میں نعت وہی نعت ہوتی ہے جو عبد ومعبود، خالق ومخلوق اور الوہیت ونبوت کو سمجھ کر ان کے مابین کے فرق کو ملحوظِ خاطر رکھ کر حفظِ مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے ادب واحترام کے ساتھ نظم کی جائے۔ افراط وتفریط اور غلو واغراق سے مملو کلام نعت نگار کے اسلام وایمان پر سوالیہ نشان کھڑا کر دیتا ہے۔ اس لیے نعت نگار سے نعت گوئی کا فن بار بار حدودِ شرع کے پاس ولحاظ اور حزم واحتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔ اوصافِ محمدی ﷺ کا تقابل جب کسی دوسرے نبی علیہم السلام سے کیا جائے تو اس وقت بھی مکمل ادب واحترام ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے؛ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ کے اعلا ترین اوصافِ جمیلہ کا تقابل کرتے ہوئے شاعر دیگر انبیا ومرسلین علیہم السلام کی شان میں توہین وتنقیص کا ارتکاب کر کے

اپنے اعمال کو تباہ وبرباد کر دے۔

نوریؔ بریلوی کے والدِ ماجد مولانا احمد رضا بریلوی کے یہاں حزم واحتیاط کا جو عالم ہے وہ مخفی نہیں اردو کے جملہ ناقدین اس امر پر متفق ہیں کہ آپ کے یہاں جو شانِ احتیاط ہے وہ کسی دوسرے شاعر کے ہاں نہیں۔ تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جہاں تک مولانا مصطفی رضا نوریؔ بریلوی کا معاملہ ہے تو موصوف نے مولانا احمد رضا بریلوی کے دربارِ علمی سے کسبِ فیض کیا ہے۔ آپ علم وفضل، زہد وتقوا، استقامت علی الدین اور تفقہ فی الدین میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ جہاں آشنائے رموزِ شریعت تھے وہیں واقفِ اسرارِ طریقت بھی تھے۔ علم وفضل کی گیرائی وگہرائی اور عشقِ رسول ﷺ کی والہیت سے آپ کے کلام میں سادگی ومعنوی حسن حد درجہ موجزن ہے۔ آپ کا کلام از اول تا آخر خشیتِ ربانی اور محامدِ سید المرسلین ﷺ میں سرتا سر ڈوبا ہے۔ افراط وتفریط، بے جا خیال آفرینی اور غلو واغراق سے پورا کلام یک سر پاک ومنزہ ہے۔

کلامِ نوریؔ کا تنقیدی مطالعہ کرنے کے بعد اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ آپ نے حدودِ شرع کی مکمل پاس داری کی ہے۔ اور آپ کے ہاتھوں سے کہیں بھی زمامِ حزم واحتیاط ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں چھوٹی ہے۔ آپ نے مکمل حزم واحتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے باادب باملاحظہ ہوشیار کی صدائے بازگشت میں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں مدح سرائی کی ہے۔ آپ کے کلام میں حزم واحتیاط اور حدودِ شرع کی پاس داری کا جو عالم ہے وہ قابلِ دید ہے دیگر شعرا کی طرح آپ کے کلام میں کسی قسم کی شرعی لغزش نہیں ملتی اس کا اعتراف خود حضرت نوریؔ بریلوی کو بھی ہے چناں چہ بہ طورِ تحدیثِ نعمت فرماتے ہیں ؎

گلہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار
سقمِ شرعی سے منزہ اشعار

آیئے خاطر نشین کیجیے کلامِ نوریؔ میں حزم واحتیاط کا اچھوتا اور نرالا انداز ؎

کوئی کیا جانے جو تم ہو خدا ہی جانے کیا تم ہو
خدا تو کہہ نہیں سکتے مگر شانِ خدا تم ہو

کس درجہ خوبی سے دامنِ احتیاط تھامے ہوئے نوریؔ بریلوی نے رسولِ رحمت ﷺ کے علوئے مرتبت کو بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ہم خدا ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ وہ اللہ

کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ہاں! مگر شانِ خدا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ خالقِ مطلق جل شانہٗ کی شاہ کارِ تخلیق آپ ہی ہیں۔

حضور احمد مجتبیٰ ﷺ کی ولادتِ باسعادت اور بعثتِ پاک کے سبب بلکہ ذاتِ بابرکات کے سبب ہی سے دنیا کو عرفانِ خداوندی کی دولتِ عظمیٰ نصیب ہوئی۔آپ ہی کے صدقہ و طفیل دنیا نے اللہ اور اس کی صفات کو پہچانا۔اور اللہ نے اپنی ربوبیت کا اظہار بھی آپ کی تخلیق ہی کے سبب کیا ہے اور سب کچھ پیدا فرمایا ہے۔پھر بھی ہم رسول کو رسول ہی کہہ سکتے ہیں خدا ہرگز ہرگز نہیں کہہ سکتے۔لیکن ہاں! رحمتِ عالم ﷺ کو خدا سے جدا بھی نہیں کہا جا سکتا۔نوریؔ بریلوی اسی نکتے کو انتہائی احتیاط سے بلیغ انداز میں یوں بیان کرتے ہیں ؎

خدا ہے تو نہ خدا سے جدا ہے اے مولا
ترے ظہور سے رب کا ظہور آنکھوں میں

اسی طرح یہ شہ پارے نشانِ خاطر کرتے ہوئے کلامِ نوریؔ بریلوی میں شانِ حزم واحتیاط کی جلوہ گری کا اعتراف کرنا لازمی ہو جاتا ہے ؎

ہیں صفاتِ حق کے نوری آئینے سارے نبی
ذاتِ حق کا آئینہ مہرِ عجم ماہِ عرب

خدا نے ذات کا اپنی تمہیں مظہر بنایا ہے
جو حق کو دیکھنا چاہیں تو اس کے آئینہ تم ہو

سجدہ کرتا جو مجھے اس کی اجازت ہوتی
کیا کروں اذن مجھے اس کا خدا نے نہ دیا
حسرتِ سجدہ یوں ہی کچھ تو نکلتی لیکن
سر بھی سرکار نے قدموں پہ جھکانے نہ دیا

کیا خوب حسنِ بیان اور ندرتِ ادا سے اپنی بات بھی کہہ دی اور شریعت کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے دامنِ احتیاط کو چھوٹنے بھی نہ دیا اور اپنے آپ کو غلو و اغراق اور افراط و تفریط سے

پاک رکھا۔لہٰذا کلامِ نوریؔ بریلوی کے مطالعہ کی روشنی میں یہ کہنا غیر مناسب نہیں ہے کہ آپ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے انتہائی ادب شناس تھے اور آپ نے عبد و معبود کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے نعتیہ کلام تحریر کیا ہے۔اور کہیں بھی لمحہ بھر کے لیے بھی آپ کے ہاتھوں سے زمامِ احتیاط نہیں چھوٹی ہے۔

{............}

نوریؔ بریلوی کی منقبت نگاری

منقبت کی تعریف یوں ہے کہ منقبت اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی صحابیِ رسول، اولیاے کاملین اور بزرگانِ دین یا پیر و مرشد کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہو۔اس کے لیے کوئی ہیئت مخصوص نہیں ہے۔

ہر زبان و ادب کے شعرا نے حمد و نعت، غزل اور رباعی گوئی کے ساتھ ساتھ منقبت نگاری بھی کی ہے۔بعض شعراے کرام نے تو تمام مشہور و معروف اولیاے کاملین کی شان میں مناقب لکھے ہیں اور بعض نے صرف مخصوص بزرگوں کی شان میں منقبتیں قلم بند کی ہیں۔جہاں تک حضرت نوریؔ بریلوی کا تعلق ہے تو آپ نے زیادہ تر توجہ نعت نگاری کی طرف ہی مرکوز رکھی۔ بہرکیف! آپ کے مجموعۂ کلام میں منقبتیں بھی ملتی ہیں۔چوں کہ آپ قادری المشرب تھے۔ آپ کو سرتاجِ اولیا حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م 561ھ) سے خاص لگاو اور محبت تھی۔یہی وجہ ہے کہ "سامانِ بخشش" میں تین منقبتیں بالترتیب 28، 19 اور 51/اشعار پر مشتمل حضرت سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ملتی ہیں۔

اسی طرح آپ کو کلیر شریف کے جید ولیِ کامل حضرت پیر سید علاء الدین صابر پیا کلیری رحمۃ اللہ علیہ (م 690ھ) سے بھی قلبی لگاو تھا۔حضرت صابر پیا کلیری کی شان میں بھی آپ نے

ایک منقبت لکھی ہے نیز آپ نے اپنے شاگردِ رشید محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد خاں لائل پوری علیہ الرحمۃ (م 1382ھ) کے وصال پر آپ کی شان میں ایک بہترین تعزیتی منقبت بھی تحریر کی ہے۔

یہ تمام مناقب فنِ شاعری کا اعلاترین نمونہ ہیں معنی آفرینی، خیال کی ندرت، سلاست و روانی، ایجاز اختصار، پیکر تراشی، روزمرہ محاوروں کا برجستگی کے ساتھ استعمال، صنائع وبدائع، عربی کی آمیزش، فارسیت کا رچاو اور دیگر شعری وفنی محاسن ان مناقب میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں ۔ذیل میں تمام مناقب کے چیدہ چیدہ اشعار بلا تبصرہ ملاحظہ ہوں ۔

(1)

ترا جلوا نورِ خدا غوثِ اعظم　　ترا چہرہ ایماں فزا غوثِ اعظم
مجھے بے گماں دے گما غوثِ اعظم　　نہ پاؤں میں اپنا پتا غوثِ اعظم
خودی کو مٹادے خدا سے ملا دے　　دے ایسی فنا و بقا غوثِ اعظم
خدا ساز آئینۂ حق نما ہے　　ترا چہرۂ پر ضیا غوثِ اعظم
تو باغِ علی کا ہے وہ پھول جس سے　　دماغ جہاں بس گیا غوثِ اعظم
ترا مرتبہ کیوں نہ اعلا ہو مولیٰ　　ہے محبوبِ ربُّ العلا غوثِ اعظم
ترا رتبہ اللہ اکبر سروں پر　　قدم اولیا نے لیا غوثِ اعظم
ترا دامنِ پاک تھامے جو راہ زن　　بنے ہادی و رہنما غوثِ اعظم
نہ کیوں مہرباں ہو غلاموں پہ اپنے　　کرم کی ہے تو کان یا غوثِ اعظم
ترے صدقہ جاوں مری لاج رکھ لے　　ترے ہاتھ ہے لاج یا غوثِ اعظم
پریشان کردے پریشانیوں کو　　پریشان دل ہے مرا غوثِ اعظم
ارے مورے سیّاں پڑوں تورے پیّاں　　پکڑ موری بیّاں پیا غوثِ اعظم

ترا ایک ہی قطرہ دھو دے گا سارا　　ہر اک صفحۂ پُر خطا غوثِ اعظم
تو بے کس کا کس اور بے بس کا بس ہے　　تواں ناتوناں کی یا غوثِ اعظم
مری جان میں جان آئے جو آئے　　مرا جانِ عالم مرا غوثِ اعظم
مری جان کیا جانِ ایماں ہو تازہ　　کہ ہے محیِ دینِ خدا غوثِ اعظم
مرا سر تری کفشِ پا پر تصدق　　وہ پا کے تو قابل ہے غوثِ اعظم

جھلک روے انور کی اپنی دکھا کر
تو نوریؔ کو نوری بنا غوثِ اعظم

(2)

کھلا میرے دل کی کلی غوثِ اعظم　　مٹا قلب کی بے کلی غوثِ اعظم
مرے چاند میں صدقے آجا ادھر بھی　　چمک اُٹھے دل کی گلی غوثِ اعظم
ترے رب نے مالک کیا تیرے جد کو　　ترے گھر سے دنیا پلی غوثِ اعظم
وہ ہے کون ایسا نہیں جس نے پایا　　ترے در پہ دُنیا ڈھلی غوثِ اعظم
کہا جس نے یاغوث اعظم اغثنی تو دم میں　　ہر آئی مصیبت ٹلی غوثِ اعظم
نہیں کوئی بھی ایسا فریادی آقا　　خبر جس کی تم نے نہ لی غوثِ اعظم
مری روزی مجھ کو عطا کردے آقا　　ترے در سے دنیا نے لی غوثِ اعظم
نہ مانگوں میں تم سے تو پھر کس سے مانگوں　　کہیں اور بھی ہے چلی غوثِ اعظم
صدا گر یہاں میں نہ دوں تو کہاں دوں　　کوئی اور بھی ہے گلی غوثِ اعظم
جو قسمت ہو میری بُری اچھی کردے　　جو عادت ہو بد کر بھلی غوثِ اعظم
ترا مرتبہ اعلا کیوں نہ ہو مولا　　تو ہے ابنِ مولیٰ علی غوثِ اعظم

قدم گردنِ اولیا پر ہے تیرا | ہے تو رب کا ایسا ولی غوثِ اعظم
جو ڈوبی تھی کشتی وہ دم میں نکالی | تجھے ایسی قدرت ملی غوثِ اعظم
ہمارا بھی بیڑا لگا دو کنارے | تمہیں ناخدائی ملی غوثِ اعظم
تباہی سے ناو ہماری بچا دو | ہوائے مخالف چلی غوثِ اعظم
تجھے تیرے جد سے انھیں ان کے رب سے | ہے علمِ خفی و جلی غوثِ اعظم
مرا حال تجھ پر ہے ظاہر کہ پہنچی | تری لوح سے جا ملی غوثِ اعظم
خدا ہی کے جلوے نظر آئے جب بھی | تری چشمِ حق بیں کھلی غوثِ اعظم

فدا تم پہ ہوجائے نوریؔ مضطر
یہ ہے اس کی خواہش دلی غوثِ اعظم

(3)

تجلی نورِ قِدم غوثِ اعظم | ضیاے سراجِ ظُلَم غوثِ اعظم
ترا حِل ہے تیرا حرم غوثِ اعظم | عرب تیرا تیرا عجم غوثِ اعظم
چلا ایسی تیغ دو دم غوثِ اعظم | کہ اعدا کے سر ہوں قلم غوثِ اعظم
ترے ہوتے ہم پر ستم ڈھائے دشمن | ستم ہے ستم ہے ستم غوثِ اعظم
نہیں لاتا خاطر میں شاہوں کو شاہا | ترا بندۂ بے درم غوثِ اعظم
کرم چاہئے تیرا تیرے خدا کا | کرم غوثِ اعظم کرم غوثِ اعظم
بڑھا ناخدا سر سے پانی الم کا | خبر لیجیے ڈوبے ہم غوثِ اعظم
کرو پانی غم کو بہا دو الم کو | گھٹائیں بڑھیں ہیں کرم غوثِ اعظم
خدا نے تمہیں محو و اثبات بخشا | ہو سلطانِ لوح و قلم غوثِ اعظم
بہ عینِ عنایت بہ چشمِ کرامت | بدہ جرعۂ تا چشم غوثِ اعظم
ترا ایک قطرہ عوالم نما ہے | نہیں چاہیے جامِ جم غوثِ اعظم
ترا حسنِ نمکیں بھرے زخم دل کے | کہ خود کہہ اُٹھوں میں منم غوثِ اعظم
ترقی کرے روز و شب دردِ الفت | نہ ہو قلب کا درد کم غوثِ اعظم

یہ دل یہ جگر ہے یہ آنکھیں یہ سر ہے | جہاں چاہو رکھو قدم غوثِ اعظم
سرِ خود بہ شمشیرِ ابرو فروشم | بہ مژگانِ تو سینہ ام غوثِ اعظم
بہ پیکانِ تیرت جگر می فروشم | بہ تیرِ نگاہت دلم غوثِ اعظم
دماغم رسد بر سرِ عرشِ اعلا | بپایت اگر سر نہم غوثِ اعظم
مری سر بلندی یہیں سے ہے ظاہر | کہ شد زیرِ پایت سرم غوثِ اعظم
لگالو مرے سر کو قدموں سے اپنے | تمہیں سرِّ حق کی قسم غوثِ اعظم
تمہاری مہک سے گلی کوچے مہکے | ہے بغداد رشکِ ارم غوثِ اعظم
مرا نفسِ سرکش بھی رہزن ہے میرا | یہ دیتا ہے دم، دم بدم غوثِ اعظم
دکھادے تو اِنی عزدمُ کے جلوے | سنادے صدائے منم غوثِ اعظم
ہماری خطاؤں سے دفتر بھرے ہیں | کرم کر کہ ہوں کالعدم غوثِ اعظم

تمہارے کرم کا ہے نوریؔ بھی پیاسا
ملے یم سے اس کو بھی نم غوثِ اعظم

ان مناقب کے ساتھ ساتھ حضرت علاوالدین صابر پیا کلیری کی شان میں لکھی گئی حضرت نوریؔ بریلوی کی منقبت ذیل میں ملاحظہ ہوں

کیسے کاٹوں رتیاں صابر
تارے گنت ہوں سیاں صابر
مورے کرجوا ہوک اُٹھت ہے
موکو لگالے چھتیاں صابر
توری صورتیا پیاری پیاری
اچھی اچھی بتیاں صابر
چیری کو اپنے چرنوں لگالے
میں پروں تورے پیاں صابر
ڈولے نیّا موری بھنور میں
بلما پکڑ لے بیّاں صابر
چھتیاں لاگن کیسے کہوں میں
تم ہو اونچے اٹریاں صابر

توری دوارے سیس نواؤں
تیری لے لوں بلیاں صابر
سپنے ہی میں درشن دکھلادو
موکو مورے گسیاں صابر
تن من سب توپے وارے
نوریؔ مورے سیاں صابر

اسی طرح نوریؔ بریلوی کے اپنے والدِ ماجد امام احمد رضا بریلوی کی شان میں لکھے ہوئے منقبتی اشعار ''سامانِ بخشش'' میں موجود ہیں؛ اشعار نشانِ خاطر فرمائیں ؎

اس رضا پر ہو مولا رضائے حق
راہ جس نے تمہاری چلائی ہے
محیِ سنت ، حامیِ ملت ، مجدد دین کا
پیکرِ رشد و ہدا احمد رضا ملتا نہیں

علاوہ ازیں نوریؔ بریلوی کی ایک غیر مطبوعہ منقبتِ رضا ذیل میں قاری امانت رسول پیلی بھیتی کے شکریے کے ساتھ نشانِ خاطر ہوں ؎

تم ہو سراپا شمعِ ہدایت محیِ سنت اعلا حضرت
تم ہو ضیائے دین و ملت محیِ سنت اعلا حضرت
بحرِ علم و چشمۂ حکمت محیِ سنت اعلا حضرت
ہو دریائے فیض و رحمت محیِ سنت اعلا حضرت
کردی زندہ سنتِ مردہ ، دینِ نبی فرمایا تازہ
مولا مجدِ دین و ملت محیِ سنت اعلا حضرت
اس سے راضی ربّ و نبی ہو، جس سے آقا تم راضی ہو
تم ہو رضائے حضرتِ عزت محیِ سنت اعلا حضرت
کیوں نہ بجے عالم میں ڈنکا، آپ کے علم وفضل کا آقا

مرکزِ حلقۂ اہلِ سنت ، معدنِ علم و فضل و کرامت
منبعِ فیضِ شاہِ رسالت محیِ سنت اعلا حضرت
پھوٹ رہے ہیں تخمِ بدعت، پھوٹ رہی ہے شاخِ ضلالت
رہ بَرِ امت شیخِ طریقت محیِ سنت اعلا حضرت
زیرِ قدم تھے ہم جو تمہارے ، گویا جنت میں تھے سارے
تم جو سدھارے راہِ جنت محیِ سنت اعلا حضرت
ہوگئی دنیا دوزخ گویا ، ہجر کی تپ نے ایسا پھونکا
جلوا دکھا دو دور ہو فرقت محیِ سنت اعلا حضرت
تم وہ مجسم نورِ ہدایت، دور ہے جس کے دم سے ظلمت
ہادیِ ملت ماحیِ بدعت محیِ سنت اعلا حضرت

محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری علیہ الرحمۃ کی شان میں لکھی گئی تعزیتی منقبت یوں ہے ؎

سنیوں کا دل نہ بیٹھے کس طرح — زور ان کے قلب کا جاتا رہا
فیض سے معمور جس نے کردیا — چپہ چپہ ملک کا جاتا رہا
اُٹھتے اُٹھتے چو طرف وہ چھا گیا — خوب برسا ابر سا، جاتا رہا
قوتِ دل طاقتِ دل زورِ دل — اس کے جانے سے مرا جاتا رہا
وہ محدث وہ محقق وہ فقیہ — عالمِ علمِ ہدا جاتا رہا
جو مرقع تھا جمال و حسن کا — وہ نگارِ اولیا ، جاتا رہا
اس زمانے کا محدث بے مثال — جس کا ثانی ہی نہ تھا، جاتا رہا
تھا خشیت میں خدائے پاک کی — وہ مثالِ اتقیا ، جاتا رہا
غوثِ اعظم خواجۂ اجمیر کا — وہ مجسم فیض تھا ، جاتا رہا

فیض سے داتا کے مالامال تھا — گنجِ بخشِ علم تھا ، جاتارہا
پیکرِ رُشد و ہدا تھا بالیقیں — مظہرِ احمد رضا جاتارہا
اعظمِ خلفا تھا پاکستان میں — جانشینِ مصطفا جاتا جاتارہا
حضرتِ صدر الشریعہ کا وہ چاند — میرا مہرِ پُر ضیا جاتارہا
مرگیا فیضان جس کی موت سے — ہائے وہ "فیض انتما" جاتارہا
"یا مجیب اغفرلہ" تاریخ ہے — کس برس وہ رہنما جاتارہا

دیو کا سر کاٹ کر نوریؔ کہو
چاند روشن علم کا جاتارہا

{............}

کلامِ نوریؔ میں علمِ بیان

علمِ بیان علمِ بلاغت کی ایک شاخ ہے۔جس کے چار ارکان تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجازِ مُرسل ہیں۔ یہ زُہرہ جبین؛ شاعری کے سنگھار اور آرائش وزیبائش ہیں۔ان کے استعمال سے کلام کے حُسن میں نکھار آجاتا ہے اور اس کی جاذبیت میں اضافہ ہوجاتا ہے عام طور سے شعرا تشبیہ واستعارہ ہی استعمال میں لاتے ہیں۔لیکن کنایہ اور مجاز بھی کبھی کبھی استعمال کرتے ہیں جس سے شاعری میں ایک دھوپ چھاؤں کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

حضرت نوریؔ بریلوی کے کلام میں تشبیہات واستعارات کی بہاریں لائقِ دید ہیں :

تشبیہات

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں مشبہ کو مشبہ بہ کے جیسا بیان کرتا ہے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔کلامِ نوریؔ سے مثال :

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہوگئے
منہ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا
(آبلوں کو کٹورے کہا ہے یعنی آبلہ کی تشبیہ کٹورے سے دی ہے)

مرقدِ نوریؔ پہ روشن ہے یہ لعلِ شب چراغ
یا چمکتا ہے ستارہ آپ کی پیزار کا
(سرکارِ اقدس ﷺ کے پیزار کے ذرہ کو "ستارا" اور پھر اسے "لعلِ شب چراغ" سے تشبیہ دی ہے)

زلفِ والا کی صفت واللیل ہے قرآن میں
اور رُخ کی والضحیٰ مہرِ عجم ماہِ عرب
(اس شعر میں زلف کو واللیل اور رُخ کو والضحیٰ سے تشبیہ دی ہے نیز مہرِ عجم ماہِ عرب استعارے ہیں ایک شعر میں تشبیہات بھی اور استعارات بھی سبحان اللہ!)

چہرہ مطلعِ نورِ الٰہی ، سینہ مخزنِ رازِ الٰہی
شرح صدر صدارت والے صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
(چہرہ مشبہ، نورِ الٰہی مشبہ بہ۔سینہ مشبہ، رازِ خدائی مشبہ بہ)

تمہارے قدموں پہ موتی نثار کرنے کو
ہیں بے شمار مری اشک بار آنکھوں میں
(آنسوؤں کو موتی کہا گیا ہے)

نہار چہرۂ والا تو گیسو ہیں واللیل
بہم ہوئے ہیں یہ لیل ونہار آنکھوں میں
(پہلے گیسو کو واللیل پھر لیل۔چہرہ کو نہار (صبح) سے تشبیہ دی ہے)

کیا کہوں کیسے ہیں پیارے ترے پیارے گیسو
دونوں عارض ہیں ضحیٰ لیل کے پارے گیسو
(گیسو کو پارۂ لیل سے اور عارض کو ضحیٰ سے تشبیہ دی ہے)

جو ساقیِ کوثر کے چہرے سے نقاب اُٹھے
ہر دل بنے مے خانہ، ہر آنکھ ہو پیمانہ
(دل مشبہ، مے خانہ مشبہ بہ۔ آنکھ مشبہ، پیمانہ مشبہ بہ)

تیرے باغِ حُسن کی رونق کا کیا عالم کہوں
آفتاب اک زرد پتہ ہے ترے گل زار کا
(آفتاب کو زرد پتہ سے تشبیہ دی ہے)

ماہِ تاباں تو ہوا مہرِ عجم ماہِ عرب
ہیں ستارے انبیا مہرِ عجم ماہِ عرب
(انبیا کو ستارے کہا ہے اور سرکار کو ماہِ تاباں سے تشبیہ دی ہے)

استعارات

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں مشبہ کو مشبہ بہ قرار دے دے تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔

ناقدینِ ادب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ استعارہ، تشبیہ سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں مشبہ بہ کو عین مشبہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ یعنی مستعار منہ سے مستعار لہٗ کے لیے اس کا وصف عاریۃً لے لیتے ہیں پھر اس کو عین مستعار منہٗ یعنی مشبہ بہ تسلیم کر لیتے ہیں جس سے مشبہ کی خوبی اور اس کی خوب صورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

نعت تو دراصل اس بے مثیل و بے نظیر ذات کی مدح ہے جو ہر تشبیہ و استعارہ سے بلند و برتر اور ارفع و اعلا ہے۔ لیکن شاعر اپنی قوتِ متخیلہ کو بروے کار لا کر بے نظیر آقا ﷺ کے لیے استعارہ سازی کرتا ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی کے کلام میں استعارات کی بہتات ہے اور جو بھی استعارہ ہے خوب ہے اور عام فہم بھی ہے۔ چند مثالیں خاطر نشین کیجیے ؎

تو جانِ مسیحا سے حالت مری جا کہنا

اتنا تو کرم مجھ پر اے بادِ صبا کرنا
(استعارہ۔ جانِ مسیحا)

میرا گھر غیرتِ خورشید درخشاں ہوگا
خیر سے جانِ قمر جب کبھی مہماں ہوگا
(جانِ قمر۔ استعارہ)

ماہِ طیبہ نیّرِ بطحا صلی اللہ علیک وسلم
تیرے دم سے عالم چمکا صلی اللہ علیک وسلم
(ماہِ طیبہ، نیّرِ بطحا۔ استعارے ہیں)

وہ ہیں خورشیدِ رسالت نور کا سایہ کہاں
اس سبب سے سایۂ خیر الورا ملتا نہیں
(خورشیدِ رسالت۔ استعارہ)

بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں
کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں
(گل عذار۔ استعارہ)

بہارِ جاں فزا تم ہو نسیمِ داستاں تم ہو
بہارِ باغِ رضواں تم سے ہے زیبِ جناں تم ہو
(بہارِ جاں فزا، نسیمِ داستاں، زیبِ جناں۔ استعارے ہیں)

علوے مرتبت پیارے تمہارا سب پہ روشن ہے
مکینِ لامکاں تم ہو شہِ عرشِ علا تم ہو
(مکینِ لامکاں، شہِ عرشِ علا۔ استعارے ہیں)

جو ساقیِ کوثر کے چہرے سے نقاب اُٹھے
ہر دل بنے مے خانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ
(ساقیِ کوثر۔ استعارہ)

اگر آئے وہ جانِ نور میرے خانۂ دل میں
مہ و خاور مرا گھر مطلعِ انوار ہوجائے
(جانِ نور۔ استعارہ)

ناخدا باخدا آ کہ بحرِ خدا
میری کشتی تباہی میں آئی ہے
(ناخدا۔ استعارہ ہے)

حضرت نوریؔ بریلوی کے سلامیہ قصائد میں حضورانور ﷺ کے جو اوصاف ہیں وہ سب استعارہ ہیں۔ مثلاً: شہ اورنگِ خلافت، والیِ ملکِ جلالت، رافع، نافع، سرورِ عالی مقام، ماہِ لاہوتِ خلوت، شاہِ ناسوتِ جلوت، وجہِ بعثِ خلقت، نورِ مجسم، رہبرِ جملہ انام، نوری آئینے، کوچۂ پُرنور، رشکِ مہر، جانِ قمر، نیرِ چرخِ رسالت، نورِ چشمِ انبیا وغیرہ۔

علاوہ ازیں مختلف اشعار میں، شہِ ہر دوسرا، آفتابِ ہاشمی، مہرِ عجم، ماہِ عرب، بدرالدجیٰ، فضلِ اتم، شانِ کرم، جانِ کرم، کانِ کرم وغیرہ استعارات میں ترکیب سازی بھی کام لیا گیا ہے۔

کنایہ

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں ملزوم کا ذکر کر کے لازم مراد لیتا ہے تو اسے کنایہ کہتے ہیں۔

کنایہ لغوی اور مرادی دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں اور استعارے میں یہ فرق پیدا ہو گیا ہے کہ استعارہ صرف مرادی معنی ترسیل کرتا ہے مثلاً: سفید پوش (شریف)، سفید ریش (بوڑھا)، مگس کی قے (شہد)، قندیلِ فلک (چاند)، دبیرِ فلک (عطارد) وغیرہ۔

چوں کہ اس کی مثالیں بھی کلامِ نوریؔ میں موجود ہیں لہٰذا اس سلسلے میں دو شعر نشانِ

خاطر فرمائیں .... کنایہ کبھی استعارہ کے رنگ میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس وقت اس کو "استعارہ بالکنایہ" کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے مثالیں ؎

اس جبہ سائی کے سبب شب کو اسی سرکار نے
انعام میں ٹیکا دیا مہرِ عجم ماہِ عرب
اور صبح کو سرکار سے اس کو ملا نوریؔ صلہ
عمدہ سا جھومر پُر ضیا مہرِ عجم ماہِ عرب

(یہاں۔ ٹیکا سے مراد چاند ہے جھومر سے مراد ہے سورج استعارہ بالکنایہ ہے۔ ماہِ عجم مہرِ عرب استعارے ہیں)

تشبیہ، استعارہ اور کنایہ کی متذکرہ بالا مثالیں کلامِ نوریؔ سے پیش کی گئی ہیں۔ آپ نے اپنے کلام میں علمِ بیان کے ان زیوروں کو جس احسن انداز سے برتا ہے اور اردو کے ساتھ فارسی لفظیات کی ترکیب کے جو جوہر بکھیرے ہیں وہ آپ کی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کی روشن دلیل پیش کرتے ہیں۔ آپ کے ذہنِ رسا نے اچھوتے اور نرالے استعارات و تشبیہات کو اپنے اشعار میں بڑی سادگی و صفائی سے اس طرح نظم کیا ہے کہ ان کو پڑھنے کے بعد ایک طرح کے کیف آگیں جذبات سے روح سرشار ہونے لگتی ہے۔

{............}

کلامِ نوریؔ میں صنائع بدائع

علمِ بیان کی طرح صنائع بدائع بھی کلام کی آرایش و زیبایش کا ایک وسیلہ ہے۔ اس سے کلام میں حُسن اور لطف کی کیفیت میں اضافہ ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کو لوازمِ شاعری میں شمار کیا جاتا ہے۔ البتہ صنائع بدائع کا استعمال بڑی سلیقہ مندی کا متقاضی ہے۔ حدِ اعتدال سے زیادہ اس کا استعمال کلام میں حُسن وخوبی کے بجائے بے کیفی اور عیب جوئی کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

اصنافِ غزل و قصیدے میں صنائع بدائع کے استعمال کی بڑی گنجایش ہے کیوں کہ اس میدان میں مبالغہ اور غلو پر کوئی پابندی یا قدغن نہیں ہے۔ لہٰذا شعرا صنائع بدائع کے استعمال کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جس طرح غزل اور قصیدہ میں صنائع بدائع کا استعمال آسان ہے۔ نعت کے تنگنائے میں اس کا استعمال اُتنا ہی دشوار اور مشکل ہے۔ اس لیے کہ یہاں غلو اور

مبالغہ کا ہرگز گذر نہیں۔ البتہ نعت پاک میں صنعتِ تلمیح، صنعتِ تلمیع، لف ونشر مرتب وغیر مرتب، مراعاۃ النظیر، صنعتِ اقتباس (قرآن وحدیث کے حوالے یا اشارے وغیرہ) خاص طور سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے استعمال کے لیے بھی شعری تجربہ اور سلیقہ درکار ہے۔

دراصل عصرِ موجودہ کی شاعری میں بیان وبدیع نیز بہت سے فنی اور عروضی اصولوں اور نزاکتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی اور نہ ہی شعرا ان فنون اور آدابِ شاعری سے واقفیت کو ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں۔ لیکن ۲۰ رویں صدی کے کم سے کم نصفِ اول تک ان باریکیوں اور فنی قیود وآداب پر توجہ ضروری سمجھی جاتی تھی۔

گو حضرت نوریؔ بریلوی کا وصال بیسویں صدی کی نویں دہائی (۱۹۸۱ء) میں ہوا۔ لیکن آپ نے اپنا دیوان ''سامانِ بخشش'' بیسویں صدی کے نصفِ اول یعنی بیسویں صدی کی چوتھی دہائی ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۴ء ہی میں مرتب کرلیا تھا۔ لہٰذا آپ کے دور کی روایت میں فنی قیود وآداب کی پوری پابندی کی جاتی تھی اور خود حضرت نوریؔ بریلوی نے ان آداب کا خیال رکھا ہے۔

صنائع بدائع کے نقطۂ نظر سے حضرت نوریؔ بریلوی کے کلام کے محاسن میں...... ''صنائع معنوی اور صنائع لفظی'' ...... دونوں کے نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

صنائع معنوی

تعریف: ظاہری طور پر معنویت پر منحصر صنعتوں کو صنائع معنوی کہتے ہیں۔ لیکن الفاظ کے بغیر معنوی صنعت کا وجود ممکن نہیں۔ ایہام، مبالغہ، مراعاۃ النظیر، تضاد، تنسیق الصفات، لف ونشر مرتب وغیر مرتب، تلمیح، حُسنِ تعلیل اور ہجو وغیرہ معروف صنائعِ معنوی ہیں۔

(۱) مراعاۃ النظیر

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں ایک لفظ کی رعایت سے اس کے مترادف الفاظ کا استعمال کرتا ہے تو اسے مراعاۃ النظیر کہتے ہیں۔ مثلاً: برسات کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ بارش، بادل، گرج، چمک، بجلی وغیرہ کا ذکر کیا جائے۔ یا چمن کا ذکر اس طرح ہو کہ پھول، پتی، شاخ، خوشبو، وغیرہ کا بیان ہو، ہر صنفِ شاعری میں یہ صنعت عام طور سے استعمال کی جاتی ہے اس سے کلام میں حُسن پیدا ہوجاتا ہے۔ کلامِ نوریؔ سے مثالیں نشانِ خاطر ہوں ـــ

گُل سے مطلب ہے جہاں ہو عندلیبِ زار کو
گُل نہ ہو تو کیا کرے بلبل کہو گُل زار کا
(گُل، عندلیب، بلبل، گُل زار)

کب ستارہ کوئی چمکا سامنے خورشید کے
ہو نبی کیسے نیا مہر عجم ماہِ عرب
(ستارہ، چمک، خورشید، مہر، ماہ)

میری آنکھوں، میرے سر پر، میرے دل پر، میرے جگر پر
پائے اقدس رکھ دو شاہا صلی اللہ علیک وسلم
(آنکھ، سر، دل، جگر، پا)

دور ساحل موج حائل پار بیڑا کیجیے
ناؤ ہے منجدھار میں اور ناخدا ملتا نہیں
(ساحل، موج، بیڑا، ناؤ، منجدھار، ناخدا)

نسیم فیض سے غنچے کھلانے آئے ہیں
کرم کی اپنی بہاریں دکھانے آئے ہیں
(نسیم، غنچہ، کھلانے، بہار)

بہارِ جاں فزا تم ہو نسیم داستاں تم ہو
بہار باغ رضواں تم سے ہے زیبِ جناں تم ہو
(بہار، نسیم، باغ)

کعبہ واقصیٰ وعرش وخلد نوریؔ ہیں مگر

ہے نرالا سب عالم جلوہ گاہِ یار کا
(کعبہ،اقصیٰ،عرش،خلد)

کلامِ نوری میں مراعاۃ النظیر کی بے پناہ مثالیں بکھری نظر آتی ہیں۔لیکن مقالے کی ضخامت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے چند پر ہی اکتفا کیا جارہا ہے۔

(۲) صنعتِ تضاد

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہوں تو اسے صنعتِ تضاد کہتے ہیں۔اس صنعت کو تکافو، طباق اور مطابقت بھی کہتے ہیں۔یہ صنعت بھی بہ کثرت استعمال ہوتی ہے صرف چند مثالوں پر ہی اکتفا کیا جارہا ہے۔

ہے خشک وتر پہ قبضہ جس کا وہ شاہِ جہاں یہ ہے
یہی ہے بادشاہ بر کا یہی سلطاں سمندر کا
(خشک وتر۔ بر وسمندر)

آبلہ پا چل رہا ہے بے خودی میں سر کے بل
کام دیوانہ بھی کرتا ہے بڑے ہشیار کا
(دیوانہ وہشیار)

گل ہو صحرا میں تو بلبل کے لیے صحرا چمن
گل نہ ہو گلشن میں تو گلشن ہے اک بَن خار کا
(صحراوچمن۔گل وخار)

صبح روشن کی سیہ بختی سے اب شام ہوئی
کب قمر نور وہ شامِ غریباں ہوگا
(صبح وشام)

ظلمتیں سب مٹ گئیں ناری سے نوری ہوگیا

جس کے دل میں بس گیا مہرِ عجم ماہِ عرب
(ناری ونوری)

(۳) صنعتِ تنسیق الصفات

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں کسی کا ذکر صفاتِ متواتر سے کرے تو اسے صنعتِ تنسیق الصفات اور تواتر کہتے ہیں۔اس سلسلے میں کلامِ نوری سے مثالیں خاطر نشین ہوں ۔

ماہِ تاباں تو ہوا مہرِ عجم ماہِ عرب
ہیں ستارے انبیا مہرِ عجم ماہِ عرب

تم ہو شہ اورنگِ خلافت تم ہو والیِ ملکِ جلالت
تم ہو تاجِ رفعت والے تم پر لاکھوں سلام

تم ہو جوہرِ فردِ عزت تم ہو جسم و جانِ وجاہت
تم ہو تاجِ رفعت والے صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

تم ہو اول تم ہو آخر تم ہو باطن تم ہو ظاہر
حق نے بخشے ہیں یہ اسما صلی اللہ علیک وسلم

بہارِ جاں فزا تم ہو نسیمِ داستاں تم ہو
بہارِ باغِ رضواں تم سے ہے زیبِ جناں تم ہو

تو شمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

(۴) لف ونشر

تعریف: وہ صنعت جس میں شاعر کسی شعر کے ایک مصرعے میں چند خیالات یا چیزوں کا ذکر کرتا ہے پھر دوسرے مصرعے میں چند اور خبریں بیان کرتا ہے جو پہلی چیزوں سے

مشابہت رکھتی ہیں۔مگر اس طرح کہ ہر ایک کی نسبت اپنے منسوب الیہ سے مل جائے تو اس صنعت کولف ونشر کہا جاتا ہے۔یہ صنعت بھی کثیر الاستعمال اور علمۃ الورود ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں۔

لف ونشر مرتب

تعریف: اس میں دونوں مصرعوں میں خیالات و اشیا کے مناسبات ترتیب میں ہوتے ہیں۔کلامِ نوریؔ سے مثالیں ؂

کجا ہم خاک افتادہ کجا تم اے شہ والا
اگر مثلِ زمیں ہم ہیں تو مثلِ آسماں تم ہو

ہم ہیں جتنے خاطی مخطی آپ ہیں اس سے زائد معطی
عفو وصفح وعنایت والے صلی اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

لف ونشر غیر مرتب

تعریف: لف ونشر غیر مرتب میں خیالات یا اشیا کسی ترتیب میں نہ ہوں یا معکوس ترتیب میں ہوں۔مثلاً ؂

نہار چہرۂ والا تو گیسو ہیں واللیل
بہم ہوئے ہیں یوں لیل ونہار آنکھوں میں

ساوا ڈوبا ہوا اور ساوا خشک ہوا
خزاں کا دور گیا موسمِ بہار آیا

(۵)صنعتِ تلمیح

تعریف: مذہبی، تاریخی، سماجی، ثقافتی وغیرہ روایات و واقعات میں سے کسی ایک واقعہ یا قصہ کی طرف شعر میں اشارہ کرنا تلمیح ہے۔مذہبی شاعری میں صنعتِ تلمیح کے بغیر شعر میں وقار اور علمیت برپا ہو ہی نہیں سکتی اور نہ ہی شعری حُسن اور مضمون آفرینی کے جلوے بکھر سکتے ہیں۔

صنعتِ تلمیح کے استعمال کا تعلق شاعر کے علم وفضل سے بھی ہے۔حضرت نوریؔ بریلوی تو مفتی اعظمِ ہند ہیں۔فقہ، حدیث، تفسیر اور دیگر علومِ دینیہ کے کوہِ گراں ہیں۔ظاہر ہے آپ کے کلام میں اس صنعت کا موزوں اور اعلا استعمال ناگزیر ہے۔چناں چہ کلامِ نوریؔ سے اس صنعت

کی چند مثالیں خاطر نشین ہوں ؂

جمالِ حق نما دیکھیں عیاں نورِ خدا پائیں
کلیم آئیں ہٹا دیکھیں ذرا پردہ ترے در کا

شہرہ لبِ عیسیٰ کا جس بات میں ہے مولا
تم جانِ مسیحا ہو ٹھوکر سے ادا کرنا

اک اشارے سے قمر کے تم نے دو ٹکڑے کیے
مرحبا صد مرحبا مہرِ عجم ماہِ عرب
(معجزۂ شق القمر کا واقعہ)

تمہارے فیض سے لاٹھی مثالِ شمع روشن ہو
جو تم لکڑی کو چاہو تیز تر تلوار ہو جائے
(عصائے صحابہ کا مثلِ شمع روشن ہونا۔۔۔۔میدانِ جنگ میں لکڑی کا تلوار بن جانا)

تمہارے حکم کا باندھا ہوا سورج پھرے الٹا
جو تم چاہو کہ شب دن ہو ابھی سرکار ہو جائے
(اشارۂ مصطفوی سے ڈوبے ہوئے سورج کا دوبارہ طلوع ہو جانا)

بوجہلِ لعیں کلمہ پڑھتا دیکھا ہی نہیں اس نے شاہا
پردوں والی صورت والے تم پر لاکھوں سلام

تیرے نقشِ قدم نے سرور پتھر موم بنائے یک سر
موم بنا دلِ سنگیں میرا صلی اللہ علیک وسلم
(حضور ﷺ پتھر پر قدم رکھتے تو وہ موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا)

کون گیا ہے عرشِ علا تک کس کی رسائی ذاتِ خدا تک
تم نے پایا رتبہٗ اعلا صلی اللہ علیک وسلم

اب کلامِ نوریؔ سے صنعتِ تلمیح کی چند ایسی مثالیں پیش ہیں جن کی تشریح وتصریح کے لیے مذہبی دیدہ وری کی ضرورت ہے ۔

پایا تم نے رتبہٗ علیا قابَ قوسین او ادنیٰ
حق سے ایسی قرابت والے صلی اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
صلی اللہ صلی اللہ
(معراج میں قرب کا واقعہ)

آدم سے تا حضرتِ عیسیٰ سب کی خدمت میں ہو آیا
نفسی سب نے ہی فرمایا صلی اللہ علیک وسلم

(بروزِ محشر خلقِ خدا حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے انبیا علیہم السلام کے پاس شفاعت کے لیے جائے گی مگر سب اذہبوا الیٰ غیری فرمائیں گے۔ آخر میں سب حضور نبیِ آخرالزماں ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور آپ فرمائیں گے
-----انا لہا انا لہا)

وہ آئے جن کے آنے کی خبر تھی مدت سے
دعا خلیل کی عیسیٰ کی جو بشارت تھے

وقتِ ولادت تم نہیں بھولے وقتِ رحلت یاد ہی رکھے
اپنے بندے تم نے شاہا صلی اللہ علیک وسلم

ساوا ڈوبا ہوا اور ساوا خشک ہوا
خزاں کا دور گیا موسمِ بہار آیا
(سرکارِ ابد قرار ﷺ کی ولادتِ پاک پر ساوا دریا خشک ہو گیا تھا اور خشک ساوا جاری)

ہزار سال کی روشن شدہ بجھی آتش
یہ کفر و شرک کی آتش بجھانے آئے ہیں
(سرکارِ ابد قرار ﷺ کی ولادتِ پاک پر ہزار سال سے روشن آگ بجھ گئی)

(۶) صنعتِ حُسنِ تعلیل

تعریف: جب شاعر کسی واقعے کا وہ سبب بیان کرے جو اصلاً اس واقعے کا سبب نہ ہو تو اس کو صنعتِ حُسنِ تعلیل کہتے ہیں۔

شعرا و ادبا صنعتِ حُسنِ تعلیل کو شاعری کی جان مانتے ہیں۔ شاعر کی قوتِ متخیلہ اشیائے کائنات کی حقیقی علل سے ہٹ کر ان کے لیے نئی علتیں تراشتی ہے جس سے کلام میں لطف و تاثیر اور کیف پیدا ہو جاتا ہے۔ کلامِ نوریؔ سے اس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں ۔

سرو و سنبل اور سمن شمشاد و صنوبر اور سوسن
نرگس نسریں سارا چمن اس کی ثنا میں نغمہ زن

تیرے باغِ حُسن کی رونق کا عالم کیا کہوں
آفتاب اک زرد پتہ ہے ترے گل زار کا

دھو دیں گنہ کے کالے دھبے ابرِ کرم کے برسیں جھالے
گیسوؤں والے رحمت والے تم پر لاکھوں سلام

یہ آج کاہے کی شادی ہے عرش کیوں جھوما
لبِ زمیں نے لبِ آسماں کو کیوں چوما

نظر کے ایسے قوی ہیں طیور آنکھوں میں
یہ آ رہا ہے دلِ ناصبور آنکھوں میں

غلافِ چشم کے اُٹھتے ہی آسمان گئے
نظر کے ایسے قوی ہیں طیور آنکھوں میں

یہ سرِ طور سے گرتے ہیں شرارے نوریؔ
روئے پُرنور پہ یا وارے ہیں تارے گیسو

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہو گئے
منھ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا

(۷) صنعتِ ارصاد

تعریف: جب شاعر کسی شعر کے پہلے مصرعے میں کوئی ایسا مخصوص لفظ استعمال کرے جو شعر کے لیے متوقع قافیہ ذہن میں لائے۔ ”بولتے ہوئے قافیے“ اسی صنعت سے ذہن میں آتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے اس صنعت کی مثالیں خاطر نشین ہوں ؎

ہزار سال کی روشن شدہ بجھی آتش
یہ کفر و شرک کی آتش بجھانے آئے
حضور بہرِ خدا داستانِ غم سن لیں
غمِ فراق کا قصہ سنانے آئے ہیں
کھلے گی میرے بھی دل کی کلی کہ جانِ جناں
چمن میں پھول کرم کے کھلانے آئے ہیں
گل سے مطلب ہو جہاں ہو عندلیبِ زار کو
گل نہ ہو تو کیا کرے بلبل کہو گل زار کا

اس اشعار کے پہلے مصرعے میں ”بجھی“...... ”سُن“...... ”کھلے“...... اور ”گل“ بہ طور ارصاد ہیں جن سے دوسرے مصرعوں کے قافیے ”بجھانے“...... ”سنانے“...... ”کھلانے“ ...... اور ”گل زار“ متلازم ہیں۔ اس صنعت کو ”تسہیم“ بھی کہتے ہیں۔

(۹) صنعت استشہاد

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں اپنے تخلص کو اس طرح استعمال کرے کہ وہ مضمون کا حصہ بن جائے تو اسے صنعت استشہاد کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے اس صنعت کی مثال نشانِ خاطر ہو ؎

کعبہ و اقصیٰ و عرش و خلد نوریؔ ہیں مگر
ہے نرالا سب سے عالم جلوہ گاہِ یار کا

کلامِ نوریؔ کی متذکرہ بالا مثالیں صنائعِ معنوی سے متعلق ہیں۔ ان مثالوں سے نوریؔ بریلوی کی فصاحت و بلاغت آشکار ہوتی ہے۔ ایک خالص مذہبی و دینی شاعر ہونے کے باوصف آپ کے یہاں شعری و فنی محاسن کی جو جلوہ گری ہے وہ آپ کے اہلِ زبان و بیان شاعر ہونے پر دال ہے۔ صنائعِ معنوی کے بعد نوریؔ بریلوی کے کلام سے صنائعِ لفظی کی مثالیں نشانِ خاطر ہوں۔

صنائعِ لفظی

تعریف: وہ صنعتیں جن میں منفرد الفاظ کا ہنرمندی سے استعمال کیا جائے صنائعِ لفظی کہلاتی ہیں۔ تجانیس، ایک یا زائد لفظوں کا استعمال، سجع، تلمیع، اقتباس، ردالعجز، مسمط، تاریخ گوئی، نقطوں یا بغیر نقطوں کی صنعت اور معما وغیرہ معروف صنائعِ لفظی ہیں۔

(۱) صنعتِ تجنیس

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں ایسے دو لفظوں کا استعمال کرے جو تلفظ میں یک ساں اور معنی کے اعتبار سے مختلف ہوں تو اسے صنعتِ تجنیس کہتے ہیں۔

صنائع لفظی میں صنعتِ تجنیس کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ صنعتِ تجنیس کی متعدد قسمیں ہیں لیکن ان میں "تجنیسِ تام" سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

الف: تجنیسِ تام کی مثالیں:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ جو لکھنے پڑھنے اور بولنے میں ایک جیسے ہوں لیکن ان کے معنی جدا جدا ہوں تو اسے صنعتِ تجنیسِ تام کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے مثالیں خاطر نشین ہوں ؎

نگاہِ مہر سے اپنی بنایا مہر ذرّوں کو
الٰہی نور دن دونا ہو مہر ذرّہ پرور کا
(ایک مہر کا معنی ہے مہربانی وعنایت اور دوسرے مہر کا معنی ہے سورج)

کیا کرے سونے کا کُشتہ، کُشتہ تیرے عشق کا
دید کا پیاسا کرے کیا شربتِ دینار کا
(ایک کُشتہ کا معنی ہے اکسیر یا پھونکی ہوئی دھات۔ دوسرے کا معنی قتل ہونا یا ذبح ہوجانا)

پاوں کیا میں دل میں رکھ لوں پاؤں جو طیبہ کے خار
مجھ سے شوریدہ کو کیا کھٹکا ہو نوکِ خار کا
(پاوں، پیر۔ پاؤں یعنی مل جائے یا حاصل ہوجائے)

دیس سے ان کے جو الفت ہے تو دل نے میرے
اس لیے دیس کا جنگلہ بھی تو گانے نہ دیا
(دیس، ملک۔ دیس، ایک قسم کا راگ)

تمہارا فیض ہی ساری ہے ان ساری بہاروں میں
بہاروں میں نہاں تم ہو بہاروں سے عیاں تم ہو

(ساری، جاری، رواں۔ ساری، مکمل، پوری)

نظر عارف کو ہر عالم میں آیا آپ کا عالم
نہ ہوتے تم تو کیا ہوتا بہارِ جاں فزا تم ہو
(عالم، دنیا، جہاں۔ عالم، جلوہ، تجلّی)

ب: تجنیس مضارع:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ جو تلفظ میں یک ساں ہوں لیکن بعض حروف مختلف اور قریب المخرج ہوں تو اسے صنعتِ تجنیسِ مضارع کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے چند مثالیں ؎

کچھ ایسے نیک عمل بھی ہیں یا یونہی امل ہی ہے
دنیا کی بھی ہر شئی کا تم لیتے ہو بیعانہ
(عمل اور اَمل کے پہلے حروف مختلف لیکن قریب المخرج ہیں)

برے احوال ہیں اس روز اف اف
بہت اہوال بہ کا سامنا ہے
(احوال اور اہوال میں دوسرے حروف مختلف لیکن قریب المخرج ہیں)

ج: تجنیس زائد:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جن میں ایک حرف کی کمی یا بیشی ہو تو اسے صنعتِ تجنیسِ زائد کہتے ہیں۔ اسے تجنیس مطرّف اور ناقص بھی کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے چند مثالیں ؎

مظالم کرلیں جتنے ہوویں ظالم
نہ کر غم نوریؔ کہ اپنا بھی خدا ہے
("مظالم" اور "ظالم" میں تجنیس زائد ہے)

بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں

کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں
(''عذار''اور''زار''میں تجنیس زائد ہے)

د: تجنیس مذیل:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرے۔ جن میں سے ایک میں دو حرف زائد ہوں تو اسے صنعتِ تجنیسِ مذیل کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے مثال ؎

شب کو شبنم کی مانند رویا کیے
صورتِ گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے
(''شب''اور''شبنم''میں تجنیس مذیل ہے)

ہ: تجنیس خطی:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ جن میں نقطوں کی کمی بیشی یا ان کے مقام میں تبدیلی ہو تو اسے صنعتِ تجنیسِ خطی کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے مثالیں ؎

سراپا کوئی تو غرقِ عَرَق ہے
کسی کے منہ تک آکر رہ گیا ہے
(''غرق''اور''عرق'' کی تحریر میں ایک نقطے کا فرق ہے)

خدا ہے تو نہ خدا سے جدا ہے اے مولا
ترے ظہور سے رب کا ظہور آنکھوں میں
(''خدا''اور''جدا'' کی تحریر میں ایک نقطے کا فرق ہے)

و: تجنیس محرف:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ جن میں حرکات (زبر، زیر یا پیش) کا اختلاف ہو تو اسے صنعتِ تجنیسِ محرف کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے مثالیں ؎

خزاں کا دَور ہوا دُور وہ جہاں آئے

ہوئی ہے قدموں سے ان کے بہار آنکھوں میں
(''دَور''اور''دُور''میں دال کی حرکت مختلف ہے)

ماں باپ بھائی بہن فرزند و زن اک اک جدا
غم زَدا ہر ایک ہے اور غم زُدا ملتا نہیں
(''غم زَدا''اور''غم زُدا''میں زا کی حرکت مختلف ہے)

ز: تجنیس صوتی:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ جن میں ایک سے زائد حرف کی تکرار پائی جائے تو اسے صنعتِ تجنیسِ صوتی کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے مثال ؎

نظر نظیر نہ آیا نظر کو کوئی کہیں
جچے نہ غلماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں
(یہاں''ن، ظ، ر'' کی تکرار نمایاں ہے)

ح: تجنیس سرحرفی:

تعریف: جب شاعر کسی شعر کے کسی مصرعے یا ترکیب میں ایسے الفاظ کا استعمال کرے جن میں کئی لفظ ایک حرف سے شروع ہوں تو اسے صنعتِ تجنیسِ سرحرفی کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے مثال ؎

مَے محبت محبوب سے یہ ہیں سرسبز
بھری ہوئی ہے شرابِ طہور آنکھوں میں
(''مَے، محبت، محبوب''میں میم سے سرحرفی تجنیس پیدا ہوگئی ہے)

ط: تجنیس قلب:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ جو صوتی ترتیب اور معنوں میں جدا ہوں لیکن جن کی تقلیب سے ایک سے دوسرے کے معنی حاصل ہوں تو اسے صنعتِ تجنیسِ قلب کہتے ہیں۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ کلامِ نوریؔ میں تجنیس قلبِ بعض کی مثال ملتی ہے۔

تجنیس قلبِ بعض کی تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ جن میں الفاظ کے بعض اجزا کی تقلیب ہوتی ہے اور ایک سے دوسرے کے معنی حاصل ہوتے ہیں تو اسے صنعتِ تجنیسِ قلبِ بعض کہتے ہیں۔

کیوں مجھے خوف ہو محشر کا کہ ہاتھوں میں مرے
دامنِ حامیِ خود ، ماحیِ عصیاں ہوگا
(''حامی'' اور ''ماحی'' میں تجنیس قلبِ بعض ہے)

(۲) صنعتِ تلمیع

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں کسی دوسری زبان کے لفظ کا استعمال کرتا ہے تو اسے صنعتِ تلمیع کہتے ہیں۔ اس صنعت کے برمحل استعمال کے لیے تبحرِ علمی کی ضرورت ہے۔ اردو زبان کا عام شاعر اس کو برت نہیں سکتا۔ حضرت نوریؔ بریلوی کی تبحرِ علمی اظہر من الشمس ہے۔ آپ کے یہاں اس صنعت کا بہ کثرت اور نہایت خوب صورتی سے استعمال ہوا ہے۔

حضرت نوریؔ بریلوی کی حمدیہ نظم بعنوان ''اذکارِ توحید ذات، اسماوصفات و بعض عقائد'' (مخمس میں) ہر بند میں۔ ''لا الہ الا اللہ امنا برسول اللہ'' مکرر ہے۔ علاوہ اس کے کوئی بند عربی میں جیسے ؎

ربی حسبی جل اللہ مافی قلبی غیر اللہ
حق حق حق اللہ اللہ رب رب رب سبحان اللہ
لا الہ الا اللہ امنا برسول اللہ

ایک سلام کا یہ شعر دیکھیے مصرع اُولیٰ عربی میں ہے اس کے علاوہ ہر مصرع ثانی میں ''صلی اللہ علیک وسلم'' آیا ہے جو عربی میں ہے ؎

بارکَ شرّف مجّد کرّم نوّر قلبک اسریٰ علّم
رب نے تم کو کیا کیا بخشا صلی اللہ علیک وسلم

از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب
ہو چکا تجھ سے مداوا عشق کے بیمار کا

(مصرع اولیٰ فارسی میں ہے)

چہ نسبت خاک را باعالمِ پاک کہ اے مولا
گدائے بے نوا ہم ہیں شہ عرش آستاں تم ہو
(مصرع اولیٰ فارسی میں ہے)

حضرت صابر پیا کلیر علیہ الرحمۃ کی منقبت حضرت نوریؔ بریلوی نے پوربی زبان میں لکھی ہے جس میں ہندی الفاظ مثلاً۔۔۔۔ درشن، چرن، سپنا وغیرہ بھی آئے ہیں۔ دو شعر دیکھیے ؎

چیری کو اپنے چرنوں لگالے
میں پروں تورے پیّاں صابر
سپنے ہی میں درشن دکھلادو
موکو مورے گیّاں صابر
(خط کشیدہ الفاظ ہندی زبان کے ہیں)

(۳) صنعتِ اقتباس یا عُقد

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں کوئی آیت یا حدیث اس طرح استعمال کرے کہ اس کے اصل الفاظ اپنے سیاق میں نہ رہیں تو اسے صنعتِ اقتباس یا عُقد کہتے ہیں۔

اس صنعت کو شعر میں کماحقہٗ استعمال کے لیے بہت زیادہ علمیت کی ضرورت ہے۔ نوریؔ بریلوی کی عالمانہ حیثیت واضح ہے، چناں چہ ان کے ہاں اس کی مثالیں بہت ملتی ہیں۔ چند مثالیں نشانِ خاطر فرمائیں ؎

آپ کا ید یدِ ربّ واحد فوق ایدیہم ہے شاہد
اے ربانی بیعت والے تم پر لاکھوں سلام
(قرآنی آیت کا جزو)

قولِ حق ہے قول تمہارا ان ہو الا وحیٌ یوحی
صدق وحق و امانت والے تم پر لاکھوں سلام

(قرآنی آیت کا جزو)

ربِّ سلِّم کی دعا سے پار بیڑا کیجیے
راہ ہے تلوار پر نیچے ہے دریا نار کا
(حدیث پاک)

زبانِ انبیا پر آج نفسی نفسی ہے
مگر حضور شفاعت کی ٹھانے آئے ہیں
(حدیث پاک)

سبھی رسل نے کہا اذھبوا الیٰ غیری
انا لھا کا یہ مژدہ سنانے آئے ہیں
(حدیث پاک)

کیا کہوں کیسے ہیں پیارے ترے پیارے گیسو
دونوں عارض ہیں ضحی لیل کے پارے گے
(قرآن پاک)

تاج رکھا ترے سر رفعنا کا
کس قدر تیری عزت بڑھائی ہے
(قرآن پاک)

انا قاسمٌ سے ہے روشن جہاں میں
جسے جو ملا وہ تمہارا دیا ہے
(حدیث پاک)

مصطفیٰ ماجآ الا رحمۃ للعٰلمین

چارہ سازِ دوسرا تیرے سوا ملتا نہیں
(قرآن پاک)

من رأنی راء الحق سنا کر چلے
میرا جلوہ ہے حق کا جتا کر چلے
جز بشر اور کیا دیکھیں خیرہ نظر
ایکم مثلی کو وہ سنا کر چلے
(قطعہ بند۔حدیث پاک)

....

(۴) صنعتِ ذولسانین

تعریف : شعر جس کے دو مصرعے دو مختلف زبانوں میں ہوں تو اسے صنعتِ ذو لسانین کہتے ہیں۔

کلامِ نوریؔ میں اس کی بہ کثرت مثالیں ملتی ہیں چند ملاحظہ ہوں ؎

بارکَ شرَّف مجَّد کرَّم نوِّر قلبک اسریٰ علَّم
رب نے تم کو کیا کیا بخشا صلی اللہ علیک وسلم
(مصرع اولیٰ عربی میں ہے)

از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب
ہو چکا تجھ سے مداوا عشق کے بیمار کا
(مصرع اولیٰ فارسی میں ہے)

....

(۵) صنعتِ مسمّط

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں اصل قافیے کے علاوہ تین مسجع یا ہم وزن فقرے یا قافیے مزید نظم کرے تو اسے صنعتِ مُسَمّط کہتے ہیں۔ کلامِ نوری سے مثالیں خاطر نشین ہوں

ے

ہر شئے میں ہے تیرا جلوا، تجھ سے روشن دین و دنیا
بانٹا تو نے نور کا باڑا صلی اللہ علیک وسلم
منہ تک میرے پسینہ پہونچا، ڈوبا ڈوبا ڈوبا ڈوبا
دامن میں لے لیجے آقا صلی اللہ علیک وسلم
آدم سے تا حضرت عیسا، سب کی خدمت میں ہو آیا
نفسی سب نے ہی فرمایا صلی اللہ علیک وسلم
میرے آقا میرے مولا، آپ سے سن کر آئی لبہا
دم میں ہے دم میرے آیا صلی اللہ علیک وسلم

(۶) صنعت ارسال المثل

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں ضرب المثل کا استعمال کرے تو اسے صنعتِ ارسال المثل کہتے ہیں۔ کلامِ نوری سے اس صنعت کی مثال نشانِ خاطر ہو
ے

یہ ایسا اس کا حکمِ شرک و بدعت
اسے ''ساون کے اندھے کا ہرا'' ہے

(۷) صنعت اشتقاق

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں ایک اصل کے ہم معنی الفاظ یا معنوی ہم آہنگی رکھنے والے ایک ہی مشتق کے مختلف الفاظ استعمال کرے تو اسے صنعتِ اشتقاق کہتے ہیں۔ کلامِ نوری سے اس صنعت کی مثالیں نشانِ خاطر ہوں
ے

گل ہو صحرا میں تو بلبل کے لیے صحرا چمن
گل نہ ہو گلشن میں تو گلشن ہے اک بَن خار کا

گل سے مطلب ہو جہاں ہو عندلیبِ زار کو
گل نہ ہو تو کیا کرے بلبل کہو گل زار کا

(۸) صنعت تضمین مزدوج

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں ہم وزن اور مقفا لفظ کسی بھی مقام پر نظم کرے تو اسے صنعتِ تضمین مزدوج کہتے ہیں۔ کلامِ نوری سے اس صنعت کی مثال نشانِ خاطر ہو
ے

تم ہو ماہِ لاہوتِ خلوت
تم ہو شاہِ ناسوتِ جلوت
تم ہو آبِ عینِ رحمت
تم ہو تابِ ماہِ ندرت
تم ہو سایۂ ربِّ عزت
تم ہو مایۂ خلق و خلقت
چمک سے اپنی جہاں جگمگانے آئے ہیں
مہک سے اپنی یہ کوچے بسانے آئے ہیں

بہ طور مثال پیش کیے گئے جملہ اشعار کے خط کشیدہ الفاظ تضمین مزدوج کے بہترین عکاس ہیں۔

(۹) صنعت ذوقافیتین

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں دو قافیے نظم کرے تو اسے صنعتِ ذو قافیتین کہتے ہیں۔ کلامِ نوری سے اس صنعت کا شہ پارہ ملاحظہ ہو
ے

پیام لے کے جو آئی صبا مدینے سے
مریضِ عشق کی لائی دوا مدینے سے
اسے ''ساون کے اندھے کا ہرا'' ہے

آئی۔صبا/لائی۔دوا...... دوہرے قوافی ہیں۔ اس صنعت کو تشریع بھی کہتے ہیں۔

(۱۰) تاریخ گوئی

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا قطعہ میں کسی واقعے کی عیسوی یا ہجری سال کی تاریخ نظم کرتا ہے تو اسے تاریخ گوئی کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے مثالیں پیش ہیں ؎

مر گیا فیضان جس کی موت سے
ہائے وہ "فیض اتما" جاتا رہا ۱۳۸۲ھ

"یا مجیب اغفرلہ" تاریخ ہے ۱۳۸۲ھ
کس برس وہ رہنما جاتا رہا

دیو کا سر کاٹ کر نوریؔ کہو
"چاند روشن علم کا جاتا رہا" ۱۳۸۲ھ

صنائع لفظی و معنوی کی مذکورہ بالا مثالیں نوریؔ بریلوی کے کلام سے ماخوذ ہیں۔ آپ نے ان صنعتوں کو ادیبانہ مہارت سے اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صنائع کے استعمال سے معنی آفرینی اور خیال آفرینی مفقود ہو جاتی ہے۔ لیکن کلامِ نوریؔ کے مطالعہ کی روشنی میں یہ خیال تقویت پاتا ہے کہ صنعتوں کے استعمال کی گہما گہمی کے باوجود کہیں بھی کسی لفظی جھول کا احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی معنی آفرینی کا عمل متاثر ہوا ہے۔ کلام میں آورد نہیں بلکہ آمد آمد کا جلوہ نظر آتا ہے جو آپ کی مشاقی اور اہلِ زبان و بیان شاعر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

{............}

کلامِ نوریؔ کا عَروضی جائزہ

شاعری ایک ایسا ملکہ ہے جس کا تعلق علم و فضل سے ذرا دور کا ہے۔ یہ ملکہ کبھی نہیں کہ جو چاہے ریاض کر کے سیکھ لے اور شاعر بن جائے۔ بل کہ یہ سراسر وہبی اور فطری ہے۔ کہا یوں گیا ہے کہ شاعر پیدا ہوتا ہے اور عالم بنتا ہے۔ شاعری میں جہاں تک موزونِ طبع اور فکر کی رسائی کا سوال ہے یہ قول بالکل درست ہے۔ مگر فن پر نکھار علم ہی سے آتا ہے۔ کم علم شعرا کے یہاں جذبے کا التہاب، فکر کی بلندی اور نازک خیالی کے ساتھ ساتھ فن کی غلطیاں بھی نظر آجاتی ہیں جو اہلِ علم کو انگشت نمائی پر مجبور کرتی ہیں۔

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کے لیے نہ شاعری ذریعۂ عزت تھی اور نہ ذریعۂ شہرت...... ان کے دل میں حضور ختمی مرتبت ﷺ کی محبت اور عظمت کا جو جذبہ موجزن تھا وہ اظہار بھی چاہتا تھا۔ اور اس اظہار کا سب سے بہتر طریقہ شاعری تھا۔ نعت گوئی کو انہوں نے ذریعۂ عزت یا ذریعۂ شہرت کے بجائے ذریعۂ نجات تصور کیا اور زندگی بھر اپنے جذباتِ محبت و عظمت کو الفاظ کی صورت میں قرطاسِ عقیدت پر منتقل کرتے رہے۔

سامانِ بخشش کے فکر و فن کا جائزہ لیتے ہوئے یہاں عروضی تجزیہ بھی کر لینا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی جس طرح دیگر علوم عقلیہ و نقلیہ میں دسترسِ تامہ رکھتے تھے۔ اسی طرح آپ کو علمِ عروض پر بھی دست گاہ حاصل تھی۔

علمِ عَروض بلاغت کی ایک شاخ ہے جس میں بعض مقررہ طویل و مختصر اصوات کے مجموعے سے کلام میں نظم کیے گئے الفاظ کی اصوات کو مماثل یا دونوں کو ہم وزن کیا جاتا ہے اس طرح کلام کی موزونیت، شعری آہنگ یا موسیقی معلوم ہوتی ہے۔ مقررہ لسانی اصوات کے یہ مجموعے ارکانِ افاعیل یا تفاعیل یا موازین کہلاتے ہیں۔

علم عروض کا موجد خلیل بن احمد بصری کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ جنھوں نے شاعری اور موسیقی

کے زیر وبم میں آہنگ کے مشترک رشتہ کو سمجھا اور اس کی بنیاد پر افاعیل تفاعیل اور ان کے مزاحف وضع کیے۔

خلیل بن احمد کے پندرہ بحور ایجاد کرنے کی روایت عہدِ قدیم سے چلی آرہی ہے۔ عربی، فارسی اور اردو میں صرف 19 / بحریں مروج ہیں۔ تقریباً اتنی ہی تعداد میں اور بحریں وجود میں آئیں مگر مروج نہ ہوسکیں۔ ان 19 / مروجہ بحروں میں سے کچھ اردو کے مزاج سے میل نہیں کھاتیں تو کچھ فارسی کے مزاج کے خلاف ہیں کچھ نہایت مترنم ہیں تو کچھ فارسی کے لیے ثقیل ہیں۔

نوریؔ بریلوی نے مروجہ بحروں میں سے مشہور بحروں میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کے کلام میں استعمال شدہ کچھ بحریں انتہائی مترنم ہیں۔ ''سامانِ بخشش'' کے مکمل کلام کا عروضی جائزہ اگر لیا جائے تو اس کے لیے طویل مقالہ درکار ہے۔ یہاں صرف چند نعتوں کا عروضی جائزہ پیش کرنا مقصود ہے۔

(۱) بحرِ متدارک مثمن سالم (فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن)

قلب کو اس کی رویت کی ہے جستجو
جس کا جلوہ ہے عالم میں ہر چار سو
(۲۰/ بند)

(۲) بحرِ ہزج مثمن سالم (مفاعی لن مفاعی لن مفاعی لن مفاعی لن)

بہارِ جاں فزا تم ہو نسیمِ داستاں تم ہو
بہارِ باغِ رضواں تم سے ہے زیبِ جناں تم ہو
(۲۷/ اشعار)

کوئی کیا جانے جو تم ہو خدا ہی جانے کیا تم ہو
خدا تو کہہ نہیں سکتے مگر شانِ خدا تم ہو
(۲۶/ اشعار)

----

(۳) بحرِ ہزج مثمن اخرب (مفعول مفاعی لن مفعول مفاعی لن)

تو شمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ
(۲۳/ اشعار)

مقبول دعا کرنا منظور ثنا کرنا
مدحت کا صلہ دینا مقبول ثنا کرنا
(۴۶/ اشعار)

----

(۴) بحرِ رمل مثمن مخبون مقطوع (فاعلاتن فَعِلاتن فَعِلاتن فعلن)

کیا کہوں کیسے ہیں پیارے ترے پیارے گیسو
دونوں عارض ہیں ضحیٰ لیل کے پارے گیسو
(۲۰/ اشعار)

----

(۵) بحرِ رمل مثمن مقصور (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات)

وصف کیا لکھے کوئی اس مہبطِ انوار کا
مہر و مہ میں جلوہ ہے جس چاند سے رُخسار کا
(۱۳/ اشعار)

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لے کے پھاہا مرہمِ زنگار کا
(۳۷/ اشعار)

----

(۶) بحرِ رمل مربع سالم

سب سے اعلا عزت والے　　غلبہ و قہر و طاقت والے
حرمت والے کرامت والے　　تم پر لاکھوں سلام
تم پر لاکھوں سلام
(۴۰/بند)

اعلا سے اعلا رفعت والے　　بالا سے بالا عظمت والے
سب سے برتر عزت والے　　صلی اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
صلی اللہ صلی اللہ
(۳۹/بند)

----

(۷) بحرِ متقارب مثمن سالم (فعولن فعولن فعولن فعولن)

حبیبِ خدا کا نظارا کروں میں
دل و جان ان پر نثارا کروں میں
(۱۹/اشعار)

----

(۸) بحرِ متدارک مثمن سالم (فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن)

وہ حسیں کیا جو فتنے اُٹھا کر چلے
ہاں! حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے
(۳۴/اشعار)

----

(۹) بحرِ مجتث مثمن مخبون مقصور (مفاعلن فَعِلاتن مفاعلن فعلان/فَعِلاتن)

کچھ ایسا کردے مرے کردگار آنکھوں
میں
کہ جلوہ گر رہے رُخ کی بہار آنکھوں میں

(۴۰/اشعار)

جو خواب میں کبھی آئیں حضور آنکھوں میں
سرور دل میں ہو پیدا تو نور آنکھوں میں
(۱۶/اشعار)

رُسل انھیں کا تو مژدہ سنانے آئے ہیں
انھیں کے آنے کی خوشیاں منانے آئے ہیں
(۲۰/اشعار)

ہم اپنی حسرتِ دل کو مٹانے آئے ہیں
ہم اپنی دل کی لگی کو بجھانے آئے ہیں
(۲۴/اشعار)

{............}

کلامِ نوریؔ میں ترکیب سازی

کم سے کم لفظوں میں مفہوم کی ادائیگی نیز اشعار میں بلاغت کا حُسن پیدا کرنے کے لیے تراکیب بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو شاعری میں ترکیب سازی کا رجحان ابتدا سے لے کر اب تک برابر چلا آرہا ہے۔ شعرا ان تراکیب کے ذریعہ دو چیزوں یا دو خیالوں کے درمیان رشتہ قائم کرتے ہیں، اور جہاں کہیں اس میں مماثلت کا پہلو ہوتا ہے۔ وہاں مرکب لفظ ایک نیا استعارہ بن کر اُبھرتا ہے۔ شاعری میں محبوب یا ممدوح کے اوصاف کے اظہار میں تراکیب اہم ترین کردار ادا کرتی ہیں۔ تلمیحی تراکیب اشعار میں ایک تمکنت اور وقار کا درجہ رکھتی ہیں۔

غزلیہ و بہاریہ شاعری کی طرح نعتیہ شاعری میں بھی تراکیب کی بڑی اہمیت ہے۔ بل کہ اگر یہ کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا کہ اس صنف میں ترکیب سازی دیگر اصناف کی بہ نسبت زیادہ ہی اہمیت کی حامل ہے۔ تراکیب مشکل اور پیچیدہ مفہوم کے اظہار میں بہت معاونت کرتی ہیں۔ فنِ نعت گوئی میں شعرا، رسول اللہ ﷺ کے اوصافِ بلیغ کے اظہار میں ان سے بڑا کام لیتے ہیں۔ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو نعتیہ شاعری میں امیرؔ مینائی نے ترکیب سازی کے خوب صورت اور نادر نمونے پیش کیے ہیں۔ پروفیسر ریاض مجید نے حضرت امیر کی ان ترکیبوں۔ ’’گہرِ محیطِ عطائے رب، قمرِ سخائے رب، شجرِ ریاضِ رضائے رب، ثمرِ نہالِ ولائے رب، گل بانگِ نشونمائے رب، داخلِ بزم ہوٗ، نسیمِ گلِ کن فکاں، شمیمِ روضۂ جاوداں، ہمائے فقرِ پیغمبراں، مسافرِ رہِ لامکاں، ختمِ صنعِ الٰہ، شاہِ نجمِ سپاہ، نو بہارِ ریاضِ دیں، ثمرِ شجرِ یقیں‘‘ وغیرہ کو سراہتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ :

> ’’مذکورہ بالا تراکیب حضور ﷺ کی صفات میں ہیں۔ امیرؔ مینائی نے تراکیب میں صفاتِ رسول ﷺ کا اتنا بلیغ اظہار کیا ہے کہ خود ان میں چھوٹی چھوٹی نعتوں کا رنگ جھلکتا ہے‘‘ (1)

بلاشبہ! حضرت امیرؔ مینائی کی متذکرہ ترکیبیں نہایت ہی خوب صورت اور تازہ کاری کا اعلا نمونہ ہیں۔ علاوہ ازیں مشہور نعت گو حضرت محسنؔ کاکوروی کے یہاں بھی تراکیب کے نادر

اور حسین نمونے ملتے ہیں ؎

گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی العربی
زیبِ دامانِ ابد طرّۂ دستارِ ازل
مرجعِ روحِ امیں زبدۂ عرشِ بریں
حامیِ دینِ متیں ناسخِ ادیان و ملل

پیدا ہوئے حضرتِ پیمبر
صبحِ قدرت کے سعدِ اکبر

خورشیدِ سپہرِ دینِ محمد
نورِ عینِ الیقین محمد

پہلا اور دوسرا شعر صرف ترکیب ہی سے مکمل ہوگیا ہے۔ حضورِ جانِ نور ﷺ کو ’’صبحِ قدرت کے سعدِ اکبر، خورشیدِ سپہرِ دیں، نورِ عینِ الیقین، گلِ خوش رنگ، زیبِ دامانِ ابد، طرّۂ دستارِ ازل، مرجعِ روحِ امیں، زبدۂ عرشِ بریں، حامیِ دینِ متیں، ناسخِ ادیان و ملل‘‘ وغیرہ کہنے میں کافی حد تک خوب صورتی و نادر کاری ہے۔

نوریؔ بریلوی کے والدِ ماجد مولانا احمد رضا بریلوی، امیرؔ و محسنؔ کاکورویؔ کے معاصر میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں جہاں تمامی ادبی و فنی خوبیاں موجود ہیں وہیں ترکیب سازی کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ 171 / اشعار پر مشتمل مولانا احمد رضا کا مشہورِ زمانہ قصیدۂ سلامیہ ’’مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام‘‘ میں تراکیب کے بہت خوب صورت نمونے ملتے ہیں۔ اور کچھ ترکیبیں ایسی ہیں جو بالکل اچھوتی ہیں اس سلام کے قریب قریب ہر شعر میں استعارہ موجود ہے۔ مثلاً مطلع ہی دیکھیے ؎

مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

’’جانِ رحمت‘‘ کس قدر خوب صورت استعارہ ہے اور یہ ترکیب کتنی پیاری اور بلاغت کے کیسے حسین و جمیل جلوے بکھیرتی ہے۔ حضور (ﷺ) رحمۃ للعالمین ہیں اور رضاؔ بریلوی نے

اس لیے انھیں جانِ رحمت کہا ہے۔ ممکن ہے رضاؔ سے قبل بھی کسی نعت گو نے یہ ترکیب پیش کی ہو لیکن یہاں مطلع ہی میں مصرعِ اولیٰ میں اس ترکیب سے ابتدا کا انداز وہ بھی سلام میں کس قدر دل کشی کا حامل ہے کہ بس سبحان اللہ! کہہ دینا ہی اس کی بہترین تعریف ہے۔ جو بات جانِ رحمت کہنے میں ہے وہ رُوحِ رحمت یا کسی اور لفظ سے رحمت کو جوڑنے میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ مکمل سلام میں حضرت رضاؔ نے حضورِ انور ﷺ کے اوصاف و خصائل، اختیارات و تصرفات اور استغاثہ وغیرہ کو مدِّ نظر رکھ کر نہایت حسین و جمیل ترکیبیں وضع کی ہیں۔ مثال کے طور پر چند تراکیب پیش ہیں: ''نورِ عینِ لطافت، اصلِ ہر بود و بہود، تخمِ وجود، قاسمِ کنزِ نعمت، حرزِ ہر رفتہ طاقت، مغزِ زارِ حکم، یکّہ تازِ فضیلت، مصدرِ مظہریت، خلعۂ قصرِ رحمت، سبزۂ نہرِ رحمت، ساقِ اصلِ کرم، شاخِ نخلِ کرم وغیرہ''

نوریؔ بریلوی...... امیرؔ مینائی، محسنؔ کاکوروی اور رضاؔ بریلوی کے مابعد کے نعت گو شاعر ہیں؛ اور اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر اُن کے یہاں نعت گوئی کا اسلوب اور طرزِ اُن نعت گو شعرائے کرام سے منفرد اور جداگانہ ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری ان شعرا کی روایت کی علم بردار بھی مگر انفرادیت کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ آیئے حضرت نوریؔ بریلوی کلام میں تراکیب سازی کی نادر کاری کا نظارہ کرتے ہیں۔ حضرت نوریؔ بریلوی کے مجموعۂ کلام ''سامانِ بخشش'' کا آغاز دو طویل حمدیہ نظموں ''ضربِ ہو'' مشتمل بر ۲۰ ر بند اور ''اذکارِ توحید ذات، اسماو صفات وغیرہ'' مشتمل بر ۹۹ ر بند میں اللہ جل شانہٗ کی وحدانیت کی تعریف اور عقیدۂ توحید کے اظہار کے لیے آپ نے انتہائی حسین و جمیل تراکیب وضع کی ہیں جس سے بلاغت کا حُسن دوبالا نظر آتا ہے۔ اشعار یا بند کو مثال کے طور پر پیش کرنے کے بجائے صرف تراکیب کو ذیل میں درج کرنے کی جسارت کی جارہی ہے۔ ملاحظہ ہوں: ''نغمہ سنجانِ گلشن، طائرانِ جناں، بلبلِ خوش نوا طوطیِ خوش گلو، زمزمہ خواں، قمریِ خوش لقا، فاختہ خوش ادا، شاہدانِ چمن بستہ صف روبرو، لسانِ مقال، قعرِ غفلت، رنجتِ اعمال وغیرہ'' .... بعد اس کے اذکارِ توحید کے عنوان سے جو طویل حمدیہ نظم ہے اس کی تراکیب ملاحظہ ہوں :

وہ ہے محیطِ انس وجاں　　　وہ ہے محیطِ جسم وجاں
وہ ہے محیطِ کل از ماں　　　وہ ہے محیطِ کون و مکاں

مذکورہ بند میں عقیدۂ توحید کا ذکر کرتے ہوئے خدائے واحد کی قدرتِ کاملہ کو محیطِ کل ازماں، محیطِ انس وجاں، محیطِ کون ومکاں اور محیطِ جسم وجاں کہہ کر ترکیب سازی کی عمدہ مثال پیش کی ہے۔

علاوہ ازیں ''حُسنِ بُتِ طنّاز، افغانِ بلبل، نغماتِ قلقل، مراعاتِ لحاظِ ذات، بہ فضلِ عمیم، بحرِ کرم، مظہرِ اول، حبیبِ اجمل، نبیِ افضل، مُرسلِ اکمل، روحِ روانِ خلدِ بریں، نخلِ جہاں کے اصلِ متیں، نائبِ حضرت حق متیں، شاہنشاہِ چرخ وزمیں، والیِ تختِ عرشِ بریں، راحتِ جان وقلبِ حزیں، موجِ بحرِ قِدم، موجِ آخر بحرِ کرم، لوحِ جبینِ سیدنا۔۔۔۔۔'' وغیرہ ترکیبیں مذکورہ نظم میں جلوہ گر ہیں۔

مذکورہ بالا تراکیب میں مراعاتِ لحاظِ ذات تک کی ترکیبیں ذاتِ الوہیت کے ذکر سے مملو ہیں اور بہ فضلِ عمیم کے بعد سے لوحِ جبینِ سیدنا تک حضور رحمتِ عالم ﷺ کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کو بحرِ کرم روحِ روانِ خلدِ بریں وغیرہ کہنے میں حیرت وندرت بھی ہے اور نہایت حسین ودل کش تراکیب سازی بھی......

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے اپنے والدِ ماجد کی طرح بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں جو سلام پیش کیا ہے وہ 40 ر بندوں پر صنفِ مستزاد میں ہے۔ اس میں بھی آپ نے حضور جانِ نور ﷺ کے اوصاف وخصائص کا بیان کرتے ہوئے وہ حسین وجمیل ترکیبیں وضع کی ہیں کہ بار بار سبحان اللہ! کہنے کو جی چاہتا ہے۔ جس کا مطلع یوں ہے ؎

سب سے اعلیٰ عزت والے، غلبہ وقہر وطاقت والے
حرمت والے کرامت والے، تم پر لاکھوں سلام
تم پر لاکھوں سلام

مذکورہ نعت کی چند ترکیبیں ملاحظہ کیجیے: ''ظاہر باہر سیادت والے، غالب قاہر ریاست والے، نورِ علم وحکمت والے، نافذ جاری حکومت والے، شہ اورنگِ خلافت، والیِ ملکِ جلالت، ناسخِ ادیان، ظلِ رحمت طلعت والے، فرش کی نزہت، عرش کی زینت، نورِ چشمِ خلقت، سرورِ قلبِ صفوت، وجد کی فرحت، شاہدِ حق، شاہدِ اُمت، سُنتِ ربِّ عزت، زیب وزینِ جنت، امن وامانِ امت وغیرہ۔''

ان تراکیب سے اوصافِ رسول ﷺ کا بلیغ اظہار ہوتا ہے حضورانور ﷺ کو والیِ ملکِ جلالت، شہ اورنگِ خلافت، نورِ چشمِ خلقت اور سرورِ قلبِ صفوت کہنے میں تازہ کاری و نادرکاری اور حُسن وجمال موجزن ہے۔

سلام کے بعد ہی ایک طویل نعت 39/ بندوں پر مشتمل صنفِ مستزاد میں ہے جس کا مطلع یوں ہے ؎

اعلا سے اعلا رفعت والے بالا سے بالا عظمت والے
سب سے برتر عزت والے صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

مذکورہ نعت کے تقریباً ہر بند میں ایک خوب صورت استعارہ موجود ہے۔ اور تراکیب کے بہت ہی حسین وخوب صورت اور نادر نمونے ملتے ہیں اور بعض ترکیبیں نہایت اچھوتی ہیں۔ حضوررحمۃ للعالمین ﷺ کے اوصاف وخصائص کے اظہار کے لیے ترکیب سازی کا اس قدر حسین طرزِ ادا سے استعمال کیا گیا ہے کہ بلاغت وفصاحت کے جلووں سے روح سرشار ہونے لگتی ہے اور حضرت نوریؔ بریلوی کی قادرالکلامی کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ ذیل میں پیش ہے مذکورہ نعت سے ترکیبوں کی مثالیں:

زائد حرمت والے، برتر قدرت والے، ماہِ لاہوتِ خلوت، شاہِ ناسوتِ جلوت، جوہرِ فردِ عزت، جسم وجانِ وجاہت، آبِ عینِ رحمت، تابِ ماہِ ندرت، نہرِ بحرِ وحدت، منبعِ کثرت، سایۂ ربِّ عزت، مایۂ خلق وخلقت، صاحبِ عزو کرامت، لعلِ نگینِ کرامت، مطلعِ نورِ الٰہی، مخزنِ رازِ خدائی، سرمایۂ راحت، شمعِ علم وحکمت، ضوءِ نورِ ہدایت، باغِ بہارِ رحمت، غنچۂ رازِ وحدت، موجِ اول بحرِ رحمت، جوشِ آخر بحرِ رافت، وجہِ بعثِ خلقت، سِرِّ غیب وشہادت، فتحِ بابِ نبوت، ختمِ دورِ رسالت، نافعِ علت، دافعِ کربت، کہفِ روزِ مصیبت وغیرہ۔

ان تراکیب سے خصائص واوصافِ رسول ﷺ کا بلیغ اظہار ہوتا ہے۔ آقا ومولا ﷺ کی جامعیت کو ماہِ لاہوتِ خلوت، شاہِ ناسوتِ جلوت، آپ کی رنگت کو آبِ عینِ رحمت، تابِ ماہِ وحدت، آپ کی ذاتِ اقدس کو سایۂ ربِّ عزت، مایۂ خلق وخلقت، صاحبِ عز و کرامت، لعلِ نگینِ کرامت، چہرۂ انور کو مطلعِ نورِ الٰہی، سینۂ مبارک کو مخزنِ رازِ خدائی، آپ کی خوشبوؤں کو باغِ بہارِ رحمت، جود وسخا کو موجِ اول بحرِ رحمت، موجِ آخر بحرِ رافت، آپ کی ختمِ

نبوت وفضیلت کو ختمِ دورِ رسالت کہنے میں دل کشی بھی ہے اور شگفتگی بھی یہ نہایت حسین وجمیل ترکیب سازی کے بہترین نمونے ہیں۔

علاوہ ازیں ''جاری رہے گا سکّہ تیرا'' عنوان سے 48/اشعار پر مشتمل ایک نعت جس کا مطلع ہے ؎

ماہِ طیبہ نیرِ بطحا صلی اللہ علیک وسلم
تیرے دم سے عالم چمکا صلی اللہ علیک وسلم

میں بھی ترکیب سازی کے نادر نمونے ملتے ہیں: ''ماہِ طیبہ نیرِ بطحا، مظہرِ ربِّ اجمل، حجتِ رب، زینِ طاعت، عینِ عبادت، نورِ مجسم، نورِ ذاتِ والا، بحرِ رحمت، صاحبِ دولت، قاسمِ نعمت وغیرہ''۔

اسی طرح سامانِ بخشش میں شامل مزید ایک سلام جس کا مطلع یوں ہے ؎

الصلوٰۃ والسلام اے سرورِ عالی مقام
الصلوٰۃ والسلام اے رہبرِ جملہ انام
الصلوٰۃ والسلام اے مظہرِ ذات السلام
الصلوٰۃ والسلام اے پیکرِ حُسنِ تمام
الصلوٰۃ والسلام الصلوٰۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے امام

اس سلام میں بھی ترکیب سازی کے انتہائی دل کش اور حسین وجمیل نمونے ملتے ہیں، مثلاً: ''سرورِ عالی مقام، رہبرِ جملہ انام، پیکرِ حُسنِ تمام، شہِ عرش آستاں، سرورِ کون ومکاں، جانِ ایمانِ زماں، سرورِ ہر دو جہاں، شفیعِ عاصیاں، سِرِّ ہر موجود، بودِ ہر نابود، قبلۂ کونین، امام القبلتین، شہنشاہِ دوعالم، شافعِ روزِ قیام، زینتِ گل زارِ طیبہ، مرجعِ ہر خاص وعام وغیرہ''۔

ان تراکیب کے علاوہ مکمل مجموعۂ کلام میں ترکیب سازی کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ کلامِ نوریؔ میں ترکیب سازی کی حسین و نادر تمثیلات ردیف کے لحاظ سے نشانِ خاطر کرتے چلیں۔

ردیف الف: مطلعِ نوری، مہرِ انور، مطلعِ محشر، کفِ پائے منور، نقابِ روئے انور،

مہرِ ذرہ پرور، جمالِ حق نما، خوش آب گوہر، مہبطِ انوار، روضۂ والائے طیبہ، مخزنِ انوار، مرہمِ زنگار، زخمِ دامن دار، دوشِ صبا، خورشیدِ تاباں، مطلعِ انوار، لعلِ شب چراغ، سوختہ جاں، جانِ مسیحا، بختِ خفتہ، قفسِ جسم، مُرغِ جاں، جلوہ گہہ سرورِ خوباں، جلوۂ حُسنِ جہاں تاب، تیغِ دو پیکر، غیرتِ خورشیدِ درخشاں، دامنِ حامیِ خود، ماحیِ عصیاں، نوردہِ شامِ غریباں وغیرہ۔

ردیف با: مہرِ عجم ماہِ عرب، نوری آئینے، کوچۂ پُرنور، رشکِ مہر، جانِ قمر، نیرِ چرخِ رسالت، نورِ چشمِ انبیا وغیرہ۔

ردیف تا: رحمِ مجسم، شانِ کرم، جانِ کرم، کانِ کرم، فضلِ اتم، لطفِ اعم، سحابِ کرم، صفحۂ دل، مصباحِ ظلم وغیرہ۔

ردیف نون: آبِ بحرِ عشقِ جاناں، چشمۂ آبِ بقا، آبِ تیغِ عشق، طائرِ جاں، شافعِ روزِ جزا، سایۂ زلفِ رسا، نسیمِ فیض، جانِ جناں، حسرتِ پابوس، دیدۂ عشاق، گل عذار، قرارِ دلِ حزیں، نرگسِ شہلا، گلِ مہتاب وغیرہ۔

ردیف واو: شاہِ والا، دارالشفائے طیبہ، بادِ مخالف، بہارِ جاں فزا، نسیمِ داستاں، بہارِ باغِ رضواں، زیبِ جناں، حبیبِ ربِّ رحمن، مکینِ لامکاں، سرِ ہردوجہاں، شہِ شاہنشہاں، بہارِ بے خزاں، بہارِ جاوداں، بہارِ گلستاں، بہارِ بوستاں، تابشِ رُخ، مجسم رحمتِ حق، شفیعِ عاصیاں، وکیلِ مجرماں، طبیبِ انس وجاں، عنبرِ سارا، محرابِ خمِ ابرو، نیرِ حشر، لکۂ رحمت، کشتِ امل، شانِ خدا، مہِ لقا، شہِ عرشِ علا وغیرہ۔

ردیف ہائے: شمعِ رسالت، ماہِ نبوت، ساقیِ کوثر، جامِ لبالب، مستِ مئے الفت، زلفِ معنبر، پنجۂ قدرت، زہرِ معاصی، سنگِ درِ جاناں، جبیں سائی، حبِّ صنمِ دنیا وغیرہ۔

ردیف یائے: سیدِ ابرار، محرمِ اسرار، جانِ نور، خانۂ دل، مطلعِ انوار، مثالِ شمعِ روشن، قید وبندِ جہاں، رضا جوئے خداوندِ جہاں، جانِ قمر، جلوہ نما، دلِ پژمردہ، بہارِ چمنِ طیبہ، قصۂ غم، جلوۂ حق، جانِ مسیحا، چشمۂ آبِ حیات، نگاہِ مہر، قلبِ تیرہ، شجرۂ امید، بقعۂ نور، ابروئے خم دار، شبِ فراق، فوجِ غم، بابِ رحمتِ ربِّ علا، سرِ خیرہ، آئینۂ ذاتِ اَحد، مرآتِ صفاتِ کبریا، بیانِ عیبِ دشمن، ضیائے کعبہ، ضیائے روضہ، فضائے طیبہ، شامِ غربت، مئے محبوب، بلبلِ باغِ مدینہ، زورقِ خورشید، جانِ رحمت، کانِ نعمت، شانِ حق نما، زُلفِ مشکیں، رموزِ مصلحت، مثالِ ماحیِ

بے آب، مریضِ معاصی، معراجِ قسمت وغیرہ۔

کلامِ نوریؔ میں ترکیب سازی کے مطالعہ سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ آپ نے ادیبانہ مہارت کے ساتھ اپنے جذبات وخیالات کو پیش کرنے کے لیے خوب صورت ترکیبوں کا استعمال کیا ہے۔ آپ نے اپنے کلام میں بلاغت وفصاحت کے دریا بہاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ بلیغ کے اظہار کے لیے جن حسین وجمیل تراکیب کا استعمال کیا ہے۔ اُسے پڑھ کر کیف وسرور کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ مزید یہ کہ آپ کی شعری وفنی مہارتوں کا اندازہ لگتا ہے۔ آپ نے تراکیب کا اس خوب صورتی اور نادر کاری سے استعمال کیا ہے کہ طبیعت پر وجد کا عالم طاری ہوجاتا ہے۔

نوریؔ بریلوی نے تراکیب سازی کا وہ کمال دکھایا ہے کہ شعر شعر میں نازک خیالی اور سلاست کا بیان موجزن ہے۔ ترکیبوں میں لفظ وخیال کی مماثلت ہے اور تراکیب کے بطن سے خوب صورت تشبیہ واستعارہ سامنے آئے ہیں۔ باوجود نصف سے زائد صدی گذر جانے کے نوریؔ بریلوی کے کلام میں عصرِ حاضر کے لب ولہجہ کی تازہ کاری اور ان تراکیب میں جو کیفیات موجود ہیں؛ وہ آپ کی شاعرانہ عظمت ورفعت، قادرالکلامی اور مشاقی کی بین دلیل پیش کرتی ہیں۔

حواشی

(1) سہ ماہی 'افکارِ رضا': ممبئی، شمارہ جولائی تا ستمبر 1997ء، ص 20

{............}

کلامِ نوری میں شاعرانہ پیکر تراشی

قدیم رومی نقاد ہوریس نے کہا ہے کہ :

''شاعری مصوری کی طرح ہے'' یا ''شاعری لفظی مصوری ہے''

شاعری اور مصوری کا یہ تقابل ہوریس کے زمانے میں بھی نیا تصور نہیں تھا جو شاعری کا محاکاتی تصور ہے۔(۱)

قدیم شاعری کا یہی محاکاتی تصور جدید شاعری میں پیکری بیانیہ یا پیکر کی شکل میں رونما ہوا ہے۔ محاکاتی تصور یا محاکات اور پیکر تراشی میں کوئی فرق نہیں، ان کے مابین گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ محاکاتی تصور، حکائی بیان کی جمع ہے جو قاری یا سامع کے سامنے شعری بیان کی کیفیات کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ یعنی کچھ ذہنی تصویروں کے ذریعے شعری کیفیات کی ترسیل کرتی ہے۔ رومی نقاد ہوریس نے دو ہزار سال پیش تر شاعری کی جو تعریف کی تھی کہ شاعری لفظی مصوری ہے، وہ محاکات ہی کے ذیل میں آتی ہے مزید یہ کہ پیکر بیانی کا نیا شعری تصور بھی اسی سے مماثلت رکھتا ہے۔

قدیم شاعری میں محاکاتی تصور یعنی پیکر تراشی کے بہت سارے نمونے ملتے ہیں۔ تشبیہات اور استعارات کے روپ میں پیکروں کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ مگر جدید شاعری میں یہ شعرا کے نزدیک خاصے کی چیز ہے۔ جدید شعراے اردو میں پیکر تراشی کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ اردو کی جدید شاعری میں یہ اصطلاح انگریزی ادب کے لفظ امیجری (Imagery) یا امیج (Image) سے لی گئی ہے۔ جسے اردو والوں نے پیکر تراشی کا نام دیا ہے۔ جیسا کہ خورشید احمد صدیقی کا خیال ہے کہ :

''انگریزی تنقید کے اثر سے اردو میں Image کا تصور اب غیر معروف نہیں رہا۔ اس کا اردو ترجمہ اردو والوں نے پیکر، نقش، تمثال، یا شبیہ کیا ہے لیکن 'پیکر' ہی کا چلن اب زیادہ ہو گیا ہے۔''(۲)

لیکن معروف محقق ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا خیال ہے کہ :

''اردو شاعری میں پیکر کی اصطلاح انگریزی ادب سے لی گئی ہے، جدید اردو شعرا کے یہاں پیکر تراشی کا رجحان زیادہ ہے اور جدید شاعری میں پیکریت میں تصویری حُسن، خیال کی ندرت اور تلازموں کی فضا سے معنویت بڑھی ہے اور اس نئی شاعری کے پیکر اپنے دور کے تہذیبی اور معاشرتی حالات کا نتیجہ ہیں۔''(۳)

پیکر کی تعریف : پیکر کی تعریف بیان کرتے ہوئے مشہور محقق و ناقد سلیم شہزاد رقم ہیں :

''(۱) لغوی معنی ''شکل و ہیئت''، اصطلاحی معنی اشیا کی مشابہت جو صرف ذہنی تصویریں نہیں پیش کرتی بل کہ زبان کے استعمال سے جذبات و خیالات، تصورات و اعمال اور اشیا کے حسّی اور ماوراے حسّی تجربات کو محسوس و مدرک اجسام میں بیان کرتی ہے۔''(۴)

''(۲) شعری زبان کا استعمال جو نہ صرف ذہنی تصویریں پیش کرتا ہے بل کہ اس زبان کے تاثرات قاری یا سامع کے حواسِ خمسہ پر بھی مرتسم ہوتے ہیں اور وہ لفظی پیکروں کی مشابہت معروضی اشیا میں پالیتا ہے۔ پیکری بیانیہ ضروری نہیں کہ صرف ایک حس کو متاثر کرنے والا ہو، دو یا زائد حواس بھی بیک وقت اس سے متاثر ہو سکتے ہیں یعنی قاری کسی شعری پیکر میں نہ صرف دریا بہتا ہوا دیکھتا بلکہ پانی کی آواز سن سکتا اور اس کی ٹھنڈک بھی محسوس کر سکتا ہے۔''(۵)

پیکر کی مذکورہ بالا تعریفوں میں پیکر کی جو تعریف بیان کی گئی ان میں حِس کو محور قرار دیا گیا ہے۔ مگر تمثال یا پیکر کا حسّی ہونا ضروری نہیں بل کہ وہ ذہنی بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ابنِ فرید کا خیال ہے کہ :

''تمثال کے بارے میں ایلیٹ (Eliot) اور ایزرا پاونڈ (Ezrapound) وغیرہ نے اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ صرف حسّی نہیں

ذہنی بھی ہوسکتی ہے لیکن نہ صرف یہ لوگ بلکہ ٹوئی (Tuve) اور کرموڈ (Kermod) بھی جب تفصیل میں جاتے ہیں تو ان کی ذہنی تماثلیں حسّی تمثال تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لیے تمثال کو حواسِ خمسہ سے غیر متعلق کرنا اسے اس کے فطری حُسن سے محروم کر دینا ہے اور یہ کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔"(۲)

ان تمام بحثوں کا مدار پیکر کے خد وخال کو واضح کرتا ہے۔ جس کا محور و مرکز حس ہے اگرچہ اس میں ذہنی احساسات اور ذاتی و خارجی ادراکات و تجربات کو داخل کر لیا گیا ہے۔ ویسے پیکر کا صحیح مفہوم ادا کرنے کے لیے فن کی اصطلاحات کا سہارا لینا پڑتا ہے جن کو تعریف کی جنسِ قریب کہا جاسکتا ہے، مثلاً: استعارہ، کنایہ، تشبیہ، علامت، اسم فعل اور صفت وغیرہ۔

پیکر کی تقسیم: پیکر کی درج بالا بیان کردہ تعریفوں کو اندازِ عمل اور طرزِ بیان کے لحاظ سے تین حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ذہنی پیکر
(۲) مجازی پیکر
(۳) تجسیمی پیکر

ذہنی پیکر: جو تعریفیں پیکر کو ذہنی پیکر قرار دیتی ہیں وہ نفسیاتی ہیں۔ پیکر تراشی کے اعتبار سے ہر شخص کا ذہن جداگانہ نوعیت رکھتا ہے اس لیے ایک چیز کے پیکر مختلف اذہان میں الگ ہوتے ہیں۔

مجازی پیکر: اس میں خیال اور لسانی شکلوں پر گفتگو ہوتی ہے اور اظہارِ خیال کو مزید جامع بناتی ہے اور زبان استعاروں کے ذریعہ نمو پذیر ہوتی ہے۔

تجسیمی پیکر: اس میں پیکروں کے عمل پر بحث کی جاتی ہے خواہ پیکر حقیقی ہوں یا مجازی، اس کے دائرے میں دونوں شامل ہیں۔ پیکر شاعر کے وجدان و بصیرت اور داخلیت کا انکشاف کرتا ہے۔ اس کے ذہن کی حسّی صلاحیت اور اس کے مزاج و کردار کا مظاہرہ کرتا ہے۔

ان کے علاوہ پیکروں کو ان کے اندازِ عمل کے لحاظ سے الگ الگ ناموں سے معنون کیا

گیا ہے۔ حس اور ادراک کو براہِ راست متاثر کرنے والے پیکروں کو حسّی اور ادراکی پیکر کا نام دیا گیا ہے اور پھر ان پیکروں کو حواسِ خمسہ کے نام دیے گئے ہیں۔

(۱) پیکرِ باصرہ
(۲) پیکرِ سامعہ
(۳) پیکرِ ذائقہ
(۴) پیکرِ شامّہ

حواسِ خمسہ کی مناسبت سے تقسیم کیے گئے ان پیکروں کی تعریف اپنے اپنے مقام پر بیان کی جائے گی۔

پیکر بیانی اور پیکر تراشی کے تصور اور ان کی تعریف بیان کرنے کے بعد مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی شاعری میں پیکر تراشی کی طرف بڑھتے ہیں۔ مگر شعری نقد و نظر سے پہلے شاعر کی ذاتی زندگی سے آگاہی ضروری ہے۔ کیوں کہ ماحول کے شعر و ادب پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ شاعر جب اپنے گرد و پیش سے متاثر ہو کر شعر کہتا ہے تو کلام میں سوز و شگفتگی دونوں ایک ساتھ جنم لیتی ہیں۔

نوریؔ بریلوی کے حالاتِ زندگی اور واقعات کا جائزہ بالتفصیل باب پنجم میں لیا جاچکا ہے۔ آپ کے عہد میں وطنِ عزیز ہندوستان میں جو حالات تھے وہ ایسے نہ تھے کہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر ضربِ کلیمی کا شغف رکھا جاتا بل کہ ہر محاذ پر سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرنا ضروری تھا۔ پورے ہندوستان میں حالات انتہائی ناگفتہ بہ تھے ہر طرف قتل و غارت گری، شعائرِ اسلامی کی پامالی، شدھی تحریک کا زور، موالات، خلافت اور بساطِ سیاست پر ناعاقبت اندیش سیاست دانوں کی ترک تازیاں، مسلمانوں کا احساسِ محرومی، کیا کچھ نہ تھا ایسے ماحول میں نوریؔ بریلوی کی ذمہ داریاں یک گونہ نہیں بلکہ گونا گوں تھیں۔ خانقاہِ رضویہ اور جامعہ مظہرِ اسلام کا اہتمام و انصرام، فتوانویسی، درس و تدریس، رشد و ہدایت، مناظرہ و مباحثہ، اہلِ سیاست سے پنجہ آزمائی، شدھی تحریک کا انسداد، موالات، خلافت، جہاد اور تحریکِ گاؤکشی کا تعاقب، مسلمانانِ ہند کی دل جوئی، شعائرِ اسلامی کا تحفظ اور ناموسِ رسالت ﷺ کی حفاظت و صیانت؛ کیا کیا نہ تھا سب کچھ کرنا تھا دل میں شعائرِ اسلامی کے مٹائے جانے سے لاوا پکتا تھا گویا زندگی کی ایک ایک ساعت اور

شب و روز کا ایک ایک لمحہ شدید ترین مصروفیتوں اور مشغولیتوں کی نذر تھا۔ ان تمام مصروفیات و مشغولیات کے باوصف شعری نازک خیالیوں اور مشقِ سخن کی جولانیت کو بھلا کب راہ ملتیں؟ مگر سوزِ عشق کی جلوہ سامانیاں قلبِ عاشق پر اُبھرنے والے زرین نقوش کو صفحۂ قرطاس پر اُتارتی رہتیں اور یوں ہزاروں مصروفیتوں کے رہتے ہوئے بھی مشقِ سخن جاری رہتا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری میں خارجی اثرات کے جذباتی احساسات سوزِ دروں بن کر داخلیت کو مزید رنگ و آہنگ عطا کر رہے تھے۔ یہاں بات صرف سخن سنجی و سخن وری اور نکتہ آفرینی کی نہ تھی بل کہ بات اسلام کے تحفظ و استحکام اور ناموسِ رسالت ﷺ کے پاس و لحاظ اور حفاظت کی تھی، پھر کیا تھا اشعار کے قالب میں دُودِ عشق کی گرمی اُتر آئی۔ جیسا کہ اس بات کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ نوریؔ بریلوی نے تاعمر تقدیسی شاعری یعنی حمد و نعت و منقبت سے تعلق رکھا۔ آپ نے نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کے لیے انھیں عناصر کو بروے کار لائے جو ادب کی دیگر اصناف میں پائے جاتے ہیں ۔ یہاں صرف یہ فرق کیا کہ ان کو معانی و مطالب کی طہارت و پاکیزگی اور نفاست و نظافت عطا کر دی جس سے ان کا قالب پاکیزہ و نفیس اور تقدیسی و ملکوتی ہو گیا ہے۔

نعتیہ شاعری میں پیکر کے جو تصورات و تخیلات اُبھرتے ہیں وہ دیگر اصنافِ ادب سے الگ ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہاں صرف زبان کے چٹخارے، لفظوں کی بندش، صوتی آہنگ، تشبیہات کی ندرت، استعارات کی چاشنی، رعایاتِ لفظی کا حُسن اور بحروں کی موزونیت نیز افاعیل کی نغمگی اور موسیقیت ہی کافی نہیں بل کہ ادب و احترام اور تعظیم و توقیر کا تقاضا سب سے ضروری اور اولین مرحلہ ہوتا ہے۔ اس لیے شاعر کا علمی مطالعہ و مشاہدہ، فکری گیرائی و گہرائی اور رسول اللہ ﷺ کے عشق و محبت کی تڑپ اور کسک جس قدر زیادہ ہوگی شعر کا معیار اور اس کے داخلی مصداق اُسی قدر زیادہ ہوں گے۔ یہاں مبالغہ و اغراق اور افراط و تفریط کی وہ جملہ اقسام یک سر قلم زد کر دی جاتی ہیں جن کا خارجی یا داخلی مصداق غیر مؤدب ہوتا ہے۔ پہلی صورت یعنی خارجی مصداق میں اگر شاعر نے مبالغہ و اغراق سے ذرّہ بھر بھی کام لیا تو شرک جیسے جُرم کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اور دوسری صورت یعنی داخلی مصداق میں اگر شاعر نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ایسا کوئی خیال یا ایسی کوئی وارداتِ قلبی پیش کر دی جو حقیقت سے بعید ہو تو وہ جھوٹ ہوگا۔ اور یہ دونوں باتیں شاعر کے لیے دنیوی و اُخروی نقصان کی باعث ہیں۔

کلامِ نوریؔ بریلوی کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بارگاہِ رسول ﷺ کے انتہائی مؤدب نعت گو شاعر تھے۔ آپ کے یہاں نہ مبالغہ ہے نہ اغراق و غلو، نہ خیالات کی بے راہ روی ہے نہ افراط و تفریط، آپ نے مکمل ادب و احترام اور حزم و احتیاط کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں نعتوں کا نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔

ذیل میں نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کا حسین و جمیل اور خوب صورت امتزاج نشانِ خاطر فرمائیں :

پیکرِ باصرہ یا بصری پیکر: جب شاعر اپنے کلام میں ایسا لفظی پیکر بیان کرے جو نظر آنے والا ہو یعنی الفاظ سے ایسی تصویر پیش کرے جس سے پڑھنے یا سننے والے کی حسِ باصرہ متاثر ہو اور وہ الفاظ سے بنائی گئی تصویر میں بیان کی گئی شئے کو دیکھ لے تو ایسے پیکر کو پیکرِ باصرہ یا بصری پیکر کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے پیکرِ باصرہ کی مثالیں ؎

ان کو دیکھا تو گیا بھول میں غم کی صورت
یاد بھی اب تو نہیں رنج و الم کی صورت

ہیں صفاتِ حق کے نوری آئینے سارے نبی
ذاتِ حق کا آئینہ مہرِ عجم ، ماہِ عرب

ذرّہ ذرّہ سے عیاں ہے ایسا ظاہر ہو کے بھی
قطرے قطرے میں نہاں ہے برملا ملتا نہیں
دل گیا اچھا ہوا اس کا نہیں غم ہے یہ
لے گیا پہلو سے جو وہ دل رُبا ملتا نہیں

کُھلے ہیں دیدۂ عشاق قبر میں یوں ہی
ہے انتظار کسی کا ضرور آنکھوں میں
نہ ایک دل کہ مہ و مہر و انجم و نرگس
ہے سب کی آرزو رکھیں حضور آنکھوں میں

نظر نہ آیا قرارِ دلِ حزیں اب تک
نگاہ رہتی ہے یوں بے قرار آنکھوں میں
کرم یہ مجھ پہ کیا ہے مرے تصور نے
کہ آج کھینچ دی تصویرِ یار آنکھوں میں

مذکورہ بالا اشعار میں محبوب کو دیکھ کر غم اور رنج والم کی صورت بھول جانا، مرہمِ دیدار کی بھیک سے زخمِ دامن دار کا منہ کرنا، انبیا کا صفاتِ حق کا نوری آئینہ ہونا اور مہرِ عجم ماہِ عرب ﷺ کا ذاتِ حق کا آئینہ ہونا، ذرہ ذرّہ سے عیاں ہو کر بھی برملا نہ ملنا، دل چلا جانا پھر دل رُبا کا نہ ملنا، قبر میں دیدۂ عشاق کا کسی کے انتظار میں کُھلنا، مہر و مہ و انجم و نرگس کا حضور کی آنکھوں میں رکھے جائے جانے کی آرزو و تمنا کرنا، نگاہوں کا آنکھوں میں بے قرار رہنا، تصویرِ یار کا آنکھوں میں کھینچ دینا...... یہ سب وہ بصری پیکر ہیں جن کو نوریؔ بریلوی نے اپنے داخلی جذبات و احساسات سے ہم آہنگ ہو کر تراشا ہے۔ کیوں کہ نعت میں عشقِ رسول ﷺ کے داخلی محرکات ہی سے تجربات و مشاہدات کو جِلا ملتی ہے اور پیکر کے محاسن جنم لیتے ہیں۔

پیکر لامسہ یا لمسی پیکر: جب شاعر اپنے شعر میں ایسا لفظی پیکر بیان کرے جو پڑھنے یا سننے والے کی لمسی حس کو متاثر کرے یعنی الفاظ کی ایسی تصویر جو اسے سرد و گرم وغیرہ کا احساس کرائے تو ایسے پیکر کو پیکرِ لامسہ یا لمسی پیکر کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے پیکرِ لامسہ کی مثالیں ہے

فق ہو چہرہ مہر و ماہ کا ایسے منہ کے سامنے
جس کو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا

چاک تقدیر کو کیا سوزنِ تدبیر سیے
لاکھ وہ بخیہ کرے چاک گریباں ہوگا

کاسہ لیسی سے ترے دربار کی مہتاب بھی
کیسا منور ہوگیا ماہِ عجم ، مہرِ عرب

یوں بھیک لیتا ہے دو وقتہ آسماں انوار کی
صبح و مسا ہے جبہہ سا ماہِ عجم ، مہرِ عرب
اس جبہہ سائی کے سبب شب کو اسی سرکار نے
انعام میں ٹیکا دیا ماہِ عجم ، مہرِ عرب

موم ہے ان کے قدم کے لیے دل پتھر کا
سنگ نے دل میں رکھی انکے قدم کی صورت

ہے رگِ گردن سے اقرب نفس کے اندر ہے وہ
یوں گلے سے مل کے بھی ہے وہ جدا ملتا نہیں

یہ آج کاہے کی شادی ہے عرش کیوں جھوما
لبِ زمیں کو لبِ آسماں نے کیوں چوما

جانِ کونین ﷺ کے پیزار کے بوسہ پر چومنے والے کا منہ دیکھ کر مہر و مہ کے چہرے کا فق ہونا، چاک تقدیر کو سوزنِ تدبیر سے سینا، پھر گریباں کا چاک ہونا، درِ اقدس کی کاسہ لیسی سے مہتاب کا منور ہونا، آستانے پر جبیں سائی، آسماں کا صبح و مسا انوار کی بھیک لینا، آسمان کو درِ اقدس سے چاند کا ٹیکا دیا جانا، پتھر کا ان کے قدم کو موم کی صورت دل میں رکھنا، رگِ گردن سے قریب اور نفس میں رہ کر گلے سے ملنا، شادی سے لبِ آسمان کا لبِ زمین کو چومنا...... ان اشعار میں لمسی پیکر کو اس طرح ڈھالا گیا ہے۔ کہ ہر شعر لمسی کیفیت کا حسی وادراکی تصور پیش کرتا نظر آتا ہے۔ جہاں شاعر تشبیہ و استعارہ اور کنایہ سے لمسی پیکر تراش رہا ہے۔ درج بالا اشعار کے ان کلمات پر غور وخوض کیجیے۔ بوسہ لینا، سینا، کاسہ لیسی، جبہہ سائی، ٹیکہ دینا، دل میں صورت رکھنا، گلے ملنا، لب چومنا...... یہ سب کے سب لمس کی جملہ لذّاتی کیفیات ومحسوسات کو اجاگر کرتے ہیں جس سے نعت کا اچھوتا بانکپن دوبالا ہو رہا ہے۔

پیکرِ ذائقہ یا مذوقی پیکر: جب شاعر اپنے شعر میں ایسا لفظی پیکر بیان کرے جو پڑھنے یا سننے والے کی حسِ ذائقہ کو متاثر کرے یعنی الفاظ کی ایسی تصویر جو اسے ترش و شیریں وغیرہ کا احساس کرائے تو ایسے پیکر کو پیکرِ ذائقہ یا مذوقی پیکر کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے پیکرِ ذائقہ کی مثالیں ؎

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہو گئے
منہ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا

نہ کیسے یہ گل و غنچہ ہوں خوار آنکھوں میں
بسے ہوئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں
نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

جو ساقیِ کوثر کے چہرے سے نقاب اُٹھے
ہر دل بنے مَے خانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ

آبلے پاوں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے
راہِ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت

بجھے گی شربتِ دیدار ہی سے تشنگی اپنی
تمہاری دید کا پیاسا ہوں یوں پیاسا ہوں کوثر کا

دلِ دشمن کے لیے تیغِ دو پیکر ہے سخن
چشمِ حاسد کو مرا شعر نمک داں ہوگا

آبلوں کے کٹوروں کا خالی ہونا، خار کا منہ تر نہ ہونا، مدینے کے خار کا آنکھوں میں بسنا، دل کا مَے خانہ اور آنکھوں کا پیمانہ بننا، پاوں میں آبلے پڑنے کے سبب راہِ طیبہ میں سر کے بل

چلنا، شربتِ دیدار سے تشنگی بجھانا، چشمِ حاسد کے لیے شعر کا نمک داں ہونا......ان جملہ اشعار میں مذوقی پیکر کی وہ تمام کیفیات اور احساسات موجود ہیں جو ذائقۂ حس سے متعلق ہیں۔ یہ شاعر کا فنّی کمال ہے کہ ان میں جن علامتوں کو برتا گیا ہے ان سے وجدان میں ایک خاص لذتِ ذائقہ اُبھرتی ہے جو کہیں نمک دانی اور شربتِ دیدار، تو کہیں دل کے مَے خانہ اور آنکھ کے پیمانہ بننے اور کہیں آبلوں کے درد و کرب اور کسک کے پیکر میں جلوہ گر ہیں۔ مگر ان اشعار میں نعت کا اسلوب اپنے مکمل رنگ و آہنگ کے ساتھ سبک خرام ہے قدم قدم پر مذاقِ فن کی تہہ داری دلوں میں لذتِ ذائقہ پیدا کرتی ہے؛ جہاں نہ تو قوتِ ذائقہ کی تلخیاں و ترشیاں ہیں اور نہ ہی سقم و عیب کی بے کیفی و بے لذتی......

پیکرِ شامّہ یا مُشامی پیکر: جب شاعر اپنے شعر میں ایسا لفظی پیکر بیان کرے جو پڑھنے یا سننے والے کی حسِ شامّہ کو متاثر کرے یعنی الفاظ کی ایسی تصویر جو خوشبو وغیرہ کا احساس کرائے تو ایسے پیکر کو پیکرِ شامّہ یا مُشامی پیکر کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے پیکرِ شامّہ کی مثالیں ؎

کوچۂ دل کو بس جاتا مہک سے تیری
کام اتنا بھی مجھے بادِ صبا نے نہ دیا

خاکِ طیبہ سے اگر کوئی نکھارے گیسو
سنبلِ خلد تو کیا حور بھی وارے گیسو
عنبرستاں بنے محشر کا وہ میداں سارا
کاش ساقی کے کھلیں حوض کنارے گیسو
بادہ و ساقی لبِ جُو تو ہیں پھر ابر بھی ہو
کھول دے ساقی اگر حوض کنارے گیسو

کیوں زُلفِ معنبر سے کوچے نہ مہک اُٹھیں
ہے پنجۂ قدرت جب زُلفوں کا تری شانہ

جس گلی سے تو گزرتا ہے مری جانِ جناں
ذرّہ ذرّہ تری خوشبو سے بسا ہوتا ہے

ان تمام اشعار میں مشامی پیکر کی جن تہوں کو عشق واُلفت کی خوشبو سے معطر ومعنبر کیا گیا ہے اُنھیں نعت کا جوہر کہا جاسکتا ہے۔ کوچۂ دل کا مہک سے بسنا، خاکِ طیبہ سے گیسو کا نکھارنا پھر اس پر سنبل اور حور کا اپنے گیسو ہارنا، حوض کے کنارے گیسو کھل جانے پر میدانِ محشر کا عنبرستاں بن جانا، بادہ وساقی، لبِ جو اور ابر میں ساقی کا گیسو کھلنا، زُلفِ معنبر سے گلیوں کا مہک اُٹھنا، پنجۂ قدرت کا زُلفِ اقدس کو شانہ کرنا، گلی سے گزرنے پر ذرّے ذرّے کا خوشبو سے بس جانا...... مُشامی پیکر کی جس تمثالی کیفیت کو واضح کرتے ہیں وہ قوتِ شامّہ کے لیے پیکر کی حسین وجمیل اور دل کش مثالیں ہیں۔ جن میں گہری معنویت کے ساتھ ساتھ ایک مانوس فضا بھی پائی جاتی ہے جہاں مُشامی پیکر کے علائم کُلی طور پر موجود ہیں۔ یہاں عشق ومحبتِ رسول ﷺ کی وہ سوندھی جلوہ فرما ہے جو کسی عاشقِ مہجور کے ہر اعضاے بدن کو قوتِ شامّہ عطا کرتی ہے۔

پیکرِ سامعہ یا سمعی پیکر: جب شاعر اپنے شعر میں سنائی دینے والا لفظی پیکر بیان کرے یعنی الفاظ کی ایسی تصویر جس سے پڑھنے یا سننے والے کی حسِ سامعہ متاثر ہو اور وہ تصویر میں بیان کی گئی شَے کو سُن لے تو ایسے پیکر کو پیکرِ سامعہ یا سمعی پیکر کہتے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے پیکرِ سامعہ کی مثالیں ؎

اُنھیں کی نعت کے نغمے زبور سے سُن لو
زبانِ قرآں میں اُن کے ترانے آئے ہیں

جن کے دعوے تھے ہم ہی اہلِ زباں
سُن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے

پڑھوں وہ مطلعِ نوری ثناے مہرِ انور کا
ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہرِ محشر کا

بلبلِ خوش نوا طوطیِ خوش گلوٗ

زمزمہ خواں ہیں گاتے ہیں نغماتِ ہوٗ
قمری خوش لقا بولی حق سرہٗ
فاختہ خوش ادا نے کہا دوست توٗ

سماعی پیکر کے مذکورہ بالا اشعار میں نعت کے نغمے زبور سے سننا، زبانِ قرآں پر محبوب کے ترانے آنا، قرآن سن سن کر زبانیں دبا کر چلنا، ثناے مہرِ انور کا مطلعِ نوری پڑھنا، بلبلِ خوش نوا اور طوطیِ خوش گلو کا نغمہ سرا ہونا، قُمری اور فاختہ کا بولنا...... یہ سماعی پیکر کی مثالیں ہیں جن میں استعارہ وکنایہ سے سماعی پیکر تشکیل دیے گئے ہیں۔ گویا اپنی معنویت کے لحاظ سے ان پیکروں میں سماعی حس کی اُٹھان شباب پر ہے اور پورا نظامِ سماعی؛ حسّی جولانیت سے ہم کنار نظر آتا ہے مذکورہ بالا اشعار سماعی پیکر کی دل نشین تصویریں ہیں۔

مخلوط پیکر: ذہنی اور ادراکی، مجازی اور تجسیمی پیکروں کے مرکب سے بننے والا پیکر "مخلوط پیکر" کہلاتا ہے۔ ذہنی اور ادراکی پیکروں کو حواسِ خمسہ کے لحاظ سے تقسیم کرکے بیان کرنے کے بعد مخلوط پیکر کی چند مثالیں پیش کرنا ناگزیر ہے۔ مخلوط پیکر میں پیکروں کی ترتیب کبھی دو دو، کبھی تین تین اور کبھی کبھار کئی کئی پیکروں سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر نوریؔ بریلوی کے اشعار خاطر نشین ہوں ؎

دیکھ مت دیکھ مجھے گرم نظر سے خاور
شوخیِ چشم سے تو آپ پریشاں ہوگا

تم اگر چاہو تو اک چینِ جبیں سے اپنی
کردو اعدا کو قلم تیغِ دو دم کی صورت

سر پر بادل کالے کالے دودِ عصیاں کے ہیں چھالے
دم گھٹتا ہے میرے مولیٰ صلی اللہ علیک وسلم

شب کو شبنم کی مانند رویا کیے
صورتِ گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

نگاہ مہر جو اس مہر کی ادھر ہوجائے
گنہ کے داغ مٹیں دل مرا قمر ہوجائے

پہلے شعر میں بصری پیکر، آتشیں پیکر اور جمالیاتی پیکر کو اجاگر کیا گیا ہے۔ دوسرے شعر میں حسّی پیکر، حرکی پیکر اور بصری پیکر کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے شعر میں لونی پیکر، آتشیں پیکر اور مذوقی پیکر ہے۔ چوتھے شعر میں سیال پیکر، جمالیاتی پیکر اور سماعی پیکر موجود ہیں۔ پانچویں شعر میں بصری پیکر، نوری پیکر، لمسی پیکر اور جمالیاتی پیکر کی مثالیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

بے مثل پیکر: نعتیہ شاعری میں پیکریت کا تصور کچھ اس قدر زیادہ وسیع وعریض ہے جو دیگر اصناف میں کم پایا جاتا ہے۔ ذہنی وادراکی، تجسیمی، مادی، بسیط، مخلوط اور آتشیں پیکر کی مثالیں تو دوسری اصناف میں بہ کثرت ملتی ہیں۔ مگر بے مثل پیکر یہ صرف اور صرف صنفِ نعت کا خاصّہ ہے۔ اس کی ایک نادر اور اچھوتی مثال مولانا احمد رضا بریلوی (م 1340ھ/ 1921ء) کے کلام سے نشانِ خاطر فرمائیں، جو مکمل طور پر بے مثل پیکر پر مبنی ہے ؎

رُخ دن ہے مہرِ سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زُلف یا مشکِ ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رُخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مذکورہ اشعار میں پیکر کے تمثال وتصورات کی نفی کردی گئی ہے۔ جس سے بے مثل پیکر اُبھرتا چلا آرہا ہے۔ اب حضرت نوریؔ بریلوی کے ان اشعار کو دیکھیے کہ بے مثل پیکر سے نعتیہ شاعری میں کیسے کیسے حسین وجمیل لالہ وگل کھلائے ہیں۔ کلامِ نوریؔ سے بے مثل پیکر کی مثالیں ؎

محالِ عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور
تَوَہُم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہم سر کا

آپ کا مثل شہا کیسے نظر میں آئے
کس نے دیکھی ہے بھلا اہلِ عدم کی صورت

نظر نظیر نہ آیا نظر کو کوئی کہیں
جچے نہ غلماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں

دو جہاں میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں مہر ومہ پتا ملتا نہیں

یہ کیا میں نے کہا مثلِ سا تم ہو معاذ اللہ!
منزہ مثل سے برتر ز ہر وہم وگماں تم ہو

ان اشعار میں عقلاً مماثل کو ہونا محال، ہم سری کا تَوَہُم نہ کرسکنا، اہلِ عدم کی صورت نہ دیکھنا، نظر کو نظیر کا نہ آنا، مہر ومہ وانجم کے ڈھونڈنے پر بھی دوسرا نہ ملنا، وہم وگمان میں بھی مثل سے منزہ وبرتر ہونا...... یہ بے مثل پیکر کے ایسے حسین وجمیل تصورات وتخیلات ہیں جن سے ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر وبے مثیل پیکر اُبھرتا ہے۔ اگرچہ ان اشعار میں بے مثل پیکر کے جس اسلوب کو برتا گیا ہے وہ بالکل عام فہم اور سلیس وسادہ ہے۔ تاہم فنِ نعت کا یہی سب سے بڑا کمال ہے کہ اس میں مقامِ نبوت کو حد درجہ حزم واحتیاط کے ساتھ اس حسین اسلوب سے بیان کیا جائے کہ دامنِ تقدیس پر تنقیص کی گرد بھی نہ پڑے اور نہ ہی مقامِ عبدیت کو مقامِ الوہیت تک پہونچا دیا جائے۔ حضرت نوریؔ بریلوی اس خارا شگاف وادی سے بہ آسانی اور اہتمام کے ساتھ گزر گئے جو آپ کے قادر الکلام شاعر ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

نوری پیکر: بے مثل پیکر کی طرح نوری پیکر بھی صنفِ نعت ہی کی ایک پیکری علامت ہے۔ جس میں تشبیہات کے ان تنزیہی تصورات وتخیلات کو واضح کیا جاتا ہے جو ممدوح کی ذات وصفات کے تناظر میں نورانی کوائف کا ماحصل لیے ہیں۔ چوں کہ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان اوصاف سے متصف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کے تقدیسی وملکوتی اور ایمان افروز ماحول میں نوری پیکر کی فراوانی ملتی ہے۔ کلامِ نوریؔ سے نوری پیکر کی مثالیں ؎

بنا عرشِ بریں مسند کفِ پائے منور کا

خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا
مٹے ظلمت جہاں کی نور کا تڑکا ہو عالم میں
نقابِ روے انور اے مرے خورشید اب سرکا

وصف کیا کوئی لکھے اس مہبطِ انوار کا
مہر و ماہ میں جلوہ ہے جس چاند سے رُخسار کا

وہ آئیں تیرگی ہو دور میرے گھر بھر کی
شبِ فراق کی یارب سحر ہوجائے

نصیب تیرا چمک اُٹھا دیکھ تو نوریؔ
عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

ان تمام اشعار میں عرشِ بریں کا کفِ پاے منور کا مسند بننا، نقابِ روے انور سے عالم میں نور کا تڑکا ہونا، مہر و ماہ میں چاند سے رُخسار کا جلوہ ہونا، رحمت عالم ﷺ کے گھر آنے سے تیرگی کا دور ہونا اور شبِ فراق کا سحر ہونا، عرب کے چاند کا لحد کے سرہانے آنا...... نوری پیکر کے لطیف تمثالی تصورات و تخیلات روشن کر رہے ہیں۔ جس سے نعت کا کیف و سرور دوبالا ہوتا جارہا ہے۔

اب آیئے جمالیاتی پیکر، آتشیں پیکر اور لُونی پیکر پر کچھ گفتگو کرتے ہیں اگرچہ یہ سارے پیکر قدرے فرق کے ساتھ نوری پیکر کا تلازمہ کہے جاسکتے ہیں اس لیے ان پیکروں کو علاحدہ بیان کیا جارہا ہے۔

جمالیاتی پیکر: جمالیاتی پیکر میں نوری پیکر بھی شامل ہوتا ہے۔ مگر لُونی پیکر میں ایک خاص رنگت، نمکینیت اور ملاحت کا استدرا کی پہلو متصور ہوتا ہے۔ اس لیے محاکات میں لُون کو جمال قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ لُون کی بہ نسبت جمالیاتی پیکر میں وسعت نمایاں ہوتی ہے اور اس کا دائرۂ حُسن لُونی پیکر سے ممتاز ہوتا ہے برخلاف لُونی پیکر کے۔ کلامِ نوریؔ میں جمالیاتی پیکر

کی مثالیں نشانِ خاطر ہوں

کُھلے ہیں دیدۂ عشاق خوابِ مرگ میں بھی
کہ اس نگار کا ہے انتظار آنکھوں میں
بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں
کِھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں

یہ گھٹا جھوم کے کعبہ کی فضا پر آئی
اُڑ کے یا ابرو پہ چھائے ہیں تمہارے گیسو

وہ حسیں کیا جو فتنے اُٹھا کر چلے
ہاں! حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے

مذکورہ اشعار میں خوابِ مرگ میں انتظار کے لیے دیدۂ عشاق کا کُھلا رہنا، فضاے کعبہ پہ گھٹا کا اُڑ کے آنا، ابرو پہ گیسو کا چھا جانا، حسین کا فتنے اُٹھا کر چلنا...... جمالیاتی پیکر کی انتہائی دل کش تصویریں ہیں۔

آتشیں پیکر: آتشیں پیکر کا نوری پیکر سے ایک گہرا تعلق اور رشتہ ہے۔ مگر یک گونہ آتشیں پیکر نوری پیکر سے جدا ہے۔ چوں کہ آتشیں پیکر میں سوختگی، جلن اور سوزش کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اس لیے ہر نوری پیکر کو آتشیں پیکر سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ پھر آتشیں پیکر میں دوُد کا کثیف مادّہ بھی ہوتا۔ جس کو صنفِ نعت میں برتنے کے لیے شعری محاسن پر گہری نظر ہونے کے ساتھ علمی گہرائی و گیرائی بھی ضروری ہے؛ ورنہ اس سے پیکر کی پاک وصاف چادر داغ دار ہو جائے گی۔ آتشیں پیکر کی وہ قدریں جو متعلقات سے تعبیر ہیں ان کو صنفِ نعت میں مقام دیا جاسکتا ہے اور اس سے پیکر تراشی قبیح نہیں کہلائے گی۔ کلامِ نوریؔ سے آتشیں پیکر کی مثالیں

مرقدِ نوریؔ پہ روشن ہے یہ لعلِ شب چراغ
یا چمکتا ہے ستارہ آپ کی پیزار کا

شربتِ دید نے اور آگ لگادی دل میں

تپشِ دل کو بڑھایا ہے بجھانے نہ دیا

وہ ہیں خورشیدِ رسالت نور کا سایہ کہاں
اس سبب سے سایۂ خیرالوریٰ ملتا نہیں

دل تپا سوزِ محبت سے کہ سب میل چھٹے
تپنے کے بعد ہی تو سونا کھرا ہوتا ہے

ان اشعار میں لعلِ شب چراغ کا مرقد پہ روشن ہونا، پیزاروں کا ستارہ چمکنا، شربتِ دید سے دل میں آگ لگنا، تپشِ دل کا نہ بجھنا بلکہ بڑھنا، خورشیدِ رسالت میں بوجہِ نور سایہ نہ ہونا، سوزِ محبت میں دل تپ کر میل کا چھٹنا......محاکاتِ شعری کے آتشیں پیکر ہیں۔

ان اشعار میں آتشیں پیکر کو برتنے کا جو حسین وجمیل انداز ہے اس کو دیکھ کر بے ساختہ دل سے سبحان اللہ! کی داد نکلتی ہے۔نوریؔ بریلوی نے آتشیں پیکر میں چراغ کا جلنا، آگ لگنا، دل کا تپنا......اس حسین انداز سے استعمال کیا ہے کہ یہاں سوختگی، جلن اور سوزش کی کیفیات و احساسات کا ادراک تو ہوتا ہے مگر دُوْد کی کثافت کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔جس سے نعت کا تقدس بھی برقرار رہتا ہے اور اس کی ملکوتیت بھی......

لُونی پیکر: لُونی پیکر ایک خاص رنگت، نمکینیت اور ملاحت کا حامل پیکر ہے۔ لُون کا جمالیات سے انتہائی گہرا تعلق ہے۔ یہ دراصل جمالیات ہی کے دائرۂ کار کی درخشندگی اور تابندگی کا ایک پیکری کردار ہوتا ہے۔تاہم قدرے فرق کے سبب اس کو علاحدہ رکھا جا سکتا ہے۔اب لُونی پیکر کے چند اشعار کلامِ نوریؔ سے جا طرنشین ہوں

تیرے باغِ حُسن کی رونق کا کیا عالم کہوں
آفتاب اک زرد پتّہ ہے ترے گلزار کا
زرد رُو کیوں ہوگیا خورشیدِ تاباں سچ بتا
دیکھ پایا جلوہ کیا اس مَطلعِ انوار کا

جو سوختہ ہیزم کو چاہو تو ہرا کردو

مجھ سوختہ جاں کا بھی دل پیارے ہرا کرنا

ان اشعار میں آفتاب کا باغِ حُسن کا ایک زرد پتہ ہونا، مطلعِ انوار کا جلوہ دیکھ کر خورشید کا زرد ہو جانا، سوختہ جاں کے دل کو ہرا کرنا......لُونی پیکر کی زندہ مثالیں ہیں۔

یہ تھا نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری میں محاکات اور پیکر تراشی کا تجزیاتی جائزہ؛ آپ کی نعتیہ شاعری کے محرکات داخلی اور خارجی دونوں ہیں۔مگر داخلیت اس قدر غالب ہے کہ وہ آئینۂ قلب ورُوح کو صیقل اور مجلا کرتی ہے۔آپ کی شاعری میں پیکر کا جو حسین وجمیل امتزاج ہے وہ سمعی، بصری، لمسی، مذوقی، شامّی، جمالیاتی، لونی، آتشیں پیکر تراشی کا نگارخانہ ہے۔جس سے جمالیاتی حس کو بھرپور تسکین ملتی ہے۔ان استعاروں اور پیکروں سے نوریؔ بریلوی کی جمالیاتی حسیت اور بصیرت کی آب وتاب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔مزید یہ کہ کلامِ نوریؔ کے بین السطور میں روحانی، عرفانی، اقداری اور اخلاقی شعور وآگہی کا ادراک بھی ہوتا ہے۔آپ کے بیش ترشہ پارے جھلملاتے پیکروں کا حسین جھرمٹ معلوم ہوتے ہیں۔ نئے اور بدیع مرکّبات، استعارات وپیکرات ان کی قوتِ متخیلہ اور شعری حرکیت کو عیاں کرتے ہیں۔آپ کے تئیں برتے گئے پیکروں میں پاکیزگی، لطافت، روحانیت اور صداقت بھی جھلکتی ہے جن سے قلب وذہن میں شیفتگی، شگفتگی، فریفتگی اور شادابگی پیدا ہوتی ہے۔علاوہ ازیں یہ بات بھی اُجاگر ہوتی ہے کہ نوریؔ بریلوی کی شاعری کا محور ومرکز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُلفت ومحبت اور تعظیم وتوقیر ہے؛ کہ یہی امر اُن کی نعت گوئی سے شغف کا سب سے بڑا سبب ہے۔اور اسی جذبے کے اظہار کے لیے آپ نے نعت گوئی کے میدان میں قدم رکھا۔

حواشی

(۱) سلیم شہزاد: فرہنگِ ادبیات، منظر نما پبلشرز، مالیگاؤں، ۱۹۹۸ئ، ص ۱۶
(۲) علی گڑھ میگزین: ۷۷/۱۹۷۶ئ، لیتھوکلر پرنٹرس، اچل تال، علی گڑھ، ص ۳۸
(۳) عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر: کلامِ رضا کے نئے ادبی زاویے، مطبوعہ بریلی، ص ۳۳
(۴) سلیم شہزاد: فرہنگِ ادبیات، منظر نما پبلشرز، مالیگاؤں، ۱۹۹۸ئ، ص ۱۹۷
(۵) سلیم شہزاد: فرہنگِ ادبیات، منظر نما پبلشرز، مالیگاؤں، ۱۹۹۸ئ، ص ۱۹۸

(۶) ابنِ فرید: میں اور ادب، اسرار کریمی پریس، الہ آباد، ص ۷۳

{............}

کلامِ نوریؔ میں خیال آفرینی

دیگر اصنافِ ادب کے مقابل نعت میں خیال آفرینی، مضمون آفرینی، معانی آفرینی، جدتِ ادا، ندرتِ بیان، شوکتِ لفظی، شکوہِ الفاظ، علوے فکر، اوجِ تخیل، طرزِ ادا کا بانکپن، شوخی و طراوت، بندش وچستی، نغمگی وموسیقیت، بے ساختگی وبرجستگی، نیرنگی وزورِ کلام، نکتہ آفرینی ونکتہ سنجی اور تنوعِ خیال جیسے عناصر کا استعمال مشکل ترین امر ہے۔ کیوں کہ نعت نگار کے لیے ان عناصر کے استعمال سے زیادہ اہمیت کا حامل نکتہ حزم واحتیاط اور شریعتِ مطہرہ کا پاس ولحاظ ہے۔ نعت کے تنگنائے میں شاعر کے لیے ان خوبیوں اور عناصر کا استعمال کرنا جذباتِ عشق ومحبت کی صداقت و سچائی اور اللہ رب العزت کی عطاے خاص پر مبنی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شاعری صرف موزوں مصرعوں کے جوڑتوڑ اور ردیف وقافیے کے صحیح استعمال کا نام نہیں۔ بل کہ معیاری شاعری وہی تسلیم کی جاتی ہے جن میں کلام کی یہ خوبیاں اور بیان وبدیع کے یہ عناصر موجود ہوں وگرنہ وہ اعلا شاعری نہیں بلکہ تک بندی ہی کہلائے گی چنانچہ مشہور ادیب ومحقق ڈاکٹر صابر سنبھلی اس ضمن میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔ :

> ''شاعری محض موزوں مصرعوں کے جوڑتوڑ اور ردیف و قافیے کے استعمال کا نام نہیں ہے، اگر الفاظ کے ایسے اجتماع جس میں ردیف وقوافی تو موجود ہوں مگر تخیل کی کارفرمائی نہ ہو اسے تک بندی یا برائے نام شاعری تو کہا جاسکتا ہے، اعلا درجے کی شاعری نہیں۔ تخیل کی بلندی سے کلام میں جو خوبیاں پیدا ہوتی ہیں، وہ ہیں تشبیہات واستعارات، تمام صنائع معنوی، اصلیت، باریک بینی، بلند خیالی، جذبات نگاری، جوش، دقتِ نظر، زورِ کلام، فلسفیانہ

> نکات، طنز، محاکات، مرقع نگاری، منظر نگاری، مطائبات، معاملہ بندی، نزاکتِ خیال، نکتہ آفرینی وغیرہم؛ ان خوبیوں کی وجہ سے کسی شاعر کی کوشش صحیح معنی میں شاعری بنتی ہے۔''(۱)

ہم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ نعت کا میدان بہت محدود ہے۔ اس لیے اس میں ان عناصر اور خوبیوں کا کما حقہٗ استعمال مشکل ہے۔ مگر ہمارے مستند اور جید نعت گو شعرا نے اس احسن انداز اور طرزِ ادا سے نعت گوئی کے چمنستان میں خیال آفرینی، جدتِ ادا، ندرتِ بیان اور نئے رنگ وآہنگ اور مزاج کے وہ حسین وجمیل گل بوٹے کھلائے ہیں کہ بے ساختہ سبحان اللہ! کہنے کو جی چاہتا ہے۔

رحمتِ عالم، ختمی مرتبت ﷺ کا حسین وجمیل سراپا، حق گوئی، اخلاقِ کریمانہ، سادگی وصفائی، سخاوت وفیاضی، داد ودہش، روضے کے دیدار کی خواہش وتمنا، روزِ محشر شفاعت وودادرسی کی آرزو، آپ سے طلبِ استعانت ودست گیری، معجزات وتصرفات اور معمولاتِ روز وشب وغیرہ ان جیسے بہت سے مضامین سے اردو کی روایتی نعتیہ شاعری مالا مال ہے۔ جن شعرا نے اپنی پوری توجہ نعت گوئی پر مرکوز کردی انہوں نے اگر چہ انھیں موضوعات وخیالات کا سہارا لیا مگر بات کہنے کے انداز اور سلیقے نے مضمون کو کہیں سے کہیں پہنچادیا اور قاری وسامع کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جو پڑھ اور سُن رہا ہے وہ بالکل نیا اور اچھوتا مضمون اور خیال ہے۔

شاعری میں کلام کے حُسن کو دوبالا کرنے کے لیے خیال آفرینی کا سہارا لینا شاعر کے لیے ناگزیر امر ہے۔ ندرتِ بیان، نادرہ کاری، تازہ کاری، جدتِ ادا اور لطافتِ معنی بھی اس کی مختلف شکلیں ہیں یا قدرے فرق کے ساتھ بدلے ہوئے نام ہیں۔

چودھویں صدی ہجری میں برِ صغیر ہندو پاک کے چند مشہور نعت گو شعرا میں امیرؔ مینائی، احمد رضاؔ بریلوی، حسنؔ رضا بریلوی، محسنؔ کاکوروی، ضیاء القادری بدایونی، حافظؔ پیلی بھیتی وغیرہ کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان شعرا کے بعد مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی بھی نعت گو شعرا میں منفرد اور ممتاز مقام ومنصب کے حامل مانے جاتے ہیں۔ یہاں آپ کے کلام میں خیال آفرینی کا جائزہ مقصود ہے۔

رسولِ محترم ﷺ کا ادب واحترام آپ کی تعظیم وتوقیر اور عظمتِ شان ایمانی عقیدہ

ہے۔اور یہی عقیدہ ایمان واسلام کی جان ہے اگر یہ نہ ہوتو کوئی شخص مومن تو درکنار مسلمان بھی نہیں ہوسکتا۔یوں ہی مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے علو مرتبت اور رفعت ومنزلت کا کما حقہٗ بیان کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ آپ کا رتبہ ومرتبہ اللہ رب العزت ہی صحیح معنوں میں جانتا ہے۔حضرت نوری بریلوی کی نثر ونظم میں ہر جگہ اس عقیدے کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔یوں تو بیش تر نعت گو شعرا کے کلام میں ان عقائد کے جلوے نظر آتے ہیں لیکن کلامِ نوری میں ان مضامین کے بیان میں خیال آفرینی کا اچھوتا اور دلکش انداز خاطر نشین ہو ے

جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

بنا عرشِ بریں مسند کفِ پائے منور کا
خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا

علوِ مرتبت پیارے تمہارا سب پہ روشن ہے
مکینِ لامکاں تم ہو شہ عرشِ علا تم ہو

تمہارے فیض سے لاٹھی مثالِ شمع روشن ہو
جو تم لکڑی کو چاہو تیز تر تلوار ہوجائے

ہزار آنکھیں ہیں تاروں کی اک گلِ مہِ تاب
یہ ایک پھول ہے جیسے ہزار آنکھوں میں
یوں ہی ہیں ماہِ رسالت بھی سب نبیوں میں
کرور آنکھوں نہیں بے شمار آنکھوں میں

رسول کریم، قاسم نعمت ﷺ کی داد ودہش، جود وعطا، سخاوت وفیاضی اور عطائے عام وفیضِ دوام کے بارے میں مختلف اسالیب میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔نوری بریلوی کا دل کش اسلوب نکتہ آفرینی اور خیال آفرینی لیے ہوئے ہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں ے

دو عالم صدقہ پاتے ہیں مرے سرکار کے در کا
اسی سرکار سے ملتا ہے جو کچھ ہے مقدر کا

جو آیا لے کے گیا کون لوٹا خالی ہاتھ
بتادے کوئی سنا ہو جو 'لا' مدینے سے

محروم نہیں جس سے مخلوق میں کوئی بھی
وہ فیض انھیں دینا وہ جود انھیں کرنا
ہے عام کرم ان کا اپنے ہوں کہ ہوں اعدا
آتا ہی نہیں گویا سرکار کو 'لا' کرنا
محروم گیا کوئی مایوس پھرا کوئی
دیکھا نہ سنا ان کا انکار و اِبا کرنا

حضور ﷺ کے جسمِ پاک کی لطافت اور نورانیت سے متعلق احادیثِ طیبات بہ کثرت وارد ہیں۔آپ کے جسمِ لطیف کا سایہ نہ تھا۔اس مضمون کو نعت میں نوری بریلوی نے مختلف مقامات پر پیش کیا ہے۔اور ہر جگہ نیا اسلوب اور اندازِ بیان ہے۔نیا اور اچھوتا خیال ہے۔دل کش انداز کے ساتھ آپ کے یہاں کہیں عاشقانہ رنگ ہے تو کہیں استدلالی رنگ ے

نہ سایا روح کا ہرگز نہ سایا نور کا ہرگز
تو سایا کیسا اس جانِ جہاں کے جسمِ انور کا

وہ ہیں خورشیدِ رسالت نور کا سایا کہاں
اس سبب سے سایۂ خیر الوریٰ ملتا نہیں

تو ہے نورِ خدا پھر سایہ کیسا
کہیں بھی نور کا سایا پڑا ہے

تو ہے ظلِّ خدا واللہ باللہ
کہیں سایے کا سایہ پڑا ہے
زمیں پر ترا سایہ کیسے پڑتا
ترا منسوب ارفع دائما ہے

رسول اللہ ﷺ کی بے مثالی اور بے نظیری کتاب وسنّت سے ثابت ہے۔آپ بے مثل و بے نظیر ہیں۔اس مضمون کو نوریؔ بریلوی نے نعت میں بڑی نزاکت ولطافت سے بلند تخیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے ؎

محالِ عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور
تَوَہُم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہم سر کا

اسی مضمون کو بالکل نئے اور اچھوتے پیرایہ میں ایک جگہ یوں بیان کرتے ہیں ؎

مثل ممکن نہیں ہے ترا اے لاثانی
وہم نے بھی تو ترا مثل سمانے نہ دیا

علاوہ ازیں نکتہ آفرینی اور خیال آفرینی کے ساتھ ساتھ بلندیِ تخیل اور ندرتِ ادا کا بانکپن خاطر نشین ہو ؎

نظر نظیر نہ آیا نظر کو کوئی کہیں
جچے نہ غلماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں

شہرِ محبوب، آستانۂ محبوب، کوچۂ محبوب اور دیارِ محبوب کے کانٹوں سے محبت ہر عاشقِ صادق کے لیے باعثِ راحتِ جان وسرورِ قلب وسینہ ہے۔مدینے کے خاروں کے سامنے لالہ و گل کی نازکی اُن کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔نوریؔ بریلوی کے کلام میں بھی اس کا ذکرِ جمیل نو بہ نو انداز میں ملتا ہے ؎

ضیا بخشی تری سرکار کی عالم پہ روشن ہے
مہ و خورشید صدقہ پاتے ہیں پیارے ترے
درکا

وہ سبز سبز نظر آرہا ہے گنبدِ سبز

قرار آگیا یوں بے قرار آنکھوں میں

آبلے پاؤں میں پڑجائیں جو چلتے چلتے
راہِ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت
دم نکل جائے مرا راہ میں اُن کی نوریؔ
ان کے کوچے میں رہوں نقشِ قدم کی صورت

نہ کیسے یہ گل و غنچہ ہوں خار آنکھوں میں
بسے ہوئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں
نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

رسولِ رحمت ﷺ کی ذاتِ مقدسہ حُسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حُسنِ صورت کے لحاظ سے بھی سب سے اعلا وارفع اور بے مثل و بے نظیر ہے۔ان جیسا حسین وجمیل اور خوب صورت نہ اُن سے پہلے کوئی ہوا نہ بعد میں،غزلیہ شاعری میں سراپا نگاری شعرا کے نزدیک محبوب و مرغوب ہے۔شعرا اپنے محبوب کی سراپا بیانی کے لیے نت نئے انداز اور اسلوب کو اختیار کرتے ہیں۔ مگر جب عاشقِ رسول (ﷺ) اپنے پیارے نبی (ﷺ) کے حُسن وجمال، روے تاباں، جمالِ جہاں آرا اور جبینِ منور کی ثنا خوانی وقصیدہ سرائی کرتا ہے تو معنی ومفہوم کا عمل اور خیال آفرینی کا نکھرا ہوا پیرایۂ اظہار طبیعت پر وجدانی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔

جنابِ رسالت مآب ﷺ کے حُسنِ پاک کے ذکر وبیان میں نوریؔ بریلوی کا سادگی ومعنویت سے پُر، جدتِ ادا سے معمور،خیال آفرینی سے مملو شعر نشانِ خاطر کریں ؎

وہ حُسیں کیا جو فتنے اُٹھا کر چلے
ہاں! حُسیں تم ہو فتنے مِٹا کر چلے

”حُسین“ کا تصور وتخیل اہلِ دنیا کے نزدیک فتنہ سامانیوں اور حشر انگیزیوں کا سبب رہا ہے۔مگر نوریؔ بریلوی کے بلندیِ تخیل اور شکوہِ لفظی نے حُسن کو ایک نئی دل کش معنویت عطا کی

ہے۔ ’’حُسین‘‘ وہ کیا جو فتنہ سامانیوں اور حشر انگیزیوں کا سبب بنے بل کہ ’’حُسین‘‘ تو در حقیقت حضور رحمتِ عالم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ جس نے اس عالمِ رنگ و بُو سے جملہ فتنہ و فساد کا مکمل طور پر خاتمہ فرمادیا اور کرب و غم میں ڈوبی ہوئی اس زمین کو محبت و اخوت کا سرچشمہ اور گہوارہ بنادیا۔ لفظِ ’’حُسین‘‘ کا اتنا حُسین، دل کش اور خوب صورت استعمال نوریؔ بریلوی کی طہارتِ نفسی، وجدان کی پاکیزگی اور فکری تقدس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ان کی گہری وابستگی کی صادق مثال ہے۔

تخیل کی بلند پروازی بھی کسی کلام کو بہترین شعر بنا سکتی ہے۔ اس لیے شاعری کے لیے یہ قوت ازبس ضروری ہے ورنہ شاعری تک بندی بن کر رہ جائے گی۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مضمون آفرینی، خیال آفرینی اور نکتہ آفرینی شاعر کی قوتِ متخیلہ کا ہی حصہ ہے۔ مگر نعت میں اس کے استعمال میں حد درجہ حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ غزل کی طرح نعت میں ہر جگہ اور ہر موقع پر اس کا استعمال نہیں ہوسکتا۔ نوریؔ بریلوی نے جمالِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان جس حُسن و خوبی کے ساتھ کیا ہے اس سے آپ کے تخیل کی بلند پروازی، علوے فکر اور خیال آفرینی کو محسوس کیا جاسکتا ہے ؎

تمہارا حُسن ایسا ہے کہ محبوبِ خدا تم ہو
’مہ‘ کامل کرے ’کسبِ ضیا‘ وہ ’مہ لقا‘ تم ہو

مذکورہ شعر میں ’’مہ کامل...... کسبِ ضیا...... مہ لقا‘‘ کے بیان میں معنی آفرینی کے ساتھ خیال آفرینی اور بلند پروازی بھی ہے۔ اسی طرح بالکل نیا خیال اور اچھوتا مضمون ؎

جلوۂ حُسنِ جہاں تاب کا کیا حال کہوں
آئینہ بھی تو تمہیں دیکھ کے حیراں ہوگا

مذکورہ بالا شعر میں مصرعِ ثانی میں بالکل نیا اور اچھوتا خیال قلم بند کیا ہے جو کسی کے یہاں نظر نہیں آتا کہ ’’آئینہ بھی تو تمہیں دیکھ کے حیراں ہوگا‘‘۔

علاوہ ازیں بلا تبصرہ چند اشعار اور خاطر نشین فرمائیں جن میں خیال آفرینی کا جوہر مکمل آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے ؎

وصف کیا کوئی لکھے اس مہبطِ انوار کا
مہر و ماہ میں جلوہ ہے جس چاند سے رُخسار کا
فق ہو چہرہ مہر و ماہ کا ایسے منہ کے سامنے
جس کو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا

روکشِ خلدِ بریں ہے دیکھ کوچہ یار کا
حیف! بلبل اب اگر لے نام تو گل زار کا
تیرے باغِ حُسن کی رونق کا کیا عالم کہوں
آفتاب اک زرد پتہ ہے ترے گل زار کا
جلوہ گاہِ خاص کا عالم بتائے کوئی کیا
مہرِ عالم تاب ہے ذرّہ حریمِ یار کا
زرد رُو کیوں ہوگیا خورشیدِ تاباں سچ بتا
دیکھ پایا جلوہ کیا اس مطلعِ انوار کا

تمہارا نور ہی ساری ہے ان ساری بہاروں میں
بہاروں میں نہاں تم ہو بہاروں سے عیاں تم ہو
تمہارے حُسن و رنگ و بُو کی گل بوٹے حکایت ہیں
بہارِ گلستاں تم ہو بہارِ بوستاں تم ہو
تمہاری تابشِ رُخ ہی سے روشن ذرّہ ذرّہ ہے
مہ و خورشید و انجم برق میں جلوہ کُناں تم ہو

اے کہ تیری ذاتِ عالی سرِّ ہر موجود ہے
اے وہ سرور جس پہ صدقے بود ہر نابود ہے
اے وہ جس کا در، درِ فیض و سخا و جود ہے
اے وہ جس کا باب دشمن پر بھی نامسدود ہے
اے وہ جس کا رب ہے شاہد اور وہ مشہود ہے

اے وہ جس کا رب ہے حامد اور وہ محمود ہے
اے وہ جس کا رب ہو قاصد اور وہ مقصود ہے
اے کہ جس کا جود ایسا ہے کہ لامقصود ہے

حواشی

(۱) یادگارِ رضا: سالنامہ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۴ء، ص ۴۲

{............}

نوریؔ بریلوی کا پیرایۂ زبان و بیان

تحقیق کی روشنی میں اس بات کو واضح کیا جا چکا ہے کہ نوریؔ بریلوی اپنے عہد کے ممتاز عالم و فاضل، مفسر و محدث، فقیہ و مدرس، بلند پایہ ادیب، صاحبِ طرز انشا پرداز اور عظیم نعت گو شاعر کہلاتے تھے۔ آپ کا خانوادہ علم و فضل، زہد و تقوا، خشیتِ ربانی اور عشقِ رسالت پناہی (ﷺ) میں اپنی مثال آپ تھا۔ جدِ امجد مولانا رضا علی خاں (م 1282ھ/ 1866ئ)، جدِ کریم مولانا نقی علی خاں (م 1297ھ)، مولانا احمد رضا محدثِ بریلوی (م 1340ھ / 1921ئ) اور دیگر بزرگانِ خاندان نے علم و ادب کی وہ خدمات انجام دی ہیں کہ انھیں یقیناً آبِ زر سے تحریر کرنا چاہیے۔ صرف آپ کے والدِ ماجد مولانا احمد رضا بریلوی نے لگ بھگ ہزار کتب و رسائل قلم بند کر کے دین و ملت اور علم و ادب کے ایسے ماہ و نجوم درخشاں کیے ہیں جن کی روشنی میں دنیا بھر کے مسلمان اپنی فکر و نظر کا کارواں رواں دواں کیے ہوئے ہیں۔

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کو شاعری ورثے میں ملی تھی ۔ آپ نے عشقِ رسول (ﷺ) کے اظہار کے لیے شاعری کو بہ طورِ وسیلہ استعمال کیا۔ آپ کا کلام ایک عارف کے قلب و روح کی صدائیں ہیں علمی گیرائی و گہرائی اور عشقِ رسول (ﷺ) کے سوزِ والہانہ نے آپ کے کلام کو سادگی و معنوی دونوں حُسن سے مالا مال کر دیا۔ آپ کو زبان و بیان پر عالمانہ و فاضلانہ دسترس حاصل تھی۔ آپ کلی طور پر زبان کی نزاکتوں اور باریکیوں سے بہرہ ور تھے۔ چوں

کہ آپ نظم کے ساتھ ساتھ نثر پر بھی مہارتِ تامّہ رکھتے تھے اور ۴۰ کے لگ بھگ نثری کتب و رسائل، فتاوے اور حواشی آپ کی علمی یادگاریں ہیں جو کہ علم و ادب کا اعلاترین شاہ کار ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شاعر اپنے عہد اور زمانے کا ترجمان اور نقیب ہوتا ہے۔ اُس کی قوتِ متخیلہ پر اپنے عہد کے حالات اور ماحول کے بہت ہی گہرے اثرات مُرتسم ہوتے ہیں۔ شاعر اپنے کلام میں غیر محسوس طور پر اپنے دور سے قبول کیے ہوئے اثرات کو بیان کرتا ہے۔ شاعر کی انھی کیفیات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سراج احمد بستوی راقم ہیں :

”شاعر اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے وہ جو کچھ دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے اور جو کچھ اس پر گزرتی ہے اس کو وہ اپنی زبان، اپنے بیان اور اپنے انداز و لب و لہجہ میں نظم کرتا ہے کسی بھی شاعر کی تخلیقات کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد آسانی کے ساتھ اس کی تخلیقات کی زبان و بیان کا تعین کیا جا سکتا ہے کہ یہ فلاں عہد کا شاعر ہے اس کی زبان فلاں عہد کی ہے۔“(۱)

اس پس منظر میں جب ہم نوریؔ بریلوی کے عہد کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ وہ دور تھا جب اردو اپنے تشکیلی عہد سے نکل کر عنفوانِ شباب کی دہلیز بھی پار کر چکی تھی اور اردو زبان و بیان میں اس دور میں خاصی ترقی بھی ہوئی تھی۔ ادب کی مختلف تحریکات سے وابستہ ادبا، شعرا اور علماے کرام نے اردو زبان و بیان کو خوب آگے بڑھایا اور اس کی زُلفِ برہم کو اس حُسن و خوبی سے نکھارا اور سنوارا کہ نثر و نظم میں نت نئے تجریدی تجربات ہونے لگے۔

چناں چہ نوریؔ بریلوی کے پیرایۂ زبان و بیان کا جائزہ لینے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ موصوف نے جس ماحول میں نشو و نما پائی وہاں زبان و ادب کا کیا حال تھا۔

تحقیق سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ نوریؔ بریلوی کے عہد میں شاعری کا بڑا غلغلہ تھا۔ زبان و بیان کی دھوم مچی ہوئی تھی ان حالات کو بہ آسانی فہم کر لینا دشوار گزار امر ہے۔ کیوں کہ نوریؔ بریلوی نے بیسویں صدی کا وہ دور دیکھا تھا جب کہ محسنؔ، حالیؔ، شبلیؔ اور نظم طباطبائی کے قائم کردہ معیار میں مزید کچھ نئے رنگ و آہنگ کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اُس دور میں نعتیہ شاعری دو حلقوں میں منقسم ہو گئی تھی۔ نعت گو شعرا کا ایک حلقہ حالیؔ، شبلیؔ، محسنؔ اور نظم طباطبائی کے زیرِ اثر تھا تو دوسرا طبقہ امیرؔ مینائی، داغؔ دہلوی اور ناسخؔ لکھنوی کے زیرِ اثر تھا۔ ان دونوں کے علاوہ اس دور میں ایک

نئی، اچھوتی، ملکوتی، کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی، دل کش اور دل نشین آواز اُبھر رہی تھی جسے ہم تیسری آواز کہہ سکتے ہیں؛...... اور وہ آواز ہے مولانا احمد رضا خان محدثِ بریلوی کی...... نوریؔ بریلوی نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس میں رضاؔ بریلوی کی شاعری خصوصاً نعتیہ شاعری کا بڑا شہرہ تھا۔ آپ کی زبان و بیان کی پاکیزگی اور طہارت نے بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ بچے بچے کی زبان پر آپ کا ترانۂ سلام "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"...... اور نغماتِ نعت "چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے"...... "سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی (ﷺ)"...... جاری تھے اور دیگر نعتیہ اشعار اکنافِ عالم میں فردوسِ گوش بنے ہوئے تھے۔ آپ کی شہرت و مقبولیت نے آپ کی زبان و بیان کو وہ قبولِ عام عطا کیا کہ آپ کے عہد کے بیش تر نعت گو شعرا حسنؔ رضا بریلوی، محسنؔ کاکوروی، جمیلؔ بریلوی، حسنینؔ رضا بریلوی، نعیم الدین نعیمؔ مرادآبادی، سید محمد اشرفیؔ کچھوچھوی، عبدالعلیم علیمؔ میرٹھی، حشمت علی عبیدؔ رضوی لکھنوی ثم پیلی بھیتی، حافظؔ پیلی بھیتی اور مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی وغیرہ نے آپ کا تتبع اختیار کیا اور نعتیہ شاعری کے میدان میں قدم رنجہ ہوئے۔

یہ ایک سچائی ہے کہ شاعر اپنے زمانے اور ماحول میں رچی بسی شاعرانہ خصوصیات کو اپنانا اپنے لیے لازمی اور ضروری قرار دیتا ہے۔ دراصل اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کی شاعری قبولیتِ عام کی سند سے یک سر محروم رہ جائے۔ نوریؔ بریلوی اپنے پیش رو شعرا کی زبان و بیان کی تقلید تو کر رہے تھے مگر آپ کا پیرایۂ زبان و بیان، اندازِ نگارش اور طرزِ اظہار ان سے قدرے مختلف ہے۔ آپ کے کلام کے مطالعہ کی روشنی میں اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ آپ کے کلام میں زبان کی صحت کے ساتھ ساتھ سلاست، روانی، سادگی، بانکپن، پاکیزگی، طہارت اور صفائی وغیرہ نعتیہ شاعری کے جملہ اوصاف موجود ہیں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ آپ کے کلام میں معنویت کے ساتھ ساتھ سادگی اس درجہ غالب ہوگئی ہے کہ بعض غزلوں کی زمینیں بالکل سادہ سی ہو کر رہ گئی ہیں، ان میں نثریت آگئی ہے اور غنائیت اور نغمگی مفقود ہوگئی ہے۔ ویسے اگر دیکھا جائے تو یہ ان کی شاعری کا عیب یا فنی سُقم نہیں بل کہ یہ تو ایک ہنر ہے۔ صاف، سہل اور سادہ گوئی میں جو کیف ہے وہ مشکل پسندی اور ادق الفاظ و تراکیب کے استعمال میں نہیں۔ ممدوح سے متعلق جو واقعات حقیقتاً ظہور پذیر ہوئے ہوں اور شاعر اپنے اشعار میں سادگی اور معنویت کے ساتھ انھیں امور کو نظم کرے جو واقعتاً اُس کے اندر موجود ہوں تو یہی شاعر کا فنی کمال ہے۔

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کا کلام سہلِ ممتنع کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور شاعر کے اندر یہ مادہ تب ہی پیدا ہوتا ہے جب وہ شعر نظم کرنے میں مہارتِ تامّہ حاصل کر لیتا ہے۔ ورنہ نو مشق و نو آموز شعرا تو مشکل اور ادق الفاظ و تراکیب کا استعمال کرنے میں شہرت رکھتے ہیں چہ جائے کہ معنویت مفقود ہو۔ سہل اور سیدھے سادے الفاظ میں اپنا مقصد ادا کرنا ہی دراصل قادرالکلامی ہے اس پر وہی حاوی ہو سکتا ہے جو زبان و بیان سے مکمل طور پر آگاہی رکھتا ہو۔

نوریؔ بریلوی نے اپنے والدِ ماجد رضاؔ بریلوی سے بہت زیادہ اثرات قبول کیے۔ نوریؔ بریلوی کا پیرایۂ زبان و بیان رضاؔ بریلوی کے پیرایۂ زبان و بیان سے حد درجہ مماثلت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں کے کلام میں صوتی و معنوی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ جس کی درجنوں مثالیں دونوں کے کلام سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ جن سے نوریؔ بریلوی کے پیرایۂ زبان و بیان کو بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ 'لا' ہے نہ حاجت اگر کی ہے
(رضاؔ)

جس نے جو مانگا وہ پایا اور بے مانگے دیا
پاک منہ پر حرف آتا ہی نہیں انکار کا
سنو گے 'لا' نہ زبانِ کریم سے نوریؔ
کریم ہیں یہ خزانے لٹانے آئے ہیں
(نوریؔ)

لا وربِّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
(رضاؔ)

دو جہاں میں بٹتا ہے باڑہ اسی سرکار کا

دونوں عالم پاتے ہیں صدقہ اسی سرکار کا
(نوریؔ)

پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں
(رضاؔ)

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں
(نوریؔ)

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی ،جان ہے تو جہان ہے
(رضاؔ)

جب تم نہ تھے کچھ بھی نہ تھا، جب تم ہوئے سب کچھ ہوا
ہے سب میں جلوہ آپ کا ،مہرِ عجم ماہِ عرب
(نوریؔ)

جن جن مرادوں کے لیے احباب نے کہا
پیشِ خبیر کیا مجھے حاجت خبر کی ہے
(رضاؔ)

حال ہمارا جیسا زبوں ہے ،اور وہ کیسا اور وہ کیوں ہے
سب ہے تم پر روشن شاہا ، صلی اللہ علیک وسلم
(نوریؔ)

گذرے جس راہ سے وہ سیدِ والا ہوکر
رہ گئی ساری زمیں عنبرِ سارا ہوکر
(رضاؔ)

جس گلی سے تو گذرتا ہے مرے جانِ جناں

ذرّہ ذرّہ تری خوشبو سے بسا ہوتا ہے
(نوریؔ)

ایسا اُمی کس لیے منتِ کشِ استاد ہو
کیا کفایت تجھ کو اقرا ربک الاکرم نہیں
(رضاؔ)

نہ منت تم پہ استادوں کی رکھی
تمہارا اُمی ہونا معجزا ہے
(نوریؔ)

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود
(رضاؔ)

چھپا تم سے رہے کیوں کر کوئی راز
خدا بھی تو نہیں تم سے چھپا ہے
(نوریؔ)

مذکورہ بالا جائزے کے بعد نوریؔ بریلوی کے پیرایۂ زبان و بیان پر مزید روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں ذیل میں کلامِ نوریؔ سے زبان و بیان کی گل کاریوں کی مثالیں نشانِ خاطر کیجیے اور زبان کا لطف و سرور اُٹھاتے ہوئے بے ساختگی اور سلاست و روانی کو محسوس کیجیے
ے

مرضِ عشق کا بیمار بھی کیا ہوتا ہے
جتنی کرتا ہے دوا درد سوا ہوتا ہے
کیوں عبث خوف سے دل اپنا ہُوا ہوتا ہے
جب کرم آپ کا عاصی پہ شہا ہوتا ہے
سارا عالم ہے رضا جوئے خداوندِ جہاں
اور خدا آپ کا جویائے رضا ہوتا ہے

جس گلی سے تو گذرتا ہے مرے جانِ جناں

ذرّہ ذرّہ تری خوشبو سے بسا ہوتا ہے

کب گلِ طیبہ کی خوشبو سے بسیں گے دل وجاں

دیکھیے کب کرمِ بادِ صبا ہوتا ہے

دیکھیے غنچۂ دل اپنا کھلے کا کب تک

دیکھیے کب دلِ پژ مردہ ہرا ہوتا ہے

پیام لے کے جو آئی صبا مدینے سے

مریضِ عشق کی لائی دوا مدینے سے

تمہاری ایک جھلک نے کیا اُسے دل کش

فروغِ حُسن نے پایا شہا مدینے سے

نہ چین پائے گا یہ غم زدہ کسی صورت

مریضِ غم کو ملے گی شفا مدینے سے

لگاؤ دل کو نہ دنیا میں ہر کسی شَے سے

تعلق اپنا ہو کعبے سے یا مدینے سے

گدا کی راہ جہاں دیکھیں پھر نوا کیوں ہو

نوا سے پہلے ملے بے نوا مدینے سے

چمن کے پھول کھلے مردہ دل بھی جی اُٹھے

نسیم خلد سے آئی ہے یا مدینے سے

مدینہ چشمۂ آبِ حیات ہے یارو

چلو ہمیشہ کی لے لو بقا مدینے سے

فضائے خلد کے قرباں مگر وہ بات کہاں

مل آئیں حضرتِ رضواں ذرا مدینے سے

فوجِ غم کی برابر چڑھائی ہے

دافعِ غم تمہاری دوہائی ہے

عمر کھیلوں میں ہم نے گنوائی ہے

عمر بھر کی یہی تو کمائی ہے

تم سے ہردم امیدِ بھلائی ہے

میٹ دیجے جو ہم میں برائی ہے

تم نے کب آنکھ ہم کو دکھائی ہے

تم نے کب آنکھ ہم سے چرائی ہے

تم کو عالم کا مالک کیا اس نے

جس کی مملوک ساری خدائی ہے

تو خدا کا ہوا اور خدا تیرا

تیرے قبضے میں ساری خدائی ہے

جب خدا خود تمہارا ہوا تو پھر

کون سی چیز ہے جو پرائی ہے

تاج رکھا ترے سر رفعتا کا

کس قدر تیری عزت بڑھائی ہے

انبیا کو رسائی ملی تجھ تک

بس تمہاری خدا تک رسائی ہے

رشکِ سلطاں ہیں وہ گدا جس نے

تیرے کوچے میں دھونی رمائی ہے

کاش وہ حشر کے دن کہیں مجھ سے

نارِ دوزخ سے تجھ کو رہائی ہے

خوشبوئے زلف سے کوچے مہکے ہیں

کیسے پھولوں میں شاہا بسائی ہے

بات وہ عطرِ فردوس میں بھی نہیں

تیرے ملبوس نے جو سنگھائی ہے
طیبہ جاؤں وہاں سے نہ واپس آؤں
میرے جی میں تو بس یہ سمائی ہے
مر رہا ہوں تم آجاؤ جی اُٹھوں
شربتِ □ دید میری دوائی ہے

تو شمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ
جو ساقیِ کوثر کے چہرے سے نقاب اُٹھے
ہر دل بنے مے خانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ
دل اپنا چمک اُٹھے ایمان کی طلعت سے
کر آنکھ بھی نورانی اے جلوۂ جانانہ
سرشار مجھے کردے اک جامِ لبالب سے
تا حشر رہے ساقی آباد یہ مے خانہ
مستِ مے اُلفت ہے مدہوشِ محبت ہے
فرزانہ ہے دیوانہ ہے فرزانہ
ہر پھول میں بو تیری ہر شمع میں ضو تیری
بلبل ہے ترا بلبل پروانہ ہے پروانہ
ہر آرزو بر آئے سب حسرتیں پوری ہوں
وہ کان ذرا دھر کر سن لیں مرا افسانہ

مذکورہ بالا نمونہ کلام نوریؔ بریلوی کے مجموعۂ کلام ”سامانِ بخشش“ میں شامل چھوٹی بحروں کی نعتوں سے اخذ کرکے پیش کیا گیا ہے۔ شعرا کے درمیان چھوٹی بحروں میں طبع آزمائی خاصی مقبولیت کی حامل ہے۔ چھوٹی چھوٹی بحروں میں طبع آزمائی کرنا اور غزلیں کہنا دورِ متوسطین اور دورِ متاخرین کے شعرا کا خاص وصف رہا ہے۔ مومنؔ، غالبؔ، میرؔ اور داغؔ وغیرہ کے یہاں یہ خاص انداز اپنی پوری شعری و فنی خوبیوں کے ساتھ جلوا گر ہے۔ عموماً ان چھوٹی بحروں کا انتخاب

لطفِ زبان کے اظہار کے لیے کیا جاتا تھا فصیح الملک داغؔ دہلوی نے ان چھوٹی بحروں میں زبان و بیان کی شوخی اور بانکپن کے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں۔

غزل کے لیے یہ میدان تو بڑا وسیع اور پُر کیف ہے۔ البتہ نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ایک مشکل امر ہے کیوں کہ چھوٹی بحروں میں مضمون آفرینی کی گنجایش بہت کم ہے اور نعت میں جس قدر مضمون آفرینی ہوگی اتنی ہی کیف و سرور کی کیفیت پائی جائے گی۔ نوریؔ بریلوی نے ان چھوٹی بحروں میں بھی زبان و بیان کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ پڑھنے والے پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یہ آپ کی قادر الکلامی کی روشن دلیل ہے۔

چھوٹی بحروں کے بعد آئیے طویل بحروں میں نوریؔ بریلوی کی زبان و بیان اور سلاست و روانی اور شگفتگی کا نظارہ کیجیے ــ

بہارِ جاوداں تم ہو نسیمِ داستاں تم ہو
بہارِ باغِ رضواں تم سے ہے زیبِ جناں تم ہو
حبیبِ ربِ رحمن تم مکینِ لامکاں تم ہو
سرِ ہر دوجہاں تم ہو شہ شاہنشہاں تم ہو
خدا کی سلطنت کا دو جہاں میں کون دولہا ہے
تم ہی تم ہو تم ہی تم ہو یہاں تم ہو وہاں تم ہو
تمہارا نور ہی ساری ہے ان ساری بہاروں میں
بہاروں میں نہاں تم ہو بہاروں سے عیاں تم ہو
تمہارے حسن و رنگ و بو کے گل بوٹے حکایت ہیں
بہارِ گلستاں تم ہو بہارِ بوستاں تم ہو
نظر عارف کو ہر عالم میں آیا آپ کا عالم
نہ ہوتے تم تو کیا ہوتا بہارِ جاوداں تم ہو
یہ کیا میں نے کہا مثلِ سما تم ہو معاذاللہ!
منزہ مثل سے برتر ز ہر وہم و گماں تم ہو
میں بھولا آپ کی رفعت سے نسبت ہی ہمیں کیا ہے

وہ کہنے بھر کی نسبت تھی کہاں ہم ہیں کہاں تم ہو

کوئی کیا جانے جو تم ہو خدا ہی جانے کیا تم ہو
خدا تو کہہ نہیں سکتے مگر شانِ خدا تم ہو
تمہارا حسن ایسا ہے کہ محبوبِ خدا تم ہو
مہِ کامل کرے کسبِ □ ضیا وہ مہِ لقا تم ہو
علوِ مرتبت پیارے تمہارا سب پہ روشن ہے
مکینِ لامکاں تم ہو شہِ عرشِ علا تم ہو
تمہاری حمد فرمائی خدا نے اپنے قرآں میں
محمد اور محمد مصطفیٰ و مجتبیٰ تم ہو
خدا نے ذات کا اپنی تمہیں مظہر بنایا ہے
جو حق کو دیکھنا چاہیں تو اس کے آئینہ تم ہو
تمہیں باطن تمہیں ظاہر تمہیں اول تمہیں آخر
نہاں بھی ہو عیاں بھی مبتدا و منتہا تم ہو
مٹادی کفر کی ظلمت تمہارے روے روشن نے
سویرا شرک کا تم نے کیا شمس الضحیٰ تم ہو

رسل انہیں کا تو مژدہ سنانے آئے ہیں
انہیں کے آنے کی خوشیاں منانے آئے ہیں
فرشتے آج جو دھومیں مچانے آئے ہیں
انہیں کے آنے کی شادی رچانے آئے ہیں
فلک کے حور و ملک گیت گانے آئے ہیں
کہ دوجہاں میں یہ ڈنکے بجانے آئے ہیں
چمک سے اپنی جہاں جگمگانے آئے ہیں
مہک سے اپنی یہ کوچے بسانے آئے ہیں

نسیمِ فیض سے غنچے کھلانے آئے ہیں
کرم کی اپنی بہاریں دکھانے آئے ہیں
سحر کو نور جو چمکا تو شام تک چمکا
بتا دیا کہ جہاں جگمگانے آئے ہیں

کچھ ایسا کردے مرے کردگار آنکھوں میں
ہمیشہ نقش رہے روے یار آنکھوں میں
بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں
کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں
وہ نور دے مرے پروردگار آنکھوں میں
کہ جلوہ گر رہے رخ کی بہار آنکھوں میں
انہیں نہ دیکھا تو کس کام کی ہے یہ آنکھیں
کہ دیکھنے کی ہے ساری بہار آنکھوں میں
نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں
خزاں کا دَور ہوا دُور وہ جہاں آئے
ہوئی ہے قدموں سے ان کے بہار آنکھوں میں
کرم یہ مجھ پہ کیا ہے مرے تصور نے
کہ آج کھینچ دی تصویرِ یار آنکھوں میں

چارہ گر ہے دل تو گھایل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لے کے پھاہا مرہمِ زنگار کا
رشکِ خلدِ بریں ہے دیکھ کوچہ یار کا
حیف بلبل اب اگر تو نام لے گل زار کا
حسن کی بے پردگی پردہ ہے آنکھوں کے لیے

خود تجلی آپ ہی پردہ ہے روے یار کا
حُسن تو بے پردہ ہے پردہ ہے آنکھوں کیلئے
دل کی آنکھوں سے نہیں ہے پردہ روے یار کا
تیرے باغِ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں
آفتاب اک زرد پتہ ہے ترے گل زار کا
جب گرا میں بے خودی میں ان کے قدموں پر گرا
کام تو میں نے کیا اچھے بھلے ہشیار کا
خارِ گل سے دہر میں کوئی چمن خالی نہیں
یہ مدینہ ہے کہ ہے گلشن گلِ بے خار کا
گل ہو صحرا میں تو بلبل کے لیے صحرا چمن
گل نہ ہو گلشن میں تو گلشن ہے اک بَن خار کا
کوثر و تسنیم سے دل کی لگی بجھ جائے گی
میں تو پیاسا ہوں کسی کے شربتِ دیدار کا

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ نوریؔ بریلوی کی لفظیات میں سادگی ہے۔آپ کی اکثر نعتیں سادہ زمینوں اور آسان بحروں میں ملتی ہیں۔آپ نے اپنے کلام میں غیر مانوس، مشکل اور ادق الفاظ استعمال کرنے سے گریز کیا ہے۔ یہ نوریؔ بریلوی کے کلام کی خامی نہیں بل کہ یہ ایک طرح کی فن کاری اور کلام کا حُسن ہے۔کہا جاتا ہے کہ شاعر اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے اور وہ اپنے ماحول کے زیرِ اثر فکر و قلم کو مہمیز دیتا ہے۔نوریؔ بریلوی کے پیرایۂ زبان و بیان کے بارے میں ناقدین کا خیال ہے کہ آپ کی شاعری نثریت سے عبارت ہے اور اس میں غنائیت و نغمگی کم ہے، آپ کے کلام میں اردو کے دیگر شعرا کی طرح وہ لفظیات نہیں ہیں جو ہونی چاہئیں۔اس ضمن میں عرض ہے کہ نوریؔ بریلوی کو زبان و بیان پر اس قدر ملکہ حاصل تھا کہ آپ نے معنی و مفہوم کی ادائگی کے لیے آسان اور سہل پیرایۂ بیان اختیار کیا جو قاری و سامع کے لیے گراں نہیں گزرتا۔وہ معنی و مفہوم کی تہہ تک بہ آسانی پہنچ جاتا ہے نہ کہ دیگر شعرا کے کلام کی طرح مشکل اور ادق الفاظ کی بھول بھلیوں میں گم ہوجائے۔

واضح ہو کہ ہر زمانے کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔سوداؔ، غالبؔ، مومنؔ، انیسؔ، اصغرؔ، حسرتؔ، امیرؔ مینائی، داغؔ اور اقبالؔ وغیرہ کے دور کا تقاضا تھا کہ مشکل الفاظ استعمال کیے جائیں۔ اب جب کہ اردو صرف دہلی اور لکھنؤ تک محدود تک نہیں ہے اس کے اور بہت سے دبستان قائم ہو چکے ہیں اور اردو ادب پورے کشورِ ہندوستان پر چھایا ہوا ہے اور اس منظر نامے پر اب صاف وشستہ، سادہ وسلیس، آسان اور سہل پیرایۂ زبان و بیان کا مطالبہ ہے۔نوریؔ بریلوی اس مطالبے سے کما حقہٗ واقف تھے۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے سہل پیرایۂ زبان و بیان اختیار کیا۔

نوریؔ بریلوی کی شاعری کا ایک مقصد تھا۔وہ رسولِ رحمت ﷺ کے عشق و ادب کو مسلمانانِ عالم کے قلوب واذہان میں جاگزیں دیکھنا چاہتے تھے۔ بدعقیدوں اور بے دینوں، دہریوں اور ملحدوں کی مذمت بھی آپ کا مطمحِ نظر تھا۔اس فکری محاسبے کے بعد جب ہم نوریؔ بریلوی کے کلام کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ آپ انتہائی کامیاب وکامران شاعر ہیں۔اور آسان وسہل پیرایۂ زبان و بیان کے باوصف آپ کے کلام میں شعری وفنی محاسن اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ جلوہ گر ہیں اور آپ کے کلام میں زبان و بیان کی گل کاریاں بھی بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

نوریؔ بریلوی کے کلام میں یہ ساری خوبیاں اور اوصاف کسی استاذ کی رہبری کا رہینِ منّت نہیں ہیں بلکہ آپ کو خالقِ مطلق جل شانہٗ نے خود اپنی جانب سے ذہنِ رسا بخشا تھا اور عشقِ رسول ﷺ کی والہانہ وارفتگی اور فدائیت کی سرمستی وسرشاری نے آپ سے شعر کہلوائے اور علمی گہرائی وگیرائی نے آپ کے پیرایۂ بیان کو اتنی شیفتگی، شگفتگی اور پختگی عطا کردی کہ آپ کی نثری تخلیقات میں بھی کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہیں ملا۔غرض یہ کہ نوریؔ بریلوی ایک قادر الکلام شاعر اور بلند پایہ ادیب تھے جن کو زبان و بیان پر کامل دست گاہ حاصل تھی۔

حواشی

(۱) سراج احمد بستوی، ڈاکٹر: احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، کانپور یونیورسٹی، کانپور، ص ۲۵۷

{............}

کلامِ نوریؔ میں محاورات کا استعمال

کلام میں صنائعِ لفظی و معنوی، تراکیب، پیکرات، استعارات، تشبیہات نیز روزمرہ محاورات اور ضرب الامثال کا برمحل اور خوب صورت استعمال اس کے ادبی و لسانی حُسن اور لُطفِ مطالعہ کی کیفیت کو دوبالا کر دیتا ہے۔

کلامِ نوریؔ بریلوی کے مطالعہ کی روشنی میں یہ خیال تقویت پاتا ہے کہ آپ کے کلام میں جہاں دیگر شعری و فنی محاسن کی جلوہ گری ہے وہیں روزمرہ محاورات کے خوب صورت اور برمحل استعمال کی مثالیں بہ کثرت موجود ہیں ۔آپ شاعری کے جملہ محاسن پر ید طولیٰ رکھتے تھے۔گذشتہ ابواب میں آپ کے کلام کی دیگر خوبیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔پیشِ نظر ضمنی باب میں آپ کے کلام میں محاورات کے استعمال کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

محاورات اندازِ بیان اور طرزِ اظہار میں حُسن و دل کشی، جاذبیت اور کشش پیدا کرتے ہیں۔جس سے مطالعہ میں لُطف و سرور محسوس ہوتا ہے۔بہ قول ڈاکٹر صابر سنبھلی :

> ''محاورے کلام میں زور اور اثر پیدا کرتے ہیں، بہ شرط یہ کہ ان کو چابک دستی کے ساتھ استعمال کیا جائے۔''(۱)

ادب میں محاورات کو مخصوص مقام حاصل ہے۔محاورے نظم و نثر دونوں میں برتے

جاتے ہیں۔ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ محاورے کیا ہیں؟ اس تعلق سے اربابِ علم و ادب نے مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ تاہم تمام ہی تعریفوں کا خلاصہ و نچوڑ یہی نکلتا ہے کہ......
''محاورے وہ مصادر کہلاتے ہیں جو اصل معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال ہوتے ہوں''۔ جیسے غم کھانا، چراغ پا ہونا، آنکھ دکھانا وغیرہ۔ یوں ہی کھانا کھانا، غذا کھانا، مال چرانا، پانی پینا، وغیرہ محاورے نہیں کہلائیں گے کہ یہاں اصل معنی میں یہ مصادر استعمال ہوئے ہیں۔اس ضمن میں پروفیسر محمد طاہر فاروقی کے خیالات کو پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا، وہ لکھتے ہیں :

> '' محاورہ یہ ہے کہ الفاظ کو ان کے حقیقی معنوں میں سے ہٹ کر مجازی معنوں میں بولا جائے مثلاً: اتارنا کے حقیقی معنی ہیں اوپر سے نیچے لانا جیسے گھوڑے سے سوار کو اتارنا، کھونٹی سے کپڑا اتارنا، کوٹھے سے پلنگ اتارنا۔لیکن نقشہ اتارنا، نقل اتارنا، دل سے اتارنا اور دل میں اتارنا اپنے حقیقی معنوں میں نہیں اس لیے انھیں محاورہ کہا جائے گا۔اسی طرح کھانا کے حقیقی معنی ہیں کہ کسی چیز کو دانتوں سے دبا کر یا بغیر چبائے حلق سے اتارنا جیسے روٹی کھانا، دوا کھانا۔لیکن قسم کھانا، غم کھانا، دھوکہ کھانا، ٹھوکر کھانا اپنے حقیقی معنوں میں نہیں ہے اس لیے یہ محاورے ہیں۔''(۲)

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہ کہ محاورے کے الفاظ میں اوّلاً: تو کسی چیز کی کمی بیشی جائز نہیں۔ ثانیاً: ان کا صحیح اور برمحل استعمال ہی نثر و نظم کے حُسن و دل کشی میں اضافہ کا سبب بن سکتا ہے۔ اشعار میں محاورات کا استعمال حُسن و جمال اور لفظی رعنائی کو دوآتشہ کر دیتا ہے۔ بہ قول ڈاکٹر صابر سنبھلی :

> ''بعض جگہ تو محاورہ شعر میں جان ڈال دیتا ہے اور سامع اور قاری پھڑک اُٹھتا ہے۔تو بعض جگہ اس استاذی اور قادر الکلامی سے واسطہ پڑتا ہے کہ محاورہ استعمال بھی کیا ہے اور پھر بھی اس کی توضیحات کے حقیقی معنی مراد لیے گئے ہیں۔ یہ کام بڑے بڑے اساتذہ سے ہی ممکن ہے۔''(۳)

اس پس منظر میں کلامِ نوریؔ بریلوی کے مطالعہ کے بعد یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ آپ نے اپنے کلام میں محاوروں کا صحیح اور برمحل استعمال کیا ہے، جس سے آپ کے اشعار حُسن و

دل کشی اور لفظی رعنائی کا پیکر بن گئے ہیں۔ جو آپ کی قادر الکلامی کو نمایاں کرتے ہیں۔ کلامِ نوری بریلوی میں استعمال کیے گئے محاورات سے متعلق اشعار کا ایک انتخاب ردیف کے اعتبار سے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے :

محاورات کا جائزہ

''الف'' کی ردیف والی نعتوں میں محاورات

محاورہ(۱) آنکھیں بہنا: آنسو نکلنا

حسرتِ دیدار دل میں ہے اور آنکھیں بہہ چلیں
تو ہی والی ہے خدایا دیدۂ خوں بار کا

محاورہ(۲) آنکھوں میں بسانا: آنکھوں میں سمانا، پسند کرنا

پردہ میں جو رہتے ہو پردہ ہے چلے آؤ
آنکھوں میں بسا کرنا تم دل میں رہا کرنا

محاورہ(۳) انگشت بدنداں ہونا: حیرت، تعجب، افسوس یا حسرت کا اظہار کرنا

ماجرا دیکھ کے ہوگا یہ کسی کو سکتہ
اک تعجب سے وہ انگشت بدنداں ہوگا

محاورہ(۴) باڑا بٹنا: صدقہ و خیرات بٹنا

دو جہاں میں بٹتا ہے باڑا اسی سرکار کا
دونوں عالم پاتے ہیں صدقہ اسی دربار کا

محاورہ(۵) بیڑا پار کرنا: مشکل آسان کرنا

رَبِّ سلِّم کی دعا سے پار بیڑا کیجیے
راہ ہے تلوار پر نیچے ہے دریا نار کا

محاورہ(۶) فق ہونا: چہرے کا رنگ اُڑنا

فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے
جس کو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا

محاورہ(۷) دل میں گھر کرنا: دوستی کرنا، دل پر اثر کرنا، محبت پیدا کرنا

دل میں گھر کرتا ہے اعدا کے ترا شیریں
سخن
ہے میرے شیریں سخن شہرہ تری گفتار کا

محاورہ(۹) دل کی لگی بجھنا: حسرت نکلنا

کوثر و تسنیم سے دل کی لگی بجھ جائے گی
میں تو پیاسا ہوں کسی کے شربتِ دیدار کا

محاورہ(۱۰) ڈنکا بجنا: دھوم مچنا، شہرت ہونا

عرشِ اعظم پر پھریرا ہے شہِ ابرار کا
بجتا ہے کونین میں ڈنکا مرے سرکار کا

محاورہ(۱۱) سایا کرنا: حفاظت کرنا، حمایت کرنا

اے ظلِّ خدا سایہ ہے آج کہاں پایا
ہم سایے کو آئے ہیں تم سایا ذرا کرنا

محاورہ(۱۲) صدقے جانا: قربان ہونا، واری جانا، تصدق ہونا

بڑے دربار میں پہنچایا مجھ کو میری قسمت نے
میں صدقے جاؤں کیا کہنا مرے اونچے مقدر
کا

محاورہ(۱۳) صدقہ پانا: خیرات پانا

دو عالم صدقہ پاتے ہیں مرے سرکار کے در کا
اسی سرکار سے ملتا ہے جو کچھ ہے مقدر کا

محاورہ(۱۴) قسمت جاگ اُٹھنا: اچھے دن آنا، دن پھرنا

جاگ اُٹھی سوئی قسمت اور چمک اُٹھا نصیب
جب تصور میں سمایا روئے انور یار کا

محاورہ(۱۵) قسم کھانا: عہد کرنا، قول دینا، حلف اُٹھانا

اس کی قسمت کی قسم کھائیں فرشتے تو بجا

عید کی طرح وہ ہر آن میں شاداں ہوگا

محاورہ(۱۶) کھٹکا ہونا: کھڑکا ہونا، فکر ہونا، اندیشہ ہونا

راہ پر کانٹے بچھے ہیں کانٹوں پر چلنی ہے راہ
ہر قدم ہے دل میں کھٹکا اس رہِ پُر خار کا

محاورہ(۱۷) گریباں چاک کرنا: کپڑے پھاڑنا، بہت رنج کرنا

یوں ہی کچھ اچھا مداوا اس کا ہوگا بخیہ گر
چاک کر ڈالوں گریباں زخمِ دامن دار کا
چاک تقدیر کو کیا سوزنِ تدبیر سے
لاکھ وہ بخیہ کرے چاک گریباں ہوگا

محاورہ(۱۸) لوہا ماننا: کسی کی دلیری اور شجاعت کا قائل ہونا

کچھ عرب پر ہی نہیں موقوف اے شاہِ جہاں
لوہا مانا ایک عالم نے تری تلوار کا

محاورہ(۱۹) منہ تر نہ ہونا: پیاس نہ بجھنا

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہو گئے
منہ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا

محاورہ(۲۰) مقدر چمکنا: تقدیر جاگنا، بھلے دن آنا، قسمت یاور ہونا

کوئی دم کی دیر ہے آتے ہی دم کی دیر
ہے
اب چمکتا ہے مقدر طالبِ دیدار کا

محاورہ(۲۱) ہاتھ آنا: میسر آنا، دستیاب ہونا

دھجیاں ہو جائے دامن فردِ عصیاں کا مری
ہاتھ آ جائے جو گوشہ دامنِ دلدار کا

محاورہ(۲۲) ہرا کرنا: سرسبز کرنا، باغ باغ کرنا

جو سوختہ ہیزم کو چاہو تو ہرا کردو

مجھ سوختہ جاں کا بھی دل پیارے ہرا کرنا

محاورہ(۲۳) پیاسا ہونا: خواہش مند ہونا، مشتاق ہونا

بجھے گی شربتِ □ دیدار ہی سے تشنگی اپنی
تمہاری دید کا پیاسا ہوں یوں پیاسا ہوں کوثر کا

(یہاں ''پیاسا ہونا'' حقیقی اور مجازی دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے اس میں ''دید کا پیاسا ہونا'' محاورہ ہے)

''با'' کی ردیف والی نعتوں میں محاورات

محاورہ(۲۴) ٹیکا دینا: زیور دینا

اس جبہ سائی کے سبب شب کو اسی سرکار نے
انعام میں ٹیکا دیا ماہِ عجم مہرِ عرب

محاورہ(۲۵) جلا دینا: زندہ کرنا

ہے تم سے عالم پُر ضیا ماہِ عجم مہرِ عرب
دے دو میرے دل کو جلا ماہِ عجم مہرِ عرب

محاورہ(۲۶) جبہ سائی کرنا: ماتھا رگڑنا

اس جبہ سائی کے سبب شب کو اسی سرکار نے
انعام میں ٹیکا دیا ماہِ عجم مہرِ عرب

محاورہ(۲۷) دامنِ شب پھٹنا: اُجالا ہونا، روشنی ہونا

آپ نے جب مشرقِ انوار سے فرمایا طلوع
دامنِ شب پھٹ گیا مہرِ عجم ماہِ عرب

محاورہ(۲۸) قیامت بپا کرنا: مصیبت میں ڈالنا

تم نے مغرب سے نکل کر اک قیامت کی بپا
کافروں پر سرورا مہرِ عجم ماہِ عرب

محاورہ(۲۹) منہ اُجالا کرنا: سرخروئی ہونا، چہرے کا رنگ نکھر آنا

روسیہ ہوں منہ اُجالا کر مرا جانِ قمر
صبح کر یا چاندنا مہرِ عجم ماہِ عرب

"تا" ردیف والی نعتوں میں محاورات

محاورہ(۳۰) دل میں رکھنا: پوشیدہ کرنا

موم ہے ان کے قدم کے لیے دل پتھر کا
سنگ نے دل میں رکھی ان کے قدم کی صورت

"م" ردیف والی نعتوں اور منقبتوں میں محاورات

محاورہ(۳۴) جھولی پسارنا: جھولی پھیلانا

راجا پرجا آپ کے دوارے، سب ہیں بیٹھے جھولی پسارے
داتا پیارے دولت والے تم پر لاکھوں سلام

محاورہ(۳۵) جلوہ دکھانا: دیدار دکھانا، نظر آنا

خواب میں جلوہ اپنا دکھاؤ، نوریؔ کو تم نوری بناؤ
اے چمکیلی رنگت والے تم پر لاکھوں سلام

محاورہ(۳۶) پردہ ڈھانپنا: عیب چھپانا

کوئی نہیں ہے ایسا آقا، پردہ ڈھانپے جو ننگوں کا
شرم وحیا وغیرت والے صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

محاورہ(۳۷) خبر لینا: مدد کو آنا، دستگیری کرنا

للہ! خبر لو نوریؔ کی اچھی صورت ہو نوریؔ کی
چاندسی اچھی صورت والے صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

محاورہ(۳۸) دم گھٹنا: سانس کا رُکنا، گھبراہٹ ہونا، جی گھبرانا

سر پر بادل کالے کالے، دودِ عصیاں کے ہیں چھالے
دم گھٹتا ہے میرے مولا صلی اللہ علیک وسلم

محاورہ(۳۹) دامن میں لینا: پناہ دینا، سہارا دینا

منہ تک میرے پسینہ پہونچا، ڈوبا ڈوبا ڈوبا ڈوبا
دامن میں لے لیجیے آقا صلی اللہ علیک وسلم

محاورہ(۴۰) دم میں دم آنا: اطمینان ہونا، تسلی ہونا

میرے آقا میرے مولا، آپ سے سُن کر انی لہا
دم میں ہے دم میرے آیا صلی اللہ علیک وسلم

محاورہ(۴۱) سکہ جاری ہونا: حکم چلنا

جتنے سلاطیں پہلے آئے، سکے ان کے ہوگئے کھوٹے
جاری رہے گا سکہ تیرا صلی اللہ علیک وسلم

محاورہ(۴۲) گھٹا چھانا: ابر گھرنا، بادل گھرنا

غم کی کالی گھٹائیں چھائیں، رنج والم کی بلائیں چھائیں
شمسِ ضحیٰ ہو جلوہ فرما صلی اللہ علیک وسلم

محاورہ(۴۳) موم بنانا: نرم کرنا، ملائم کرنا

تیرے نقشِ قدم نے سرور پتھر موم بنائے یکسر
موم بنا دلِ سنگیں میرا صلی اللہ علیک وسلم

محاورہ(۴۴) پیچ وخم نکالنا: ٹیڑھا پن دور کرنا

ہے قسمت میری ٹیڑھی تم سیدھی کردو
نکل جائے سب پیچ وخم غوثِ اعظم

محاورہ(۴۵) جان میں جان آنا: طاقت آنا، قوت آنا، تازگی آنا

مری جان میں جان آئے جو آئے
مرا جانِ عالم مرا غوثِ اعظم

محاورہ(۴۶) خاطر میں نہ لانا: خیال نہ کرنا، عزت نہ کرنا، پرواہ نہ کرنا

نہیں لاتا خاطر میں شاہوں کو شاہا
ترا بندۂ بے درم غوثِ اعظم

محاورہ(۴۷) زخم بھرنا: زخم اچھا ہونا

ترا حُسنِ نمکیں بھرے زخم دل کے

بنہ مرہمے بر دلم غوثِ اعظم

محاورہ(۴۸) فدا ہونا: قربان ہونا، تصدق کرنا، وارنا، عاشق ہونا، فریفتہ ہونا

فدا تم پہ ہوجائے نوریؔ مضطر
یہ ہے اس کی خواہش دلی غوثِ اعظم

محاورہ(۴۹) لاج رکھنا: عزت بچانا، آبرو نہ بگڑنے دینا

ترے صدقے جاؤں مری لاج رکھ لے
ترے ہاتھ ہے لاج یاغوثِ اعظم

''ن'' ردیف والی نعتوں میں محاورات

محاورہ(۵۰) آنکھوں میں آنا: آنکھ میں سمانا

جو خواب میں کبھی آئیں حضور آنکھوں میں
سرور دل میں ہو پیدا تو نور آنکھوں میں

محاورہ(۵۱) بستر جمانا: قیام کرنا

مدینہ ہم سے فقیر آکے لوٹ جائیں گے
درِ حضور پہ بستر جمانے آئے ہیں

محاورہ(۵۲) تصویر کھینچنا: شبیہ اُتارنا

کرم یہ مجھ پہ کیا ہے مرے تصور نے
کہ آج کھینچ دی تصویرِ یار آنکھوں میں

محاورہ(۵۳) ٹھوکریں کھانا: دربدر پھرنا

میں کیوں غیر کی ٹھوکریں کھانے جاؤں
ترے در سے اپنا گزارا کروں میں

محاورہ(۵۴) چارا کرنا: راستہ نکالنا، تدبیر کرنا

صبا ہی سے نوریؔ سلام اپنا کہہ دے

سوا اس کے کیا اور چارا کروں میں

محاورہ(۵۵) دل کی لگی بجھانا: حسرت نکالنا

ہم اپنی حسرتِ دل کو مٹانے آئے ہیں
ہم اپنی دل کی لگی کو بجھانے آئے ہیں

محاورہ(۵۶) داغِ دل دکھانا: رنج وغم دکھانا

کریم ہیں وہ نگاہِ کرم سے دیکھیں گے
ہے داغ داغ دل اپنا دکھانے آئے ہیں

محاورہ(۵۷) دل کی کلی کھلنا: آرزو پوری ہونا

کھلے گی میرے بھی دل کی کلی کہ جانِ جناں
چمن میں پھول کرم کے کھلانے آئے ہیں

محاورہ(۵۸) دل میں سمانا: ہر وقت خیال میں رہنا

حضور آنکھوں میں آئیں حضور دل میں سمائیں
حضور دل میں سمائیں حضور آنکھوں میں

محاورہ(۵۹) دھونی رمانا: کسی جگہ بیٹھ جانا

فقیر آپ کے در کے ہیں ہم کہاں جائیں
تمہارے کوچہ میں دھونی رمانے آئے ہیں

محاورہ(۶۰) دل قربان ہونا: فریفتہ ہونا، شیدا ہونا

نہ اک نگاہ ہی صدقہ ہو دل بھی قرباں ہو
کرم کرے تو وہ ناقہ سوار آنکھوں میں

محاورہ(۶۱) دم کا میہماں ہونا: مرنے کے قریب ہونا

یہ دم ہمارا کوئی دم کا اور مہماں ہے
کرم سے لیجیے دم بھر قرار آنکھوں میں

محاورہ(۶۲) دامن پسارنا: سوال کے لیے ہاتھ پھیلانا

ترے در کے ہوتے کہاں جاؤں پیارے
کہاں اپنا دامن پسارا کروں میں

محاورہ(۶۳) دل نکھارنا: دل صاف کرنا

جو ہو قلب سونا تو یہ ہے سہاگا
تری یاد سے دل نکھارا کروں میں

محاورہ(۶۴) دو پارا کرنا: دوٹکڑے کرنا

خدا ایک پر ہو تو اک پر محمد
اگر قلب اپنا دو پارا کروں میں

محاورہ(۶۵) ڈنکا بجنا: دھوم مچنا، شہرت ہونا

فلک کے حور و ملک گیت گانے آئے ہیں
کہ دو جہاں میں یہ ڈنکے بجانے آئے ہیں

محاورہ(۶۶) راہ ماری کام ہونا: رہزنی کا کام ہونا

رہنماؤں کی سی صورت راہ ماری کام ہے
راہزن ہیں کوبکو اور راستہ ملتا نہیں

محاورہ(۶۷) روشن ہونا: ظاہر ہونا

خدا نے غیب دیا ہے انھیں ہے سب روشن
جو خطرے دل ہی میں چھپنے چھپانے آئے ہیں

محاورہ(۶۸) شادی رچانا: خوشی کرنا، جشن کرنا

فرشتے آج جو دھومیں مچانے آئے ہیں
انھیں کے آنے کی شادی رچانے آئے ہیں

محاورہ(۶۹) فسانے آنا: قصے آنا

کتابِ حضرتِ موسیٰ میں وصف ہیں اُن کے
کتابِ عیسیٰ میں اُن کے فسانے آئے
ہیں

محاورہ(۷۰) قصہ سنانا: داستان سنانا

حضور! بہرِ خدا داستانِ غم سُن لیں

غمِ فراق کا قصہ سنانے آئے ہیں

محاورہ(۷۱) گیت گانا: تعریف کرنا

دمِ واپسیں تک ترے گیت گاؤں
محمد محمد پکارا کروں میں

محاورہ(۷۲) نثار ہونا: عاشق ہونا، صدقے ہونا، فریفتہ ہونا

تمہارے قدموں میں موتی نثار ہونے کو
ہیں بے شمار مری اشکبار آنکھوں میں

محاورہ(۷۳) نصیب جاگ اُٹھنا: قسمت کُھلنا

نصیب جاگ اُٹھا اس کا چین سے سویا
وہ جس کو قبر میں سرور سُلانے آئے ہیں

محاورہ(۷۴) نصیب چمک اُٹھنا: تقدیر جاگ اُٹھنا، حالات سازگار ہونا

نصیب تیرا چمک اُٹھا دیکھ تو نوریؔ
عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

محاورہ(۷۵) نقش رہنا: دل نشیں ہوجانا، کندہ ہونا

کچھ ایسا کردے مرے کردگار آنکھوں
میں
ہمیشہ نقش رہے روئے یار آنکھوں میں

محاورہ(۷۶) نظر میں سمانا: پیارا لگنا، مقبول

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

محاورہ(۷۷) نقشہ جمانا: تصور جمانا

ہے آشکار نظر میں جہاں کی نیرنگی
جما ہے نقشۂ لیل و نہار آنکھوں میں

"و" ردیف والی نعتوں میں محاورات

محاورہ(۷۸) منجدھار میں ہونا: مصیبت میں ہونا

بادِ مخالف تیز آرہی ہے کشتی ہماری چکرا رہی ہے
منجدھار میں ہے مولیٰ بچالو پیارے بچالو مجھے شاہا بچالو

محاورہ(۷۹) الم نکالنا: غم دور کرنا

دارالشفائے طیبہ میں آؤ جو مانگو فوراً منہ مانگی پاؤ
اندوہ وغم سب اپنے مٹالو رنج و الم سب دل سے نکالو

محاورہ(۸۰) تہ دامن لینا: پناہ میں لینا، حفاظت میں لینا

میں بیکس ہوں میں بےبس ہوں مگر کس کا تمہارا ہوں
تہ دامن مجھے لے لو پناہِ بیکساں تم ہو

محاورہ(۸۱) گرفتارِ بلا ہونا: مصیبت میں مبتلا ہونا

گرفتارِ بلا حاضر ہوئے ہیں ٹوٹے دل لے کر
کہ ہر بےکل کی کل ٹوٹے دلوں کا آسرا تم
ہو

محاورہ(۸۲) گھٹا چھانا: بادل گھرنا، ابر کا آسمان پر محیط ہونا

ماہِ تاباں پہ ہیں رحمت کی گھٹائیں چھائیں
روئے پُرنور پہ یا چھائے تمہارے گیسو

''ہ'' ردیف والی نعتوں میں محاورات

محاورہ(۸۳) افسانہ سنانا: روداد سنانا، داستان سنانا

وہ کہتے نہ کہتے کچھ وہ کرتے نہ کرتے کچھ
اے کاش وہ سُن لیتے مجھ سے مرا افسانہ

محاورہ(۸۴) ٹھوکر لگنا: نقصان اُٹھانا

محاورہ(۸۵) ہوش پکڑنا: ہوشیار ہونا، عقل حاصل کرنا، شعور پکڑنا

سنگِ درِ جاناں ہے ٹھوکر نہ لگے اس کو
لے ہوش پکڑ اب تو اے لغزشِ مستانہ

محاورہ(۸۶) حسرتیں پوری ہونا: ارمان پورا ہونا، آرزو پوری ہونا

محاورہ(۸۷) آرزو بر آنا: امید حاصل ہونا

محاورہ(۸۸) کان دھرنا: غور سے سننا توجہ سے سننا

ہر آرزو بر آئے سب حسرتیں پوری ہوں
وہ کان ذرا دھر کر سن لیں مرا افسانہ

محاورہ(۸۹) بازی چھٹنا: کھیل ختم ہونا

تم آئے چھُٹی بازی رونق ہوئی پھر تازی
کعبہ ہوا پھر کعبہ کر ڈالا تھا بُت خانہ

محاورہ(۹۰) دل ٹوٹا ہونا: غم زدہ ہونا، غمگین ہونا

میں شاہ نشیں ٹوٹے دل کو نہ کہوں کیسے
یہ ٹوٹا ہوا دل ہی مولیٰ ترا کاشانہ

محاورہ(۹۱) دل میں بسنا: محبت پیدا ہونا

محاورہ(۹۲) دل شاد ہونا: خوش ہونا، ہشاش بشاش ہونا

آنکھوں میں مری تو آ اور دل میں مرے بس جا
دل شاد مجھے فرما اے جلوۂ جانانہ

محاورہ(۹۳) زنگ چھڑانا: تاریکی دور کرنا، سیاہی دور کرنا

مولیٰ دل کا زنگ چھڑا قلبِ نوری پائے جلا
دل کو کردے آئینہ جس میں چمکے یہ کلمہ
لاالٰہ الا اللہ آمنا برسول اللہ

''ی'' ''ے'' ردیف والی نعتوں میں محاورات

محاورہ(۹۴) سر پھیرنا: دور ہوجانا

جو سر رکھ دے تمہارے قدموں پہ سردار ہوجائے
جو تم سے سر کوئی پھیرے ذلیل و خوار ہوجائے

محاورہ(۹۵) بار ہونا: بوجھ ہونا

قوافی اور مضامیں اچھے اچھے ہیں ابھی باقی

مگر بس بھی کرو نوری نہ پڑھنا بار ہو جائے

محاورہ(۹۶) حجاب اُٹھنا: پردہ اُٹھنا، روک ہٹنا

حجاب اُٹھیں جو مرقد سے اُن کے روضے تک

اندھیرا قبر کا مٹ جائے دوپہر ہو جائے

محاورہ(۹۷) دربدر ہونا: ٹھکانہ نہ ہونا

ترے غضب سے ہوں غارت یہ دہر کے شیطاں

بنے غلام ہر ایک ان میں دربدر ہو جائے

محاورہ(۹۸) جلوہ نما ہونا: سج دھج کے ساتھ سامنے آنا

جگمگا اُٹھتا ہے دل کا مرے ذرّہ ذرّہ

جب مرا جانِ قمر جلوہ نما ہوتا ہے

محاورہ(۹۹) ہَوا ہونا: کافور ہونا، فنا ہونا

کیوں عبث خوف سے دل اپنا ہوا ہوتا ہے

جب کرم آپ کا عاصی پہ شہا ہوتا ہے

محاورہ(۱۰۰) لَو لگانا: خیال باندھنا، توجہ دینا، آرزو مند ہونا

ہم نے یوں شمعِ رسالت سے لگائی ہے لَو

سب کی جھولی میں انھیں کا تو دِیا ہوتا ہے

محاورہ(۱۰۱) مَیل چھٹنا: مَیل صاف ہونا، مَیل دور ہونا

دل تپا سوزِ محبت سے کہ سب مَیل چھُٹے

تپنے کے بعد ہی تو سونا کھرا ہوتا ہے

محاورہ(۱۰۲) دل کو چلا دینا: زندگی ملنا، تازگی آنا

ملے ہمارے بھی دل کو چلا مدینے سے

کہ مہر و ماہ نے پائی ضیا مدینے سے

محاورہ(۱۰۳) جاں فدا ہونا: جان قربان کرنا

تمہارے قدموں پہ سر صدقے جاں فدا ہو جائے

نہ لائے پھر مجھے میرا خدا مدینے سے

محاورہ(۱۰۴) خالی ہاتھ لَوٹنا: محروم واپس ہونا، بغیر کوئی چیز لیے جانا

جو آیا لے کے گیا کون لَوٹا خالی ہاتھ

بتادے کوئی سُنا ہو جو لَوٹا مدینے سے

محاورہ(۱۰۵) راہ دیکھنا: انتظار کرنا

گدا کی راہ جہاں دیکھیں پھر نوا کیوں ہو

نوا سے پہلے ملے بے نوا مدینے سے

محاورہ(۱۰۶) فتنے اُٹھانا: فساد برپا کرنا، شرارت کرنا

وہ حسیں کیا جو فتنے اُٹھا کر چلے

ہاں! حسیں تم ہو فتنے مٹا کر چلے

محاورہ(۱۰۷) نگاہیں لڑانا: آنکھ سے آنکھ ملانا

کون اُن سے نگاہیں لڑا کر چلے

کس کی طاقت جو آنکھیں ملا کر چلے

محاورہ(۱۰۸) پاؤں اُٹھانا: تیزی سے جانا

جن کو اپنا نہیں غم ، ہمارے لیے

دوڑے جھپٹے وہ پاؤں اُٹھا کر چلے

محاورہ(۱۰۹) پھیرا پھرانا: واپس لانا

دم میں پہنچے وہ حکمِ رہائی دِیا

ان کو دوزخ سے پھیرا پھرا کر چلے

محاورہ(۱۱۰) دامن بچانا: الگ رہنا، بے تعلق رہنا

بد سے بد کو لیا جس نے آغوش میں

کب کسی سے وہ دامن بچا کر چلے

محاورہ(۱۱۱) زبان دبانا: آہستہ کہنا، چپ ہو جانا

جن کے دعوے تھے ہم ہی ہیں اہلِ
زباں
مُن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے

محاورہ(۱۱۲) داغ دل دکھانا: غم ظاہر کرنا

محاورہ(۱۱۳) فسانہ سنانا: قصہ سنانا، احوال سنانا

داغِ دل ہم نے نوریؔ دکھا ہی دیا
دردِ دل کا فسانہ سنا کر چلے

محاورہ(۱۱۴) آنکھ دکھانا: خفگی کی نظر سے دیکھنا، چشم نُمائی کرنا

محاورہ(۱۱۵) آنکھ پھرانا: نظر پھیرنا، دوسری طرف دیکھنا

تم نے کب آنکھ ہم کو دکھائی ہے
تم نے کب آنکھ ہم سے پھرائی ہے

محاورہ(۱۱۶) آرزو بر آنا: امید حاصل ہونا، ارمان پورا ہونا

تم نے کب بات کوئی نہ برائی ہے
تم سے جو آرزو کی برائی ہے

محاورہ(۱۱۷) دھونی رمانا: کسی جگہ بیٹھ جانا

رشکِ سلطان ہے وہ گدا جس نے
تیرے کوچے میں دھونی رمائی ہے

محاورہ(۱۱۸) دل کی لگی بجھانا: رنج وغم دور کرنا

میرے دل کی لگی بھی بجھا دیجیے
نارِ نمرود کس نے بجھائی ہے

محاورہ(۱۱۹) لبوں پر دم ہونا: نزع کا وقت ہونا، آخری وقت ہونا

اب تو آؤ کہ دم لبوں پر ہے
چہرے پر مُردنی بھی چھائی ہے

محاورہ(۱۲۰) ٹکڑا ملنا: صدقہ ملنا

یہاں سے بھیک پاتے ہیں سلاطیں

اسی در سے انھیں ٹکڑا ملا ہے

متذکرہ بالا اشعار میں محاورات کے استعمال کی مثالیں نوریؔ بریلوی کے کلام سے پیش کی گئی ہیں۔ آپ نے اپنے اشعار میں بڑی چابک دستی، برجستگی اور ادیبانہ مہارت کے ساتھ محاوروں کا صحیح اور برمحل استعمال کیا ہے جس سے کلام کی دل کشی اور حُسن میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اور کلام لفظی ومعنوی دل کشی کا ایک حسین وجمیل پیکر بن کر گیا ہے۔ آپ کے کلام میں محاورات کی اس کثرت کے باوجود کہیں بھی فنی سقم یا لسانی جھول کا احساس نہیں ہوتا نیز پڑھنے اور سننے کے دوران اُکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی بل کہ ایک طرح کے کیف آگیں جذبات سے قاری وسامع کی روح سرشار ہونے لگتی ہے۔ اس مقام پر پہونچ کر اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ نوریؔ بریلوی اپنے عہد کے قادر الکلام شاعر ہیں۔

حواشی

(۱) پیغامِ رضا: امام احمد رضا نمبر، ۱۹۹۹ء، رضا دار المطالعہ بہار، ص ۳۷۷
(۲) مسلم ٹائمز: امام احمد رضا نمبر، ۲۶ر جولائی ۱۹۹۵ئ ممبئی ص ۱۰
(۳) پیغامِ رضا: امام احمد رضا نمبر، ۱۹۹۹ء، رضا دار المطالعہ بہار، ص ۳۷۷

کلامِ نوریؔ میں تغزّل

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُلفت ومحبت ہی بنیادی طور پر نعت نگاری کی محرک ہے۔ اور غزل ”حکایات بایار گفتن“ کی شاعری ہے۔ لیکن نعت اور غزل دونوں میں عشق ایک مشترک جذبہ ہے۔ البتہ غزل اُسی وقت نعت میں تبدیل ہوسکتی ہے جب اُس کے سارے زیور، تزئین اور آرائش وزیبائش کے لوازمات یعنی الفاظ، تشبیہات، استعارات، علامات، محاکات، اشارات، کنایات، صنائع وبدائع، مجاز مرسل وغیرہ تطہیر وتقدیس کی منازل سے گذر کر قرآنی ادب کے نور سے معمور اور احادیث کی خوشبو سے معطر کر دیے جائیں۔

چوں کہ نعت میں حضور رحمتِ عالم ﷺ سے عشق واُلفت اور عقیدت ومحبت کا اظہار واقرار لازمی امر ہے۔ لہٰذا اسی وجہ سے اردو میں نعت گوئی کی ابتدا سے ہی بیش تر نعتیں غزل کی ہیئت میں لکھی گئیں اور زیادہ تر شعرا نے نعت کو غزلیہ انداز میں قلم بند کیا۔ عموماً لوگ غزل کی ہیئت اور فارم میں لکھی گئی نعت ہی کو نعت تصور کرتے ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے نعت ہر صنف میں نا

صرف لکھی جاسکتی ہے بل کہ لکھی جارہی ہے۔نعت خوانی کی محفلوں میں پڑھی جانے والی زیادہ تر نعتیں غزل ہی کی ہیئت میں ہوتی ہیں اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ غزلیہ انداز میں لکھی گئی نعتوں میں بلا کی نغمگی اور غنائیت ہوتی ہے اور بہ آسانی ترنم سے پڑھی جاسکتی ہیں۔جن کے پڑھنے سے محفل میں ایک عجیب سماں بندھ جاتا ہے اور قاری وسامع کو لطف وسرور حاصل ہوتا ہے۔

بعض ناقدین نے نعت کے غزلیہ انداز پر اعتراضات بھی کیے ہیں۔ہاں!اگر یہ اعتراض اس سبب سے ہے جیسا کہ ریاض الحسن نے لکھا ہے :

"نعت چوں کہ اُلفتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولولہ انگیزی اور جوشِ محبت کی ترجمان ہوتی ہے اس لیے نعت گو شاعر سرُورِ محبت کی بے خودی میں منہاجِ اعتدال سے لغزش کھا جاتا ہے۔"(۱)

تب توصحیح اور مناسب ہے۔لیکن یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ نعت میں خواہ وہ کسی بھی صنف یا فارم میں لکھی گئی ہو اس میں کسی بھی طرح کی معمولی سی سوءِ ادبی، غیر شرعی طرزِ اسلوب اور اندازِ بیان یا عشق وعقیدت کی ولولہ انگیزی کے سبب مبالغہ وغلو یا اغراق سے کام لے کر اُلوہیت و رسالت کے درمیان فرق نہ کرتے ہوئے اس کے ڈانڈے ملا دینا یہ نعت کی توہین ہے۔لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ کا سراپاے مقدس بھی نہ بیان کیا جائے!...... یا شمائلِ نبوی ﷺ نہ رقم کیے جائیں!...... جیسا کہ مولوی عبدالحق مرقوم ہیں :

"نعت کا جو طرز ہمارے شعرا نے اختیار کیا ہوا ہے وہ بہت قابلِ اصلاح ہے ، ہمارے ہاں شاعری کی بنیاد غزل پر سمجھی گئی ہے جو ایک لحاظ سے کم ترین قسم شعر کی ہے۔اس لیے لغزش کا رنگ کچھ ایسا جما کہ ہر جگہ اس کی جھلک نظر آتی ہے۔بھلا نعت میں زُلف وکمر وخال وخط سے کیا تعلق؟"(۲)

مولوی عبدالحق کی مذکورہ بالا تحریر میں جہاں بعض باتیں تو درست اور صحیح ہیں وہیں یہ کہتے وقت کہ :

"بھلا نعت میں زُلف وکمر وخال وخط سے کیا تعلق؟-----"

وہ فراموش کر بیٹھے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے زُلف ورُخ وچشم وغیرہ کی تعریف و توصیف اللہ رب العزت کے مقدس کلام قرآن مجید سے ثابت ہے۔ہاں!عامیانہ اندازِ بیان اور

دنیاوی محبوبوں کی طرح بے محابا طرزِ اسلوب میں جانِ جہان وجانِ ایمان ﷺ کو پیش کرنا یقیناً صاف وصریح بے ادبی اور گستاخی ہے۔اور ایسا پیرایۂ اظہار وبیان دنیا وآخرت اور ایمان و مذہب کی بربادی کا سبب ہے۔

دراصل مولوی عبدالحق نے حضور رحمتِ عالم ﷺ کو محض بشری حیثیت ہی میں دیکھا اور سمجھا ہے۔اسی لیے ایک مقام پر وہ کہتے ہیں :

"نعت میں وہی ذکر ہونا چاہیے جو خدا کے نبی کے لیے شایاں ہے اور جس کے پڑھنے اور سنانے سے لوگوں پر روحانی اور اخلاقی اثر پڑے اور معلوم ہو کہ کمالِ بشریت اسے کہتے ہیں نہ یہ کہ تمام نعتیہ قصائد سننے کے بعد دل پر یہ اثر ہو کہ کسی شاہدِ رعنا، خوش رُو، خوش اندام، نازک بدن، کی تعریف ہے۔"(۳)

یہاں مولوی عبدالحق وغیرہ کی تحریروں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے عرض یہ ہے کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے زُلف ورُخ اور سراپاے اقدس کے بیان میں ایسے استعارات اور تشبیہات کو برتا جائے جس سے ذرّہ بھر بھی بے ادبی، تنقیص اور گستاخی کا پہلو نہ نکلے کہ یہ بارگاہ انتہائی ادب واحترام کی متقاضی ہے۔

غزل کے فارم میں تمنّا مرادآبادی، لطفؔ بریلوی، امیرؔ مینائی، محسنؔ کاکوروی، احمد رضاؔ بریلوی، حسنؔ رضا بریلوی، جمیلؔ بریلوی، اور نوریؔ بریلوی نے خوب نعتیں کہی ہیں۔عصرِ جدید کے بیش تر شعرا بھی غزل ہی کی ہیئت میں نعتیں قلم بند کر رہے ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ جو شعرا محض زبان دانی یا شعری مہارت کی بنیاد پر علومِ دینیہ اور شریعتِ مطہرہ کے رموز واسرار سے کلی واقفیت کے بغیر کسی بھی ہیئت یا صنفِ ادب میں نعت لکھ رہے ہیں ان کے ہاں اس بات کا احتمال ہے کہ ان کے کلام میں لغزش وخطا واقع ہو سکتی ہے اور جو کچھ بھی سوءِ ادبی یا تنقیص وگستاخی سے پُر نعتیہ اشعار ملتے ہیں وہ ایسے ہی شعرا کے ہیں۔اس بنیاد پر براہِ راست نعتیہ شاعری کو ہی مشقِ تنقید بنانا تنقید کے اصولوں کے منافی ہے۔

تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی ایک ایسے نعت گو شاعر گذرے ہیں۔جن کا شعر شعر قرآن وحدیث کے نور ونکہت سے معطر ہے۔آپ کا مکمل کلام حزم واحتیاط سے لبریز ہے کہیں بھی لمحہ بھر کے لیے بھی زمامِ احتیاط ہاتھ سے نہیں چھوٹی ہے۔آپ نے جس احسن اسلوبِ بیان سے حضور احمدِ مجتبیٰ ﷺ کے زُلف ورُخ کا ذکر اپنے کلام میں کیا ہے وہ

دیدنی وشنیدنی ہے ؎

کس لیے عنبر سارا نہ ہوں سارے گیسو
گیسو کس کے ہیں یہ پیارے ہیں تمہارے گیسو
سوکھ جائے نہ کہیں کشتِ امل اے سرور
بوندیاں لکۂ رحمت سے اُتارے گیسو

تم ہو آب عینِ رحمت،تم ہو تاب ماہِ قُدرت
اے چمکیلی رنگت والے،صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
چہرہ مطلعِ نورِ الٰہی ، سینہ مخزنِ رازِ خدائی
شرحِ صدر صدارت والے،صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

علاوہ ازیں نوریؔ بریلوی نے اپنے نعتیہ کلام میں جابجا شاہ کارِ قدرت، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا کا بیان کیا ہے۔آپ کے گیسوے عنبریں، عارضِ تاباں، رُخِ حسین، چشمِ مازاغ ومابصر، لبِ جاں بخش وغیرہ کی تعریف وتوصیف بیان کی ہے۔کہیں سے بھی کوئی ایسا اندازِ بیان اور طرزِ اظہار نہیں ملے گا جسے دنیاوی محبوب کے زُلف ورُخ وغیرہ کے رُوپ میں پیش کیا جاسکے۔نوریؔ بریلوی نے قصیدہ،غزل،رُباعی، مستزاد، قطعہ وغیرہ اصنافِ ادب میں نعتیں لکھیں اور خوب لکھیں۔لیکن اُن کی زیادہ تر نعتیں غزل ہی کے فارم میں ہیں۔ان کا ہر ہر شعر عشقِ رسول ﷺ کا آئینہ دار ہے۔اظہارِ عشق ومحبت اور والہانہ شیفتگی وفدائیت کے باوجود نوریؔ بریلوی کے کلام میں کسی بھی طرح کی اخلاقی وشرعی خامی کا گمان تک نہیں گزرتا۔انھوں نے نعت کو غزل کا جو رُوپ دیا ہے اس نے ان کے کلام کو قرآنی ادب کا مظہرِ جمیل بنادیا ہے۔نمونہ کلام نشانِ خاطر فرمائیں ؎

بختِ خفتہ نے مجھے روضہ پہ جانے نہ دیا
چشم و دل سینے کلیجے سے لگانے نہ دیا
آہ قسمت مجھے دنیا کے غموں نے روکا
ہائے تقدیر کہ طیبہ مجھے جانے نہ دیا
سر تو سر جان سے جانے کی مجھے حسرت ہے

موت نے ہائے مجھے جان سے جانے نہ دیا
حالِ دل کھول کے دل آہ ادا کر نہ سکا
اتنا موقع ہی مجھے میری قضا نے نہ دیا
ہائے اس دل کی لگی کو میں بجھاؤں کیوں کر
فرطِ غم نے مجھے آنسو بھی گرانے نہ دیا
شربتِ دید نے اور آگ لگادی دل میں
تپشِ دل کو بڑھایا ہے بجھانے نہ دیا
اور چمکتی سی غزل کوئی پڑھو اے نوریؔ
رنگ اپنا ابھی جمنے شُعَرا نے نہ دیا

کلامِ نوریؔ بریلوی کے مطالعہ کی روشنی میں یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ آپ غزل اور نعت کو یک جا کرنے کا فن بہ خوبی جانتے تھے اور یہی سبب ہے کہ اُن کی نعتیہ غزلیں پاسِ شرع اور حسنِ شعری کا حسین وجمیل امتزاج ہیں اور محبتِ رسول ﷺ کا ایک ایسا تقدیسی اور سرمدی نغمۂ جاں فزا بن گئی ہیں کہ جنھیں سُن کر انسانی وجود کا ذرّہ ذرّہ سحابِ سرمدی کی سرشاریوں اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے جذبۂ خیر کی لذتوں میں گُم ہوجاتا ہے ؎

تو شمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ
سرشار مجھے کردے اک جامِ لبالب سے
تا حشر رہے ساقی آباد یہ میخانہ
جو ساقیِ کوثر کے چہرے سے نقاب اُٹھے
ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ
دل اپنا چمک اُٹھے ایمان کی طلعت سے
کر آنکھ بھی نورانی اے جلوۂ جانانہ
مستِ مئے الفت ہے مدہوشِ محبت ہے
فرزانہ ہے فرزانہ دیوانہ ہے دیوانہ
میں شاہ نشیں ٹوٹے دل کو نہ کہوں کیسے

ہے ٹوٹا ہوا دل ہی مولیٰ ترا کاشانہ
کیوں زُلفِ معنبر سے کوچے نہ مہک اُٹھیں
ہے پنجۂ قدرت جب زُلفوں کا تری شانہ
وہ کہتے نہ کہتے کچھ وہ کرتے نہ کرتے کچھ
اے کاش وہ سُن لیتے مجھ سے مرا افسانہ
آنکھوں میں مری تو آ اور دل میں مرے بس جا
دل شاد مرا فرما اے جلوۂ جانانہ
آباد اسے فرما ویراں ہے دلِ نوریؔ
جلوے ترے بس جائیں اے جلوۂ جانانہ

کلام نوریؔ میں صدیقی عشق، فاروقی محبت، عثمانی وفاکاری، علوی جاں نثاری، بلالی فدائیت، اویسی شیفتگی، صہیبی خودرفتگی اور حسانی سوز وگداز کی روشنی اور خوشبوئیں پھوٹتی نظر آتی ہیں۔ یہاں تک کہ روح القدس کی محبتِ رسالت مآب ﷺ کا جلوۂ خوش رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔ بل کہ حق یہ ہے کہ کلامِ نوریؔ حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت الٰہی جل شانہٗ کی محبت والفت کا غماز ہے ؎

خدا شاہد رضا کا آپ کی طالب خدا ہوگا
تعالیٰ اللہ رُتبہ میرے حامی میرے یاور کا

سارا عالم ہے رضا جوے خداوندِ جہاں
اور خدا آپ کا جویاے رضا ہوتا ہے

خدا ہے تو نہ خدا سے جدا ہے اے مولیٰ
ترے ظہور سے رب کا ظہور آنکھوں میں
وجودِ شمس کی برہاں ہے خود وجود اس کا
نہ مانے کوئی اگر، ہے فتور آنکھوں میں

ترا ذکر لب پر خدا دل کے اندر

یونہی زندگانی گزارا کروں میں
خدا ایک پر ہو تو اک پر محمد
اگر قلب اپنا دوپارا کروں میں

نوریؔ بریلوی نے غزل کو نعت میں ضم کرکے غزل کا جو حسین وجمیل اور تقدیسی انداز پیش کیا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے۔ ان کے مجموعۂ کلام ”سامانِ بخشش“ میں پچاسوں ایسے اشعار مل جائیں گے کہ اگر اُن کے بارے میں یہ نہ بتایا جائے کہ وہ نعتیہ اشعار ہیں تو قاری انھیں میرؔ و غالبؔ اور مومنؔ وحسرتؔ جیسے غزل گو شعرا کے اشعار تصور کرے گا۔

نوریؔ بریلوی نے غزلیہ انداز میں اپنے پیارے رسول ﷺ کی تعریف وتوصیف میں فدائیت وشیفتگی کا جو والہانہ اظہار کیا ہے وہ قابلِ دیدنی ہے۔ آپ نے طرزِ ادا کے بانکپن اور خیال کی نُدرت وجدت کے توسط سے عشقیہ اظہار کیا ہے۔ محبوب علیہ السلام کے نام، ذکر، یاد، ذات، اور در و دیار سے عشق اُلفت اور والہانہ وابستگی، فراقِ حبیب میں خیال کی رنگینیاں اور محبوب علیہ السلام سے وصال کی تمنائیں اور محبوب علیہ السلام کے زُلف وگیسو وغیرہ کا ذکر آپ نے عشقیہ اور غزلیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ نوریؔ بریلوی نے غزل کی رنگینیٔ بیان اور نعت کے تقدس دونوں ہی کو ہم آہنگ کرکے جس سلامت روی اور حزم واحتیاط سے نعتیہ غزلیں کہی ہیں اُس سے آپ کے مسلم الثبوت اور قادرالکلام نعت گو شاعر ہونے کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ ذیل میں آپ کے غزلیہ رنگ وآہنگ سے مملو نمونۂ کلام نشانِ خاطر ہوں ؎

چارہ گر ہے دل تو گھایل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لے کے پھاہا مرہمِ زنگار کا
روکشِ خلدِ بریں ہے دیکھ کوچہ یار کا
حیف بلبل اب اگر تو نام لے گلزار کا
حُسن کی بے پردگی پردہ ہے آنکھوں کے لیے
خود تجلی آپ ہی پردہ ہے روئے یار کا
حُسن تو بے پردہ ہے پردہ ہے آنکھوں کے لیے
دل کی آنکھوں سے نہیں ہے پردہ روے یار کا

اک جھلک کا دیکھنا آنکھوں سے گو ممکن نہیں
پھر بھی عالم دل سے طالب ہے ترے دیدار کا
کوثر و تسنیم سے دل کی لگی بجھ جائے گی
میں تو پیاسا ہوں کسی کے شربتِ دیدار کا

لب تشنہ ہے گو ساقی تشنہ تری رویت کا
رویت جو نہ ہو تیری تو جام کا کیا کرنا
ہوں تشنہ مگر دیدار کے شربت کا
اک جام مجھے پیارے للہ! عطا کرنا

وہ گلستاں ہے جہاں آپ ہوں اے جانِ جناں
آپ صحرا میں اگر آئیں گلستاں ہوگا

آہ پورا میرے دل کا کبھی ارماں ہوگا
کبھی دل جلوہ گہہ سرورِ خوباں ہوگا
دیکھ مت دیکھ مجھے گرم نظر سے خاور
شوخیِ چشم سے تو آپ پریشاں ہوگا
جلوۂ حُسنِ جہاں تاب کا کیا حال کہوں
آئینہ بھی تو تمہیں دیکھ کے حیراں ہوگا

ان کو دیکھا تو گیا بھول میں غم کی صورت
یاد بھی اب تو نہیں رنج و الم کی صورت
نامِ والا ترا اے کاش مثالِ مجنوں
ریگ پر اُنگلیوں سے کاٹوں قلم کی صورت
خواب میں بھی نہ نظر آئے اگر تم چاہو

درد و غم رنج و الم ظلم و ستم کی صورت
جائیں گلشن سے تو لُٹ جائے بہارِ گلشن
دشت میں آئیں تو ہو دشت ارم کی صورت

آبِ بحرِ عشقِ جاناں سینہ میں ہے موجزن
کون کہتا ہے ہمیں آبِ بقا ملتا نہیں
آبِ تیغِ عشق پی کر زندۂ جاوید ہو
غم نہ کر جو چشمۂ آبِ بقا ملتا نہیں

ہم اپنی حسرتِ دل کو مٹانے آئے ہیں
ہم اپنی دل کی لگی کو بجھانے آئے ہیں
دلِ حزیں کو تسلّی دلانے آئے ہیں
غمِ فراق کو دل سے مٹانے آئے ہیں
کریم ہیں وہ نگاہِ کرم سے دیکھیں گے
ہے داغ، داغِ دل اپنا دکھانے آئے ہیں
غم و الم یہ مٹادیں گے شاد کردیں گے
ہم اپنے غم کا قضیہ چکانے آئے ہیں

ہٹادیں آپ اگر رُخ سے اک ذرا پردہ
چمک نہ جائے ابھی برقِ طور آنکھوں میں
امنڈ کے آہ نہیں آئے اشک ہائے خوں
یہ آرہا ہے دلِ ناصبور آنکھوں میں

کچھ ایسا کردے مرے کردگار آنکھوں
میں
ہمیشہ نقش رہے روئے یار آنکھوں میں

بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں
کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں
ہوا ہے جلوہ نما گل عذار آنکھوں میں
خزاں کے دَور میں پھولی بہار آنکھوں
میں
وہ نور دے مرے پرودگار آنکھوں میں
کہ جلوہ گر رہے رُخ کی بہار آنکھوں میں
نظر نہ آیا قرارِ دلِ حزیں اب تک
نگاہ رہتی ہے یوں بے قرار آنکھوں میں
کرم یہ مجھ پہ کیا ہے مرے تصور نے
کہ آج کھینچ دی تصویر یار آنکھوں میں

میرا گھر غیرتِ خورشیدِ درخشاں ہوگا
خیر سے جانِ قمر جب کبھی میہماں ہوگا
اک تبسم سے عیاں جو دُرِ دنداں ہوگا
ذرّہ ذرّہ مرے گھر کا مہ تاباں ہوگا
کیا مجھے خوف ہو محشر کا کہ ہاتھوں میں مرے
دامنِ حامیِ خود ماحیِ عصیاں ہوگا
دم نکل جائے تمہیں دیکھ کے آسانی سے
کچھ بھی دشوار نہ ہوگا جو یہ آساں ہوگا
صبحِ روشن کی سیہ بختی سے اب شام ہوئی
کب قمر نور وہِ شامِ غریباں ہوگا

کس لیے عنبرِ سارا نہ ہوں سارے گیسو
گیسو کس کے ہیں یہ پیارے ہیں تمہارے گیسو
پھوار مستوں پہ ترے ابرِ کرم کی برسے

ساقیا! کھول ذرا حوض کنارے گیسو
بادہ و ساقی لبِ جو تو ہیں پھر ابر بھی ہو
ساقی کھل جائیں ترے حوض کنارے گیسو

کبھی تو ایسا ہو یارب وہ در ہو اور یہ سر
کبھی تو اُن کی گلی میں مرا گزر ہوجائے
تڑپ رہے ہیں فراقِ حبیب میں عاشق
الٰہی راہ مدینہ کی بے خطر ہوجائے

ہیں یہ صدمے تری ہی فرقت کے
روز افزوں یہ دردِ جدائی ہے
مررہا ہوں تم آجاؤ جی اُٹھوں
شربتِ دید مری دوائی ہے
شوقِ دیدارِ نوری میں اے نوریؔ
روح کھینچ کر اب آنکھوں میں آئی ہے

تم کو دیکھا تو دم میں دم آیا
آپ آئے کہ جان آئی ہے
مررہا تھا تم آئے جی اٹھا
موت کیا آئی جان آئی ہے
حسرتِ دیدِ یار میں ہم نے
آج مرمر کے موت پائی ہے
جو حسیں دیکھا مر مٹا اس پر
میں نے مر کے حیات پائی ہے
واہ کیا بات آپ کی نوریؔ

کیا ہی اچھی غزل سنائی ہے

پیشِ نظر ضمنی باب کے تحت کلامِ نوریؔ بریلوی میں تغزّل کے رنگ و آہنگ کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ متذکرہ بالا مثالوں کے علاوہ اس طرح کے بہت سے اشعار آپ کے کلام میں موجود ہیں۔ نوریؔ بریلوی نے غزلیہ لب و لہجے میں نعت کے اندر حضور ختمی مرتبت ﷺ کے زُلف و رُخ اور سراپاے مقدس وغیرہ کا جو بیان کیا ہے وہ اپنے اندر ادب و احترام کا جذبہ لیے ہوئے ہے۔ کہیں بھی کسی قسم کی سوءِ ادبی اور تنقیصی انداز ظاہر نہیں ہوتا۔ آپ کے کلام میں غزلیہ اسلوب میں روایتی غزل کی جلوہ سامانیوں کے باوصف آج کی غزل کے جدید لب و لہجہ، علامات اور محاکات وغیرہ کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ اور صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو یہی ایک شاعر کی عظمت و رفعت کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ اپنے عہد سے بہت آگے دیکھتا ہے۔

حواشی

(۱) رسالہ حنفی: اعلیٰ حضرت نمبر، شمارہ اپریل ۱۹۷۳ء، لائل پور، پاکستان، ص ۲۴
(۲) عبدالحق، مولوی: چند ہم عصر، انجمن ترقی اردو، دہلی، ص ۴
(۳) عبدالحق، مولوی: چند ہم عصر، انجمن ترقی اردو، دہلی، ص ۳

{............}

نوریؔ بریلوی کی مشکل پسندی

نوریؔ بریلوی کے مجموعۂ کلام "سامانِ بخشش" کے بیش تر کلام آسان زمینوں اور سادہ بحروں میں ہیں۔ یوں کہا جا سکتا کہ کلامِ نوری میں زیادہ تر کلام سہل کاری ہی کا نمونہ ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رہ کہ اس سے نوریؔ بریلوی کی شاعرانہ کمزوری کا پہلو نہیں نکلتا۔ بل کہ جب نوریؔ

بریلوی کے کلام کا تنقیدی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ زمینیں آسان اور بحریں سادہ ہیں لیکن شعری وفنی محاسن اور لوازماتِ شعری نوریؔ بریلوی کے اشعار میں جلوہ گر ہیں۔ صنائع معنوی اور صنائع لفظی کا جابجا استعمال ہے۔ روزمرہ محاورات کی بندش اور ان کا برمحل استعمال، خیال آفرینی، جدتِ ادا، طرزِ بیان کا بانکپن، رعایاتِ لفظی، تراکیب سازی، محاکات اور شاعرانہ پیکر تراشی، معانی ومفہوم کا عمل، عربی کی آمیزش، فارسیت کا رچاؤ نیز دیگر فنی خوبیاں اور شعری محاسن سامانِ بخشش کے ورق ورق میں مسطور ہیں۔

نوریؔ بریلوی کے کلام میں چند مشکل ردیفوں اور زمینوں میں بھی مکمل نعتیہ غزلیں ملتی ہیں۔ یہ آپ کی مشکل پسندی پر دال ہیں۔ ردیفوں کی سختی کی وجہ سے شعر کی زمین انتہائی سخت اور سنگلاخ ہو کر رہ گئی ہیں۔ یہ مشکل پسندی نوریؔ بریلوی کے ہاں اپنے پیش رو بزرگ شعرا کی زمینوں میں طبع آزمائی کرنے اور اُن کی بحروں کے تتبع کرنے میں ہوا ہے۔ مگر ان سنگلاخ اور مشکل زمینوں میں بھی نوریؔ بریلوی کا قلم اپنے مزاج اور اپنے خیال کے اشعار بڑی کامیابی اور چابک دستی سے نکال لیتا ہے یہ بھی آپ کے بہترین اور قادرالکلام شاعر ہونے کی بیّن دلیل ہے :

ردیف: مہرِ عجم ماہِ عرب

ماہِ تاباں تو ہوا مہرِ عجم ماہِ عرب
ہیں ستارے انبیا مہرِ عجم ماہِ عرب
ہیں صفاتِ حق کے نوری آئینے سارے نبی
ذاتِ حق کا آئینا مہرِ عجم ماہِ عرب
کب ستارا کوئی چمکا سامنے خورشید کے
ہو نبی کیسے نیا مہرِ عجم ماہِ عرب
آپ ہی کے نور سے تابندہ ہیں شمس و قمر

دل چمک جائے مرا مہرِ عجم ماہِ عرب
قبر کا ہر ذرّہ اک خورشیدِ تاباں ہو ابھی
رُخ سے پردہ دو ہٹا مہرِ عجم ماہِ عرب
کوچۂ پُرنور کا ہر ذرّہ رشکِ مہر ہے
واہ کیا کہنا ترا مہرِ عجم ماہِ عرب
رُو سیہ ہوں منہ اُجالا کر مرا جانِ قمر
صبح کر یا چاندنا مہرِ عجم ماہِ عرب
نیّرِ چرخِ رسالت جس گھڑی طالع ہوا
اوج پر تھا غلغلہ مہرِ عجم ماہِ عرب
حق کے پیارے نور کی آنکھوں کے تارے ہو
تمہیں
نورِ چشمِ انبیا مہرِ عجم ماہِ عرب
زُلفِ والا کی صفت واللّیل ہے قرآن میں
اور رُخ کی والضّحیٰ مہرِ عجم ماہِ عرب
ظلمتیں سب مٹ گئیں ناری سے نوری ہوگیا
جس کے دل میں بس گیا مہرِ عجم ماہِ عرب
نور کی سرکار ہے تو بھیک بھی نوری ملے
قلبِ نوریؔ جگمگا مہرِ عجم ماہِ عرب

ردیف: ماہِ عجم مہرِ عرب

ہے تم سے عالم پُر ضیا ماہِ عجم مہرِ عرب
دے دو میرے دل کو جِلا ماہِ عجم مہرِ عرب
کب ہوتے یہ شام وسحر کب ہوتے یہ شمس وقمر
جلوہ نہ ہوتا گر ترا ماہِ عجم مہرِ عرب
شام وسحر کے قلب میں شمس وقمر کی آنکھ میں
جلوہ ہے جلوہ آپ کا ماہِ عجم مہرِ عرب

ہے روسیہ مجھ کو کیا آقا مرے اعمال نے
کردو اجالا منہ میرا ماہِ عجم مہرِ عرب
خورشید کے سر آپ کے در کی گدائی سے رہا
سہرا شہا انوار کا ماہِ عجم مہرِ عرب
کاسہ لیسی سے ترے دربار کی مہتاب بھی
کیسا منور ہوگیا ماہِ عجم مہرِ عرب
اس جبہہ سائی کے سبب شب کو اسی سرکار نے
انعام میں ٹیکا دیا ماہِ عجم مہرِ عرب
اور صبح کو سرکار سے اس کو ملا نوری صلہ
عمدہ سا جھومر پُر ضیا ماہِ عجم مہرِ عرب
جب تم نہ تھے کچھ بھی نہ تھا جب تم ہوئے سب کچھ ہوا
ہے سب میں جلوہ آپ کا ماہِ عجم مہرِ عرب
اک ظلمتِ عصیاں شہا اس پر اندھیرا قبر کا
کردے ضیا بدرالدجیٰ ماہِ عجم مہرِ عرب
برتو شود از نورِ رب بارانِ نوری روز و شب
ہو تا ابد یہ سلسلہ ماہِ عجم مہرِ عرب
ہو مرشدوں پر نورِ جاں بارش تمہارے نور کی
اور ان سے پائے یہ گدا ماہِ عجم مہرِ عرب
بے شک ہے عاصی کے لیے ناری صلہ لیکن شہا
نوریؔ کو دو نوری جزا ماہِ عجم مہرِ عرب

ردیف: غم، الم، قلم، قدم کی صورت

ان کو دیکھا تو گیا بھول میں غم کی صورت
یاد بھی اب تو نہیں رنج و الم کی صورت
خواب میں دیکھوں اگر دافعِ غم کی صورت
پھر نہ واقع ہو کبھی رنج و الم کی صورت
آبلے پاؤں میں پڑجائیں جو چلتے چلتے
راہِ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت

نامِ والا ترا اے کاش مثالِ مجنوں
ریگ پر انگلیوں سے لکھوں قلم کی صورت
آپ ہیں شانِ کرم کانِ کرم جانِ کرم
آپ ہیں فضلِ اتم لطفِ اعم کی صورت
آپ کا مثل شہا کیسے نظر میں آئے
کس نے دیکھی ہے بھلا اہلِ عدم کی صورت
موم ہے ان کے قدم کے لیے دل پتھر کا
سنگ نے دل میں رکھی ان کے قدم کی صورت
جب سے سوکھے ہیں مرے کشتِ امل باغِ عمل
یاد آتی ہے مجھے ابر کرم کی صورت
صفحۂ دل پہ مرے نامِ نبی کندہ ہو
نقش ہو دل پہ مرے اُن کے علَم کی صورت
آئیں جو خواب میں وہ ہو شبِ غم عید کا دن
جائیں تو عید کا دن ہو شبِ غم کی صورت
جائیں گلشن سے تو لُٹ جائے بہارِ گلشن
دشت میں آئیں تو ہو دشت ارم کی صورت
کوہ ہوجائیں اگر چاہو تو سونا چاندی
سنگ ریزے بنیں دینار و درہم کی صورت
نکل جائے مرا راہ میں اُن کی نوریؔ
ان کے کوچہ میں رہوں نقشِ قدم کی صورت

ردیف: حضور، نور، طور آنکھوں میں

جو خواب میں کبھی آئیں حضور آنکھوں میں
سرور دل میں ہو پیدا تو نور آنکھوں میں
ہٹا دیں آپ اگر رخ سے اک ذرا پردہ
چمک نہ جائے ابھی برقِ طور آنکھوں میں
نظر کو حسرتِ پابوس ہے مرے سرور
کرم حضور کریں پُر ضرور آنکھوں میں

کھلے ہیں دیدۂ عشاق قبر میں یوں ہی
ہے انتظار کسی کا ضرور آنکھوں میں
وجودِ شمس کی بُرہاں ہے خود وجود اس کا
نہ مانے کوئی اگر ، ہے قصور آنکھوں میں
خدا ہے تو نہ خدا سے جدا ہے اے مولیٰ
ترے ظہور سے رب کا ظہور آنکھوں میں
خدا سے تم کو جدا دیکھتے ہیں جو ظالم
ہے زیغ قلب میں ان کے فتور آنکھوں میں
نہ ایک دل کہ مہ و مہر ، انجم و نرگس
ہے سب کی آرزو رکھیں حضور آنکھوں میں
حضور آنکھوں میں آئیں حضور دل میں سمائیں
حضور دل میں سمائیں حضور آنکھوں میں
نظر نظیر نہ آیا نظر کو کوئی کہیں
جچے نہ غلماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں
ہماری جان سے زیادہ قریب ہو ہم سے
تمہیں قریب جو ہم کو ہے دور آنکھوں میں
مئے محبتِ محبوب سے یہ ہیں سر سبز
بھری ہوئی ہے شرابِ طہور آنکھوں میں
ہوا ہے خاتمہ ایمان پر ترا نوریؔ
جبھی ہیں خلد کے حور و قصور آنکھوں میں

ردیف: کردگار، یار، خار آنکھوں میں

کچھ ایسا کردے مرے کردگار آنکھوں میں
ہمیشہ نقش رہے روئے یار آنکھوں میں
بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں
کھلا ہے چار طرف لالہ زار آنکھوں میں
وہ نور دے مرے پروردگار آنکھوں میں
کہ جلوہ گر رہے رخ کی بہار آنکھوں میں

بصر کے ساتھ بصیرت بھی خوب روشن ہو
لگاؤں خاک قدم بار بار آنکھوں میں
انہیں نہ دیکھا تو کس کام کی ہے یہ آنکھیں
کہ دیکھنے کی ہے ساری بہار آنکھوں میں
نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں
مدینہ جان چمن اور خزاں سے ایمن ہے
لگائے خاک وہاں کی ہزار آنکھوں میں
خزاں کا دَور ہوا دُور وہ جہاں آئے
ہوئی ہے قدموں سے انکے بہار آنکھوں میں
وہ سبز سبز نظر آرہا ہے گنبد سبز
قرار آگیا یوں بے قرار آنکھوں میں
کرم یہ مجھ پہ کیا ہے مرے تصور نے
کہ آج کھینچ دی تصویر یار آنکھوں میں
فرشتو! پوچھتے ہو مجھ سے کس کی امت ہو
لو دیکھ لو یہ ہے تصویر یار آنکھوں میں
یہ کیا سوال ہے مجھ سے کہ کس کا بندہ ہے
میں جس کا بندہ ہوں ہے نور بار آنکھوں میں
پیا ہے جامِ محبت جو آپ نے نوریؔ
ہمیشہ اس کا رہے گا خمار آنکھوں میں

ردیف: گیسو

کیا کہوں کیسے ہیں پیارے ترے پیارے گیسو
دونوں عارض ہیں ضحیٰ لیل کے پارے گیسو
دستِ قدرت نے ترے آپ سنوارے گیسو
حور سو ناز سے کیوں ان پہ نہ وارے گیسو
خاکِ طیبہ سے اگر کوئی نکھارے گیسو
سنبلِ خلد تو کیا حور بھی ہارے گیسو

کس لیے عنبرِ سارا نہ ہوں سارے گیسو
گیسو کس کے ہیں یہ پیارے ہیں تمہارے گیسو
یہ گھٹا جھوم کے کعبہ کی فضا پر آئی
اُڑ کے یا ابرو پہ چھائے ہیں تمہارے گیسو
نیرِ حشر ہے سر پر نہیں سایہ سرور
ہے کڑی دھوپ کریں سایہ تمہارے گیسو
سوکھ جائے نہ کہیں کشتِ امل اے سرور
بوندیاں للّٰہ رحمت سے اُتارے گیسو
اپنی زُلفوں سے اگر نعلِ مبارک پونچھے
رضواں برکت کے لیے حور کے دھارے گیسو
پیشِ مولائے رضا جو ہیں جھکے سجدے میں
کرتے ہیں بخششِ اُمت کے اشارے گیسو
پھوار مستوں پہ ترے ابرِ کرم کی برسے
ساقیا کھول ذرا حوض کنارے گیسو
عنبرستاں بنے محشر کا وہ سارا میداں
کھول دے ساقی اگر حوض کنارے گیسو
بادہ و ساقی لبِ جو تو ہیں پھر ابر بھی ہو
ساقی کھل جائیں ترے حوض کنارے گیسو
یہ سرِ طور سے گرتے ہیں شرارے نوریؔ
روئے پُرنور پہ یا وارے ہیں تارے گیسو

نوریؔ بریلوی کی اصلاحی شاعری

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی اپنے عہد کے ممتاز عالمِ دین، فقیہ، مفسر، محدث، خطیب، مفکر، دانشور، ادیب، شاعر اور گوناگوں خصوصیات کے مالک تھے۔ آپ کی حیات اور کارہائے نمایاں کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ آپ اپنے وقت کے عظیم مصلح بھی تھے۔ آپ کے دل میں اُمتِ مسلمہ کی اصلاح وتذکیر کا جذبہ صادق موجزن تھا، آپ کی حیات کا

لحہ لحہ ملّتِ اسلامیہ کی اصلاح میں گزرا، آپ نے تحریراً و تقریراً غرض یہ کہ ہر ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے اصلاحِ معاشرہ اور رُشد وہدایت کا وہ عظیم کارنامہ انجام دیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے بدعات وخرافات کا قلع قمع فرمایا۔ افعالِ شنیعہ اور معاشرے میں در آئی نت نئی برائیوں اور خرابیوں کو دور کرنے کی شب و روز سعیِ بلیغ فرمائی۔ آپ کی جملہ تصنیف وتالیف اور فتاووں کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا اندازہ بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے۔

نوریؔ بریلوی نے گمراہ انسانوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے، جُرم ومعصیت کے چاہِ عمیق میں غوطہ زن افراد کو نیکیوں اور اچھائیوں کی جوے خوش آب کی شناوری کا جو درسِ حسین دیا ہے اسے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

نوریؔ بریلوی کے دل میں اصلاحِ اُمت کی جو سچی تڑپ اور لگن موجزن تھی اس کی کارفرمائی آپ کی نثر ونظم میں نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ کا کلام ہر قسم کی بے راہ روی، بے جا خیال آرائی اور افراط وتفریط سے یک سر پاک وصاف ہے۔ عشقِ خدا اور سول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم، انقلابِ اُمت، اصلاحِ معاشرہ اور غفلت کی نیند میں سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کرنا یہ سب نوریؔ بریلوی کے کلام کے خصوصی عناصر ہیں۔

آج ہر جگہ دولت وثروت، جاہ ومنصب، زمین وجائداد اور صنفِ نازک کے طلب گاروں کی زیادتی ہوگئی ہے۔ زن، زمین، زور اور زر کے گاہک جگہ جگہ نظر آتے ہیں مگر دل سے ذکرِ خدا کا طالب کوئی مردِ باخدا نہیں ملتا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے وقت کے عظیم مصلح ہونے کی حیثیت سے نوریؔ بریلوی اصلاحی انداز میں چار ''زا'' یعنی ''زن، زمین، زور اور زر'' کے طلب گاروں کو کہتے ہیں کہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ سیکڑہ بے اکائی یعنی صرف ایک ''ذال'' (ذکرِ الٰہی) کے بدلے نہیں ملتا۔ شہ پارہ ملاحظہ ہو ؎

زن، زمین و زور اور زر کے ہیں گاہک کہیں
دل سے جو ہو طالبِ ذکرِ خدا ملتا نہیں
چار زا اک ذال کے بدلے میں لیں چوکس رہے
یہ نہ سمجھے بے اکائی سیکڑہ ملتا نہیں

واضح ہو کہ زن، زمین، زر اور زور یہ وہ اشیا ہیں جو انسان کو نقصان اور خسارے کے

علاوہ کچھ اور نہیں دے سکتیں۔ جب کہ اس کے برعکس ذکرِ الٰہی وہ دولتِ لازوال ہے جو انسان کو دنیوی اور اُخروی نجات سے سرفراز کرتی ہے۔

نوریؔ بریلوی کے عہد میں بھی ہر دور کی طرح طریقت کے نام پر پیری مریدی کا جال پھیلانے والے شریعتِ مطہرہ کے رموز واسرار سے بے خبر، بے شرع اور جاہل پیروں، فقیروں کا جگہ جگہ جمگھٹا تھا۔ جو بستی بستی سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان واسلام کو برباد کرتے پھر رہے تھے۔ ظاہری وجاہت اور پُرتصنع بناوٹ سے بے علم مسلمان ایسے رہِ نما صورت رہِ زنوں کے دامِ تزویر کا شکار ہورہے تھے۔ ایسے پُرآشوب ماحول میں نوریؔ بریلوی نے مسلمانوں کی اصلاح وتذکیر کا عظیم فریضہ انجام دیا، شریعت وطریقت کے رموز واسرار سمجھائے اور بتایا کہ بغیر شریعت کے طریقت مکمل نہیں ہوسکتی اور وہی شیخ سچا ہے جس کا ظاہر ہی نہیں بل کہ باطن بھی صاف ستھرا ہو اور وہ شریعتِ مطہرہ کا تابع وفرماں بردار ہو۔ آپ اُمتِ مسلمہ کو اپنے اشعار کے ذریعہ یوں باخبر کرتے ہیں ؎

رہِ نماوں کی سی صورت راہ ماری کام ہے
راہ زن ہیں کو بہ کو اور راہ نما ملتا نہیں
الّلے گہلے ہیں مشائخ آج کل ہر ہر گلی
بے ہمہ و باہمہ مردِ خدا ملتا نہیں
ہیں صفاے ظاہری کے ساز وساماں خوب خوب
جس کا باطن صاف ہو وہ باصفا ملتا نہیں
بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر کا دَور ہے
ایسے ملتے ہیں بہت اس سے ورا ملتا نہیں

عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ جیسے ہی جوانی کی دہلیز پار ہوجاتی ہے لوگ مساجد کا رُخ کرتے ہیں اور عبادت وریاضت میں زندگی کے شب وروز بسر گذارنے لگتے ہیں۔ اور عہدِ جوانی میں گناہوں، بے حیائیوں اور بدکرداریوں میں ملوث رہتے ہیں۔ یہ جاننا چاہیے کہ نوجوانی کی ایک وقت کی خالص اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے کی گئی عبادت پیرانہ سالی کی ستر عبادتوں سے افضل ہے۔ وہ اس بات سے بے خبر رہتے ہیں کہ جوانی کی عمر میں عبادت وریاضت کرنا چاہیے کیوں کہ بڑھاپے میں قویٰ بھی جواب دے جاتے ہیں اور ہمت وطاقت ویسی نہیں رہتی اور یہ بھی

کہ کسے خبر کہ زندگی کا چراغ کب گل ہوجائے۔ نوریؔ بریلوی اپنے آپ سے مخاطب ہو کر اُمّتِ مسلمہ کے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہیں کہ ریاضت کے ایّام درحقیقت نوجوانی کے ہی ہیں کہ بڑھاپے میں کہاں ہمت ہوتی ہے اس لیے جو کچھ عبادتیں کرنا ہوں جوانی میں ہی کرو ؎

ریاضت کے یہی دن ہیں بڑھاپے میں کہاں ہمت
جو کچھ کرنا ہو اب کرلو ابھی نوریؔ جواں تم ہو

آج ہر کوئی دنیا بنانے اور کمانے کی بڑی تیزی سے فکر کر رہا ہے۔ اور اس کے لیے عملی طور پر ہر لحہ کوشاں ہے جس کے سبب دین کی طرف سے بے پروا ہو گیا ہے۔ اور کھانا پینا اعلا قسم کا ہو رہا ہے، پوشاک بھی انتہائی قیمتی اور نفیس استعمال کر رہا ہے۔ ان فانی نعمتوں پر اِترا رہا ہے دنیا کے پیچھے لگا ہوا ہے مگر منعمِ حقیقی کی یاد سے دور ہو گیا ہے دین کی فکر نہیں کر رہا ہے۔ وہ یہ بھول بیٹھا ہے کہ دین کی فکر اور دین کا بنانا دنیا سے اول اور مقدم ہے۔ اس ضمن میں نوریؔ بریلوی کا اصلاحی تیور نشانِ خاطر کیجیے ؎

دنیا بنے یا بگڑے دنیا رہے یا جائے
تو دین بنا پیارے دنیا کا ہے کیا کرنا
کھا یا پیا اور پہنا اچھوں سے رہا اچھا
کچھ دین کا بھی کرلے دنیا کا ہے کیا کرنا

آج دنیا کمانے اور بنانے کے ساتھ دنیا کی مختلف فانی چیزوں کی محبت واُلفت بھی اُمّتِ مسلمہ کے دلوں میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔ اور دل کا تعلق جن سے ہونا چاہیے ہم اس سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ نوریؔ بریلوی یوں ہمیں اپنی محبت واُلفت کا مرکز بتا رہے ہیں

؎

لگاؤ دل کو نہ دنیا میں ہر کسی شے سے
تعلق اپنا ہو کعبے سے یا مدینے سے

نفسِ امارہ کی شرارتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اسے انسان صحیح طور پر محسوس نہیں کر پاتا۔ جب کہ وہ ہر لحہ اپنا کام کرتے رہتا ہے۔ جو بھی بندہ نفس کی شرانگیزی کا شکار ہو جاتا ہے اس کو طاعتِ حق کا نام سنتے ہیں خوشی ومسرت کے بجائے بےزاری محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ گناہ کو ہی اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ نوریؔ بریلوی ایسے افراد کو کہتے ہیں کہ معصیت اور گناہ یہ زہر ہیں، مٹھائی

نہیں، نفس تو قصائی ہے اس لیے اس کی شرارتوں سے بچیں اور اطاعتِ حق کی طرف اپنے آپ کو موڑیں ؎

شامتوں نے تمہاری گھیرا ہے
موت تم کو یہاں پہ لائی ہے
ذبح کر ڈالا تو نے او ظالم!
نفس تُو تو زرا قصائی ہے
طاعتِ حق کا نام سنتے ہی
تجھ کو کم بخت موت آئی ہے
معصیت زہر ہے مگر اوندھے
تُو نے سمجھا اسے مٹھائی ہے
اچھے جو کام کرنے ہیں کرلو
جان اپنی نہیں پرائی ہے

نوریؔ بریلوی اُمّتِ مسلمہ کے افراد سے مخاطب ہیں کہ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کتنا اعلا کرم اور احسان ہے کہ دن رات ہم خطاوں پر خطائیں کرتے رہتے ہیں مگر وہ ہمیں نوازتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے کہ خطاوں کے باوجود عطاوں میں جب کمی نہیں ہو رہی ہے تو ہمیں خطاوں پر نادم اور شرمندہ ہو کر اس سے باز آجانا چاہیے ؎

دن رات خطاوں پر ہم کو ہے خطا کرنا
اور تم کو عطاوں پر ہر دم ہے عطا کرنا
ہم اپنی خطاوں پر نادم بھی نہیں ہوتے
اور ان کو عطاوں پر ہر بار عطا کرنا

ان اصلاحی اشعار کے علاوہ کلامِ نوریؔ میں اور بھی بیش تر ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں اُمّتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچ کر آپ نے ناگفتہ بہ حالات سے نجات اور انسان میں انقلابی سوچ اور فکر بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان جواہر پاروں سے نوریؔ بریلوی کی اُمّتِ مسلمہ کے تئیں سچی تڑپ اور کسک کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ؎

زخم پہ زخم یہی کھائے یہی قتل بھی ہو

خونِ مسلم کیا ابھی اور بھی ارزاں ہوگا
بھیڑیوں کا ہے جنگل نہیں کوئی راعی
بھولی بھیڑوں کا شہا کون نگہباں ہوگا
ظلم پر ظلم سہے اور سزائیں بھگتے
اور اُف کی تو تہِ خنجرِ برّاں ہوگا
یہی اندھیر اگر اور بھی کچھ روز رہا
تو مسلماں کا نشاں بھی نہ نمایاں ہوگا
صبحِ روشن کی سیہ بختی سے اب شام ہوئی
کب قمر نور دہِ شامِ غریباں ہوگا

اغثنا حبیب الالٰہ اغثنا

تباہی میں بیڑا ہمارا پھنسا ہے
یہ سچ ہے بداعمالیوں ہی نے اپنی
ہمیں روزِ بد یہ دکھایا شہا ہے
بہت نام لیوا ہوئے قتل و غارت
خبر کیا نہیں تم سے کیا کچھ چھپا ہے
تصور میں بھی جو نہ تھے وہ مظالم
ہوئے اور ابھی تک وہی سلسلا ہے
نہ دیکھا تھا جو چشمِ گردوں نے اب تک
ترے بندوں نے وہ ستم اب سہا ہے
چھنے مال و دولت ہوئے قتل و غارت
ہزاروں کا ناموس لوٹا گیا ہے
لکھو کھا کیے ٹھنڈے سفاکیوں سے
مگر ظالم اب تک بھی گرما رہا ہے
جو حق چاہتا ہے یہ وہ چاہتے ہیں

جو یہ چاہتے ہیں وہ حق چاہتا ہے
مگر مولا اب تو سزا پا چکے ہم
کرم کیجیے اب یہی التجا ہے
نکوکار بندے ہی کیا ہیں تمہارے
یہ بدکار بھی آپ ہی کا شہا ہے
نہ کی جے نظر اس کی بدکاریوں پر
کرم کیجیے جو شعار آپ کا ہے
جو پہلے تھے آقا، غلام آج ٹھہرے
غلام اپنے آقا کا آقا بنا ہے

متذکرہ بالا مثالوں سے نوریؔ بریلوی کی اصلاحِ اُمّت کی سچی تڑپ اور لگن نمایاں ہوتی ہے۔ اور اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ عشقِ خدا اور رسول جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم، انقلابِ اُمّت، اصلاحِ معاشرہ اور غفلت کی نیند میں سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کرنا یہ سب نوریؔ بریلوی کے کلام کے خصوصی عناصر ہیں۔

{...........}

کلامِ نوریؔ میں عربی کی آمیزش اور فارسیت کا رچاو

نوریؔ بریلوی اپنے عہد میں مایۂ ناز عالم و فاضل، عظیم مفسر و محدث، بے مثال فقیہ و مدرس، بلند پایہ ادیب، صاحبِ طرز انشا پرداز اور سچے عاشقِ رسول نعت گو شاعر کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ آپ اور بھی بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آپ کو زبان و

بیان پر مکمل اور عالمانہ دسترس حاصل تھی۔ آپ کلی طور پر زبان کی نزاکتوں اور باریکیوں سے بہرہ ور تھے۔ آپ نظم کے ساتھ ساتھ نثر پر بھی مہارتِ تامّہ رکھتے تھے اور ۴۰ کے لگ بھگ نثری کتب و رسائل، فتاوے اور حواشی آپ کی علمی یادگاریں ہیں جو کہ علم و ادب کا اعلاترین شاہ کار کہلاتی ہیں۔ آپ کو جہاں اردو میں کامل عبور حاصل تھا وہیں آپ عربی اور فارسی پر بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ لہٰذا موضوع و مضمون کی گراں قدری اور رفعت و منزلت کی مناسبت سے آپ کی نعتوں میں جابجا اردو کے ساتھ ساتھ عربی کی آمیزش اور فارسیت کا گہرا رچاو پایا جاتا ہے۔ آپ نے اردو کے ساتھ عربی اور فارسی کا اُس حُسن و خوبی اور ندرتِ ادا سے استعمال کیا ہے کہ بے اختیار سبحان اللہ! کہنے کو جی چاہتا ہے۔

نوریؔ بریلوی کی اردو نعتوں میں عربی اور فارسی کا جس خوش اسلوبی، ماہرانہ چابک دستی، ادیبانہ دسترس اور عالمانہ شان و شوکت سے استعمال ہوا ہے۔ وہ آپ کے اہلِ زبان اور اعلا ترین لب و لہجے کے بلند پایہ شاعر ہونے کی روشن دلیل ہے۔ عربی و فارسی کے استعمال کی چند مثالیں اس سے قبل صنعتِ تلمیع، اقتباس اور ذولسانین کے تحت پیش کی جا چکی ہیں۔ کلامِ نوریؔ میں عربی کی آمیزش بہ کثرت ملتی ہے۔

نوریؔ بریلوی کی حمدیہ نظم بعنوان ''اذکارِ توحید ذات، اسما و صفات و بعض عقائد'' (مخمس) جو ۹۹ ربندوں پر مشتمل ہے۔ عربی زبان کا یہ ٹکڑا ''لاالہ الا اللہ امنا برسول اللہ''۔ ہر بند میں مکرّر ہے۔ علاوہ اس کے ۷ ربند مکمل عربی میں ہیں اور ۱۲ ربند میں اردو کے ساتھ ماہرانہ چابک دستی سے عربی کی آمیزش کی گئی ہے۔ ذیل میں خاطر نشین کیجیے مذکورہ حمدیہ نظم کے چند بندوں کی مثالیں ؎

لا موجود الا اللہ لامشہود الا اللہ
لا مقصود الا اللہ لا معبود الا اللہ
لا الہ الا اللہ أمنا برسول اللہ
ربی حسبی جل اللہ مافی قلبی غیر اللہ
حق حق حق اللہ رب رب رب سبحان اللہ
لا الہ الا اللہ أمنا برسول اللہ

حَکم و عدَ لُ و علیٌ وَ عظیم دیّانٌ وَ رحمٰنٌ و رحیم
قدوسٌ و حنان و حلیم فتاحٌ و منّانٌ وَ کریم
لا الہ الا اللہ أمنا برسول اللہ
والی ولیٌ متعالی حکیم وہاب ورزاق و علیم
مالک یومِ دین و جحیم مالکٌ ملکِ خلد و نعیم
لا الہ الا اللہ أمنا برسول اللہ

''جاری رہے گا سکّہ تیرا'' عنوان کے تحت ایک نعت کے ہر مصرعِ ثانی میں ''صلی اللہ علیک وسلم'' آیا ہے جو عربی میں ہے۔ اور اسی نعت کے چند شہ پارے نشانِ خاطر ہوں جن میں اردو کے ساتھ عربی کی دل آویز اور دل کش آمیزش کی گئی ہے ؎

بارک شرَّف مجّد کرّم نوّر قلبک اسری علّم
رب نے تم کو کیا کیا بخشا صلی اللہ علیک وسلم
انت الرافع انت النافع انت الدافع انت الشافع
اشفع عند الربِ الاعلیٰ صلی اللہ علیک وسلم
انت الاول انت الأخر انت الباطن انت الظاھر
انت سمی المولیٰ تعالیٰ صلی اللہ علیک وسلم
من لی ناصر مالیٌ والی غیرک مالی فانظر حالی
واسمع قالی یا مولائی صلی اللہ علیک وسلم
انت القاسم ربُک معطی تم نے ہی سب کو نعمت دی
دے دو مجھ کو میرا حصہ صلی اللہ علیک وسلم
انت شفیعی انت وکیلی انت حبیبی انت طبیبی
انت کفیلی یا مولاناصلی اللہ علیک وسلم

علاوہ ازیں ''صلی اللہ علیک وسلم صلی اللہ صلی اللہ''۔ عنوان کے تحت ایک نعت ۳۹ ربندوں پر مشتمل ہے۔ جس کے ہر مصرعِ ثانی میں ''صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم صلی اللہ صلی اللہ'' کی تکرار ہے جو عربی میں ہے۔ اسی طرح اسی نعت کے یہ اشعار ملاحظہ کیجیے جن میں اردو کے ساتھ عربی کی آمیزش کی تازہ کاری ہے ؎

اوحیٰ الیک اللہ ما اوحیٰ من یعلمھا الا انت
مولیٰ سرِّ قدرت والے صلی اللہ علیک وسلم صلی اللہ صلی اللہ
پایا تم نے رتبۂ علیاؑ قاب قوسینِ او ادنیٰ
حق سے ایسی قرابت والے صلی اللہ علیک وسلم صلی اللہ صلی اللہ

اس کے علاوہ ایک سلام ”پیکرِ حُسنِ تمام“ کے دو بند خاطر نشین ہوں جو عربی کی آمیزش کا خوب صورت شاہ کار ہیں ؎

الصلاۃ والسلام اے سرورِ عالی مقام
الصلاۃ والسلام اے رہبرِ جمل انام
الصلاۃ والسلام اے مظہرِ ذات السلام
الصلاۃ والسلام اے پیکرِ حُسنِ تمام
الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام

یا حبیب اللہ انت مَھبَطُ الوحیِ المبین
اِنی مُذنب سیدی انت شفیعُ المذنبین
یا رسول اللہ انت صادقُ الوعد الامین
یا نبی اللہ انت رحمۃ للعٰلمین
الصلاۃ والسلام الصلاۃ والسلام

ذیل میں نوریؔ بریلوی کے کلام سے چند جواہر پاریشانِ خاطر فرمائیں جن میں بڑی خوش اسلوبی، سلیقہ مندی اور ادیبانہ مہارت کے ساتھ اردو اشعار میں عربی کی دل آویز آمیزش ہے جو نوریؔ بریلوی کے قادرالکلام شاعر ہونے کا روشن اعلان ہے ؎

صبح دم کر کے شبنم سے غسل و وضو   شاہدانِ چمن بستہ صف روبرو
ورد کرتے ہیں تسبیح ”سبحانہٗ“   ھوٗ ولا غیرہٗ ھوٗ ولا غیرہٗ
اللہ اللہ اللہ اللہ
بد ہوں مولیٰ مرے مجھ کو کر دے نکو   رختِ اعمال ہے چاک فرما رفو

تیری رحمت کی اُمید ہے اے عفو   کہ ہے ارشادِ قرآں ’لاتقنطوٗا‘
اللہ اللہ اللہ اللہ

’ربِّ سلِّم‘ کی دعا سے پار بیڑا کیجیے
راہ ہے تلوار پر نیچے ہے دریا نار کا

زُلفِ والا کی صفت ’واللیل‘ ہے قرآں میں
اور رُخ کی ’والضحیٰ‘ مہرِ عجم ماہِ عرب

مازاغ بصرک یا مولیٰ ما کذب قلبک حین رأی
ایسی چشمِ بصیرت والے تم پر لاکھوں سلام
قولِ حق ہے قول تمہارا ان ’ھو الا وحیٌ یو حیٰ‘
صدق و حق و امانت والے تم پر لاکھوں سلام
آپ کا ید ’یدِ ربِّ واحد فوق ایدھم‘ ہے شاہد
اے ربانی بیعت والے تم پر لاکھوں سلام

مصطفیٰ ماجآ الا رحمۃ للعٰلمین
چارہ سازِ دوسرا تیرے سوا ملتا نہیں

یہ آج ’بُشریٰ لکم‘ کی صدا کا شور ہے کیوں
یہ مرحبا کی نداوں میں آج زور ہے کیوں
بڑھو ادب سے کرو عرض ’السلام علیک‘
واھل بیتک والآل والذین لدیک

سبھی رسل نے کہا ’اذھبوا الیٰ غیری‘

'انا لها' کا یہ مژدہ سنانے آئے ہیں

کیا کہوں کیسے ہیں پیارے ترے پیارے گیسو
دونوں عارض ہیں ضحی لیل کے پارے گیسو

مٹادی کفر کی ظلمت تمہارے روے روشن نے
سویرا شرک کا تم نے کیا 'شمس الضحیٰ' تم ہو
جہاں تاریک تھا سارا اندھیرا ہی اندھیرا تھا
تم آئے ظلمتیں تم سے مٹیں 'بدرالدجیٰ' تم ہو
'رفعنا' سے تمہاری رفعتِ بالا ہوئی ظاہر
کہ محبوبانِ رب میں سب سے عالی مرتبہ تم ہو

من رأنی راء الحق سنا کر چلے
میرا جلوہ ہے حق کا جتا کر چلے
جز بشر اور کیا دیکھیں خیرہ نظر
ایّکم مثلی کو وہ سنا کر چلے

ترے حبیب کے دشمن ہیں اور خود تیرے
ہر ایک ان میں کا 'فی النار والسقر' ہوجائے

تاج رکھا ترے سر 'رفعنا' کا
کس قدر تیری عزت بڑھائی ہے

'رمی' جس کی 'رمی' ٹھہری خدا کی
'کتاب اللہ' میں 'اللہ رمیٰ' ہے

اسے 'من ابتدع' تو رہ گیا یاد
مگر 'من سنّ' یہ بھولا ہوا ہے

سنگھادیجے ہمیں وہ زُلفِ مشکیں
صفت میں جس کی 'واللیل و سجیٰ' ہے
دکھا دیجے شہا پُرنور چہرہ
صفت میں جسکی 'والشمس' اور 'ضحیٰ' ہے
زبانیں سوکھی ہیں کانٹے جمے ہیں
'عطش' سے حال ابتر ہورہا ہے
سنیں گے سننے والے 'اذہبوا' کے
زبانِ پاک پر 'انی لہا' ہے

'اغثنا حبیب الالٰہ اغثنا'
تباہی میں بیڑا ہمارا پھنسا ہے
'وما ینطق عن ھویٰ' سے ہے روشن
زبانِ مقدس پہ حق بولتا ہے
'انا قاسمٌ' سے ہے روشن جہاں میں
جسے جو ملا وہ تمہارا دیا ہے

{............}

فارسیت کا رچاو

اردو زبان عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت کے ملاپ سے وجود میں آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں جب کوئی شاعر شعر نظم کرتا ہے یا کوئی مصنف کتاب کی تصنیف وتالیف کرتا ہے تو اُن میں عربی کی آمیزش اور فارسیت کا رچاو نا گزیر ہوجاتا ہے۔ نوریؔ بریلوی کے کلام میں عربی کی

آمیزش کا نظارہ ہم نے گذشتہ صفحات میں کیا اب آیئے کلامِ نوریؔ میں فارسیت کے گہرے رچاؤ کو نشانِ خاطر کیجیے۔

نوریؔ بریلوی کے کلام میں جابجا اردو کی لفظیات کے ساتھ فارسی الفاظ وتراکیب کا برمحل، خوب صورت اور حسین وجمیل امتزاج ملتا ہے۔ بعض ترکیبات تو خالص فارسی الاصل ہیں جو آپ کی زبان دانی اور فارسی زبان میں مہارتِ تامّہ پر دلالت کرتی ہیں۔ ''جلوۂ ماہِ عرب'' اور ''جلوہ ہے جلوہ آپ کا'' کی ردیفیں ''مہرِ عجم ماہِ عرب'' اور ''ماہِ عجم مہرِ عرب'' خالص فارسی تراکیب ہیں۔ چند اشعار خاطر نشین کیجیے ؎

'ماہِ تاباں' تو ہوا 'مہرِ عجم ماہِ عرب'
ہیں ستارے انبیا 'مہرِ عجم ماہِ عرب'

قبر کا ہر ذرہ اک 'خورشیدِ تاباں' ہو ابھی
رُخ سے پردہ دو ہٹا 'مہرِ عجم ماہِ عرب'

'کوچۂ پُر نور' کا ہر ذرہ 'رشکِ مہر' ہے
واہ کیا کہنا ترا 'مہرِ عجم ماہِ عرب'

'رُو سیہ' ہوں منھ اُجالا کر مرا 'جانِ قمر'
صبح کر یا چاندنا 'مہرِ عجم ماہِ عرب'

'نیّرِ چرخِ رسالت' جس گھڑی 'طالع' ہوا
اوج پر تھا غلغلہ 'مہرِ عجم ماہِ عرب'

ہے تم سے عالم پُر ضیا ماہِ عجم مہرِ عرب
دے دو میرے دل کو جلا ماہِ عجم مہرِ عرب

میں ردیف 'مہرِ عجم ماہِ عرب' کے علاوہ ماہِ تاباں، خورشیدِ تاباں، کوچۂ پُر نور، رشکِ مہر، جانِ قمر، نیّرِ چرخِ رسالت، طالع، پُر ضیا یہ سب خالص فارسی لفظیات کی ترکیبیں ہیں۔

۲۰ ربندوں پر مشتمل حمدیہ نظم ''ضربِ ہو'' میں فارسی ترکیبوں کا بہت زیادہ استعمال ہوا ہے۔ اس نظم میں عرش وفرش، زمان وجہت، ضیا، منزہ، مبرہ، نغمہ سنجانِ گلشن، طائرانِ جناں، بلبلِ خوش نوا، طوطیِ خوش گلو، زمزمہ خواں، قمریِ خوش لقا، لسانِ مقال جیسی ترکیبات فارسیت کے دل نشین رچاؤ کی مثالیں ہیں۔

۲ رنعتیں ''بہارِ جاوداں تم ہو'' اور ''ختم الانبیا تم ہو'' میں فارسیت کا انتہائی گہرا رچاؤ ملتا ہے۔ ان دونوں نعتوں کے بیش تر قوافی خالص فارسی الاصل ترکیبِ لفظی پر مشتمل ہیں۔ مثال کے طور پر اشعار کے بجائے ان ترکیبوں کو ملاحظہ کیجیے۔ بہارِ جاوداں، نسیمِ داستاں، بہارِ باغِ رضواں، زیبِ جناں، حبیبِ ربِّ رحمن، مکینِ لامکاں، سرِ ہر دو جہاں، شہِ شاہنشہاں، بہارِ بے خزاں، بہارِ جاوداں، بہارِ گلستاں، بہارِ بوستاں، تابشِ رُخ، مجسم رحمتِ حق، شفیعِ عاصیاں، وکیلِ مجرماں، طبیبِ انس وجاں، شانِ خدا، مہِ لقا، شہِ عرشِ علا، مہ وخورشید ونجمِ برق، کسبِ ضیا، علوِ مرتبت وغیرہ۔

علاوہ ازیں نوریؔ بریلوی کے کلامِ بلاغت نظام میں بعض ایسے جواہر پارے بھی موجود ہیں جن میں ایک مصرع مکمل فارسی میں ہے تو دوسرا اردو میں ...... اردو کے ساتھ فارسی مصرع کی ادائگی اس حُسنِ ادا، زورِ بیان اور دل کشی وشگفتگی سے کی گئی ہے کہ قاری وسامع لطف اندوز اور کیف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ؎

''از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب''
ہو چکا تجھ سے مداوا عشق کے بیمار کا

''پرتو شود از نورِ رب بارانِ نوری روز و شب''
ہو تا ابد یہ سلسلہ ماہِ عجم مہرِ عرب

''کجا ہم خاک اُفتادہ کجا تم اے شہِ بالا''
اگر مثلِ زمیں ہم ہیں تو مثلِ آسماں تم ہو
''چہ نسبت خاک را با عالمِ پاکت کہ اے مولا''
گدائے بے نوا ہم ہیں شہِ عرش آستاں تم ہو

''از شہا تا بگدایانِ جہاں یک عالم''
آپ کے در پہ شاہ عرض رسا ہوتا ہے

''از زمیں تا فلک جن و انس وملک''

جس کو دیکھو تمہارا فدائی ہے

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

''بہر لحظہ بہر ساعت بہر دم''
درِ سرکارِ فیض آثار وا ہے
''سلامِ روستائی بے غرض نیست''
وہ کیا تعظیم کو حاضر ہوا ہے

اسی طرح نوریؔ بریلوی کے مجموعۂ کلام ''سامانِ بخشش'' میں شامل حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی بغدادی علیہ الرحمۃ کی شان میں لکھی گئی مناقب میں بھی فارسی کے اشعار ملتے ہیں، نشانِ خاطر کیجیے منقبت سے چند شہ پارے ؎

بہ عینِ عنایت بہ چشمِ کرامت
بدہ جرعۂ تا چشم غوثِ اعظم
سرِ خود بہ شمشیرِ ابرو فروشم
بہ مژگانِ تو سینہ ام غوثِ اعظم
بہ پیکانِ تیرت جگر می فروشم
بہ تیرِ نگاہت دلم غوثِ اعظم
دماغم رسد بر سرِ عرشِ اعلیٰ
بہ پایت اگر سر نہم غوثِ اعظم
مری سربلندی یہیں سے ہے ظاہر
''کہ شد زیرِ پایت سرم غوثِ اعظم''

علاوہ ازیں نوریؔ بریلوی کے مجموعۂ کلام ''سامانِ بخشش'' سے ذیل میں ایسے اشعار خاطر نشین کیجیے جن میں اردو لفظیات کے ساتھ فارسی لفظیات کا انتہائی گہرا رچاو ہے ؎

بنا عرشِ بریں 'مسند کفِ پائے منورؔ' کا
خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا

جو 'آب و تابِ دندانِ منورؔ' دیکھ لوں نوریؔ
مرا 'سحرِ سخن سرچشمۂ' ہو 'خوش آب گوہرؔ' کا

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

دل میں گھر کرتا ہے 'اعدا' کے ترا 'شیریں سخن'
ہے میرے 'شیریں سخن' شہرہ تری 'گفتار' کا

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

چوکڑی بھولا 'براقِ باد پا' یہ دیکھ کر
ہے قدم 'دوشِ صبا' پر اس 'سبک رفتار' کا
'ہفت کشور' ہی نہیں چودہ 'طبق' روشن کیے
'عرش و کرسی لامکاں' پر بھی ہے جلوہ یار کا

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

میرا گھر 'غیرتِ خورشید درخشاں' ہوگا
خیر سے 'جانِ قمر' جب کبھی مہماں ہوگا
جو 'تبسم' سے 'عیاں' اک 'دُرِ دنداں' ہوگا
ذرّہ ذرّہ مرے گھر کا 'مہِ تاباں' ہوگا

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

'ماہِ طیبہ نیّرِ بطحا' صلی اللہ علیک وسلم
تیرے دم سے عالم چمکا صلی اللہ علیک وسلم
سر پر بادل کالے کالے 'دودِ عصیاں' کے ہیں چھالے
دم گھٹتا ہے میرے مولیٰ صلی اللہ علیک وسلم
میں ہوں تنہا 'بن' ہے سونا 'دُزدِ ایماں سر پر پہنچا
میری خبر لے میرے مولیٰ صلی اللہ علیک وسلم

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

'آبِ بحرِ عشقِ جاناں' سینہ میں ہے موجزن

کون کہتا ہے ہمیں 'آبِ بقا' ملتا نہیں
'بر زباں' تسبیح و 'در دل گاو خر' کا دور ہے
ایسے ملتے ہیں بہت اس سے ورا ملتا نہیں

کھلے ہیں 'دیدۂ عشاق خوابِ مرگ' میں بھی
کہ اس 'نگار' کا ہے انتظار آنکھوں میں

تو 'شمعِ رسالت' ہے عالم ترا پروانہ
تو 'ماہِ نبوت' ہے اے جلوۂ جانانہ
کیوں 'زُلفِ معنبر' سے 'کوچے' نہ مہک اُٹھیں
ہے پنجۂ قدرت جب زلفوں کا تری 'شانہ'

کلامِ نوریؔ میں عربی کی آمیزش اور فارسیت کے گہرے رچاو کے اس جائزے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نوریؔ بریلوی کو زبان کے استعمال پر ملکہ حاصل تھا۔ آپ اپنے عہد کے ممتاز اہلِ زبان اور منفرد لب و لہجے کے شاعر تھے۔ آپ کے کلام میں فارسی کی اور بھی بہت ساری ترکیبات موجود ہیں، یہاں مُشتے نمونہ از خروارے کے مصداق چند شہ پارے درج کیے جا رہے ہیں۔ مطلعِ نوری، مہرِ انور، مطلعِ محشر، کفِ پاے منور، نقابِ روے انور، مہرِ ذرہ پرور، جمالِ حق نما، خوش آب گوہر، مہبطِ انوار، مخزنِ انوار، مرہمِ زنگار، زخمِ دامن دار، دوشِ صبا، خورشیدِ تاباں، مطلعِ انوار، لعلِ شب چراغ، سوختہ جاں، جانِ مسیحا، بختِ خفتہ، قفسِ جسم، مُرغِ جاں، جلوہ گہہ سرورِ خوباں، جلوۂ حُسنِ جہاں تاب، تیغِ دو پیکر، غیرتِ خورشیدِ درخشاں، دامنِ حامیِ خود، ماحیِ عصیاں، نوردۂ شامِ غریباں، فضلِ اتم، لطفِ اعم، سحابِ کرم، صفحۂ دل، مصباحِ ظلم، آبِ تیغِ عشق، طائرِ جاں، شافعِ روزِ جزا، سایۂ زلفِ رسا، نسیمِ فیض، جانِ جناں، حسرتِ پابوس، دیدۂ عشاق، گلِ عذار، قرارِ دلِ حزیں، نرگسِ شہلا، گلِ مہ تاب، مطلعِ انوار، مثالِ شمعِ روشن، رضا جوے خداوندِ جہاں، جانِ قمر، جلوہ نما، دلِ پژمردہ، بہارِ چمنِ طیبہ، جانِ مسیحا، چشمۂ آبِ حیات، نگاہِ مہر، قلبِ تیرہ، شجرۂ

امید، بقعۂ نور، ابروے خم دار، شبِ فراق، فوجِ غم، بابِ رحمتِ ربِّ علا، سرِ خیرہ، آئینۂ ذاتِ اَحد، مرآتِ صفاتِ کبریا، بیانِ عیبِ دشمن، ضیاے کعبہ، ضیاے روضہ، فضاے طیبہ، شامِ غربت، مئے محبوب، بلبلِ باغِ مدینہ، زورقِ خورشید، جانِ رحمت، کانِ نعمت، شانِ حق نما، زُلفِ مشکیں، رموزِ مصلحت، مثالِ ماہیِ بے آب، مریضِ معاصی، معراجِ قسمت وغیرہ۔

{...........}

کلامِ نوریؔ میں ہندی و ہندوستانی عناصر اور علاقائی بولیوں کا استعمال

اردو زبان و ادب کے شعرا و ادبا اور محققین و ناقدین پر یہ اعتراضات ہمیشہ سے عائد

کیے جاتے رہے ہیں اور آج بھی معترضین ایسی الزام تراشیاں کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ اردو شعرا وادبا ہندوستان کی سرزمین پر بیٹھ کر دنیاے عرب اور مملکتِ ایران کے گیت گاتے ہیں اور اپنی شاعری اور اپنے ادب میں ہندی اور ہندوستانیت کو کوئی جگہ نہیں دیتے۔ اردو زبان وادب کے شعرا وادبا پر اس قسم کے بے بنیاد اور بے سروپا اعتراضات وارد کرنے والے افراد میں کچھ تو ایسے بھی ہیں جو اردو زبان کو بدیسی زبان تک بھی کہہ دیتے ہیں۔

یہ تمام الزامات اور اعتراضات لغو اور بے بنیاد ہیں نہ تو اردو زبان بدیسی زبان ہے اور نہ ہی اردو دنیا کے شعرا وادبا نے ہندی وہندوستانی عناصر کے ذکر سے روگردانی اور اجتناب برتا ہے۔

اردو خالص ہندوستانی زبان ہے۔ اس میں ہندی الفاظ کی تعداد عربی اور فارسی الفاظ سے تقریباً چار گنا زیادہ ہے؛ بہ قول اعجاز صدیقی :

"جہاں تک اردو گرامر کا تعلق ہے وہ ہندی گرامر سے بہت زیادہ قریب ہے اس کے تمام افعال وضمائر دیسی ہیں، مزاج دیسی ہے، روح دیسی، جسم دیسی ہے۔"(۱)

علاوہ ازیں اردو کے ہندوستانی زبان ہونے کے بارے میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کا خیال بھی ملاحظہ کریں، وہ لکھتے ہیں :

"اردو نے ہند آریائی زبان کا دودھ پیا ہے۔ اردو زبان ہماری پچھلی کئی صدیوں کی تہذیبی کمائی ہے۔"(۲)

اردو زبان وادب اور اردو دنیا کے شعرا وادبا کے بارے میں جو افراد اس طرح کی بد گمانیاں اور غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں ان کا علم وادب سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ جہاں تک اردو شعرا وادبا کا ادب اور شاعری میں ہندی اور ہندوستانی عناصر کو جگہ دینے کا تعلق ہے تو یہ سوال ہی اردو شعر وادب سے ناواقف افراد کی طرف سے لگتا ہے۔ کیوں کہ ہندی الفاظ، روزمرہ محاورے، ضرب الامثال، کہاوتیں، ہندوستانی تہذیب وتمدن اور رسم ورواج کی جلوہ ریزیاں ہر قدیم اور جدید شاعر کے کلام میں خوب صورت رنگ وآہنگ کے ساتھ موجود ہے۔ ان شعرا میں کسی کی تخصیص نہیں خواہ وہ کسی نظریہ یا مرکزی عقیدے کا شاعر ہو یا محض شاعرِ جذبات ہو۔ ہر ایک شاعر کی شاعری میں ہندی یا ہندوستانیت نمایاں ہے اور ان کے کلام میں ہندوستانی عناصر کی جھلکیاں

موجود ہیں۔

شاعر تو بڑا حساس اور جذباتی ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے جذبات وخیالات کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ وہ اپنے عہد اور زمانے کا بھی ترجمان ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے گردوپیش اور ماحول سے کیسے بے خبر رہ سکتا ہے اور ان سے بے پرواہو کر یا ان کی طرف سے نظریں چُرا کر وہ کامیاب شاعری ہرگز نہیں کر سکتا اور نہ ہی اچھے ادب اور اچھی شاعری کو منصۂ شہود پر لا سکتا ہے۔

یہ بھی ایک مسلمہ سچائی ہے کہ جو زبان جس ملک میں آنکھ کھولتی ہے۔ پلتی بڑھتی ہے۔ بچپن دیکھتی ہے۔ لڑکپن دیکھتی ہے۔ عنفوانِ شباب میں اٹھکیلیاں کھیلتی ہے۔ وہ کسی بیرونی تہذیب وتمدن اور ثقافت سے متاثر ہونے کے باوجود بھی اپنی ملکی تہذیب وتمدن اور ثقافت سے ہرگز اپنا رشتہ منقطع نہیں کرسکتی۔

اردو زبان ہندوستان کی تمام قوموں اور زبانوں کا مشترک روپ ہے۔ ہندوستانی تہذیب وتمدن کا کوئی مظہر ایسا نہیں جو اردو ادب میں نہ ہو۔ اس کی کہاوتوں، محاوروں، ضرب الامثال اور لوک گیتوں میں ہندوستان کا دل دھڑک رہا ہے۔

حتیٰ کہ جب اردو شاعری ارتقائی مدارج طے کر رہی تھی تو اس وقت بھی خسروؔ جیسے خالص ہندوستانی شاعر کا کلام بھی ہندوستانی عناصر کی بھینی بھینی خوش بُو سے فضا کو معطر کر رہا تھا۔ خسروؔ کے یہاں ہندی وہندوستانی کی بہتات ہے۔ خسروؔ کے چند شہ پارے خاطر نشین ہوں
ے

گوری سووے سیج پر اور مکھ پر ڈارے
کیس
چل خسروؔ گھر آپنے رین بھئی چھوندیس

زحالِ مسکیں مکن تغافل ، دورائے نیناں ، بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں نہ دارم اے جاں نہ کاہے لیہو لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلت چو عمرِ کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں رتیاں

مذکورہ بالا اشعار میں فارسی اور اردو کے ساتھ ہندی و ہندوستانی زبان کا گہرا رچاو

ہے۔ پرانے زمانے میں ''ستی'' ہندوستانی عناصر کی ایک مشہور رسم ہے۔ اسے ایک عورت کی وفا شعاری اور ایثارِ نفسی کی مثال تصور کی جاتی تھی۔ جو عورت اپنے شوہر کی موت کے بعد اس کی لاش کے ساتھ جل مرتی تھی اسے محبت اور عصمت پروری کی دیوی مانا جاتا تھا۔ گو کہ اب یہ رسم مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے۔ خسروؔ کا یہ دوہا ''ستی کی رسم'' سے متاثر ہو کر کہا گیا ہے ؎

خسروؔ ایسی پیت کر جیسے ہندو جوئے
پوت پرائے کارنے جل جل کوئلا ہوئے

علاوہ ازیں میرؔ، انشاؔ، سوداؔ، مصحفیؔ، حالیؔ وغیرہ کے ہاں ہندی اور ہندوستانی عناصر نشانِ خاطر کیجیے ؎

ہر اشک کو مری مژگاں سے یہ علاقہ ہے
کہ جوں 'ستار' کی کھونٹی سے تار تار بندھا

(مصحفیؔ)

دل میں سما رہا ہے یوں داغ عشق اپنے
جس طرح کوئی 'بھونرا' ہووے 'کنول' میں بیٹھا

(انشاؔ)

نہیں کوئی گھر ایسا، جہاں اس کو نہ دیکھا ہو
'کنہیا' سے نہیں کم، صنم میرا وہ ہرجائی

(سوداؔ)

در پہ 'الکھ' آ کے جگاتے ہیں جب
ٹن کے گھروں سے نکل آتے ہیں سب

(حالیؔ)

الکھ جگانا، ہندوستانی محاورہ ہے۔ ستارا، بھونرا، کنول، کنہیا...... ان علامتوں کو ملاحظہ کیجیے؛ یہ سارے کے سارے خالص ہندوستانی عناصر ہیں۔

دھونی رمانا، آسن مار کر بیٹھنا، قشقہ کھینچنا، ماتھے پر صندل لگانا...... یہ سب ہندوستانی جوگیوں اور پنڈتوں کا طریقہ ہے۔ اب دیکھیے کہ میر تقی میرؔ نے ان سے کس طرح کام لیا ہے

؎

کب تلک 'دھونی رمائے' 'جوگیوں' کی سی رہوں
بیٹھے بیٹھے در پہ میرے تیرا 'آسن' جل گیا
ہندی بتوں کا جلوہ صحنِ چمن میں دیکھا
'صندل' بھری جبیں ہے ہونٹوں کی بدلیاں ہیں

نظیرؔ اکبرآبادی کی شاعری تو عوامی شاعری کہلاتی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کا خاص موضوع ہندوستان کی مختلف النوع اشیا اور اس کی عوام کو بنایا۔ مسلم تہواروں اور مسلم بزرگوں کے مقابلے میں ہندوستانی میلوں ٹھیلوں، موسموں اور تہواروں اور ہندو بزرگوں کی زندگی کے واقعات کو اپنا موضوعِ شاعری بنا کر نظیرؔ نے نظمیں لکھی ہیں۔ نظیرؔ پہلے ہندوستانی شاعر ہیں جنھوں نے اپنی شاعری کا تانا بانا خالص ہندوستانی عناصر سے تیار کیا ہے۔ کرشن کنہیا، ریچھ کا بچہ، ہولی، دیوالی، بسنت، بیراگی، بنجارہ، وغیرہ...... ہر ایک موضوع پر ان کی نظمیں ہیں۔

شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبالؔ کے یہاں بھی ہندی و ہندوستانی عناصر کی کثرت ہے۔ اسی طرح وہ شعرا جن پر مذہبی شاعر ہونے کا لیبل لگا ہوا ہے یا جن کی شاعری میں ان کے اپنے عقیدہ و نظریہ کے لحاظ سے مذہبی رنگ و آہنگ غالب ہے ان کی شاعری میں بھی ہندوستانیت کا رچاؤ پایا جاتا ہے ؎

یارب رسولِ پاک کی کھیتی ہری رہے
'صندل سے مانگ' بچوں سے گودی بھری رہے

(میر انیسؔ)

اسی طرح وہ شعرا جنھیں یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے تادمِ زیست پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف میں اپنے آپ کو مصروف رکھا اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں نعت کا نذرانہ پیش کیا۔ ایسے نعت گو شعرا نے بھی ہندی و ہندوستانی عناصر کو برتا ہے اور اپنے کلام میں ہندوستانیت کو جگہ دے کر ان بے بنیاد اور بے سرو پا اعتراضات کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیا جو اردو شعرا پر ہوتے رہتے ہیں۔ محسنؔ کاکوروی اور رضاؔ بریلوی کے کلام میں ہندوستانیت خاطر نشین کیجیے ؎

سمت ’کاشی‘ سے چلا جانبِ ’متھرا‘ بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا ’گنگا جل‘

(محسنؔ کاکوروی)

کاشی، متھرا، اور گنگا...... خالص ہندوستانی علامتیں ہیں اور جل ہندی لفظ ہے؛ رضاؔ بریلوی کے اشعار دیکھیں ؎

دونوں بنیں ’انیلی سجیلی‘ بنی مگر
جو ’پی‘ کے پاس ہے وہ ’سہاگن کنور‘ کی ہے

لکَ بدرٌ فی الوجہِ الاجمل خط ہالۂ مہ زُلف ابرِ اجل
تورے ’چندن چندر پرو کنڈل‘ رحمت کی بھرن برسا جانا

(رضاؔ بریلوی)

سجیلی، پی، سہاگن، کنور...... یہ سارے کے سارے ہندی الفاظ ہیں۔ اسی طرح چندن، چندر، پرو، کنڈل سنسکرت کے الفاظ ہیں اور چندن چندر پرو کنڈل خالص سنسکرت ترکیبِ لفظی ہے اور انھیں عربی، فارسی اور اردو کے ساتھ کس قدر خوب صورتی سے استعمال کیا گیا کہ ایک شعر کئی زبانوں کا مجموعہ نظر آتا ہے۔

علاوہ ازیں جہاں تک جدید اردو شعرا کے یہاں □ ہندی اور ہندوستانی عناصر کی جلوہ گری کا معاملہ ہے تو مطالعہ و مشاہدہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے یہاں تو ہندوستانیت کی بہتات ہے۔

اب آیئے مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے نعتیہ کلام میں اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ نوریؔ بریلوی نے کس طرح ہندی و ہندوستانی عناصر کا استعمال اپنے کلام میں کیا ہے۔ آپ دنیاے اسلام کے ایک مذہبی رہ نما اور روحانی پیشوا تھے۔ بیعت و ارشاد اور تبلیغِ دین کے سلسلے میں ملک کے کونے کونے کا آپ نے سفر کیا۔ اس لیے آپ کو ہندوستان کی علاقائی بولیوں سے بھی کما حقہٗ واقفیت اور آگاہی ہوئی۔ نیز ہندوستانی تہذیب و تمدن، ہندی محاورات، ضرب الامثال اور ہندی علامتوں سے آشنا ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی شاعری میں ان عناصر کو کئی جگہ

برتا بھی ہے۔ لہٰذا اس بات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کی شاعری ہندی اور ہندوستانی عناصر کا ایک ایسا گل دستہ ہے جس میں علاقائی بولیوں کی خوشبو بھی ہے اور آپ کے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی ہونے کا اشاریہ بھی......

نوریؔ بریلوی نے اپنے کلام میں دن، رات، چاند، سورج، اُجالا، گھڑی، شُبھ گھڑی، ٹیک، ساجھی، جورو، تڑکا، پاٹ، کاٹھ، کٹورا، بِرتے، بِتّا، کھٹکا، جپا، رٹنا، داتا، دَیا، بھکاری، جگ، سنسار، ڈھلا، گڑھا، دیس، جنگلہ، دُھن، چوندھ، جھومر، ٹیکا، سہرا، کاہے، دھونی رمانا، پُہارنا، پھوار، کھرا، چنگا، کوڑی، سگے، ترائی، ٹھیا، اپلے گہلے، پھٹنک وغیرہ...... نہ جانے کتنے الفاظ استعمال کیے ہیں جو ہندی اور خالص ہندوستانی ہیں ؎

مٹے ظلمت جہاں کی نور کا ’تڑکا‘ ہو عالم میں
نقابِ روئے انور اے مرے خورشید اب سرکا

عرشِ □ اعظم پر پھریرا ہے مرے سرکار کا
بجتا ہے کونین میں ’ڈنکا‘ مرے سرکار کا
کاٹ کر یہ خود سر میں گھس کے ’بھیجا چاٹ‘ لے
کاٹ ایسا ہے تمہاری ’کاٹھ‘ کی تلوار کا
اس کنارے ہم کھڑے ہیں ’پاٹ‘ ایسا دھار یہ
المدد اے ناخدا ہے قصہ اپنے پار کا

وا اسی ’بِرتے‘ پہ تھا یہ ’بِتّا‘ پانی واہ واہ
پیاس کیا بجھتی دہن بھی تر نہیں ہر خار کا
پاؤں کیا میں دل میں رکھ لوں پاؤں جو طیبہ کے خار
مجھ سے شوریدہ کو کیا ’کھٹکا‘ ہو نوکِ خار کا

دل ذکرِ شریف ان کا ہر صبح و مسا کرتا
دن رات 'جپا' کرتا ہر آن 'رٹا' کرتا
'سنسار بھکاری' ہے 'جگ داتا دَیا' کرتا
ہے کام تمہارا ہی سرکار عطا کرنا
دنیا میں جو روتے ہیں عقبیٰ میں وہ ہنستے ہیں
دنیا میں جو ہنستے ہیں ہے ان کو 'کُڑھا' کرتا

اور صبح کو سرکار سے اس کو ملا نوری صلہ
عمدہ سا 'جھومر' پُر ضیا ماہِ عجم مہرِ عرب

دور ساحل موج حائل پار 'بیڑا' کیجیے
'ناؤ' ہے 'منجدھار' میں اور ناخدا ملتا نہیں
جل رہے 'پھُنک' رہے ہیں عاشقانِ سوختہ
دھوپ ہے اور سایۂ زُلفِ دوتا ملتا نہیں

یہ آج 'کاہے' کی شادی ہے عرش کیوں جھوما
لبِ زمیں کو لبِ آسماں نے کیوں چوما

تری کفشِ پا یوں سنوارا کروں میں
کہ پلکوں سے اس کو 'بُہارا' کروں میں

'پھوار' مستوں پہ ترے ابرِ کرم کی برسے
ساقیا! کھول ذرا حوض کنارے گیسو

دل تپا سوزِ محبت سے کہ سب میل 'چھٹے'
تپنے کے بعد ہی سونا 'کھرا' ہوتا ہے

کوڑیوں کوڑھیوں کے لیے کوڑھ دور
اچھا 'چنگا' وہ خاصا بھلا کر چلے
گے صحابی تھے پر تھی یہ ہیبتِ حق
گردنیں سارے کافر جھکا کر چلے

جہاں ہے بے ٹھکانوں کا ٹھکانہ
جہاں شاہ و گدا سب کا 'ٹھیا' ہے

'دیس' سے ان کے جو اُلفت ہے تو دل نے میرے
اس لیے 'دیس کا جنگلہ' بھی تو گانے نہ دیا
'دیس کی دُھن' ہے وہی 'راگ الاپا' اس نے
نفس نے ہائے خیال اس کا مٹانے نہ دیا

خورشید کے سر آپ کے در کی گدائی سے رہا
'سہرا' شہا انوار کا ماہِ عجم مہرِ عرب

متذکرہ بالا اشعار میں کاٹ، کاٹھ، چاٹ، دھار، پاٹ، کھٹکا، جپا کرنا، رٹا کرنا، دَیا کرنا، کُڑھا کرنا، جھومر، پھُنک، کاہے، منجدھار، ٹھیا...... یہ سب کے سب خالص ہندی الفاظ ہیں۔ اسی طرح نور کا تڑکا ہونا، ڈنکا بجنا، بھیجا چاٹ لینا، برتے پہ تتّا پانی ہونا، جگ داتا دَیا کرنا، سنسار کا بھکاری ہونا، دیس کا جنگلہ گانا، دیس کی دُھن ہونا، راگ الاپنا، سر پر سہرا ہونا...... یہ سب خالص ہندوستانی محاورے اور ہندی زبان سے اردو میں آئے ہوئے عناصر ہیں۔ جن کو نوریؔ بریلوی نے بڑی خوبصورتی اور تازہ کاری سے اردو اور فارسی لفظیات کی تراکیب کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

"شبھ گھڑی"...... یہ بھی خالص ہندوستانی تہذیب وتمدن اور کلچر کا لفظ ہے۔ کسی بھی نئے کام کرنے سے پہلے مہورت نکالنا اور اچھا شگون دیکھنا یہاں کی علامت ہے جسے "شبھ گھڑی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نوریؔ بریلوی کا شعر دیکھیں ؎

موت کا اب نہیں ذرا 'کھٹکا'
زندگی 'شبھ گھڑی' سے پائی ہے

"بھرن برسانا اور بھرن پڑنا"...... ویسے تو اس سے مراد بارش برسانے کے ہیں۔ لیکن بھرن ہندوستانی رسم ورواج کی ایک علامت بھی ہے۔ راجستھانی راجاوں کے یہاں یہ رواج تھا کہ جب انھیں کسی درباری یا رعایا کو کوئی شخص خراج ونذر یا ڈالی وغیرہ پیش کرتا تھا تو وہ اسے اس کے منصب اور عہدہ یا اس کی سماجی اور شہری حیثیت کے مطابق اسے بھرن عطا کرتے تھے یعنی ایک طرح سے انعام واکرام یا خلعتِ فاخرہ سے نوازتے تھے۔

بھرن ایک پیمانہ ہوتا تھا اور دھات کا ایک برتن؛ جو لگن کی طرح ہوتا تھا اسے بھرن کہتے تھے۔ اسی برتن میں اناج یا زر وجواہر یا کپڑے وغیرہ بھر کر راجستھانی راجے عطا کرتے تھے۔

اسی کو بھرن دینا، یا بھرن برسانا یا بھرن پڑنا بھی کہا جاتا تھا ابھی یہ رواج میواڑی راجاوں میں ہندوستان کی آزادی سے پہلے تک پایا جاتا تھا۔(۳)

کلامِ نوری میں 'بھرن پڑنا' کا استعمال خاطر نشین کیجیے ؎

سوکھی ہے مری کھیتی پڑ جائے 'بھرن' تیری
اے ابرِ کرم اتنا تو بہرِ خدا کرنا

درج بالا تجزیے کے پیشِ نظر دیکھا جائے تو نوریؔ بریلوی نے اپنے کلام میں ایک خالص ہندوستانی رسم ورواج اور ہندوی علامتوں کی جھلک پیش کی ہے۔

اسی طرح "دھونی رمانا"...... آگ کا الاو جلا کر سادھوؤں کی طرح بیٹھ جانا۔ یہ خالص ہندوستانی جوگیوں کا طریقہ ہے۔ اس کا استعمال کلامِ نوریؔ میں یوں ہوا ہے ؎

فقیر آپ کے در کے ہیں ہم کہاں جائیں
تمہارے کوچے میں 'دھونی رمانے' آئے ہیں

رشکِ سلطان ہے وہ گدا جس نے
تیرے کوچے میں 'دھونی رمائی' ہے

"ٹیکا لگانا"...... یہ بھی خالص ہندی وہندوستانی علامت ہے کہ ہندو مذہب کے مرد وخواتین اپنی پیشانیوں پر سیندور اور صندل وغیرہ کی گول بندیا لگاتے ہیں جسے ٹیکا کہا جاتا۔ ان علامتوں کا اظہار نوریؔ بریلوی نے اپنی شاعری میں یوں کیا ہے ؎

اس جبہہ سائی کے سبب شب کو اسی سرکار نے
انعام میں 'ٹیکا' دیا ماہِ نجم مہرِ عرب

نوریؔ بریلوی نے نعتیہ شاعری میں جس حُسن وخوبی اور حزم واحتیاط کے ساتھ ہندی و ہندوستانی عناصر کے مظاہر پیش کیے ہیں یہ اُن کا خاص انداز، جداگانہ رنگ وآہنگ اور منفرد پیرایۂ بیان ہے۔ نوریؔ بریلوی نے ایک خالص مذہبی شاعر ہونے کے باوجود بھی ہندوستانیت کے جو مظاہر پیش کیے ہیں اور انھیں بڑی مہارت اور سُندرتا سے نبھایا ہے یہ آپ کے قادرالکلام شاعر ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

علاقائی بولی کا استعمال

پوربی: ہندوستان کی ریاستِ اُتر پردیش میں دریائے گنگا کے مشرقی علاقے پر آباد لوگوں کی مقامی بولی کا نام "پوربی" ہے۔

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی ریاستِ اُتر پردیش کے شہر بریلی کے رہنے والے تھے علاقائی اعتبار سے آپ پر بھی غیر محسوس یا محسوس طور پر پوربی بھاشا کے اثرات کا مرتب ہونا کچھ بعید نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں جہاں عربی کی آمیزش، فارسیت کا رچاو؛ اردو اور ہندی وہندوستانی عناصر کے مظاہر ملتے ہیں وہیں آپ کی شاعری میں پوربی بولی کے رنگ وآہنگ بھی جھلکتے ہیں۔ ایک مکمل منقبت جو انھوں نے حضرت پیر سید علاو الدین صابر پیا کلیری علیہ الرحمۃ (م 690ھ) کی شان میں تحریر کی ہے وہ مکمل پوربی بھاشا ہی میں ہے۔ نیز مختلف نعتیہ نظموں اور سلامیہ قصائد میں پوربی بھاشا کا استعمال نوریؔ بریلوی نے بڑے اہتمام کے ساتھ کیا

ہے۔جس کی ایک جھلک ذیل میں بلا تبصرہ نشانِ خاطر فرمائیں ؎

ڈگمگ ڈگمگ نیّا ہالے
جیَرا کانپے توئی سنبھالے
آہ دوہائی رحمت والے
تم پر لاکھوں سلام تم پر لاکھوں سلام
تم پر لاکھوں سلام

راجا پرجا آپ کے دوارے
سب ہیں بیٹھے جھولی پسارے
داتا پیارے دولت والے
تم پر لاکھوں سلام تم پر لاکھوں سلام
تم پر لاکھوں سلام

کھیون ہارے کھیون ہارے
بیّاں پکڑلے مورے پیارے
قوت والے ہمت والے
تم پر لاکھوں سلام تم پر لاکھوں سلام
تم پر لاکھوں سلام

عربی، فارسی اور اردو لفظیات کی ترکیبوں کے ساتھ پوربی بولی کا استعمال نوریؔ بریلوی نے اپنے کلام میں کس درجہ خوش اسلوبی اور حسین و جمیل انداز سے کیا ہے اس کی مزید ایک مثال اور ملاحظہ کرتے چلیں ؎

تم ہو ہمارے ہم ہیں تمہارے
رب کے پیارے راج دُلارے
عزت والے عظمت والے
صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم

صلی اللہ صلی اللہ
ہم ہیں بیٹھے تُمرے دوارے
اپنی اپنی جھولی پسارے
داتا پیارے دولت والے
صلی اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
صلی اللہ صلی اللہ

ڈولت ہے نیّا موری بھنور میں
موئی تراؤ اُکیے نجر میں
موری کھبریا مورے پیا لو
موکو بچا لو پیا موکو بچا لو

اسی طرح حضرت مخدوم سیدنا شاہ علاوالدین صابر پیا کلیری علیہ الرحمۃ (م 690ھ) کی شان میں نوریؔ بریلوی نے ایک منقبت تحریر کی ہے جو پوربی بھاشا ہی میں ہے۔منقبت نشانِ خاطر ہو ؎

کیسے کاٹوں رتیاں صابر
تارے گنت ہوں سیّاں صابر
مورے کرجوا ہوک اُٹھت ہے
موکو لگالے چھتیاں صابر
توری صورتیا پیاری پیاری
اچھی اچھی بتیاں صابر
چیری کو اپنے چرنوں لگالے
میں پروں تورے پیّاں صابر
ڈولے نیّا موری بھنور میں
بلما پکڑ لے بیّاں صابر

چھتیاں لاگن کیسے کہوں میں
تم ہو اونچے اٹریاں صابر
تورے دوارے سیس نواؤں
تیری لے لوں بلیاں صابر
سپنے ہی میں درشن دکھلادو
موکو مورے گئیاں صابر
تن من سب توپے وارے
نورؔی مورے سیاں صابر

متذکرہ بالا جائزے سے یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ نورؔی بریلوی جیسے مذہبی شاعر نے مذہبی و تقدیسی شاعری میں عربی، فارسی اور اردو کے ساتھ ہندی بھاشا اور پورَبی بولی کا بڑی مشاقی سے استعمال کیا ہے۔ اور اپنے ملک ہندوستان کی رسم و رواج اور یہاں کے مختلف عناصر کو نہایت سلیقہ مندی اور صفائی سے برتا ہے۔ آپ کا یہ انداز اور طرزِ اسلوب اس بات کو بھی واضح کرتا ہے کہ آپ اپنے ملک سے بھی محبت کرتے تھے اور یہ کہ آپ اپنے عہد کے سچے ترجمان تھے۔

حواشی

(۱) اردو ادب میں مشترکہ تہذیب و تمدن: مشمولہ: ماہ نامہ شاعر، ممبئی، شمارہ ۴، ۱۹۶۶ئ، ص ۳۳
(۲) اردو رسمِ خط بدیسی نہیں: مشمولہ: قومی آواز دہلی، اردو بک سیلرز و پبلشرز نمبر ۱۹۸۲ء
(۳) ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر: کلامِ رضا کے نئے تنقیدی زاویے، ادارۂ سُنّی دنیا، بریلی، ص ۸

{............}

نورؔی بریلوی کی حمد اور رباعی میں نعتیہ کلام کا جائزہ

حمد اُس صنفِ سخن کو کہتے ہیں جس میں کسی شعری ہیئت کے توسط سے خدا کی تعریف و توصیف بیان کی جاتی ہے۔ اردو کے بیش تر شاعروں کی طرح مصطفیٰ رضا نورؔی بریلوی کے مجموعۂ کلام ''سامانِ بخشش 1354ھ'' کا دروازۂ سخن بھی حمدِ باریِ تعالیٰ سے وا ہوتا ہے۔ مجموعۂ کلام کے شروع میں دو طویل ترین حمدیہ نظمیں بالترتیب 20/ اور 99/ بندوں پر مشتمل ہیں۔ ان نظموں میں عقیدۂ توحید کی ترجمانی ہے۔ عشق و معرفتِ الٰہی کی جلوہ ریزیاں ہیں۔ خداوندِ قدوس جل شانہٗ کے اسمائے حُسنیٰ کا بیان کر کے صفاتِ خداوندی کا بڑی خوب صورتی اور صفائی سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ دونوں حمدیہ نظموں کے مطالعہ کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی صوفیِ باصفا قلب و روح کی تطہیر اور پاکیزگی کا کام کر رہا ہے۔ حمد پڑھتے وقت ایسا لگتا ہے کہ عشق و معرفتِ ربّانی اور توحیدِ باریِ تعالیٰ جل شانہٗ کے نظاروں میں قلب و روح گم ہوتے جا رہے ہیں۔

یہ بات ہر مومن کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ توحید کے جملہ تقاضے رسالت کے بغیر نامکمل ہیں۔ اور توحید یہ نہیں کہ صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کو اس کی وحدانیت کے جملہ لوازمات کے ساتھ صدقِ دل سے مان کر محبوبانِ خدا، اور پیغمبرانِ خدا سے یک سر منہ موڑ لیا جائے، ابلیسِ لعین اسی نکتے کو نہ سمجھ سکا اور راندۂ درگاہ ہوا۔ اس کا صاف و صریح مطلب یہی ہوا کہ توحید اُسی وقت صحیح اور سچی ہوگی جب رسالت کے جملہ لوازمات کے ساتھ ساتھ وحدانیتِ خداوندی کا اقرار کیا جائے۔

نورؔی بریلوی اسی توحید کے قائل تھے۔ ایک طرف اللہ کی وحدانیت کا اقرار تو دوسری طرف رسالت کا اقرار، خود ہی فرماتے ہیں ؎

خدا ایک پر ہو تو اک پر محمد (ﷺ)
اگر قلب اپنا دو پارا کروں میں

یہی وجہ ہے کہ عشقِ خدا کے ساتھ ساتھ عشقِ رسول (ﷺ) میں سرشار نورؔی

بریلوی کی علوئے فکر اور اوجِ خیال نے جب پرواز کی تو حمدیہ نظموں میں بھی جنابِ رسالت مآب ﷺ کے ذکرِ جمیل نے جگہ پائی اور اس طرح حمدیہ نظموں میں حمدِ باری تعالیٰ کے جملہ لوازمات کو برقرار رکھتے ہوئے مکمل حزم واحتیاط اور سلیقہ وقرینہ کے ساتھ آپ کے قلم نے نعتیہ اشعار بھی نظم کیے جس کی جھلکیاں خاطر نشین ہوں ؎

نور کی تیرے ہے اک جھلک خوبرو
دیکھے نوریؔ تو کیوں کر نہ یاد آئے تو
ان کا سرور ہے مظہر ترا ہوبہو
من رانی راہ الحق ہے حق مو بمو
اللہ اللہ اللہ اللہ

خوابِ نوریؔ میں آئیں جو نورِ خدا
بقعۂ نور ہو اپنا ظلمت کدا
جگمگا اُٹھے دل چہرہ ہو پُر ضیا
نوریوں کی طرح شُغل ہو ذکرِ ہو
اللہ اللہ اللہ اللہ

اسی طرح اللہ رب العزت نے ہم مسلمانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر ہم پر احسانِ عظیم فرمایا اور نبیِ رحمت ﷺ کے نور کو سب سے پہلے بنایا، جب کہ حضرت آدم علیہ السلام آب وگل کی منزل میں تھے۔ پھر اس نورِ مصطفائی سے عالم کی جملہ اشیا کی تخلیق فرمائی۔ اور رسول اللہ ﷺ کو ایسے ایسے فضائل وشمائل عطا فرمائے جو دیگر انبیا کو نہ عطا کیے۔ رسول اللہ ﷺ کے نور کی کیفیات آپ کی ولادتِ باسعادت اور بعثتِ اقدس سے قبل کس طرح رہیں اور آپ کا نور کہاں کہاں سے ہوتا ہوا بطنِ آمنہ رضی اللہ عنہا میں نزولِ اجلال فرمایا ان تمام کا تسلسل کے ساتھ نوریؔ بریلوی نے اپنی دوسری طویل حمدیہ نظم میں بڑی خوب صورتی سے اس طرح ذکر کیا ہے ؎

اپنے کرم سے ربِّ کریم

ہم پہ کیا احسانِ عظیم
بھیجا ہم میں بہ فضلِ عمیم
بحرِ کرم کا دُرِّ یتیم
اپنے مظہرِ اول کو
اپنے حبیبِ اجمل کو
پہلے نبیِ اکرم کو
پچھلے مرسلِ اکمل کو
ایسی فضیلتیں ان کو دیں
جن کا مثل امکاں میں نہیں
روحِ روانِ خلدِ بریں
نخلِ جہاں کے اصلِ متیں
نائبِ حضرتِ حقِّ متیں
شاہنشاہِ چرخ و زمیں
والیِ تختِ عرشِ بریں
راحتِ جان و قلبِ حزیں
موجِ اولِ بحرِ قِدَم
موجِ آخرِ بحرِ کرم
سب سے اعلیٰ اور اعظم
سب سے اولیٰ اور اکرم
نور سے اپنے پیدا کیا
نورِ حبیبِ ربِّ علا
پھر اس نور کے حصے کیے
ان سے بنایا جو ہے بنا
قالبِ آدم خلق کیا

روح در آئے حکم ہوا

روح در آئی جب دیکھا

پُتلے میں ہے نورِ خدا

آدم و عالم پیدا ہوئے

نور سے سارے ہویدا ہوئے

جو جو اس پر شیدا ہوئے

رب کے وہی گرویدہ ہوئے

حوّا سے جب آدم کا

عہد مہرِ درود ہوا

آدم سے وہ نورِ خدا

زوجہ کو تفویض ہوا

پشتاً شیث میں آیا

صُلبوں رحموں میں ہوتا

پشتاً نوح میں آیا

پھر ایسے ہی آگے بڑھا

طاہر صُلبوں میں ہوتا

پاک ارحام میں رہتا ہوا

ہونا چاہا جلوہ نما

بطنِ آمنہ میں آیا

{............}

رباعی میں نعت گوئی

رباعی اس نظم کو کہتے ہیں جس میں صرف چار مصرع ہوں، پہلا، دوسرا اور چوتھا ہم قافیہ ہو، دوسرا شعر خصوصاً چوتھا مصرع نہایت بلند اور حاصلِ کلام ہو، تاکہ سننے والا متحیر اور متاثر ہو جائے۔ یوں تو چار مصرعوں میں ایک ہی مضمون قطعہ میں بھی بیان کیا جاتا ہے لیکن چار مصرعوں کے قطعہ کے لیے کوئی عروضی وزن مخصوص نہیں جب کہ رباعی بحرِ ہزج کے چوبیس مخصوص اوزان میں کہی جاتی ہے۔ وزن کی قید کے باوجود رباعی میں اتنا تصرف جائز ہے کہ ایک ہی رباعی میں چاروں مصرعے چوبیس میں سے چار مختلف اوزان لے کر کہے جاسکتے ہیں۔ عروضیوں نے قرآنی آیت ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کے وزن کو بھی رباعی کا وزن قرار دیا ہے۔

رباعی اور غزل کے موضوعات میں فرق صرف دو اور چار مصرعوں میں بیان کرنے کا ہے اگرچہ رباعی میں یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کا چوتھا مصرع ''زوردار'' ہو یعنی اس میں خیال کی بلندی پائی جائے کہ سننے والا متحیر اور متاثر ہو جائے۔

رباعی کی ایجاد کا سہرا فارسی شاعر رودکیؔ کے سر باندھا جاتا ہے۔ عمر خیامؔ نے صرف رباعیاں کہی ہیں جن کے سبب مشہورِ عالم شعرا میں اس کا شمار ہونے لگا۔ اردو میں یہ صنفِ شعر ابتدا ہی سے موجود ہے اور اس پر طبع آزمائی استادِ فن ہونے کے مترادف خیال کی جاتی ہے۔ میرؔ، سوداؔ، ناسخؔ، انیسؔ، دبیرؔ، غالبؔ، مومنؔ اور ذوقؔ سے لے کر امجدؔ، جوشؔ، فراقؔ، یگانہؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، فانیؔ، اخترؔ، سہیلؔ اور رواںؔ وغیرہ شعرا نے رباعیاں کہی ہیں۔ ہمارے شعرا نے نعتیہ موضوعات کے اظہار کے لیے رباعی کا بھی سہارا لیا چنانچہ اس میں نعتیہ کلام بہ کثرت ملتے ہیں۔

نوریؔ بریلوی نے جہاں حمدیہ نظموں میں نعتیہ اشعار لکھے اور غزل و قصیدے کے فارم

میں نعتیں لکھیں۔ وہیں آپ نے صنفِ رباعی میں بھی نعت گوئی کے جوہر بکھیرے ہیں۔ صنفِ رباعی میں لکھے گئے آپ کے نعتیہ کلام کے نمونے ذیل میں خاطر نشین ہوں ؎

دنیا تو یہ کہتی ہے سخن ور ہوں میں
ارے شعرا کا سرور ہوں میں
میں یہ کہتا ہوں یہ غلط ہے سو بار غلط
سچ تو یہ ہے کہ سب سے احقر ہوں میں

بدکار ہوں مجرم ہوں سیہ کار ہوں میں
اقرار ہے اس کا کہ گنہ گار ہوں میں
بہ ایں ہمہ ناری نہیں نوری ہوں حضور!
مومن ہوں تو فردوس کا حق دار ہوں میں

منظورِ نظر ہے بس ثنائے سرکار
جانِ دوجہاں کی جو ہیں سرِ ہر کار
نوریؔ کافی ہے دوجہاں میں مجھ کو
مقبول اگر ہوں ان کو مرے افکار

پیشِ نظر باب میں کلامِ نوریؔ بریلوی کا بالتفصیل تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے آپ کے کلام کے مختلف شعری وفنی محاسن کو تحقیق کی روشنی میں اُجاگر کرنے کی حقیر سی کوشش ہے۔ اس باب میں آپ کے دور میں نعت گوئی کے معیار اور اُس کی عام روش سے بحث کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ نوریؔ بریلوی نے اپنے عہد کے دیگر شعرا سے اثرات قبول تو کیا ہے لیکن آپ کا انداز اُن حضرات سے قدرے مختلف معنویت کے ساتھ ساتھ سادگی سے پُر ہے۔ اس بات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ آپ کو نعت گوئی ورثے میں ملی اور یہ کہ آپ کا تصورِ عشق، تصورِ فن پر غالب تھا۔ دراصل آپ

نے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے اظہار کے لیے نعت گوئی کو وسیلہ بنایا۔ آپ علم وفضل اور زہد وورع کے لحاظ سے اپنے دور کے علما میں نمایاں مقام رکھتے تھے آپ کے یہاں علم وفضل کی گیرائی اور جذبے کی صفائی کے سبب عقیدۂ توحید ورسالت کے اظہار میں کذب آمیز مبالغہ آرائی کے بجائے حزم واحتیاط کا ایک سمندر موجزن ہے۔

آپ کے کلام میں زبان وبیان کی سادگی، شکوہِ الفاظ، بے ساختگی وبرجستگی، بندشوں کی چُستی، طرزِ ادا کا بانکپن، جدت طرازی، خیال آفرینی، معنوی پرکاری، نت نئی ترکیب سازی، شاعرانہ پیکر تراشی، لسانی وعروضی چاشنی، اثباتِ مضمون ودعوا، گیتوں کی لفظیات، سوالیہ انداز کی معنویت، تشبیہات واستعارات، کنایات وعلامات، محاکات ومحاورات، صنائع وبدائع، تغزل کا رنگ وآہنگ، مشکل زمینوں اور موضوعات کا استعمال، ایجاز واختصار، تفکر وتخیل، حقیقت نگاری، عربی، فارسی اور اردو کے ساتھ ساتھ ہندی اور پوربی زبان کی آمیزش اور رچاو نیز قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر جیسے علوم وفنون کی رنگا رنگی وغیرہ شعری ومحاسن موجود ہیں جو آپ کی قادرالکلامی کو نمایاں کرتے ہیں۔

{............}

بابِ ہفتم

الف

نوریؔ بریلوی کے نعتیہ رُجحانات، خیالات اور افکار کی پذیرائی

نوریؔ بریلوی کے نعتیہ رُجحانات، خیالات اور افکار کی پذیرائی

گذشتہ ابواب میں تحقیق کی روشنی میں اس بات کو واضح کیا جا چکا ہے کہ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی شاعری کسبی نہیں وہبی تھی۔ آپ امام احمد رضا بریلوی کے فرزند اصغر تھے۔ یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کا خانوادہ اکنافِ عالم میں عدیم المثال حیثیت رکھتا ہے۔ ایسے کیف پرور، روح افزا، نور بار اور ایمان افروز ماحول میں پروان چڑھنے والے مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کے قلب وروح میں عشق وادبِ رسول ﷺ کے جذبۂ خیر کا پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ حضرت نوریؔ بریلوی کو اپنے والد ماجد سے ورثے میں جہاں علم وفضل، زہد وورع، صبر ورضا اور علومِ شریعت وطریقت کے نایاب گوہر حاصل ہوئے وہیں عشقِ رسالت مآب ﷺ کی دولتِ عظمیٰ بھی حاصل ہوئی۔ آپ نے علم وفضل اور جذبے کی صداقت وسچائی اور عشق ومحبت کی والہیت کی حسین وجمیل آمیزش سے میدانِ نعت میں قدم رنجہ کیا اور اپنے عشق کے اظہار واشتہار کے لیے نعتیہ شاعری کا سہارا لیا۔ اپنے مرشدِ باوقار سید المشائخ سید شاہ ابو الحسین نوریؔ میاں مارہروی کی نسبت سے آپ نے ”نوریؔ“ تخلص اختیار فرمایا۔

حضرت نوریؔ بریلوی کی زندگی انتہائی مصروف ترین تھی۔ تدریسی ذمہ داری، افتا نویسی، تصنیفی سرگرمیاں، وعظ ونصیحت کے لیے تبلیغی اسفار، مریدین ومتوسلین کے تزکیۂ نفس اور طہارتِ قلبی کی مجالس کی آراستگی، جیسی گوناگوں اور متنوع مصروفیات کے باوجود آپ نے اتنا وقت نکال ہی لیا کہ دنیائے شعر وادب کو ”سامانِ بخشش“ کے نام سے ایک عظیم مجموعۂ کلام دے ہی دیا۔

آپ کے مجموعۂ کلام میں شامل بیش تر نعتیں سادہ زمینوں اور آسان بحروں میں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود شعری وفنی محاسن سے لبریز...... صنائع لفظی ومعنوی، مراعاۃ النظیر، استعارات، تشبیہات، علمی نکات، تلمیحات وتلمیعات، محاورات، رعایاتِ لفظی، حسنِ تکرار، استعارہ بالکنایہ، مجازِ مرسل، سہلِ ممتنع، برجستگی، زورِ بیان، لطفِ زبان، عربی وفارسی زبان کی

آمیزش اور رچاؤ، ہندی و ہندوستانی عناصر، تراکیب سازی اور شاعرانہ پیکر تراشی وغیرہ سے آراستہ ایک نگار خانۂ رقصاں ہے۔

نوریؔ بریلوی کی شاعری خیالات کی بے راہ روی، افراط و تفریط اور غلو و اغراق سے کوسوں دور مقامِ الوہیت اور منصبِ رسالت کے واضح فرق کا بیان کرتی ہے۔ عشقِ رسول میں باادب وارفتگی، حقیقت نگاری، جذبات کی سچائی وصفائی اور بیان کی تاثیر و شیرینی نے آپ کے کلام کو ایک شاہ کار بنا دیا ہے۔

نوریؔ بریلوی کے شعری محاسن، آپ کے کلام، رنگ و آہنگ، حُسن وخوبی اور نعتیہ رُجحانات، خیالات اور افکار پر اہلِ علم و دانش نیز شاعروں، ادیبوں اور محققین و ناقدین نے اپنے گراں قدر تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی شاعرانہ عظمت و رفعت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور آپ کے کلام بلاغت نظام کی سراہنا کی ہے اور دنیائے شعر و ادب میں آپ کے مقام و منصب اور مرتبے کا تعین کیا ہے۔ نوریؔ بریلوی کی نعت گوئی سے متعلق اہلِ علم و ادب کے تاثرات ذیل میں خاطر نشین کیجیے :

علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ:

’’علامہ مصطفی رضا خاں مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن اور جامع الصفات انسان تھے علم و ادب پر ان کی گہری نظر تھی اور ایک باکمال ادیب و مصنف ہونے کے علاوہ آپ ایک زبردست شاعر بھی تھے۔ آپ کی نعتیں عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ جن کو پڑھنے سننے کے بعد لوگوں پر بے اختیار سوز وگداز کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔‘‘

(ماہ نامہ فیض الرسول، براؤں شریف، نومبر ۱۹۸۰ئ، ص ۳۰)

علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ:

’’مانی ہوئی بات ہے جس کے پاس علم بھی ہو اور شعر و سخن کی فطرت پر پیدا بھی کیا گیا ہو تو اس کا کلام سونے پر سہاگہ کی حیثیت رکھے گا اور شعر و سخن اس کی گھٹی میں ہوگا یہی حال سرکار مفتیِ اعظمِ ہند کا بھی ہے۔‘‘(۱)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی:

(سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، سکھر، سندھ)

’’مفتیِ اعظم عالم و عارف، مفتی و فقیہہ اور مدبر و مفکر ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔۔۔۔۔۔ ان کے اشعار میں قدما کا رنگ جھلکتا ہے۔۔۔۔۔۔ ان کے اشعار میں دل نشینی و دل آویزی ہے۔ ان کا شعری مجموعہ ’’سامانِ بخشش‘‘ بریلی سے شائع ہو چکا ہے۔‘‘(۲)

ڈاکٹر اخترؔ بستوی: (سابق لکچرر شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی، گورکھپور)

’’مفتیِ اعظم ہند ایک باکمال شاعر بھی تھے اور بلاشبہ ان شعرا میں شامل تھے جن کے لیے قرآن کا ارشاد ہے ’’الا الذین اٰمنو او عملو الصلٰحت و ذکر اللہ کثیرا‘‘۔ شاعری ایک سحر ہے جو مفتیِ اعظم جیسے شاعروں کے ہاتھ میں پہنچ کر ’’سحرِ جلال‘‘ بن جاتی ہے، موصوف کا تخلص ’نوریؔ‘ ان کے کلام کے وصف کا بھی احاطہ کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ اشعار کی صورت میں ایسے ایسے نوری پیکر تراشنے والے شاعر کے شاعرانہ کمال کو نمایاں کرنا شعر پسندوں ہی کو نہیں شاعروں کو بھی روشن اور تابناک راہ دکھاتا ہے۔‘‘(۳)

مفتی مظفر احمد بدایونی داتا گنجوی:

’’آپ کا نعتیہ دیوان ’’سامانِ بخشش‘‘ ہے جو نہ صرف عشقِ حبیب کی شعری تصویر ہے بلکہ نعتِ مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کا وہ آفتابِ عالم تاب ہے جس سے عشقِ محبوب کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں جو آنکھوں کی راہ سے دل میں اُتر کر کائناتِ حیات کو روشن و منور کر دیتی ہیں۔ آپ کا دامنِ شاعری ایسے جواہر پاروں سے بھرا ہوا ہے جو کہیں اور مشکل سے ملیں گے اس میدان میں جس نے بھی قدم رکھنے کی جسارت کی راہ بھول گیا۔ مگر حضور مفتیِ اعظمِ ہند کا شعور و آگہی چراغِ شریعت کی روشنی اور عشقِ حبیب کے اُجالے میں ان دشوار منازل سے سلامت روی سے گزرے ہیں۔‘‘(۴)

ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ داناپوری:

(صدر شعبۂ اردو فارسی ویر کنور سنگھ یونیورسٹی، آریا، بہار)

"آپ نے اپنا تخلص نوریؔ فرمایا، سو احمد و نعت و منقبت کے اپنی اس وہبی صلاحیتِ شعری و سخن وری کو کبھی بھی استعمال نہ فرمایا، مبدءِ فیاض نے ذہن رسا عطا فرمایا تھا، علوئے فکر و اوجِ خیال میں محصور بالِ جبریل، علم و فضل میں اسلاف کے عکسِ جمیل، جذبۂ عشقِ محمدی ﷺ سے سرشار گلشنِ حسان و کعب رضی اللہ عنہم کی مستانہ بہار تھے...... جہاں تک زبان و بیان اور فنِ شعر و سخن وری کا تعلق ہے حضرت نوریؔ، ناتخ اسکول کے نمایندہ شاعرِ نعت گو ہیں۔"

(یادگارِ رضا، ممبئی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۳ / ۱۴۴)

علامہ نسیم بستوی: (سابق پرنسپل جامعہ انوار القران، بلرام پور)

"حضور مفتیِ اعظم ہند کتاب و سنت کے علوم و معارف پر تو تحقیقی نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک کہنہ مشق اور عاشقِ رسول نعت گو بھی تھے۔ آپ کے نعتیہ کلام کا ایک ایک شعر عشقِ رسول کے گہرے درد و سوز میں ڈوبا ہوا ہے "سامانِ بخشش" کے نام سے آپ کا مجموعۂ کلام شائع ہو چکا ہے جو اربابِ علم و نظر و اہلِ دل کی مضطرب روح کا قرار و سکون ہے۔" (۵)

علامہ یٰسٓ اختر مصباحی: (بانی و مہتمم دارالقلم، دہلی)

"مفتیِ اعظم کی نعتیہ شاعری بھی بڑے پایے کی ہے، اخلاصِ قلب اور عشقِ صادق جو معنوی لحاظ سے نعتیہ شاعری کے اجزائے ترکیبی ہیں وہ آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہیں------ علمِ تفسیر و حدیث، فقہ و افتا اور جملہ علومِ نقلیہ و عقلیہ میں جہاں آپ مرجعِ علما و فضلا تھے، وہیں شعر و شاعری میں بھی آپ نے اپنے تاثرات و وارداتِ قلبی کو الفاظ کے پیکر میں ڈھال کر صنفِ نعت گوئی کو عروج و کمال بخشا ہے، صداقتِ بیان اور سلاستِ زبان کا مشاہدہ کرنا ہو تو "سامانِ بخشش" کا مطالعہ کیجیے اور اپنے ذخیرۂ عشق و عرفان میں اضافہ کیجیے۔" (۶)

پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی:

(صدر شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار)

"امام احمد رضا کی شاعرانہ عظمت کا تو سارا زمانہ معترف ہے۔ علامہ حسن بریلوی کی شاعرانہ فتوحات کا چرچا عام ہے۔ لیکن حضور مفتیِ اعظم کی شاعرانہ حیثیت کا عرفان ابھی عام نہیں ہے۔ صرف خواص اہلِ علم و ادب ہی آپ کی شش جہت شخصیت کے اس پہلو سے بھی واقف ہیں۔ حضور مفتیِ اعظم کی حمدیہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ہر جگہ جمالیاتی حُسن کا احساس ہوتا ہے۔ ایک نرم سیر دریا میں جو خوب صورت فطری بہاو کی کیفیت ملتی ہے وہ یہاں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ بعض مقامات پر تو شاعری نے ساحری کا روپ دھار لیا ہے اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

------------ نعتیہ شاعری سے آپ کا قلبی، روحانی اور ایمانی لگاو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ عشقِ رسول کی دولتِ گراں مایہ آپ کے اسلافِ کرام اور اجدادِ عظام سے منتقل ہوتی ہوئی آپ تک پہنچی اور آپ نے بڑی فیاضی اور فراخ دلی کے ساتھ اس کو اللہ کے بندوں تک پہنچایا ہے۔ جس طرح سیدی اعلاحضرت کے بارے میں ہم اہلِ عقیدت کہتے ہیں------ ڈال دی قلب میں عظمتِ مصطفی ------ اُن کے بعد آپ پر بھی یہ بات پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔ کہ یہی آپ کی حیاتِ پاک کا سب سے اہم مشن اور مقدس نصب العین رہا ہے۔ ایسی ذاتِ محمود الصفات جن کے تقوا و طہارت کی قسم کعبے میں بھی کھائی جاسکتی ہے۔ اس کے عشقِ رسول ﷺ کا پوچھنا ہی کیا۔ جب تک دل عشقِ رسول (ﷺ) میں بریاں اور آنکھیں ان کے فراق میں گریاں نہیں ہوں اس طرح کے اشعار کارگاہِ فکر میں ڈھل ہی نہیں سکتے۔" (۷)

مفتی محمد مطیع الرحمن مضطرؔ رضوی:

"حضور مفتیِ اعظم کی تابندہ ذات نے ہر اُس تاریک قلب کو عشقِ رسول (ﷺ) اور خشیتِ الٰہی کی جگمگاہٹ عطا کی جس پر ظلمتوں نے

ڈیرے ڈال رکھے تھے۔آپ کے فتاوا میں امام اعظم کا تفقہ فی الدین، امام رازی کا تدقیقی جمال، علامہ شامی کی وقتِ نظر کا پورا پورا کمال موجود ہے۔آپ نعتیہ شاعری کا مذاق بھی رکھتے تھے آپ کا نعتیہ دیوان عشقِ رسول ﷺ کا ایک مہکتا ہوا گلشن ہے آپ شعر پڑھتے جایئے اور مدینے کی سیر کرتے جایئے آپ کی شاعری میں حضرت حافظؔ کی تڑپ۔حضرت جامیؔ کا سوز وگداز اور حضرت خسروؔ کا انداز بدرجۂ اتم موجود ہے۔"

ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ: (ایڈیٹر سہ ماہی رضا بک ریویو، پٹنہ)

"حضور مفتیِ اعظم کی شاعری میں علم وفن کی جلوہ گری کے ساتھ عشق وعرفان کی جو سرمستی ہے وہ اردو شاعری میں خال خال ہی کہیں نظر آتی ہے۔ان کی شاعری کا علمی، فنی اور لسانی تجزیہ کرنا ہمارے جیسے کم علم کا کام نہیں۔ہم نے دو چند جملے لکھ کر صرف یہ تاثر دیا ہے کہ اربابِ علم وادب اور شعر وسخن کے پارکھ کے لیے ان کی شاعری میں بہت کچھ ہے۔انھیں اس طرف مائل ہونا چاہیے تاکہ اردو شاعری نئی دریافت سے آشنا ہو اور اس کا وقار واعتبار بلند سے بلند تر ہو۔"(۹)

مفتی محمد اشرف رضا صدیقی قادری نوری:

(قاضی شریعت ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر، ممبئی)

"حضور مفتیِ اعظم قدس سرہ العزیز کا کلام شیریں بیانی کے اعتبار سے بھی اہلِ زبان کے دیوان میں سکۂ رائج الوقت ہے۔بلاشبہ اسے اپنے اہلِ زمانہ پر فوقیت حاصل ہے۔آپ کی زبان کی شگفتگی اور روانی میں ان اساتذہ کی زبان سے جن کو سلاست وسادگی اور محاورہ کے اعتبار سے مسلم مانا گیا ہے کسی طرح بھی کم نہیں۔"(۱۰)

مولانا محمد قمر الحسن قمرؔ بستوی: (ہیوسٹن، امریکہ)

"آپ کا مجموعۂ کلام "سامانِ بخشش" کا تجزیاتی جائزہ لیا جائے تو اس میں شعر کی وہ جملہ تاثیرات محسوس کی جاسکتی ہے جو کسی استاذ الشعرا کے کلام میں پائی

جاتی ہیں۔آپ نے صرف عشقِ رسول ﷺ کے والہانہ جذبہ کو حرزِ جان رکھا اور تاحیات مدحِ مصطفوی کے نغمے لٹاتے رہے۔ان کی شاعری کے محرکات داخلی اور خارجی دونوں ہیں مگر داخلیت اس قدر غالب ہے کہ آئینۂ روح کو صیقل کرتی ہوئی محسوس ہورہی ہے۔میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ صنفِ سخن کی اس دل کش اور جاذب سوغات میں زندگی کے وہ لمحات گردش کررہے ہیں جو علمی مشاغل سے کسی صورت بچالیے جاتے تھے یا بچ جاتے تھے۔ہم ان کو ان کی بالاستیعاب شاعری نہیں کہہ سکتے۔اگر وہ اپنے جملہ اوقات کو شاعری کی طرف مرتکز کرتے تو خدا جانتا ہے کہ کس ذرّۂ کمال پر ہوتی۔"(۱۱)

ڈاکٹر سراج احمد بستوی:

(ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔کانپور یونیورسٹی، کانپور)

"بڑے بھائی مولانا حامد رضا خاں بریلوی کی طرح مولانا مصطفی رضا نوریؔ بریلوی کو بھی نعت گوئی والدِ گرامی مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے ورثہ میں ملی تھی۔آپ ایک خوش نغز نعت گو شاعر تھے اور جمیع اصنافِ سخن میں نعت گوئی کرتے تھے، زبان واسلوب آپ کو وراثت میں ملا تھا۔عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں کے ماہر تھے لسانیات پر اچھی دسترس تھی، اپنے پیر ومرشد حضرت سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی کی طرف منسوب کرتے ہوئے 'نوریؔ' تخلص اختیار کیا۔آپ کا نعتیہ دیوان "سامانِ بخشش" مختلف مطابع سے متعدد بار شائع ہوکر اربابِ سخن سے دادِ سخن وصول کرچکا ہے۔"(۱۲)

پروفیسر عبد المغنی جوہرؔ بلیاوی:

(ایم۔اے۔ڈپ ان ایڈ، جمشید پور)

"کسی شاعر کی سب سے بڑی شناخت اس کی اپنی آواز ہوتی ہے۔آپ کی آواز اعلیٰ حضرت، شاہ حسنؔ اور دوسرے نعت گو شعرا سے مختلف ہے، جہاں تک نعتیہ مواد کا تعلق ہے مفتیِ اعظم کی شخصیت برِ صغیر میں آفتابِ علم وکمال کی حیثیت رکھتی تھی، قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم کے علاوہ

فلسفۂ اسلامی اور عقائدِ دینی پر اُن کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔علومِ مشرقیہ کے باریک سے باریک نکات اُن پر واضح تھے نتیجے کے طور پر عشق کی آنچ نے جہاں جذبے کو مہمیز کیا وہیں تجرِ علمی نے احتیاط کو راہ دی، اور پھر ان دونوں کی آمیزش نے مفتیِ اعظم کے کلام کو سادگی اور معنوی حُسن عطا کیا، عشقِ مصطفی (ﷺ) سے سرشار دل کی آواز میں پاکیزگی، لطافت اور دلوں کو منور کر دینے والی وہ کیفیت ہے جو ایک صاحبِ دل بزرگ کے دلِ گداز کا پتہ دیتی ہے۔"(۱۳)

ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی:

(شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

"-----------پھر طریقت کی بزم میں قدم رکھا۔شریعت نے 'مفتیِ اعظم' کے لقب سے نوازا۔فضلِ خداوندی نے طالبانِ حقیقت کا قبلۂ مقصود بنا دیا......اور دردِ دل نے وادیِ شعر و سخن میں گلشنِ نعت کی نازک کلیاں چننے کا بے انتہا خوب صورت طریقہ و سلیقہ بخش دیا......نوریؔ تخلص اختیار فرمایا......اور عشق و اخلاص کی دل کش چاندنی میں بیٹھ کر سدا بہار نغمے گنگنائے۔ ......"(۱۴)

ڈاکٹر غلام مصطفی نجم القادری:

(ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔میسور یونیورسٹی، کرناٹک)

"حضور مفتیِ اعظم کی عبقری شخصیت، متحرک ذہنیت، جدید تخیل کی علم بردار، قدیم طرزِ فکر کی آئینہ دار ہے۔آپ نے بھی اپنے اصول و ایقان کی روشنی میں ایک فصیح و بلیغ و جدید کلام دنیا کو پیش کیا ہے، اور اپنی بانکی طبیعت سے گلشنِ شعر و سخن میں جذبۂ محبت اور ولولۂ عقیدت کا ایسا کشادہ منفرد اور پُر شکوہ تاج محل تعمیر کیا ہے جس کی خوبصورتی، فن کاری، نئے نئے نقش و نگار، اور انوکھے بوٹے دیکھ کر لوگ غرقِ حیرت ہیں۔آپ کی شاعری میں طلاقتِ لسانی، سلاستِ زبانی، طرزِ ادا کی دل آویزی، اسلوبِ بیان کی دل کشی، اور مضامین

کی روانی و شگفتگی بدرجۂ اتم موجود ہے، اور جو خوبی جہاں ہے وہیں سے متوجہ کرتی، دامنِ دل کھینچتی اور پکار کر کہتی ہے کہ 'جا ایں جا ست'۔-----آپ کے بعض اشعار تو ایسے ہیں کہ عارفِ رومیؔ کا نشۂ عرفانی...... جامیؔ کی سرمستی و بے خودی......امیر خسروؔ کی عشوہ طرازی......حافظؔ کی منظر کشی......سعدیؔ کے جدتِ تخیل کی بوقلمونی......اور اس پر امام الکلام، شاہِ سخن امام احمد رضا خاں علیہم الرحمۃ والرضوان کے ندرتِ تخیل کی عطر بیزی سونے پر سہاگہ کی بہار دکھا رہی ہے......"(۱۵)

انوار محمد عظیم آبادی (ادیب و صحافی):

"موضوعاتی حُسن و تقدس اور تنوعات کے دوش بہ دوش حضرت نوریؔ بریلوی کی شاعری میں سادگی، معنوی پُرکاری، زورِ بیان، اثباتِ مضمون و دعوا جیسے اوصاف بھی جا بجا دیکھے جا سکتے ہیں، مزید برآں "سامانِ بخشش" کے اشعار میں حضرتِ رضاؔ کی لفظیاتِ شاعری سے استفادہ کا ہنر، زیورات کے تلازمے سے کام لینے کی فن کاری، گیتوں کی لفظیات، ہندی الفاظ کا برجستہ استعمال نیز سوالیہ انداز کی معنویت، بیان کی جامعیت اور خیال آفرینی کی حسین مثالیں بھی بکثرت موجود ہیں اتنا ہی نہیں بل کہ بعض اشعار میں حضرت نوریؔ بریلوی کے یہاں "خود گفتہ تضمین" کی کیفیت بھی عجیب لُطف دے جاتی ہے "سامانِ بخشش" کے عالی مرتبت شاعر کا کلام پڑھتے ہوئے یا نقل کرتے ہوئے جس طرح علاماتِ قرات کا خاص لحاظ رکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ حضرت نوریؔ کی شاعری "نزاکتِ زبان" کی شاعری ہے اور اس اعتبار سے وہ بلاشبہہ "لہجے کے شاعر" کہے جانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔"(۱۶)

ڈاکٹر ارشد علی خاں (قنوج):

"نعتِ رسول (ﷺ) میں آپ (نوریؔ بریلوی) نے اس

بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ رسول (ﷺ) کی عظمت ان کی شان کے عین مطابق رہے اور تعریف میں اللہ سے بڑھ کر کوئی بات نہ کہی جائے آپ کی شاعری میں بے حد آسان لہجہ ہے..............نعت گوئی میں رنگِ تغزّل کا پیدا کرنا اردو شاعری کا ایک کمال ہے آپ کے کلام میں یہ خوبی بھی موجود ہے آپ کے اندازِ بیان میں شگفتگی، لہجہ میں نرمی، ترنم، محبوبانہ شوخی بھی موجود ہے۔۔۔۔۔" (۱۷)

صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری:

(ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی)

"مفتیِ اعظم مولانا مصطفی رضا نوریؔ بریلوی علیہ الرحمۃ بلند ذوقِ شعر وادب کے حامل تھے اور یہ ملکہ آپ کو اپنے والدِ ماجد سے وراثت میں ملا تھا۔ آپ کا شمار اپنے وقت کے استاذ شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ نوریؔ تخلص فرماتے تھے، آپ نے شاعری کو عشقِ مجازی کے بجائے عشقِ حقیقی کا ذریعۂ اظہار بنایا اور اس کے تمام موضوعات و اصناف مثلاً: حمد، نعت، منقبت، غزل، قطعات، رباعیات پر قلم اُٹھایا۔ اس اعتبار سے آپ کی شاعری آفاقی، اصلاحی اور پیغاماتی ہے اور سیدِ عالم ﷺ سے آپ کے بے پناہ عشق کا مظہر ہے۔ آپ کے اشعار میں آپ کے والدِ ماجد رضاؔ بریلوی کی طرح دل نشینی، دل آویزی، نغمگی، برجستگی اور تغزل کا رنگ ہے۔ آپ نے اپنی نعتوں میں مضامین والفاظ، استعارات وتلمیحات کے استعمال میں خاص احتیاط برتی ہے اور متقدمین علما وصوفیہ شعرا کی روایت پر نظر رکھی ہے..............آپ کی شاعری کے زیر وبم میں جہاں رضاؔ بریلوی طرح قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر اور تصوف کی چاشنی پنہاں ہے وہیں حسنؔ بریلوی کی طرح کلام میں معنی آفرینی کے ساتھ شکوہِ الفاظ، بے ساختگی، برجستگی، بندشوں کی چستی اور زبان کی سادگی بھی نظر آتی ہے۔" (۱۸)

مولانا مبارک حسین مصباحی:

(مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ)

"ہاں تو ذکر تھا تاج دارِ اہلِ سنت مفتیِ اعظم کی شخصیت وفکر کا......

وہ صرف پیر اور فقیہ ہی نہیں تھے زبان وادب کے کینوس پر بھی ان کی نظر ہمیشہ تیز رہتی تھی وہ خود بھی عظیم شاعر اور نثر نگار تھے۔ وہ روہیل کھنڈ کے ادبی دبستان کے بھی تاج دار تھے، ان کی تصانیف علمی، استدلالی اور تحقیقی اسلوب کا شاہ کار ہیں، ان کی لسانی اصلاحات بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے، آپ کی نعتیہ شاعری کا نمایاں وصف یہ ہے کہ جس میں "دبستانِ رضا" اور "دبستانِ حسن" کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے، میرے اس زاویۂ فکر پر ہزاروں صفحات روشن کیے جاسکتے ہیں۔" (۱۹)

مفتی ولی محمد رضوی :

(سربراہ سنی تبلیغی جماعت، راجستھان)

"حضرت علامہ مصطفی رضا خاں نوریؔ (مفتیِ اعظم) علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعتیہ کلام کو بھی ہندو پاک اور دیگر ممالک میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ بلاشبہ کلامِ مفتیِ اعظم میں عشق ومحبت کی چاشنی ہے، صوفیانہ اور عالمانہ رنگ ہے جس کو پڑھنے سے دل ودماغ جھوم جھوم جاتے ہیں۔ آج اہلِ عقیدت ومحبت کی مجلسوں میں ان کے نعتیہ اشعار پڑھے جاتے ہیں تو لوگ خوب محظوظ ہوتے ہیں۔ سامانِ بخشش کے نام سے آپ کا نعتیہ کلام بہت پہلے منظرِ عام پر آچکا ہے، بلاشبہ یہ دیوان نورانی وعرفانی نعتوں سے پُر ہے، نورِ باری سے منور ہے، محبتِ مصطفی سے لبریز ہے۔ شاعر جن مبارک خیالات کا جامع ہے کلام انھیں افکار وخیالات کا مجموعہ ہے۔ مفتیِ اعظم ہند قدس سرہٗ السامی کے بہت سے نعتیہ اشعار مشہورِ زمانہ ہیں۔"

(یادگارِ رضا، ممبئی، ۲۰۰۹ئ، ص ۱۶۰/۱۶۱)

مولانا مقبول احمد سالکؔ مصباحی :

"تقدیسِ الوہیت ورسالت، عشقِ رسول (ﷺ)، رقتِ جذبات اور حقیقت گوئی، حضور مفتیِ اعظم کی شاعری کے بنیادی عناصر ہیں، ان کے یہاں کذب آمیز مبالغہ آرائی، سطحی جذبات اور بے باکانہ اظہارِ بیان کی بجائے، جذبات کی سچائی وصفائی اندازِ بیان کی تاثیر اور شیرینی کو فروغ حاصل ہے۔" (۲۰)

مولانا اقبال حسین (ایم۔اے۔):

"مفتیِ اعظم کی شاعری ایک مقصدی شاعری ہے، کامیاب اور مقصدی ادب وہی ہے جو مقصدی ہونے کے باوجود اصول ومطالبات کی پیروی کرتے ہوئے فن کے اعلیٰ معیار پر پورا اترے، مکمل طور پر اچھا شعر وہی ہے جو فن کے معیار پر ہی نہیں زندگی کے معیار پر پورا اترے، مفتیِ اعظم کا کلام زندگی کے معیار پر پورا اترتا ہے اگرچہ اُن کی شاعری مقصدی ہے لیکن فن کے معیار پر ہے...... ان کا بیش تر کلام نعتِ رسولِ پاک (ﷺ) سے عبارت ہے۔" (۲۱)

مولانا غلام جیلانی اورنگ آبادی:

(فاضل جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

"مفتیِ اعظم ایک تبحر اور باکمال عالم تھے، تبحرِ علمی کے ساتھ انھیں وہ شعری مزاج بھی حاصل ہوا تھا جس میں سادگی، تیکھاپن اور چبھن تھی، جو جذبات کی شدت سے پُر اور احساسات کی لطافت سے معمور تھا۔ شعری ذوق ایسا ملا تھا جو قرآن وسنّت کا آئینہ دار تھا۔ متضاد اوصاف سے کچھ نقش ابھارنا جو اپنے جلو میں جلوہ ہائے رنگا رنگ رکھتا ہو۔ حضرت کے کلام کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔" (۲۲)

سید اولادِ رسول قدسیؔ (امریکہ):

"مفتیِ اعظم ہند کا محتاط قلم میدانِ نعت گوئی میں بھی قابلِ تحسین ہے کیوں کہ آپ موصوف کا دیوان چھان ڈالیے کہیں بھی آپ کو شرعی سقم مل ہی نہیں سکتا...... حضور مفتیِ اعظم ہند کے کلام کا ایک مختصر جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ موصوف کے کلام میں فکر وفن کی تمام خصوصیات کی تابندگی ملتی ہے اور آپ کا کلام علمِ بدیع، علمِ بیان اور جدید رجحانات کے زاویوں سے بھی جامع نظر آتا ہے۔ گویا آپ کا کلام جہاں فصاحت وبلاغت اور فنی اصطلاحات کا ایک حسین مرقع وسرچشمہ ہے وہیں آپ کے کلام میں ایسا سوزِ عشق ہے جو ایک عارف باللہ کے دل کی اتھاہ گہرائی سے اٹھتا ہے اور آناً فاناً پورے عالم میں پھیل جاتا ہے۔"

(ماہ نامہ اعلیٰ حضرت، بریلی، جنوری ۱۹۹۲ئ، ۳۸)

محمد توفیق احسنؔ برکاتی مصباحی:

(فاضل جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، استاذ الجامعۃ الغوثیہ، ممبئی)

"حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اپنی شاعری کے ذریعہ اس فن میں صرف قادر الکلامی کا ثبوت نہ دیا بلکہ اپنے کلام کو شاعرانہ حُسن ورعنائی، لسانی وعروضی محاسن کا بے مثل شاہ کار بنا کر پیش فرمایا اور اربابِ فکر وفن اور وابستگانِ شعر وسخن کے لیے اپنی معتبر اور مستند شاعری کے ذریعہ سامانِ مسرت فراہم کیا، بلاشبہ آپ کے خیالات، درخشندہ تصورات اور دل نشیں تصورات والیانِ شعر وادب کی قیادت کرتے رہیں گے، اپنے وقت کے استاذ الشعرا تسلیم کرتے ہیں کہ نوریؔ بریلوی فکر وفن، شعر وادب کے تاجدار تھے، تادیر آپ کے اشعار گلستانِ ادب میں نغمہ سنجی کرتے رہیں گے۔" (۲۳)

حواشی

(۱)ماہ نامہ استقامت: مفتیِ اعظم نمبر، کانپور، ماہ مئی ۱۹۸۳ئ،ص ۴۷

(۲)محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: محدثِ بریلوی، قادری کتاب گھر، بریلی، ۱۹۹۵ئ،ص ۲۲

(۳)ماہ نامہ استقامت: مفتیِ اعظم نمبر، کانپور، ماہ مئی ۱۹۸۳ئ،ص ۳۹۸/ ۳۹۹

(۴)ماہ نامہ استقامت: مفتیِ اعظم نمبر، کانپور، ماہ مئی ۱۹۸۳ئ،ص ۳۴۴

(۵)ماہ نامہ استقامت: مفتیِ اعظم نمبر، کانپور، ماہ مئی ۱۹۸۳ئ،ص ۳۹۵

(۶)یٰسٓ اختر مصباحی: تین برگزیدہ شخصیتیں، رضوی کتاب گھر، دہلی، ۱۹۹۳ئ،ص ۱۵ / ۲۲

(۷)جہانِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ئ،ص ۶۳۲ / ۶۳۴

(۹)جہانِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ئ،ص ۶۶۱

(۱۰)جہانِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ئ،ص ۶۶۲

(۱۱)جہانِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ئ،ص ۶۵۲

(۱۲)سراج احمد بستوی، ڈاکٹر: مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری، کانپور یونیورسٹی، کانپور، ۱۹۹۷ء،ص ۴۸

(۱۳)ماہ نامہ استقامت: مفتیِ اعظم نمبر، کانپور، ماہ مئی ۱۹۸۳ئ،ص ۱۸۲ / ۱۸۳

(۱۴)ماہ نامہ استقامت: مفتیِ اعظم نمبر، کانپور، ماہ مئی ۱۹۸۳ئ،ص ۴۰۵

(۱۵)سالنامہ یادگارِ رضا: حضور مفتیِ اعظم نمبر، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۰۶ص ۲۰ /۲۱ / ۲۲

(۱۶)ماہ نامہ نورِ مصطفٰی: پٹنہ، ج۱۹، مارچ/ اپریل ۲۰۰۶ئ،ص ۴۲

(۱۷)ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: مفتیِ اعظم نمبر، بریلی، ستمبر/ نومبر ۱۹۹۰ئ،ص ۱۷۶ / ۱۷۷

(۱۸)جہانِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ئ،ص ۳۵۸/ ۳۶۰

(۱۹)جہانِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی ۲۰۰۷ء،ص ۳۳

(۲۰)جہانِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ئ،ص ۴۲

(۲۱)ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: مفتیِ اعظم نمبر، بریلی، ستمبر/ نومبر ۱۹۹۰ئ،ص ۲۰۶

(۲۲)انوارِ مفتیِ اعظم: رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۲ئص ۶۸

(۲۳)محمد توفیق احسنؔ برکاتی مصباحی: خانوادۂ رضویہ کی شعری وادبی خدمات ،رضا اکیڈمی ،ممبئی ،۲۰۰۸ئ،ص ۵۲ / ۵۳

{............}

نوریؔ بریلوی کی طرز کا اتباع

ماقبل ابواب میں اس بات کی تحقیق کی جاچکی ہے نوریؔ بریلوی اپنے عہد کے علما و مشائخ میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ مرجعِ علما وفضلا ہونے کے ساتھ ساتھ شعروادب میں بھی مرکزیت کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا شاعرانہ اسلوب معاصرین ومتاخرین شعرا کے قلب وذہن کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ چونکہ آپ کی شخصیت عالمی شہرت کی حامل ہے بایں سبب جہاں معاصر شعرانے آپ اسلوب اور بحروں کو نشانِ منزل کے طور پر مشعلِ راہ بناتے ہوئے آپ کی زمینوں میں طبع آزمائی کیں۔ وہیں بعد کے شعرا بھی آپ کے اسلوب کو اپنے فکروفن کا محور بنا کر نعتیہ اشعار قلم بند کررہے ہیں۔ آپ کی زمینوں اور اسلوب کے اتباع میں شعرا مسلسل نعتیں لکھ رہے ہیں۔ بل کہ بعض شعرانے آپ کی نعتوں پر بڑی خوب صورت تضمینیں بھی لکھی ہیں۔ اسی طرح راقم نے آپ کے ۴۰ر اشعار پر تشطیر قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر سال آپ کے سالانہ عرس کے موقع پر آپ کے کسی مصرع کو ’طرح‘ کو طور پر پیش کر کے اس مصرع طرح پر شعرائے کرام طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں۔

آپ کی زمینوں کے تتبع میں لکھی گئی نعتوں کا شمار ممکن نہیں۔ ذیل میں آپ کے کلام پر تضمینیں اور آپ کے اسلوب اور زمینوں پر لکھی گئی نعتوں کا ایک مختصر انتخاب نشانِ خاطر کیجیے۔ جس سے نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری، ان کے رُجحانات، خیالات اور افکار کی ہمہ گیر مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت علامہ ریحان رضا خاں رحمانی میاں علیہ الرحمہ (سجادہ نوریؔ بریلوی)

پڑھوں وہ مطلعِ نوری ثنائے مہرِ انور کا (نوریؔ بریلوی)

وہ پتھر جس میں اترا نقش تیرے پائے اطہر کا
ہمیں بھی کاش مل جاتا مقدر ایسے پتھر کا
سلامِ عاجزی جب میں کروں گا ان کو تربت میں
فرشتے بوسہ لیں گے مرے لب کا اور مرے سر کا
دو عالم پر حکومت ہے مگر جَو پر قناعت ہے
ہے اندازِ جہاں بانی انوکھا میرے سرور کا
یہ ریحاںؔ دین و سنت کے مہکتے ہیں جدھر دیکھو
نوازش ہے رضا کی اور احساں ان کے منظر کا

مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری اخترؔ بریلوی (جانشینِ نوریؔ بریلوی)

(۱) پڑھوں وہ مطلعِ نوری ثنائے مہرِ انور کا (نوریؔ بریلوی)

وہ بڑھتا سایۂ رحمت چلا زُلفِ معنبر کا
ہمیں اب دیکھنا ہے حوصلہ خورشیدِ محشر کا
جو بے پردہ نظر آجائے جلوہ روئے انور کا
ذرا سا منہ نکل آئے ابھی خورشیدِ خاور کا
شہ کوثر ترحم تشنۂ دیدار جاتا ہے
نظر کا جام دے پردہ رُخِ پُرنور سے سرکا
"ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرشِ نازک تر"
یہاں آتے ہیں یوں قدسی کہ آوازہ نہیں پر کا
ہماری سمت وہ مہرِ مدینہ مہرباں آیا
ابھی کھل جائے گا سب حوصلہ خورشیدِ محشر کا
چمک سکتا ہے تو چمکے مقابل اُن کی طلعت کے
ہمیں بھی دیکھنا ہے حوصلہ خورشیدِ محشر کا
رواں ہو سلسبیلِ عشقِ سرور میرے سینے میں
نہ ہو پھر نار کا کچھ غم نہ ڈر خورشیدِ محشر کا
ترا ذرّہ وہ ہے جس نے کھلائے ان گنت تارے

ترا قطرہ وہ ہے جس سے ملا دھارا سمندر کا
بتاتا تھا کہ نیچر ان کے زیرِ پا مسخر ہے
بنا پتھر میں یوں نقشِ کفِ پا میرے سرور کا
وہ ظاہر کے بھی حاکم ہیں وہ باطن کے بھی سلطاں ہیں
نرالا طَورِ سلطانی ہے شاہوں کے سکندر کا
یہ سُن لیں سایۂ جسمِ پیمبر ڈھونڈنے والے
بشر کی شکل میں دیگر ہے وہ پیکر پیمبر کا
وہ ظلِ ذاتِ رحمن ہیں نبوت کے مہِ تاباں
نہ ظل کا ظل کہیں دیکھا نہ سایہ ماہ و اخترؔ کا (۱)

(۲) دو جہاں میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں (نوریؔ بریلوی)

گر ہمیں ذوقِ طلب سا رہنما ملتا نہیں
راستہ ملتا نہیں اور مدعا ملتا نہیں
جھک کے مہر و ماہ گویا دے رہے ہیں یہ صدا
دو سَرا میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں
اُن سے امیدِ وفا اے دل محض بے کار ہے
اہلِ دنیا سے محبت کا صلہ ملتا نہیں
کس نے تجھ سے کہہ دیا دل بے غرض آتے ہیں وہ
بے غرض نادان کوئی بے وفا ملتا نہیں
دیکھتے ہی دیکھتے سب اپنے بے گانے ہوئے
اب تو ڈھونڈے سے بھی کوئی آشنا ملتا نہیں
لَو لگاتا کیوں نہیں بابِ شہ کونین سے
ہاتھ اُٹھا کر دیکھ تو پھر اُن سے کیا ملتا نہیں
تیرے مَے خانے میں جو کھینچی تھی وہ مَے کیا ہوئی

بات کیا ہے آج پینے کا مزا ملتا نہیں
ساقیا! تیری نگاہِ ناز ئے کی جان تھی
پھیر لی تو نے نظر تو وہ نشہ ملتا نہیں
پینے والے دیکھ پی کر آج اُن کی آنکھ سے
پھر یہ عالم ہوگا کہ خود کا پتہ ملتا نہیں
اخترؔ خستہ عبث در در پھرا کرتا ہے تو
جُز درِ احمد کہیں سے مدعا ملتا نہیں(۲)

☆

سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی (پیرزادۂ نوریؔ بریلوی)

کرم جو آپ کا اے سیدِ ابرار ہوجائے (نوریؔ بریلوی)

کرم مجھ پر بھی بس اتنا مرے سرکار ہوجائے
بھنور میں ہے پھنسا میرا سفینہ پار ہوجائے

تمنا ہے مری اتنی کہ مرتے وقت بالیں پر
رسول اللہ کا یارب مجھے دیدار ہوجائے

تمھیں ہو شافعِ محشر دعا سن لو غریبوں کی
کہ اُمت کے گنہگاروں کو بیڑا پار ہوجائے

رہِ محشر ہمارے واسطے آسان ہو آقا
ہر اک منکر کو یہ رستہ شہا دشوار ہوجائے

یہی ہے آرزو آقا بلالو اب مدینے میں
مزارِ پاک کا نظمی کو بھی دیدار ہوجائے

(سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی: بعد از خدا، بزمِ برکاتِ آلِ مصطفیٰ، ممبئی، ۲۰۰۸ء، ص ۱۷۳)

☆

علامہ تحسین رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ خلیفۂ نوریؔ بریلوی

(۱) اشارا آپ فرمادیں تو بیڑا پار ہوجائے (نوریؔ بریلوی)

ئے حبِ نبی سے جس کا دل سرشار ہوجائے
وہ دانائے حقیقت واقفِ اسرار ہوجائے

اگر بے پردہ حُسنِ سیدِ ابرار ہوجائے
زمیں سے آسماں تک عالمِ انوار ہوجائے

نظر آئے جسے حُسنِ شہِ کونین میں خامی
الٰہی العالمیں ایسی نظر بے کار ہوجائے

عطا فرمایئے آنکھوں کو میری ایسی بینائی
نظر جس سمت اُٹھے آپ کا دیدار ہوجائے

اگر عکسِ رُخِ سرکار کی ہو جلوہ آرائی
مرے دل کا سیہ خانہ تجلی زار ہوجائے

تمہارا نام لیوا ہے گدائے بے نوا تحسینؔ
کرم کی اک نظر اس پر بھی اے سرکار ہوجائے

(سال نامہ ''تجلیاتِ رضا'' شمارہ نمبر ۶،صدر العلماء محدثِ بریلوی نمبر، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

☆

علامہ بدر القادری مصباحی خلیفۂ نوریؔ بریلوی (اسلامک اکیڈمی، ہالینڈ)

(۱) توشمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ (نوریؔ بریلوی)

دنیا کے گنہ گارو! واللہ نہ گھبرانہ
دربارِ محمد ہے عصیاں کا شفا خانہ
ہنگامۂ محشر میں ہو سر پہ ترا دامن
حیرت کی نظر میں ہو اک صورتِ دیوانہ
امید کرم کی ہے سرکارِ مدینہ سے
پوشیدہ نہیں ان سے کچھ درد کا افسانہ
بے چین ہے دل گویا سینے سے نکلنے کو
ہے پیشِ نظر اپنے محبوب کا کاشانہ
آباد نہیں جو دل آقا کی محبت سے
دل کہیے نہ اُس دل کو ویرانہ ہے ویرانہ
دل ان کا ہے شیدائی سر ان کا ہے سودائی
آنکھوں کے کٹوروں میں ہے اشک کا نذرانہ
میخانۂ طیبہ کے مستوں کا یہ عالم ہے

آنکھوں سے لگاتے ہیں خاکِ درِ میخانہ
دل میرا ہے گھر ان کا اور راہ گزر آنکھیں
اے پائے کرم اک دن تکلیف تو فرمانہ
گر درد کی لذت ہو خلوت میں بھی جلوت ہو
جس دل میں مکیں ہیں وہ وہ دل ہے خدا خانہ
اس سگ کا مقدر ہے جس کو کہ میسر ہے
گلیوں میں تری جینا در پہ ترے مرجانا
بدرؔ ایک سوالی ہے کاسہ بھی تو خالی ہے
للہ کرم کردے اے غیرتِ شاہانہ(۳)

(۲) تیری آمد ہے موت آئی ہے (نوریؔ بریلوی)

اس نے دنیا میں خلد پائی ہے — موت طیبہ میں جس کو آئی ہے
مرے رب کی جہاں خدائی ہے — مرے آقا کی مصطفائی ہے
زُلفِ واللیل یاد آئی ہے — جب گھٹا آسماں پہ چھائی ہے
ہے مقدر کا وہ دھنی جس نے — سبز گنبد سے لو لگائی ہے
جن میں شامل ہیں تاج والے بھی — میرے آقا تری گدائی ہے
اہلِ ایماں مچل گئے سُن کر — بات جب مصطفی کی آئی ہے
اک نظر دیکھ جایئے آقا — بزم ہم نے بھی اک سجائی ہے
نفسِ ظالم نے مجھ کو لوٹ لیا — یا حبیبِ خدا دہائی ہے

مجھ سے اچھا تو ہے وہ سگ جس نے تیری گلیوں میں عمر پائی ہے
سارا عالم ہے نام ہی پہ فدا کیسا اندازِ دل رُبائی ہے
کب سخی کی نظر ہو کیا معلوم ہم نے در پہ صدا لگائی ہے
فرش تا عرش اُن کا چرچا ہے شان کیا مصطفی نے پائی ہے
ذوقِ دیوانگیِ عشقِ نبی رشکِ صد گو نہ پارسائی ہے

قیدِ عشقِ محمدی اے بدرؔ
غمِ کونین سے رہائی ہے(۴)

(۳) چارہ گر ہے دل تو گھایل عشق کی تلوار کا (نوریؔ بریلوی)

دوستو! دربار ہے یہ سیدِ ابرار کا
ثانی عالم میں نہیں طیبہ کے اس گل زار کا
یہ مدینہ ہے ، مدینہ ہے مرے سرکار کا
سیدِ کونین ، داتا ، احمدِ مختار کا
اس طرف محبوبِ حق ہیں اس طرف یہ ناب کار
اللہ اللہ صرف اک پردہ ہے بس دیوار کا
پہلوے سرور میں ہے شیخین کی آرام گاہ
یہ بھی ہے اعلا نشاں آقا سے ان کے پیار کا
طور کے جلوے نہاں ہیں خاک کے ذرّات میں
مسکنِ پُر نور ہے یہ صاحبِ انوار کا
آستانِ مصطفی پر خلق سمٹی آئے ہے
ہے یہاں ہر روز منظر مصر کے بازار کا
بارگاہِ ناز کے پیاروں کا صدقہ دیں حضور!

ہاتھ پھیلا ہے بھرم رہ جاے اک نادار کا
جس کو جو چاہیں عطا کر دیں خدا کے فضل سے
یہ جہاں سرکار کا وہ بھی جہاں سرکار کا
کارگاہِ خالقِ یکتا میں وہ بے مثل ہیں
ثانی ممکن ہی نہیں قدرت کے اس شہ کار کا
ہے بقیعِ پاک ان کے پیاروں کی آرام گاہ
یہ زمیں پر گوشہ ہے اک جنت الابرار کا
بدرؔ یہ بھی ہے کرم کے سلسلہ کی اک کڑی
اُن کی بزمِ ناز میں چرچا ترے اشعار کا(۵)

☆

علامہ مصطفی رضا شبنمؔ کمالی (دربھنگہ)

(۱) کرم جو آپ کا اے سیدِ ابرار ہوجائے (نوریؔ بریلوی)

مَۓ حبِّ نبی سے جس کا دل سرشار ہوجائے
قدم رکھ دے جہاں وہ رشکِ صد گلزار ہوجائے

سندِ محبوبِ رب کی پائے گا بے شک وہی مومن
نبی کی عظمتوں کو جو علم بردار ہوجائے

یہی روشن علامت ہے یقیناً ایک مومن کی
جہاں توہینِ سرور ہو کھلی تلوار ہوجائے

تلاطم خیز دریا کے تھپیڑے کب تلک آقا
"اشارا آپ فرمادیں تو بیڑا پار ہوجائے"

کرم کی اک نظر شبنمؔ پہ بھی ہو شافعِ محشر
مصیبت خیز جس دم حشر کا بازار ہوجائے(۶)

☆

(۲) آئینہ بھی تو تمہیں دیکھ کے حیراں ہوگا (نوریؔ بریلوی)

نورِ ایماں سے وہی مطلعِ تاباں ہوگا
جان و دل سے جو فدائے شہ ذیشاں ہوگا

قدمِ نازِ رسالت کا جو احساں ہوگا
رشکِ فردوس مرا خانۂ ویراں ہوگا

حشر کی دھوپ شبِ ماہ بنے گی اس دم
رُخ پہ سرکار کے گیسو جو پریشاں ہوگا

میرے گھر میں بھی تبسم کا اجالا پھیلے

کب کرم مجھ پہ ترا اے دُرِ دنداں ہوگا

نعتِ سرکار ہے بچپن سے وظیفہ شبنمؔ
میری بخشش کا یہی حشر میں ساماں ہوگا(۷)

☆

مرحوم الطاف انصاری سلطان پوری ثم مالیگانوی

(۱) قفسِ جسم سے چھٹتے ہی یہ پرّاں ہوگا (نوریؔ بریلوی)

طاعتِ فخرِ رسل سے جو گریزاں ہوگا
کوئی بتلائے مجھے کیا وہ مسلماں ہوگا
فخرِ آدم پہ جو دل و جان سے قرباں ہوگا
روزِ محشر بخدا وہ نہ پریشاں ہوگا
عشقِ احمد میں لٹادے جو متاعِ ہستی
بعدِ مُردن وہ بشر عیش بداماں ہوگا
حشر کے روز شہنشاہِ مدینہ کا جمال
جو بھی دیکھے گا وہ انگشت بدنداں ہوگا

(۲) دو جہاں میں بٹتا ہے باڑا مرے سرکار کا (نوریؔ بریلوی)

ہوں ثنا خواں میں ازل سے احمدِ مختار کا

یعنی آقائے مدینہ سیدِ ابرار کا
کیوں نہ ہو اس ذاتِ اقدس پر دل وجاں سے نثار
جو کہ منظورِ نظر ہے ایزدِ غفار کا
ٹکڑے کرلیتیں دلوں کے مصر کی سب عورتیں
دیکھ لیتیں گر رُخِ انور مرے سرکار کا
گنبدِ خضریٰ کی ہوجائے زیارت جو نصیب
درد سب جاتا رہے میرے دلِ بیمار کا
حشر کے دن یارسول اللہ رکھنا کچھ خیال
اپنے اس الطافؔ بے کس عاجز و لاچار کا (۸)

☆

سید قیصر وارثی (لکھنو)

چارہ گر ہے دل تو گھایل عشق کی تلوار کا (نوریؔ بریلوی)

ذکر اونچا نام میٹھا احمدِ مختار کا
ہے امام الانبیا رتبہ مرے سرکار کا

سامنا ہو جب کسی بیماری و آزار کا
آیۃ الکرسی پڑھو اور نام لو سرکار کا

ہے دلیلِ اختیارِ مصطفی شق القمر
کام انگشتِ رسالت نے کیا تلوار کا

آج بھی بکتے ہیں آکر سیکڑوں یوسف جمال
رنگ ہے پہلا سا اب بھی مصطفی بازار کا

یہ زمین و آسماں ان کی عمل داری میں ہیں
چل رہا ہے خلق میں سکہ مرے سرکار کا

ربِّ اکبر نے بنایا ہے نبی کو بے نظیر
لاؤ گے ثانی کہاں سے رب کے اس شہکار کا

سُن کے نعتِ مصطفی اہلِ محبت نے کہا
واہ کیا کہنا میاں قیصرؔ ترے اشعار کا (۹)

☆

ڈاکٹر صابر سنبھلی (وظیفہ یاب صدر وریڈر شعبۂ اردو فارسی ایم۔ایچ۔(پی۔جی۔) کالج، مراد آباد)

وصف کیا لکھے کوئی اس مہبطِ انوار کا (نوریؔ بریلوی)

ذکر ہونا چاہیے اب سیدِ ابرار کا
اے مسیحا! وقتِ آخر آگیا بیمار کا
خواب میں ہوجائے نظّارہ رُخِ سرکار کا
ہے بڑا ارمان آقا! طالبِ دیدار کا
ہوگیا بدبخت جو شاتم شہِ ابرار کا
مستحق وہ ہوگیا بے شک عذابِ نار کا
اور کیا مانگوں، وہی کافی ہے بخشش کے لیے
ایک ذرّہ مل سکے گر آپ کی پیزار کا
مت الجھ بیکس سمجھ کر، گردشِ ایام دیکھ
میں بھی ہوں اک نام لیوا احمدِ مختار کا

چاہے پڑھ لو چاہے سُن لو دونوں ہے کارِ ثواب
جائے گا ضائع نہ سننا نعت کے اشعار کا
مصطفی کا مرتبہ کم کرنے والا بالیقیں
آخرت میں مستحق ہوگا خدا کی مار کا
گالیوں کے بدلے کی ایمان کی دولت عطا
ہے یہ اک پیارا نمونہ آپ کے کردار کا
اس لیے بھی آپ ٹھہرے رحمۃ للعالمیں
الفت و اخلاص سے بدلہ دیا تلوار کا
کفش دوزانِ نبی میں نام آجائے مرا
مجھ کو مل جائے جو موقع خدمتِ سرکار کا
حضرتِ نوریؔ میاں کا قول صابرؔ یاد رکھ
"دونوں عالم پر ہے قبضہ احمدِ مختار کا (۱۰)

سید نجیب اشرفؔ (رائے چور)

خدا بھاتی تری ہر ہر ادا ہے (نوریؔ بریلوی)

شہ دیں صاحبِ جود و سخا ہے
جو مانگا ہے اسی در سے مِلا ہے

رسولِ دوجہاں مشکل کشا ہے
نبی حاجت روائے بے نوا ہے

خدا نے خلق میں اعلیٰ بنایا
نبیوں میں انھیں اولیٰ کیا ہے

درود اس پر جو والی ہے ہمارا
سلام اس پر جو محبوبِ خدا ہے

کبھی جلوہ رسولِ حق کا دیکھوں
یہ ارمانِ نجیبِ بے نوا ہے(۱۱)

☆

سلطان رضا سلطانؔ (ہالینڈ)

چارہ گر ہے دل تو گھایل عشق کی تلوار کا (نوریؔ بریلوی)

ہے بڑا بعدِ خدا رُتبہ شہ ابرار کا
فرش تا عرشِ بریں شہرہ مرے سرکار کا

ہے انھیں کے دم سے روشن مہر و ماہ و کہکشاں
جلوہ ہر اک شے میں ہے اس مطلعِ انوار کا

جو مسیحائے دوعالم کا ہو قسمت سے مریض

حال کیا پوچھے کوئی پھر اس حسیں بیمار کا

جب بنا میں ان کا دیوانہ تو سب کہنے لگے
''کام دیوانہ بھی کرتا ہے کبھی ہشیار کا''

ہے دمِ آخر رضاے قادریؔ پہ ہو کرم
ایک مدت سے ہے طالب آپ کے دیدار کا(۱۲)

☆

عبرتؔ قادری سلطان پوری (برادرِ گرامی مرحوم الطافؔ انصاری سلطان پوری)

(۱) پیام لے جو آئی صبا مدینے سے (نوریؔ بریلوی)

حیات و موت کا پردہ اٹھا مدینے سے
جڑا ہوا ہے ہر اک سلسلا مدینے سے
چلا وہ امن کا بادل چلا مدینے سے
اٹھی ہے رحمتوں والی گھٹا مدینے سے
حیات نام کو باقی نہ تھی زمانے میں
مِلا ہے جینے کا پھر حوصلا مدینے سے
بہار آگئی سوکھے ہوئے گلستاں میں
چلی وہ ٹھنڈی ہَوا جاں فزا مدینے سے

نجات پاؤگے آؤ نجات کی جانب
ہر ایک سمت یہ گونجی صدا مدینے سے
حیاتِ جاوداں واللہ! مِل گئی اس کو
مِلا ہے جس کو بھی جامِ بقا مدینے سے
ہوا سویرا مدینے میں آئے جب آقا
ٹلی ہر ایک بلا مرحبا مدینے سے
کلیجہ پھٹ گیا ظلمت کا چاندنی پھیلی
اٹھی وہ نور کی نوری فضا مدینے سے

چلو مدینہ اے عبرتؔ یہ کوئی کہہ دیتا
پیام لائی ہے بادِ صبا مدینے سے(۱۳)

☆

(۲) توشمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ (نوریؔ بریلوی)

جامِ مَے وحدت ہے اور نور کا پیمانہ
آباد رہے دائم سرکار کا میخانہ

رنگینیِ دنیا ہو یا ٹھاٹِ امیرانہ
خاطر میں نہیں لاتا سرکار کا دیوانہ

وہ دوزخ و جنت سے ہوجاتا ہے بیگانہ
سرکار کی اُلفت میں جلتا ہے جو پروانہ

جب گرمیِ محشر ہو اور پیاس کی شدت ہو
کوثر کا مرے آقا اک جام پلا جانا

تورات کے عالم نے انجیل کے ماہر نے
آثار و قرائن سے سرکار کو پہچانا

جھکتی ہے جہاں دنیا الفت سے عقیدت سے
وہ مرکزِ ایماں ہے سرکار کا کاشانہ

جو روزِ قیامت تک جلتی ہی رہے آقا
مرقد کے اندھیرے میں وہ شمع جلا جانا

دیوانے تو ہوتے ہیں دیوانے مگر عبرتؔ
آقا کی اداؤں کا دیوانہ ہے دیوانہ (۱۴)

☆

ثمرؔ بلیاوی، گرولیہ

کرم جو آپ کا اے سیدِ ابرار ہو جائے (نوریؔ بریلوی)

الٰہی مجھ پہ بھی نظرِ کرم اک بار ہو جائے
کہ مجھ کو روضۂ انوار کا دیدار ہو جائے

کوئی صورت نظر آتی نہیں مشکل کشائی کی
"اشارا آپ فرما دیں تو بیڑا پار ہو جائے"

جو کھل جائیں مرے خفتہ مقدر کے دریچے بھی
کرم کی اک نظر مجھ پر مرے سرکار ہو جائے

وہ دل جس کو رہی ہے احمدِ مختار سے نسبت
خدا کی نعمتوں سے کیوں نہ وہ سرشار ہو جائے

نچھاور جس نے جان و دل کیے ہیں عشقِ احمد میں
نہ کیوں دوزخ کی اس امت پہ ٹھنڈی نار ہو جائے

ثمرؔ روزِ ازل سے جامِ وحدت کا ہوں میں پیاسا
کہ دل سیراب مے سے یا شہِ ابرار ہو جائے (۱۵)

☆

سلیم اختر بلالیؔ (ایم۔اے۔گولڈ میڈلسٹ) دربھنگہ

مقبول دعا کرنا منظور ثنا کرنا (نوریؔ بریلوی)

سرکار کی الفت کو دل سے نہ جدا کرنا
ہر حکم پہ تم چلنا اُن کو نہ خفا کرنا

جب قبر کی منزل میں ہر سمت اندھیرا ہو
محبوبِ خدا رُخ سے اپنے تو ضیا کرنا

پلکوں سے کبھی در کی جاروب کشی کرلوں
بس اتنی تمنا ہے مقبول خدا کرنا

چاہوں کہ رہے ہردم محشر کی فضا قائم
ہے شرط مگر سر پر رحمت کی گھٹا کرنا

دربارِ محمد سے ہر ایک کو ملتا ہے
عادت ہی نہیں ٹھہری سرکار کی 'لا' کرنا

اک نور کی پھوٹے گی ہر سمت کرن دل میں
سرکار بلالؔی کا دل غارِ حرا کرنا (۱۶)

☆

محمد توفیق احسنؔ برکاتی مصباحی، ممبئی

سرِ عرشِ علا پہنچا قدم جب میرے سرور کا (نوریؔ بریلوی)

نظر میں بس گیا ہے جلوہ نبی کے روے انور کا
بھلا کیا خوف ہوگا عاشقوں کو روزِ محشر کا

جناں کی خوشبو ہم کو اسی چوکھٹ پہ ملتی ہے
یقیناً ہے عجب نقشہ مرے سرکار کے گھر کا

تعالیٰ اللہ ان کے روے انور کی ہے تابانی
جبھی تو آسماں پہ خوش ہے چہرہ ماہ و انور کا

بسی ہیں بالیقیں رعنائیاں جنت کے باغوں میں
شبِ اسرا جو دیکھا نور ہے محبوب داور کا

خدا نے نور سے اپنے انھیں پیدا کیا پہلے
جہاں تو کل کا کل صدقہ ہے اس نورانی پیکر کا

یقیں کرلو نبی مالک ہیں جنت اور کوثر کے
بروزِ حشر پاوگے پیالہ جامِ کوثر کا

نبی کے عشق پر ایمان کی بنیاد قائم ہے
یہی ایمان ہے احسنؔ سنو! صدیقِ اکبر کا (۱۷)

☆

محمد حسین مُشاہدؔ رضوی (مقالہ نگار)

ان کو دیکھا تو گیا بھول میں غم کی صورت (نوریؔ بریلوی)

دشتِ طیبہ ہے ہمیں گلزارِ ارم کی صورت
یاخدا! اب تو دکھا دونوں حرم کی صورت

حالِ دل کس کو سناؤں آپ کے ہوتے ہوئے
آپ ہی ہم کو دکھائیں گے کرم کی صورت

جس کو ملتا ہے جو ملتا ہے آپ ہی کا صدقہ ہے
آپ نہ چاہیں تو نظر آئے نہ غم کی صورت

آپ چاہیں تو ہو شاخِ شجر پل میں شہا
بے گماں تیز تریں تیغ دودم کی صورت

دور ہے ہم سے شہِ کون و مکاں کے صدقے
درد و غم رنج و الم ظلم و ستم کی صورت

درِ اقدس پہ جبیں خم ہو مری ، میرے خدا
جس گھڑی سامنے ہو ملکِ عدم کی صورت

از پئے نوریؔ مُشاہدؔ کی دعا ہے مولا
اُن کے کوچے میں رہوں نقشِ قدم کی صورت

☆

محمودؔ ابن فاروق اخترؔ مالیگ

اعلیٰ سے اعلیٰ رفعت والے — بالا بالا سے بالا عظمت والے
سب سے برتر عزت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم (نوریؔ بریلوی)

میرے آقا اُلفت والے — میرے آقا رحمت والے
میرے آقا شفاعت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
آپ "محمد" آپ ہیں "احمد" — آپ کے نوح و خلیل اب و جد
سب سے بالا نسبت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
آپ ہیں "صادق" آپ ہیں "طاہر" — آپ "مصدق" آپ ہیں "ظاہر"
سچے صدق و صداقت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
آپ "بشیر" و "نذیر" و "حاشر" — آپ "منیر" و "نور" و "ناصر"
نصرت والے بشارت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
چادر میں جب لپٹا پایا — رب نے "مزمل" فرمایا

عزت والے حرمت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
"مجتبیٰ مختار و تہامی" — "مدنی عربی اور حجازی"
ایسی شان و شوکت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
آپ "امام و عالم و سید" — کوئی نہیں ہے آپ سا جید
علم و حلم و حکمت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
آپ "مطیع و مبلغ و آمر" — آپ "عزیز و فاتح و ناصر"
غلبہ والے ریاست والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
آپ "حکیم و حامد و قاسم" — آپ "خلیل و قائم و خاتم"
اعلیٰ و بالا درایت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
آپ ہیں "اول" آپ ہیں "آخر" — آپ ہیں "طیب" آپ ہیں "طاہر"
پاکی والے طہارت والے — صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم
محمودؔ عاصی کو بھی آقا
جلدی اپنے در پہ بلانا
رحمت والے شفقت والے
صلی اللہ صلی اللہ علیک وسلم (۱۸)

مولانا محمد یونس مالیگ

آہ! پورا مرے دل کا کبھی ارماں ہوگا (نوریؔ بریلوی)

عشقِ محبوبِ خدا باعثِ ایماں ہوگا — اُن کی اُلفت ہے اگر دل میں تو مسلماں ہوگا
جذبۂ وصل اُبھر کر جو فراواں ہوگا — ہم نشیں! ہجرِ محمد میں جو گریاں ہوگا
قطرے قطرے سے عیاں نوح کا طوفاں ہوگا
یاالٰہی! کبھی پورا مرا ارماں ہوگا — ختم کس روز سوادِ شبِ ہجراں ہوگا
مہرِ وصل ایک نہ اک دن تو درخشاں ہوگا — راہِ طیبہ کا میسر مجھے ساماں ہوگا

طے مگر سر سے مدینے کا بیاباں ہوگا

تمہیں اللہ نے پیدا ہی کیا ہے یکتا   بے مثالی کی تو حد ہوگئی محبوبِ خدا
ثانی تو ہوگا کہاں آپ کا سایا بھی نہ تھا   مرتبے آپ کے کیا جانے کوئی جز بخدا

مرتبہ آشنا کیسے کوئی انساں ہوگا

کیسے القاب خدا نے دیے شاہا تم کو   کہیں یٰسٓ پکارا کہیں طٰہٰ تم کو
لامکاں پر شبِ معراج بلایا تم کو   جو نہ دیکھا تھا کسی نے وہ دکھایا تم کو

دوسرا جس کے تصور سے بھی حیراں ہوگا

یاالٰہی! یہ تمنا ہے دلِ مضطر کی   یوں سماجائیں نگاہوں میں رسولِ عربی
دیکھوں جس سمت نظر آئیں مجھے میرے نبی   دل میں ہر وقت سمائی رہے صورت اُن کی

پھر تو محفوظ مرے سینے میں قرآں ہوگا

کیسے یونسؔ نہ ہوں اُن کا ہی مَیں مدح سرا   میرے حامی مرے غم خوار وہی ہیں بخدا
ہم نشیں! رنج نہیں گو ہوں گرفتارِ بلا   چشمِ حق بیں سے اشارا جو کریں گے آقا

دیکھنا حشر کا دن مجھ پہ بھی آساں ہوگا(۱۹)

☆

تضمینیں

ڈاکٹر صابر سنبھلی (وظیفہ یاب صدر وریڈر شعبۂ اردو فارسی ایم۔ایچ۔(پی۔جی۔) کالج، مرادآباد)

سرِ عرشِ علا پہنچا قدم جب میرے سرور کا (نوریؔ بریلوی)

بہت اعلیٰ ہے صابرؔ مرتبہ محبوبِ داور کا   کھلا جن کے لیے در لیلِ اسریٰ، چرخِ بے در کا
ہوا مرہونِ منت عرش جن کے پائے اطہر کا   ”سرِ عرشِ علا پہنچا قدم جب میرے سرور کا

زبانِ قدسیاں پر شور تھا اللہ اکبر کا“

کسے معلوم ہے رتبہ حبیبِ ربِّ اکبر کا   کہ سایا تک نہیں تھا آپ کے پُرنور پیکر کا
ہوا معلوم اس سے مرتبہ کچھ کچھ پیمبر کا   ”بنا عرشِ بریں مسند کفِ پائے منور کا

خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا“

نوازا ہے مجھے بے شک مرے مولا کی رحمت نے   کرم مجھ پر کیا ہے حضرتِ قادر کی قدرت نے
بہت ہی یاوری کی ہے مرے رب کی عنایت نے   ”بڑے دربار میں پہنچایا مجھ کو میری قسمت نے

میں صدقے جاوں کیا کہنا مرے اچھے مقدر کا“

کیا سرکار نے کامل ہزاروں بے کمالوں کو   امارت میں کیا یکتا یتیموں کو ضعیفوں کو
شہنشاہوں سے افضل کردیا ناچیز بندوں کو   ”نگاہِ مہر سے اپنی بنایا مہر ذرّوں کو

الٰہی نور دن دونا ہو مہرِ ذرہ پرور کا“

سبھی اصناف سے اعلیٰ ہے درجہ حمدِ باری کا   ہے اس کے بعد کوئی صنف تو نعتِ شہِ بطحا
یہ مجبوری ہے ورنہ نعت کا کاغذ پہ کیا لکھنا   ”طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعتِ شہِ والا

قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پر کا“

خدا کے حکم سے یومِ قیامت جب بپا ہوگا   یہی اک فکر ہے ہر دم کہ مجھ عاصی کا کیا ہوگا
مگر اُس دن شفیع المذنبیں کا آسرا ہوگا   ”خدا شاہد رضا کا آپ کی طالب خدا ہوگا

تعالیٰ اللہ رتبہ میرے حامی میرے یاور کا“

مَیں اُن کے جسمِ اطہر کو کہوں صابرؔ نہ کیوں نوری   حدیثیں کہہ رہی ہیں جب تو پھر میں بھی کہوں نوری
سنو اس باب میں اک شعر فرماتے ہیں یوں نوریؔ   ”جو آب وتابِ دندانِ منور دیکھ لوں نوریؔ

مرا بحرِ سخن سرچشمہ ہو خوش آب گوہر کا“(۲۰)

انورؔ چغتائی نوری بریلوی

تو شمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ (نوریؔ بریلوی)

تیرا ہی ثنا خواں ہے گلشن ہو کہ ویرانہ   ہے مست تری دھن میں ہر رنگ کا مستانہ

روشن ہے ترے دم سے محرابِ خدا خانہ   ''تو شمعِ رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہِ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ''

ہر اک تہی ساغر سے خود موجِ شراب اُٹھے   خشکی سے تری چھوٹے صحرا سے سحاب اُٹھے
ماحول کی رنگت سے خوشبوے گلاب اُٹھے   ''جو ساقیِ کوثر کے چہرے سے نقاب اُٹھے
ہر دل بنے مَے خانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ''

دیدِ رُخِ روشن کا ارمان ہے مدت سے   کیوں اتنا حجاب آخر ہم اہلِ محبت سے
اللہ کو پہچانا ہم نے تری رحمت سے   ''دل اپنا چمک اُٹھے ایمان کی طلعت سے
کر آنکھ بھی نورانی اے جلوۂ جانانہ''

مائل بکرم میں نے دیکھا ہے تجھے جب سے   دل مستِ تمنا ہے اے موجِ عطا تب سے
تو قاسمِ کوثر ہے افضل ہے تو ہی سب سے   ''سرشار مجھے کردے اک جامِ لبالب سے
تا حشر رہے ساقی آباد یہ میخانہ''

داتا ہو کہ منگتا ہو منگتا ہے ترے در کا   سب تیرے وسیلے سے پاتے ہیں مقدر کا
تو مالک و قاسم ہے ہر بحر کا ہر بر کا   ''پلتے ہیں ترے در کا کھاتے ہیں ترے در کا
پانی ہے ترا پانی دانہ ہے ترا دانہ''

اے مہرِ جہاں آرا روشن ہو دلِ نوریؔ   روشن ہو جو ہر ذرّہ روشن ہو دلِ نوریؔ
چمکا دے دلِ انورؔ روشن ہو دلِ نوریؔ   ''آباد اسے فرما روشن ہو دلِ نوریؔ
جلوے ترے بس جائیں آباد ہو ویرانہ''(۲۱)

☆

تشطیرات

مقالہ نگار: محمد حسین مُشاہدؔ رضوی، مالیگاوں

بختِ خفتہ نے مجھے روضہ پہ جانے نہ دیا
حالِ دل شاہِ مدینہ کو سنانے کو نہ دیا
جالیِ پاک کو آنکھوں میں بسانے نہ دیا
چشم و دل سینے کلیجے سے لگانے نہ دیا

☆

پیا ہے جامِ محبت جو آپ نے نوریؔ
اُسی کی طاری رہے جان و دل میں مخموری
ہو جس سے پیدا سرُور و بہار آنکھوں میں
رہے ہمیشہ اُسی کا خمار آنکھوں میں

☆

تمہارے حکم کا باندھا ہوا سُورج پھرے اُلٹا
اشارے سے تمہارے چاند بھی ہوجائے دو ٹکڑا
کنواں میٹھا، جو چاہو تو شہِ ابرار ہوجائے
جو تم چاہو کہ شب دن ہو ابھی سرکار ہوجائے

☆

ثنا منظوُر ہے اُن کی نہیں یہ مدعا نوریؔ
نبی کے عشق و الفت کے ہو تم اک رہ نما نوریؔ
کہ باغِ نعت کے اک بلبلِ شیریں بیاں تم ہو
سخن سنج و سخن ور ہو سخن کے نکتہ داں تم ہو

☆

گرفتارِ بلا حاضر ہوئے ہیں ٹوٹے دل لے کر
کرم فرمایئے شاہِ مدینہ ہم گداؤں پر
مداوائے غمِ دوراں شہِ خیرالوریٰ تم ہو
کہ ہر بے کَل کی کَل ٹوٹے دلوں کا آسرا تم ہو

خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوریؔ
مدینے کی حاصل ہمیں ہو حضوری
دل و جان سب اُس پہ وارا کروں میں
مدینے کی گلیاں بُہارا کروں میں

سرشار مجھے کردے اک جامِ لبالب سے
الطاف و عنایت کا طالب ہوں شہا کب سے
جلووں سے چمک جائے اِس دل کا نہاں خانہ
تا حشر رہے ساقی آباد یہ مَے خانہ

جاگ اُٹھی سوئی قسمت اور چمک اُٹھا نصیب
ہیں وہی لاریب! جن و انس کے حاذق طبیب
پل میں رنج و غم مٹا ، سب شاہ کے بیمار کا
جب تصور میں سمایا روئے انور یار کا

ہے عام کرم اُن کا اپنے ہوں کہ ہوں اعدا
منکر کو بھی دیتے ہیں رحمت سے دعا آقا
ہے کام شہِ دیں کا سب کو ہی عطا کرنا
آتا ہی نہیں گویا سرکار کو 'لا' کرنا

قبر کا ہر ذرّہ اک خورشیدِ تاباں ہو ابھی
ظلمتِ مرقد میں پھیلے روشنی ہی روشنی
تم جو ہو جلوا نما مہرِ عجم ماہِ عرب
رُخ سے پردا دو ہٹا مہرِ عجم ماہِ عرب

اے سحابِ کرم اک بوُند کرم کی پڑ جائے
سوکھی کھیتی میں جو شادابیاں لے کر آئے
دوُر ہوجائے ہر اک رنج و الم کی صورت
صفحۂ دل سے مرے محو ہو غم کی صورت

نصیب تیرا چمک اُٹھا دیکھ تو نوریؔ
مِلی ہے تُربتِ خاکی میں جاکے مسرُوری
وہ اپنا جلوۂ آرا دکھانے آئے ہیں
عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

نہ صرف آنکھیں ہی روشن ہوں دل بھی بِینا ہو
بصر کے ساتھ بصیرت مری مجلّا ہو
قرار آئے مری بے قرار آنکھوں میں
اگر وہ آئیں کبھی ایک بار آنکھوں میں

خدا کے فضل سے ہر خشک و تر پہ قدرت ہے
عیاں زمانے پہ آقا تمہاری شوکت ہے
جو شاخ لڑنے کو دو ، تیغ سر بسر ہوجائے
جو چاہو تر ہو ابھی خشک ، خشک تر ہوجائے

حواشی

(۱) اختر رضا بریلوی: سفینۂ بخشش، رضا آفسیٹ، ممبئی، ۲۰۰۶ئ ص ۱۸ / ۱۹

(۲) اختر رضا بریلوی: سفینۂ بخشش، رضا آفسیٹ، ممبئی، ۲۰۰۶ئ ص ۵۳ / ۵۴

(۳) بدرالقادری مصباحی: بادۂ حجاز، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۸۹ئ ص ۵۶ / ۵۷

(۴) بدرالقادری مصباحی: بادۂ حجاز، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۸۹ئ ص ۱۰۰

(۵) بدرالقادری مصباحی: حریمِ شوق، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۱۹۹۶ئ ص ۳۵ / ۳۶

(۶) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: بریلی، شمارہ ماہ جولائی ۱۹۹۹ئ ص ۳۸

(۷) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: بریلی، شمارہ ماہ جولائی تا اکتوبر ۱۹۹۹۵ئ ص ۳۵

(۸) شاعرِ اسلام الطاف انصاری سلطان پوری کے پسر زادے مومن وسیم احمد رضوی نے قلمی نسخہ سے نقل کر کے راقم کو عنایت کی، موصوف راقم کے شکریے کے مستحق ہیں۔

(۹) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: بریلی، شمارہ ماہ جولائی ۱۹۹۹ئ ص ۳۸

(۱۰) صابر سنبھلی، ڈاکٹر: دیوانِ صابر، اقرا آفسیٹ پریس، دلی، ۲۰۰۸ئ ص ۳۰

(۱۱) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: بریلی، شمارہ ماہ نومبر ۱۹۹۷ئ ص ۳۹

(۱۲) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: بریلی، شمارہ ماہ مارچ ۲۰۰۰ئ ص ۳۴

(۱۳) ۲۴ر اگست ۲۰۰۵ئ۔۔۔۔۔۔ارسال کردہ بنام راقم مورخہ ۱۳ر جنوری ۲۰۰۶ء

(۱۴) ۶ر نومبر ۲۰۰۵ئ۔۔۔۔۔۔ارسال کردہ بنام راقم مورخہ ۱۳ر جنوری ۲۰۰۰۶ء

(۱۵) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: بریلی، شمارہ ماہ دسمبر، جنوری ۱۹۹۳-۹۴ئ ص ۳۶

(۱۶) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: بریلی، شمارہ ماہ دسمبر ۱۹۹۰ئ ص ۳۰

(۱۷) ارسال کردہ بنام راقم مورخہ ۲۵ر ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ

(۱۸) ارسال کردہ بنام راقم مورخہ ۱۵ر رجب المرجب ۱۴۲۶ھ بمطابق ۲۱ر اگست ۲۰۰۵ء، بروز اتوار

(۱۹) یونس مالیگ، مولانا: جناں بکف، رضا ریسرچ اینڈ پبلشنگ بورڈم مانچسٹر، برطانیہ ۲۰۰۰ئ ص ۱۱۲

(۲۰) صابر سنبھلی، ڈاکٹر: دیوانِ صابر، اقرا آفسیٹ پریس، دلی، ۲۰۰۸ئ ص ۱۱۵ / ۱۱۶

(۲۱) ماہ نامہ اعلیٰ حضرت: بریلی، مفتیِ اعظم نمبر، ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۰ء، ص ۹۰

{..........}

باب ہشتم

بہ حیثیت نعت گو نوریؔ بریلوی کا مقام و مرتبہ

یہ بات اہلِ تحقیق کے نزدیک مسلّم ہے کہ شاعری کے محرکات و اسباب داخلی ہوتے ہیں یا خارجی، کلامِ نوریؔ بریلوی کے مطالعہ کی روشنی میں اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ آپ کی نعت گوئی کے محرکات بھی ان ہی دونوں سے عبارت ہیں۔ جب ہم نوریؔ بریلوی کی شاعری کے ان دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کے یہاں خارجی محرکات کی بہ نسبت داخلی محرکات کا غلبہ ہے۔ اور یہ داخلیت کوئی دوسری شئے نہیں بل کہ نوریؔ بریلوی کو اپنے اسلافِ کرام اور اجدادِ عظام سے ملی ہوئی وہ دولتِ عظمیٰ ہے جسے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے۔

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں والہانہ وارفتگی و شیفتگی اور فداکارانہ سرشاری و سرمستی نوریؔ بریلوی کی حیات کا سب سے اہم مشن اور مقدس نصب العین رہا ہے خود فرماتے ہیں ؎

ترا ذکر لب پر خدا دل کے اندر
یونہی زندگانی گذارا کروں میں
دمِ واپسیں تک ترے گیت گاؤں
محمد محمد (ﷺ) پکارا کروں میں

آپ کے کلام میں عشق و محبت کی جلوہ سامانیاں اور اُلفت و عقیدت کی ضیا باریاں ہے۔ مگر یہ عشق و محبت مجازی نہیں بلکہ عشقِ حقیقی ہے۔ یہ عشق دنیاوی محبوبوں کی طرح بے محابا اور بے باکانہ اظہارِ محبت نہیں کرتا۔ بلکہ یہ عشق صدیق و عمر، عثمان و علی، ابن رواحہ اور کعب و حسان وغیرہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی خاموش عقیدت و محبت کے نقوشِ تابندہ پر گامزن ہوکر رسولِ کائنات ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے محور و مرکز پر گردش کرتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ، اخلاق و کردار، عظمت و رفعت، شمائل و فضائل اور حُسن و جمال کے مختلف پہلوؤں کے رنگا رنگ جلوے اور حسین و جمیل گل بوٹے اردو نعت گوئی کی فضائے بسیط میں بکھیر رہا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نعتیہ شاعری عقیدے اور عقیدت کی شاعری ہے۔ یہ سچ ہے لیکن اس کارگاہِ خارا شگاف میں عقیدت کی وارفتگی و شیفتگی اور فدائیت کی سرمستی و سرشاری میں ڈوب کر افراط و تفریط، مبالغہ و اغراق، غلط واقعات، موضوع روایات اور بے جا خیال آرائیوں کی چنداں گنجایش نہیں۔

کلامِ نوریؔ بریلوی کے تحقیقی مطالعہ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ کا کلام بھی عقیدے اور عقیدت کا آئینہ دار ہے۔ لیکن آپ کا کلام سیدِ عالم ﷺ سے والہانہ اظہارِ عقیدت و محبت اور فداکارانہ سرشاری کے باوجود جملہ سقمِ شرعی، افراط و تفریط، موضوع روایات اور بے جا خیال آرائی سے یکسر پاک و منزہ ہے۔ اس کا اعتراف خود نوری کو بھی ہے کہتے ہیں ؎

گلہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار
سُقمِ شرعی سے منزہ اشعار

نوریؔ بریلوی نے عقیدت و محبت میں ڈوب کر، عالمِ جذب و شوق کی کیفیات میں بھی جو اشعار کہے ہیں وہ بھی مبالغہ آرائی اور بے جا خیال آرائی سے پاک ہیں۔ آپ کے کلام میں رقّتِ جذبات کے باوصف حقیقت گوئی اور سچائی موجود ہے۔ کذب آمیز مبالغہ آرائی، سطحی جذبات اور بے باکانہ و سوقیانہ اظہار کے بجائے جذبات کی سچائی و صفائی موجزن ہے۔ مزید یہ کہ شعری اور شعوری صداقت پنہاں ہے۔

نوریؔ بریلوی کے نزدیک اللہ رب العزت جل شانہٗ کے حقیقی عرفان کا وسیلۂ عظمیٰ رسولِ کونین ﷺ ہی کی ذاتِ بابرکات ہے۔ ان کا خیال ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کا عشق ہی ایمان بھی ہے اور جانِ ایمان بھی، عبادت بھی ہے اور طاعت بھی، منشائے قرآنی بھی ہے اور باعثِ نجاتِ دائمی بھی، وہ کہتے ہیں ؎

جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

باوجود اس عقیدت و محبت کی سرشاری و سرمستی کے نوریؔ بریلوی نے قدم قدم پر عبد و معبود کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے اور جوشِ محبت و عقیدت میں کہیں بھی ایسا لمحہ نہیں آنے دیا کہ جہاں یہ فاصلہ برقرار نہ رہا ہو۔ نوریؔ بریلوی رسولِ کونین ﷺ کے جلوۂ حُسنِ جہاں تاب میں

سرشار اور گم ہیں، سجدہ کی خواہش ہے، لیکن حکمِ خداوندی، سرمستی و جوش پر غالب ہے۔ جوشِ عقیدت ومحبت میں بھی عقیدہ سلامت ہے۔ ایقان مامون ہے، ایمان محفوظ ہے ؎

سجدہ کرتا جو مجھے اس کی اجازت ہوتی
کیا کروں اذن مجھے اس کا خدا نے نہ دیا
حسرتِ سجدہ یوں ہی کچھ تو نکلتی لیکن
سر بھی سرکار نے قدموں پہ جھکانے نہ دیا

عشق کی وارفتگی، محبت کی شیفتگی اور فدائیت کی سرمستی کے باوجود نوریؔ بریلوی کا شعور و آگہی، چراغِ شریعت کی روشنی اور عشقِ حبیب کے اُجالے میں دشوار گزار وادیٔ نعت سے سلامت روی کے ساتھ گذرا ہے۔

رسولِ کونین ﷺ کا اسوۂ حسنہ، سیرتِ طیبہ، اخلاق و کردار، قیادت و ہدایت اور عظمت و رفعت ہر دور کے گم گشتہ راہ مسافروں کے لیے منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہیں اور تا قیامت انسانیت کا کاررواں اپنا عملی اور فکری سفر اسی کی روشنی میں طے کرتا رہے گا۔

نوریؔ بریلوی نے اپنے کلام کے وسیلے سے رحمتِ عالم ﷺ کی ہدایت و رحمت اسوۂ حسنہ، حیاتِ طیبہ اور عظمت و رفعت کی عالم گیریت و آفاقیت کا بیان کر کے قومِ مسلم کو اپنا علمی و فکری زاویہ صحیح سمت گامزن کرنے کا پیغام دیا ہے۔ خود شناسی اور عرفانِ نفس کے ساتھ بے عملی، بد اعتقادی اور نفسِ امارہ کی شرارتوں سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ فریبِ نفس سے خبردار رہ کر اللہ و رسول (جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہو کر رہ جانے کا پیغام دیا ہے۔ نوریؔ بریلوی محبوبِ کائنات ﷺ کی شریعت و سنت پر خود بھی عمل پیرا ہو کر مسلمانانِ عالم کو بھی اسی راہِ فوز و فلاح کا راہی بنانا چاہتے ہیں، اس اعتبار سے آپ کی شاعری آفاقی، اصلاحی اور پیغامی ہے اور یہ حضور رحمتِ عالم ﷺ کے عشق و محبت کا مظہر ہے۔

نوریؔ بریلوی نے معنی آفرینی کے ساتھ شکوہِ الفاظ، بے ساختگی، برجستگی، بندشوں کی چستی، زبان کی سادگی، تشبیہات واستعارات، کنایات وعلامات، تراکیب و محاکات وغیرہ جیسے شعری محاسن کے جوہر دکھانے کے لیے شاعری نہیں کی بل کہ آپ نے عشقِ رسول ﷺ کے اظہار کے لیے شاعری کو وسیلہ بنایا۔ علم و فضل کی گہرائی و گیرائی، جذبے کی صداقت و سچائی اور عشقِ رسول (ﷺ) کی والہانہ سرشاری و سرمستی نے آپ کے کلام کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔ آپ کے

کلام میں علمی گہرائی و گیرائی اور عشقِ رسول (ﷺ) کی صداقت و سچائی کے سبب سادگی و معنوی حُسن کا ایک جہاں پنہاں ہے۔ مشکل زمینوں اور مشکل مضامین اور اردو کے ساتھ عربی اور فارسی زبانوں کی آمیزش ورچاو کے باوجود آورد کی کیفیت نہیں محسوس ہوتی بل کہ آمد آمد کا وہ دل آویز و دل کش انداز ہے جو دوسروں کے یہاں خال خال نظر آتا ہے۔ اور یہ بے سبب نہیں ہے بلکہ یہ عشقِ صادق کے جذبۂ خیر کے التہاب کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

زبان و بیان کی سادگی، شکوہِ الفاظ، بے ساختگی و برجستگی، بندشوں کی چستی، طرزِ ادا کا بانکپن، جدت طرازی، خیال آفرینی، معنوی پُرکاری، نت نئی ترکیب سازی، شاعرانہ پیکر تراشی، لسانی وعروضی چاشنی، اثباتِ مضمون و دعویٰ، گیتوں کی لفظیات، سوالیہ انداز کی معنویت، تشبیہات واستعارات، کنایات وعلامات، محاکات ومحاورات، صنائع و بدائع، تغزل کا رنگ و آہنگ، مشکل زمینوں اور موضوعات کا استعمال، ایجاز واختصار، تفکر و تخیل، حقیقت نگاری، قرآن وحدیث، فقہ و تفسیر جیسے علوم وفنون کی رنگا رنگی وغیرہ شعری محاسن ایک سچی اور بڑی شاعری کی جان ہیں۔

نوریؔ بریلوی کے تبحرِ علمی اور ان کے عشقِ رسول (ﷺ) کی صداقت و سچائی نے ان خوبیوں اور محاسن کو اس انداز سے اپنے کلام میں برتا ہے کہ آپ کے کلام میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ نعت میں اس طرح کا متنوع رچاو اور تغزل کا رنگ و آہنگ پیش کرنا وہ بھی مکمل حزم و احتیاط اور فنِ نعت کی تمام تر قیود و آداب کی پاس داری کرتے ہوئے دراصل یہ نوریؔ بریلوی کی اعلا استعداد، قوتِ متخیلہ، شعری حرکیت اور قوتِ شاعری کا کمال ہے جو آپ کے ایک بڑے اور قادر الکلام شاعر ہونے کا واضح اعلان ہے۔

نوریؔ بریلوی نے اپنے افکار و خیالات اور احساسات و جذبات کی ترجمانی اپنے عہد اور علاقے کی زبان میں بھی کی ہے۔ عربی، فارسی اور اردو کے ساتھ ساتھ ہندی اور پوربی بولی کی آمیزش نے نوریؔ بریلوی کی زبان کو ایک نیا اور منفرد نکھار بھی بخشا ہے۔ ہندوستانی عناصر اور یہاں کے رسم و رواج کی جھلکیاں بھی آپ کے کلام میں ملتی ہیں جو آپ کی حُبُّ الوطنی کو عیاں کرتی ہے۔

نوریؔ بریلوی کی شاعری کے زیر و بم میں عارفِ رومیؔ کا نشۂ عرفانی، جامیؔ کی سرمستی و بے خودی، امیر خسروؔ کی عشوہ طرازی، حافظؔ کی منظر کشی، سعدیؔ کے جدتِ تخیل کی بوقلمونی، ناسخؔ کی سادہ بیانی، نظیرؔ کے ہندوستانی عناصر کا اظہار، ابوالحسین نوریؔ کا تصوفانہ آہنگ، امیر مینائیؔ کی

والہانہ وارفتگی، محسنؔ کاکوروی کے حُسنِ تفکر کا دروبست، جمیلؔ بریلوی کے جمالیاتی اسلوب کی تہہ داری، اقبالؔ کا ملّتِ اسلامیہ کے تئیں دردوکسک، حسرتؔ کی انقلابیت، اوران کے والدِ ماجد امامِ سخن احمد رضا بریلوی کا رنگ و آہنگ، عشق و محبت میں وارفتگی و شیفتگی، تراکیب و محاورات، خیالات ورُجحانات، قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر کی عطر بیزی اور آپ کے عمِ محترم اُستاذِ زمن شاگردِ داغؔ حسنؔ رضا بریلوی کی معنی آفرینی، تغزل، بے ساختگی و برجستگی، شوخی وطراوت، شوکتِ ادا اور ندرتِ تخیل کی چاشنی نظر آتی ہے۔ بایں معنی کلامِ نوریؔ میں گوناگوں فکر ونظر اور رنگ و آہنگ کا حسین وجمیل امتزاج نظر آتا ہے۔ آپ کا کلام پڑھتے اور نقل کرتے وقت علاماتِ قرات کا خاص لحاظ رکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہ اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ نوریؔ بریلوی کی شاعری ”نزاکتِ زبان“ کی شاعری ہے اوراس اعتبار سے وہ بلاشبہہ ”لہجے کے شاعر“ کہے جانے کے مستحق ہیں۔

آپ کے والدِ ماجد رضاؔ بریلوی ہی کی طرح آپ کی شاعری بھی محض۔ شاعری برائے شاعری نہیں، بل کہ شاعری برائے زندگی اور شاعری برائے بندگی سے عبارت ہے۔

نوریؔ بریلوی کی حمدیہ نظموں اور نعتوں میں تصوف و معرفت کی جو روح پنہاں ہے وہ اردوادب کے لیے ایک گراں بہا نعمت ہے۔ آپ کی نعتیں ہماری قومی وملی، تہذیبی وتمدنی اور علمی و ادبی ورثہ ہیں۔ جذبہ وفن کی وسعت، خیالات ومحسوسات کی بلندی، مضامین و موضوعات کے تنوع اور مختلف علمی وادبی اور شعری محاسن کے اعتبار سے اردو نعت گوئی کی تاریخ میں نوریؔ بریلوی کا مقام ومرتبہ بہت بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ ہے۔

آج عالمِ اسلام میں نوریؔ بریلوی کے ذہن وفکر سے نکلے ہوئے نعتیہ سرمدی نغمات کی دھوم مچی ہوئی ہیں اور آپ کے کلامِ بلاغت نظام قلبِ مُسلم پر نگراں ہیں اور فردوسِ گوش بنے ہوئے ہیں۔

نوریؔ بریلوی نے اردو نعت گوئی کو تقدیسِ الوہیت، جذبات کی سچائی وصفائی اور الفاظ کی طہارت وپاکیزگی سے مالا مال کیا ہے۔ آپ مرجعِ علما وفضلا ہونے کے ساتھ ساتھ شعروادب میں بھی مرکزیت کے حامل تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری اوراسلوبِ بیان معاصرین اور متاخرین شعرائے نعت کے قلب وذہن کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ اور زمانۂ حال کے شعرائے نعت بھی آپ کی زمینوں اور اسلوب میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ عالم گیر

شہرت یافتہ نعت خواں حضرات زیادہ تر آپ ہی کے نعتیہ کلام کو گنگناتے رہتے ہیں۔ اس عمل سے نوریؔ بریلوی کی عالمگیر مقبولیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

{............}

ضمیمہ: عصرِ حاضر میں اردو نعت گوئی کا اجمالی منظر نامہ

مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی اور دورِ متاخرین کے نعت گو شعرا نے اردو نعت گوئی کی پاکیزہ روایت کو ایک امانت کی طرح دورِ جدید کے شعرا کے ہاتھوں میں سونپ دی۔ یہ انھیں حضرات کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ جب ہم عصرِ حاضر میں اردو دنیا کے ادبی منظر نامہ پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور دیگر اصناف کے مقابل نعتیہ شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو قلب وروح اطمینان و سکون کی کیفیات سے سرشار ہوجاتے ہیں۔ پہلے پہل نعت گوئی صرف مذہبی حلقوں تک محدود تھی ۔لیکن رفتہ رفتہ جب مذہبی وادبی حلقوں کے شعرا کی مشترکہ کوششیں اس سمت گامزن ہوئیں تو پھر دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ نعت میں نعت گو شعرا کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ شاید ہی اردو کا کوئی ایسا بد نصیب شاعر ہو جس نے نعت نہ لکھی ہو، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اردو کے تقریباً ہر شاعر نے بلا مذہب وملت نعت لکھی ہے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔

برصغیر ہندوپاک ہی نہیں بلکہ دنیا میں جہاں جہاں اردو زبان وادب سے منسلک شعرا موجود ہیں وہ اپنا سوزِ دروں اور جذبۂ شوق بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں نعت کے وسیلے سے پیش کر رہے ہیں۔ عصرِ حاضر میں نعت گو شعرا جس انداز سے نعت گوئی کی روایت میں نت نئے تجربات کر رہے ہیں وہ اس سے قبل نہیں ہوئے ہیں۔ اردو ادب میں رائج جملہ اصنافِ ادب اور نو متعارف شدہ اصناف میں بھی اردو کے نعت گو شعرا نعتیہ کلام پیش کر رہے ہیں۔ ہائیکو، ترائیلے، سانیٹ، ثلاثی اور ماہیے جیسی اصناف میں بھی اردو کے بہ کثرت نعتیہ کلام موجود ہیں۔ نادمؔ بلخی اور ڈاکٹر علیمؔ صبا نویدی کے اردو نعتیہ مجموعۂ کلام کلیۃً صنف ”سانیٹ“ پر ہیں۔ نادمؔ بلخی کے مزید دو نعتیہ مجموعے صنف ”دوہا“ پر مشتمل ہیں۔ اس سے عصرِ حاضر میں اردو نعت گوئی کی مقبولیت کا اندازہ بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ عصرِ حاضر میں اردو نعت نگاری میں جو تجربات کیے جارہے ہیں وہ اس سے قبل نہیں کیے گئے اس میں کوئی دو رائے نہیں۔ عصرِ حاضر کے شعرا عصری

شعور کو بڑی خوب صورتی سے اپنی نعتوں میں تحلیل کر رہے ہیں۔ نو تراشیدہ اور خود وضع کردہ لفظی تراکیب، مترنم بحروں اور نئی ہیئت و سانچوں کو اندازِ نو سے برت رہے ہیں۔ ذات و کائنات کے مسائل، انسانی دکھوں، تکالیف، مصائب، آلام اور پریشانیوں کے مداوا کی بات رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے نعتوں میں کی جارہی ہے۔ نئے لہجے اور نئے رنگ و آہنگ کے ساتھ جدید علامتوں اور اشاروں کو بڑی چابک دستی سے برتا جارہا ہے۔

عمیقؔ حنفی، سید جمیل نقویؔ اور عبدالعزیز خالدؔ نے طویل نعتیہ نظمیں پیش کر کے اردو نعت گوئی کی تاریخ میں ایک زرّیں نقش ثبت کیا ہے۔ عمیقؔ حنفی کی نظم "سلسلۃ الجرس" عصرِ جدید کے مطلع کا ایک ایسا روشن ترین ستارہ ہے جس کی چمک دمک سے جبینِ آفتاب بھی شرمارہی ہے۔ یہ ایک ایسی مقبول ترین نظم ہے جسے ہر مکتبِ فکر کے افراد نے بہ نظرِ استحسان ملاحظہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں عبدالعزیز خالدؔ کی طویل نظموں "منحمنا، فارقلیط، حمطایا" کے تذکرہ کے بغیر عصرِ حاضر میں اردو نعت گوئی کا بیان نامکمل کہلائے گا۔ مطالعہ و تحقیق کی روشنی میں یہ خیال تقویت پاتا ہے کہ عصرِ رواں کی اردو نعت گوئی گزشتہ دوسو سال کے سرمایۂ نعت پر بھاری ہے۔ اس منظر نامہ کو دیکھ کر بعض ناقدین یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اکیسویں صدی نعت گوئی کی صدی ہے۔

الغرض عصرِ حاضر میں اردو نعت میں لسانی، ہیئتی اور شعری تجربوں سے اسے نئی سمتوں اور جہتوں سے ہم کنار کرنے والے شعرا کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان شعرا میں بیش تر کے ایک اور بعض کے کئی نعتیہ مجموعۂ کلام منظرِ عام پر آچکے ہیں اور بعض کے منتظرِ اشاعت ہیں۔ ان میں بعض شعرا کے نعتیہ کلام کو اس قدر مقبولیت و شہرت حاصل ہے کہ برِ صغیر ہندو پاک کا اردو داں طبقہ ان کے اشعار سے تو آشنا ہے مگر ان کی ذات سے نہیں۔ ذیل میں ہندو پاک کے عصرِ حاضر کے شعرا کے نام درج کیے جاتے ہیں، جنہوں نے نعتیں قلم بند کیں۔ ان میں کچھ انتقال بھی کر چکے ہیں۔ جن شعرا کے مجموعۂ کلام شائع ہو چکے ہیں ان کے نام کے آگے قوسین میں مجموعۂ کلام کے نام درج کیے جارہے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہ کہ یہ فہرست نہ تو ترتیب وار ہے اور نہ ہی مکمل...... اردو نعت گوئی کا یہ نہ رُکنے والا سلسلہ مسلسل جاری و ساری ہے۔ بقول پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی نقشبندی کراچی:

"جذبات کا ایک سیلاب ہے جو امنڈا چلا آرہا ہے...... تھمائے نہیں تھمتا......
سب کی نگاہیں ایک ہستی کی طرف لگی ہوئی ہیں...... اپنی اپنی بساط کے مطابق

سب جلوے سمیٹ رہے ہیں ...... فکر و خیال کی جھولیاں بھر رہے ہیں ......
دنیائے جدید کی تاریک فضاؤں میں نور بکھیر رہے ہیں...... دل گرما رہے
ہیں...... رُوح جگا رہے ہیں...... قدم قدم روش روش گل کھلا رہے ہیں......"

[جانِ جاناں: پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی نقشبندی کراچی، رضوی کتاب گھر، بھیونڈی، ۱۹۹۰ئ، ص ۱۹۵] ذیل میں عصرِ حاضر کے اردو نعت گو شعرا کے اسمائے گرامی کی نامکمل فہرست ملاحظہ کیجیے، واضح رہ کہ ان شعرا میں بعض وہ ہیں جنہوں نے نعت کے علاوہ دیگر اصناف میں بھی طبع آزمائی کی، ان کے نعتیہ کلام کی اہمیت اور مقبولیت کے پیشِ نظر یہاں ان کے نام درج کے جارہے ہیں :

ضیاؔ القادری، شمسؔ بریلوی، شمسؔ مینائی، دردؔ کاکوروی، افقؔ کاظمی امروہوی، اثرؔ صہبائی، اسدؔ ملتانی، شفیقؔ جونپوری (دیوانِ نعت)، رازؔ الٰہ آبادی (اشکِ ندامت)، عبدالستار خاں نیازیؔ (کلیاتِ نعت)، ریحانؔ رضا بریلوی (ابرِ بخشش)، خوشترؔ صدیقی (قسیمِ بخشش)، شبنمؔ کمالی (ریاضِ عقیدت وغیرہ)، قیصر وارثی، حق کانپوری، اختر رضا بریلوی (سفینۂ بخشش)، آلِ رسول نظمیؔ مارہروی (تنویرِ مصطفی، عرفانِ مصطفی، نوازشِ مصطفی، بعد از خدا.....)، قتیلؔ داناپوری، طلحہ رضوی برقؔ داناپوری، ارشد القادری، مشتاق نظامیؔ، بدر القادری (حریمِ شوق، نشیدِ روح، جمیل الشیم، بادۂ حجاز وغیرہ)، قمر الزماں اعظمی (خیابانِ مدحت)، صابرؔ سنبھلی (دیوانِ صابر)، حفیظؔ بنارسی، عزیزؔ بگھروی، طاہرؔ تلہری، عشرتؔ گودھروی، رشید کوثرؔ فاروقی، ابرار کرتپوری، نادمؔ بلخی (چودہ طبق)، ظہیرؔ غازی پوری، وقار احکلم، فاخرؔ جلال پوری (آیاتِ □ حرم)، علیم صباؔ نویدی (ن، نور السمٰوات)، شوکت صبا کیفیؔ، بیکلؔ اُتساہی بلرامپوری (نغمۂ بیکل، حسنِ مجلّیٰ، تحفۂ بطحا، سُرورِ جاوداں، بیانِ رحمت، جامِ گل، توشۂ عقبیٰ، نورِ یزداں، والضحٰی، والنجوم، والفجر)، اجمل سلطانپوری (انتخابِ اجمل، جذباتِ کلامِ اجمل)، یونسؔ مالیگ (جناں بکف)، بے تابؔ کیفی، محشر بدایونی، جمیلؔ فاطمی، سلیمان قمر، مرغوب راغبؔ، شاداب رضیؔ، شمسؔ جاوید، سید محمد اشرفؔ مارہروی، نعیم اشرف جائسی، سید سراج اجملیؔ، یاور وارثی، ناظر صدیقی، طیشؔ صدیقی، انورؔ صابری، کوثرؔ جائسی، ادیبؔ مکن پوری، اخترؔ بستوی، سید وحید اشرفؔ کچھوچھوی، حقؔ بنارسی، شمیمؔ جے پوری، عمرؔ انصاری، وسیمؔ بریلوی، حیاتؔ وارثی، والی آسیؔ، تسنیمؔ فاروقی، کرشن بہاری نورؔ، سومناتھ سومؔ، قمرؔ سلیمانی، فناؔ نظامی کانپوری، انورؔ جلال پوری، معراجؔ فیض آبادی، میکائیل ضیائیؔ، احمد مجتبیٰ

صدیقی، ظفر اقبال، سرشار صدیقی، احمد صغیر صدیقی، شمس بی□لوی، فرحت قادری، مناظر عاشق ہرگانوی، ریاض اختر ادیبی، رضا شیر گھاٹوی، حماد احمد صابر قادری (جلوۂ عریاں)، مخمور سعیدی، کامران بشر، کوثر نقوی، شارق جمال، حنیف اسعدی، ناوک حمزہ پوری، عبدالقدیر حسرت (زمزمۂ محبت)، ذوقی مظفر نگری (نجم سحر)، خالد محمود خالد (قرارِ جاں، قدم قدم سجدے)، حفیظ تائب (صلوا علیہ وآلہ، وسلموا تسلیما)، منیر الحق کعبی، عثمان عارف نقشبندی (عقیدت کے پھول)، اسلم بستوی (جمالِ نور)، بہزاد لکھنوی (کرم بالائے کرم، نغمۂ روح)، مظفر حسین کچھوچھوی (نسیمِ حجاز)، ضیاالدین ربانی (دیوانِ نعت)، منیر نیازی، سلیم کوثر، عرفان صدیقی، اختر الحامدی (بہارِ عقیدت، دیوانِ نعت)، سید ابوالحسنات حقی، زیب غوری، حسن عزیز، الطاف انصاری سلطانپوری (رودِ بخشش)، سراج الدین منشی (فی شانِ حبیبہ)، سلیم شہزاد (کشفیہ)، اشفاق انجم (صلوا علیہ وآلہ)، سید صبیح رحمانی، عبیداللہ علیم، من چندا بائی، سمینہ راجا، قمر الحسن قمر بستوی (یا ایہا المزمل، یا ایہا المدثر)، فضل الرحمن شرر مصباحی، سید شمیم گوہر، سید ابوالخیر کشفی، شاد فیض آبادی، سید شان الحق حقی، عمیق حنفی (سلسلۃ الجرس)، سید جمیل نقوی، اوج گیاوی (دیوانِ نعت)، انور فیروز پوری (مختارِ کل)، راجا رشید محمود (ورفعنا لک ذکرک، حدیثِ شوق)، غزقی خیر آبادی (آفتاب سازم)، حافظ لدھیانوی (تحفۂ حرم، مطلعِ فاراں)، صبا متھراوی، ریاض مجید، راسخ عرفانی، نظیر لدھیانوی، عارف القادری (کلیاتِ نعت)، قمر یزدانی، اعظم چشتی (رنگ وبو)، مسرور کیفی (میزابِ رحمت)، احمد ندیم قاسمی، عارف عبدالمتین، رشید وارثی، عارف رضا، عبدالعزیز خالد (منحمنا، فارقلیط، حمطایا)، عبدالرحیم عزم (مزمل، شاخِ سدرہ)، کوثر امجدی (جامِ کوثر)، قمر امجدی دہلوی (دیوانِ نعت)، طفیل احمد مدنی (گلدستۂ حرم)، عامر صدیقی (شمعِ شبستاں)، بسمل بہرائچی (نقوشِ حرم)، نظر چشتی (فکرِ نظر)، محشر رسول پوری (فخرِ کونین)، منور لکھنوی (منور نعتیں)، اکبر داناپوری (جذباتِ اکبر)، شوق امرتسری (نعتِ خاتم النبیین)، طالب بریلوی (دیوانِ نعت)، قیصر اکبر آبادی (نعتِ سرور)، صادق دہلوی (حریمِ نور)، ادیب رائے پوری (دیوانِ نعت)، ظفر علی راہی جونپوری (نورِ غارِ حرا)، مقبول منظر (انوارِ معرفت)، ادب سیمابی (شاخِ طوبیٰ)، ارمان اکبر آبادی (سروشِ سدرہ)، اقبال صلاح الدین (حدیث آشنا)، الطاف احسانی (شعاعِ ایماں)، زخ ش (فردوسِ تخیل)، ساحر صدیقی (جامِ حیات)، انجم وزیر آبادی (مینائے کوثر)، بسمل میرٹھی (غنچۂ نور)، اسماعیل انیس (چراغِ عالمین)

، بیاں یزدانی (قندیلِ حرم)، سخنور سکندری (سراپا آئینہ)، شاد افسر (شاخِ بریدہ)، الیاس عطار قادری (مغیلانِ مدینہ، سحابِ مدینہ، مدینے کی مٹھاس، ارمغانِ مدینہ، ارمانِ مدینہ)، محمد یعقوب خاکی (مقیاسِ خاکی)، شبیر بخاری (سوز دروں)، صابر براری (جامِ ظہور)، اسد اقبال کلکتوی، محشر بریلوی، تبسم عزیزی، دلکش رانچوی، اشرفی انیس تیز (شافعِ محشر)، محمد علی ظہوری قصوری (کلیاتِ ظہوری)، نثار علی اُجاگر، صابر کاس گنجوی (قندیلِ نور)، صائم چشتی (جانِ کائنات)، عزیز حاصل پوری (جمالِ نور)، قصری کانپوری (نورِ ازل)، حافظ مظہر الدین (بابِ جبرئیل)، ناظم بزمی (کاروانِ شوق)، نسیم امروہوی (صبحِ ازل)، نسیم بستوی (حیاتِ جاوداں)، صدیق باندوی، بیگم نصرت عبدالرشید (آہِ سحرگاہی)، ہلال جعفری (طلوعِ سحر)، لبنیٰ غزل، خالد انور، شاکر علی نوری (مژدۂ بخشش)، راحت آرا سہیل، اویس رضا عبید قادری، توفیق احسن برکاتی (معراجِ سخن)، مقالہ نگار محمد حسین مُشاہد رضوی (لمعاتِ بخشش) وغیرہ

اردو نعت گوئی کا جو قافلہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور فخر دین نظامی سے چلا تھا وہ آج اوجِ ثریا بل کہ اُس سے بھی آگے نعتیہ ادب میں نور ونکہت بکھیرتا ہوا رواں دواں ہے۔ اردو نعت گوئی کا یہ پورا تاریخی منظر نامہ لگ بھگ ساڑھے پانچ صدیوں کو محیط ہے اور نعت کا یہ نورانی و عرفانی قافلہ زبان و بیان اور رنگ و آہنگ کے نت نئے آرائشی وزیبائشی ساز وسامان کے ساتھ آگے بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ ذیل میں عصرِ رواں کے چند منتخب شعرا کے اشعار ملاحظہ ہوں ـ

حفیظ تائب:

ہو جیسے چشمہ کوئی ٹھنڈے میٹھے پانی کا
نظام میرے نبی کا کچھ ایسا سادہ ہے
عطا سے ان کی ، غنی ہوگئے گدا سارے
کچھ ایسا آپ کا دستِ کرم کشادہ ہے
گرفتِ تیرہ شبی سے نکلنے والا ہوں
مری نگاہ میں خیرالورا کا جادہ ہے

احمد صغیر صدیقی (کراچی):

نظروں میں بسی ہے کسی مہتاب کی صورت
دیکھے چلے آتے ہیں جسے خواب کی صورت
وحشت کے سوا کیا تھا سروں میں کہ وہ آیا
پھر اس نے نکالی ادب آداب کی صورت

محشرؔ بدایونی:

آکے طیبہ سے طلب اور ہے تشنہ تشنہ
دھڑکنیں دل کی صدا دیتی ہے طیبہ طیبہ
آپ کے سایے میں آجاتے تو یہ حال ہوکیوں
آدمی عقل کے نرغے میں ہے تنہا تنہا

سرشارؔ صدیقی (کراچی):

رحمت، بس اک لفظ ہے، لیکن — اُن کی نسبت سے لکھے.....تو
امن کا پرچم ہوجاتا ہے — لفظِ مجسم ہوجاتا ہے

ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی:

ان سے پہلے تھا جہالت کا فروغ
ان کی آمد، علم و حکمت کا فروغ
انکے قدموں کی طرف کچھ دیر بیٹھ
دیکھ لے پھر شانِ رحمت کا فروغ
دامنِ سرکار سے وابستگی
ہے شرافت کا نظافت کا فروغ

فداؔ خالد دہلوی:

اللہ کی مخلوق میں چیدہ وہ ہیں
سردارِ رسل برگزیدہ وہ ہیں
قرآن کی تفسیر ہے اُن کا کردار
سرچشمۂ اوصافِ حمیدہ وہ ہیں

علی محسنؔ صدیقی (کراچی):

ہے ان کا خُلق اکمل، خَلق اجمل
محمد نخبۂ کون و مکاں ہیں
فقیری میں جلالِ بے نہایت
امیری میں جمالِ بیکراں ہیں

سید آلِ رسول حسنین نظمی مارہروی:

کیسا انسان وہ پیدا ہوا انسانوں میں
خون توحید کا دوڑا دیا شریانوں میں
ارضِ یثرب پہ قدم رکھ دیے آقا نے مرے
نور و نکہت کی بہار آگئی ویرانوں میں

علامہ اختر رضا ازہری بریلوی:

جہاں بانی عطا کردیں بھری جنت ہبہ کردیں
نبی مختارِ کل ہیں جس کو جو چاہیں عطا کردیں
تبسم سے گماں گزرے شبِ تاریک پر دن کا
ضیائے رُخ سے دیواروں کو روشن آئینہ کردیں

محمد اکرم رضا گوجرانوالہ:

رشکِ نجوم و کہکشاں ان کا وجود ہے
ذرّاتِ ریگِ ملکِ عرب کا نکھا ر دیکھ

پیوند ہیں لباس میں حجرہ نشین ہیں
سادہ ہے کس قدر شہ گردوں وقار دیکھ
سلطانِ دیں کے پیٹ پہ پتھر بندھے ہوئے
فقر و غنا و صبر کا یہ شاہ کار دیکھ

سید صبیح رحمانی:

میں نے اس قرینے سے نعتِ شہ رقم کی ہے
شعر بعد میں لکھا پہلے آنکھ نم کی ہے
میں غزل سے دُور آیا جب سے یہ شعور آیا
نعتِ مصطفیٰ لکھنا آبروئے قلم کی ہے

کیفی سنبھلی:

چلو خدا کے برابر نہیں یہ مان لیا
خدا کے بعد تو جاہ و حشم اسی کا ہے
خلوص و مہر و وفا امن و آشتی کا نقیب
عمل ہر ایک، حریفِ ستم اسی کا ہے

حیدر قریشی (جرمنی):

بنجر دل میں اگتی یہ ہریالی سی
مجھ کو گنبدِ خضرا کی سوغات ہوئی
ٹاٹ ایسا دل مخمل کرلائے
مسجدِ نبوی میں اک ایسی بات ہوئی

افسر امروہوی:

شوق کی پہلی نشانی ہے مرے آقا کی ذات

لفظِ کن کی ترجمانی ہے مرے آقا کی ذات
دہر میں سایا نہ تھا یا تھا یہ تم جانو مگر
حشر میں تو سائبانی ہے مرے آقا کی ذات

مقیم اثر بیاولی (مالیگاوں):

تجھ سا عالم میں کہاں قول و عمل میں یکتا
ساری دنیا میں مثالی رہا درپن تیرا
پیکرِ شرم و حیا مصلحِ ایمان و یقیں
ذکر کرتی رہی ہر موڑ پہ چلن تیرا

فارق اختر مالیگ:

زمین عرشِ بریں کا جواب لگتی ہے
یہ بارگاہِ رسالت مآب لگتی ہے

عادل فاروقی (مالیگاوں):

یہ کون آیا کہ جس کی حکمت سے
نظامِ بت کدہ سہا ہوا ہے
کبھی اک نور کی بارش ہوئی تھی
اُجالا آج تک پھیلا ہوا ہے

اثر صدیقی (مالیگاوں):

اے مزمل، اے مدثر، اے مرے خیر البشر
چشمِ نم کی طشتری میں مثلِ ناسفتہ گہر
لے کے آیا ہوں میں تسلیمِ نظر
اے چراغِ کعبہ! اے مرے ظلمت شکن
اس لیے سرشار ہے سیلِ کلام
ہے رقم قرطاسِ لب پر مصرعۂ حرفِ سلام

رونقِ شہرِ نبوت! اے بہارِ خاک داں
آخرِ شب عالمِ تنویر میں
روح کی گہرائیاں آداب کہتی ہیں تجھے
سیدالسادات! میرے محسنِ انسانیت

{............}

کتابیات

اس مقالہ میں حوالے کے طور پر استعمال میں لائی جانے والی کتب ورسائل، اخبارات اور لغات کی فہرست

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف	سن اشاعت	ناشر
	(ا)			
۱	القرآن الکریم			
۲	الملفوظ (کامل)	حضرت نوری بریلوی	۲۰۰۶ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۳	المدیح النبوی	مولانا یٰسین اختر مصباحی	۱۹۸۸ء	المجمع الاسلامی، مبارکپور
۴	انوارِ مفتیِ اعظم	علامہ محمد احمد مصباحی	۱۹۹۲ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۵	اردو زبان کی تاریخ	عظیم الحق ہندی	۱۹۸۴ء	علی گڑھ
۶	اردو میں نعت گوئی	ڈاکٹر ریاض مجید	۱۹۹۰ء	اقبال اکیڈمی، کراچی
۷	اردو کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برق	۱۹۷۴ء	دانش اکیڈمی، آرہ، بہار
۸	اردو میں نعتیہ شاعری	ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق	۱۹۷۶ء	اردو اکیڈمی، سندھ
۹	ارمغان نعت	والی آسی ساجد صدیقی	۱۹۸۲ء	مکتبہ دین وادب، لکھنؤ
۱۰	انتخاب قلی قطب شاہ	سیدہ جعفرہ	۱۹۸۹ء	اردو اکیڈمی، اترپردیش
۱۱	انتخاب کلام حامد	شہاب الدین رضوی		جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی
۱۲	انتخاب کلام نوری	انور علی رضوی		مکتبۃ المصطفیٰ، بریلی
۱۳	اطیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ	سید ابوالحسنات احمد قادری	۱۹۹۸ء	صدیقی اینڈ کمپنی، دہلی
۱۴	اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	۲۰۰۸ء	ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
۱۵	آہنگ اور عروض	کمال الدین احمد صدیقی	۱۹۸۹ء	ترقی اردو بیورو، دہلی

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف	سن اشاعت	ناشر
	(ب)			
۱۶	بادۂ حجاز	علامہ بدر القادری مصباحی	۱۹۸۹ء	المجمع الاسلامی، مبارک پور
	(پ)			
۱۷	پنجاب میں اردو	محمود احمد شیرانی	۱۹۹۰ء	اردو اکیڈمی، اترپردیش
	(ت)			
۱۸	تذکرۂ علمائے ہند (اردو)	مولوی رحمن علی		ہسٹاریکل سوسائٹی، پاکستان
۱۹	تذکرۂ علمائے اہل سنت	محمود احمد قادری	۱۳۹۱ھ	خانقاہ قادریہ، مظفر پور
۲۰	تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ	مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی	۲۰۰۲ء	المجمع المصباحی، مبارکپور
۲۱	تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ	شہاب الدین رضوی	۱۹۹۵ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۲۲	تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ	۱۹۸۹ء	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
۲۳	تعارف تاریخ اردو	ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی	۱۹۷۷ء	سرفراز قومی پریس، لکھنؤ
۲۴	تاریخ وتنقید	حامد حسن قادری		دہلی
۲۵	تنقیدی اشارے	پروفیسر آل احمد سرور		مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ
۲۶	تخئیلِ نوری	شاہ ابوالحسین نوری میاں مارہروی		خانقاہِ برکاتیہ، مارہرہ، ایٹہ
۲۷	تجلیات نوری	اقبال احمد قادری	۱۴۱۰ھ	بزم حامد رضا، کراچی
۲۸	تجلیاتِ مفتیِ اعظم	مولانا قمر الحسن بستوی	۱۹۹۲ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۲۹	تین برگزیدہ شخصیتیں	علامہ یٰس اختر مصباحی	۱۹۹۳ء	رضوی کتاب گھر، دہلی
۳۰	تاجدارِ اہلِ سنت	مفتی اختر حسین علیمی	۲۰۰۵ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۳۱	تذکرۂ شعرائے روہیلکھنڈ	سید تعظیم علی نقوی شایاںؔ بریلوی		بریلی
	(ج)			
۳۲	جانِ جاناں	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی	۱۹۹۰ء	رضوی کتاب گھر، دہلی
	(چ)			
۳۳	چند ہم عصر	مولوی عبدالحق		ترقی اردو بیورو، دہلی
	(ح)			

۳۴	حدائق بخشش	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۹۹۷ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۳۵	حدائق بخشش کا تحقیقی وادبی جائزہ	علامہ شمس بریلوی	۲۰۰۴ء	اسلامک پبلشر، دہلی
۳۶	حریم شوق	علامہ بدر القادری	۱۹۹۶ء	المجمع الاسلامی، مبارک پور
۳۷	حیات مفتی اعظم	مرزا عبد الوحید بیگ بریلوی		صندل خاں بازار، بریلی
۳۸	حجۃ واہرہ	حضرت نوری بریلوی	۲۰۰۵ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
	(د)			
۳۹	دوام العیش فی الائمۃ من القریش	امام احمد رضا بریلوی	۱۹۹۸ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۴۰	دیوان غالب	مرزا غالب	۱۹۸۵ء	الٰہ آباد
۴۱	دکن میں اردو	ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی		
	(ذ)			
۴۲	ذوق نعت	مولانا حسن رضا بریلوی		اشرفی کتب خانہ، سنبھل
	(ر)			
۴۳	ریاض نعیم	سید نعیم الدین مرادآبادی		اشرفی کتب خانہ، سنبھل
۴۴	رضا گائیڈ بک	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی		رضا اکیڈمی، برطانیہ
۴۵	رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	۱۹۹۴ء	ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
	(س)			
۴۶	سامان بخشش	حضرت نوری بریلوی	۲۰۰۸ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۴۷	سفینۂ بخشش	علامہ اختر رضا بریلوی	۲۰۰۶ء	رضا آفسیٹ، ممبئی
۴۸	سرور القلوب بذکر المحبوب	مولانا نقی علی خاں بریلوی	۱۹۹۰ء	فاروقیہ بکڈپو، دہلی
۴۹	سوراخ در سوراج	حضرت نوری بریلوی	۲۰۰۵ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
	(ط)			
۵۰	طرق الہدیٰ والارشاد	حضرت نوری بریلوی	۲۰۰۵ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
	(ع)			
۵۱	عین المعارف	آسی سکندرپوری		انجمن فیضان رشیدی، کمرہٹی، کلکتہ

۵۲	عربی میں نعتیہ کلام	ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی	۱۳۹۵ھ	مکتبہ اسلام، لکھنؤ
۵۳	عربی ادب کی تاریخ	ڈاکٹر عبد الحلیم ندوی	۱۹۸۹ء	ترقی اردو بیورو، دہلی
	(ف)			
۵۴	فتاویٰ مصطفویہ	حضرت نوری بریلوی		رضا اکیڈمی، ممبئی
۵۵	فن شاعری	علامہ اخلاق حسین دہلوی	۲۰۰۴ء	کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی
	(ق)			
۵۶	قبالۂ بخشش	مولانا جمیل الرحمن بریلوی	۲۰۰۴ء	آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء، مالیگاؤں
	(ک)			
۵۷	کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	امام احمد رضا بریلوی		رضا اکیڈمی، ممبئی
۵۸	کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی		اختر رضا بکڈپو، بریلی
۵۹	کلیات جگر	جگر مرادآبادی		فرید بکڈپو، دہلی
	(ل)			
۶۰	لکھنؤ کا دبستان شاعری	ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی		
	(م)			
۶۱	مکاشفۃ القلوب	امام غزالی		رضوی کتاب گھر، دہلی
۶۲	مدحت	ابرار کرتپوری		مرکز علم ودانش، دہلی
۶۳	میں اور ادب	ابن فرید		اسرار کریمی پریس، الہ آباد
۶۴	مطالعۂ ولی	ڈاکٹر شارب ردولوی	۱۹۷۲ء	نصرت پبلشرز، لکھنؤ
۶۵	مثنوی کدم راؤ پدم راؤ	ڈاکٹر جمیل جالبی	۱۹۷۹ء	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی
۶۶	مقدمہ تاریخ زبان اردو	ڈاکٹر مسعود حسین خان	۱۹۵۸ء	سرسید بکڈپو، علی گڑھ
۶۷	مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر سراج احمد بستوی	۱۹۹۷ء	کانپور یونیورسٹی، کانپور

۶۸	مفتیِ اعظم ہند	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	۱۹۸۱ء	اختر رضا بکڈپو، بریلی
۶۹	مفتیِ اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں	مفتی محمد شریف الحق امجدی رضوی		رضا اکیڈمی، ممبئی
۷۰	مفتیِ اعظم، مفتیِ اعظم کیوں؟	مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی	۲۰۰۲ء	رضا دارالمطالعہ، پوکھریرا، بہار
۷۱	محدثِ اعظمِ پاکستان	مولانا جلال الدین		مکتبہ قادریہ، لاہور
۷۲	مولانا سردار احمد چشتی قادری	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی	۱۹۹۹ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۷۳	مفتیِ اعظم اور انکے خلفا	مولانا محمد شہاب الدین رضوی	۱۹۹۰ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۷۴	مفتیِ اعظم کے سیاسی افکار	مولانا محمد شہاب الدین رضوی	۱۹۹۸ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۷۵	مفتیِ اعظم اور تحریک انسداد شدھی	مولانا محمد شہاب الدین رضوی	۱۹۹۰ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۷۶	مدینے کی مٹھاس	مولانا محمد الیاس عطار قادری		مکتبۃ المدینہ، ممبئی
۷۷	مسائلِ سماع	حضرت نوریؔ بریلوی	۲۰۰۵ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
۷۸	مقتلِ کذب و کید	حضرت نوریؔ بریلوی	۲۰۰۵ء	رضا اکیڈمی، ممبئی
	(ن)			
۷۹	نعتیہ شاعری کا ارتقا	ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری	۱۹۸۸ء	فائن آفسیٹ ورکس، الہ آباد
۸۰	نعت کے چند شعرائے متقدمین	ڈاکٹر سید شمیم گوہر	۱۹۸۸ء	خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، الہ آباد
۸۱	نعتیہ روایت کا عروج و ارتقا	ڈاکٹر سراج احمد بستوی	۲۰۰۲ء	رضوی کتاب گھر، دہلی
۸۲	نعت اور آدابِ نعت	مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی		
۸۳	نسیم البلاغت	جلال الدین جعفری		لکھنؤ
۸۴	نوائے سادات	جابر احمد اشرفی		جمعیۃ الاشرف اسٹوڈنٹس موومنٹ، کچھوچھہ
۸۵	نوری برسات	محمد عارف رضوی		ناز بک ڈپو، ممبئی

	(و)			
۸۶	وقعات السنان	حضرت نوری بریلوی	۲۰۰۵ء	رضا اکیڈمی، ممبئی

رسائل وجرائد

نمبر شمار	نام رسائل	مقام اشاعت	ماہ	سن اشاعت
۱	المیزان (امام احمد رضا نمبر)	ممبئی	اپریل تا جون	۱۹۷۶ء
۲	حجاز جدید (مفتیِ اعظم نمبر)	دہلی	ستمبر، اکتوبر	۱۹۹۰ء
۳	استقامت (مفتیِ اعظم نمبر)	کانپور	مئی	۱۹۸۳ء
۴	اعلیٰ حضرت (مفتیِ اعظم نمبر)	بریلی	ستمبر، نومبر	۱۹۹۰ء
۵	یٰسٓ (مفتیِ اعظم نمبر)	کانپور	جنوری، فروری	۱۹۹۲ء
۶	پندرہ روزہ رفاقت (مفتیِ اعظم نمبر)	پٹنہ	۱۵ دسمبر	۱۹۸۵ء
۷	اعلیٰ حضرت (عالمی مفتیِ اعظم وریحانِ ملت نمبر)	بریلی	اگست	۱۹۹۸ء
۸	نوری کرن (محدث اعظم پاکستان نمبر)	بریلی	مارچ، اپریل	۱۹۶۳ء
۹	گلبن (نعت نمبر)	احمد آباد	جنوری تا اپریل	۱۹۹۹ء
۱۰	نقوش (رسول نمبر ج ۱۰)	ادارۂ فروغ اردو، لاہور	جنوری	۱۹۸۴ء
۱۱	اوج (نعت نمبر ج ۲)	گورنمنٹ کالج شاہدرہ، لاہور		۱۹۹۲-۹۳ء
۱۲	حمد و نعت	کراچی	جولائی	۱۹۸۱ء
۱۳	شاعر	ممبئی	شمارہ ۴	۱۹۶۶ء
۱۴	اشرفیہ	مبارک پور	ستمبر	۲۰۰۰ء
۱۵	علی گڑھ میگزین	علی گڑھ	-------	۱۹۷۶-۷۷ء
۱۶	افکار رضا	ممبئی	اپریل تا جون	۲۰۰۰ء
۱۷	اعلیٰ حضرت	بریلی	دسمبر	۱۹۹۰ء

۱۸	اعلیٰ حضرت	بریلی	نومبر تا فروری	۹۳-۱۹۹۴ء
۱۹	اعلیٰ حضرت	بریلی	اپریل	۱۹۹۵ء
۲۰	اعلیٰ حضرت	بریلی	جولائی تا اکتوبر	۱۹۹۵ء
۲۱	اعلیٰ حضرت	بریلی	جنوری تا مارچ	۱۹۹۶ء
۲۲	اعلیٰ حضرت	بریلی	جولائی	۱۹۹۹ء
۲۳	اعلیٰ حضرت	بریلی	مارچ	۲۰۰۰ء
۲۴	نوائے ادب	ممبئی	مارچ	۱۹۷۶ء
۲۵	یادگار رضا	ممبئی	--------	۱۹۹۵ء
۲۶	یادگار رضا	ممبئی	--------	۲۰۰۴ء
۲۷	یادگار رضا	ممبئی	--------	۲۰۰۵ء
۲۸	یادگار رضا	ممبئی	--------	۲۰۰۶ء
۲۹	یادگار رضا	ممبئی	--------	۲۰۰۷ء
۳۰	یادگار رضا	ممبئی	--------	۲۰۰۸ء
۳۱	یادگار رضا	ممبئی	--------	۲۰۰۹ء
۳۲	افکار رضا	ممبئی	جولائی تا ستمبر	۱۹۹۷ء

لغات

نمبر شمار	نام	مصنف/مرتب	مطبع
۱	المنجد		مرکزی ادارہ دینیات، دہلی
۲	تاج العروس جلد اول	ابن زبیدی	المطبعۃ الخیریۃ المنشاۃ بجمالیہ، مصر
۳	فرہنگ آصفیہ	خانصاحب مولوی سید احمد دہلوی	نیشنل اکاڈمی دہلی
۴	فرہنگ ادبیات	سلیم شہزاد	منظر نما پبلشرز، مالیگاؤں
۵	فیروز اللغات	مولوی فیروز الدین	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی
۶	لغات کشوری	مولوی تصدق حسین رضوی	دار الاشاعت کراچی

۷	معجم العربیہ	ولیم ٹامسن ورتے	لاہور
۸	لسان العرب	ابن منظور	دار لسان عرب
۹	مصباح اللغات	مولوی عبدالحفیظ بلیاوی	ایچ، ایم سعید اینڈ کمپنی، لاہور
۱۰	غیاث اللغات	غیاث الدین	رزاق پریس، کان پور
۱۱	لغات فارسی	---------------	پبلشر لالہ رام نرائن لال بینی مادھو، الہ آباد
۱۲	نور اللغات	مولوی نور الحسن نیر کاکوروی	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

{............}